اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

(حدیث النبیؐ)

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی بھی تم پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے

صوبہ بہار

کے

اصحابِ احمد

مرتبہ

ڈاکٹر سیّد شہاب احمد، کینیڈا

لا إله إلا الله محمد رسول الله

صوبہ بہار

کے

اصحاب احمد

مؤلف

ڈاکٹر سیّد شہاب احمد، کینیڈا

خانہ کعبہ
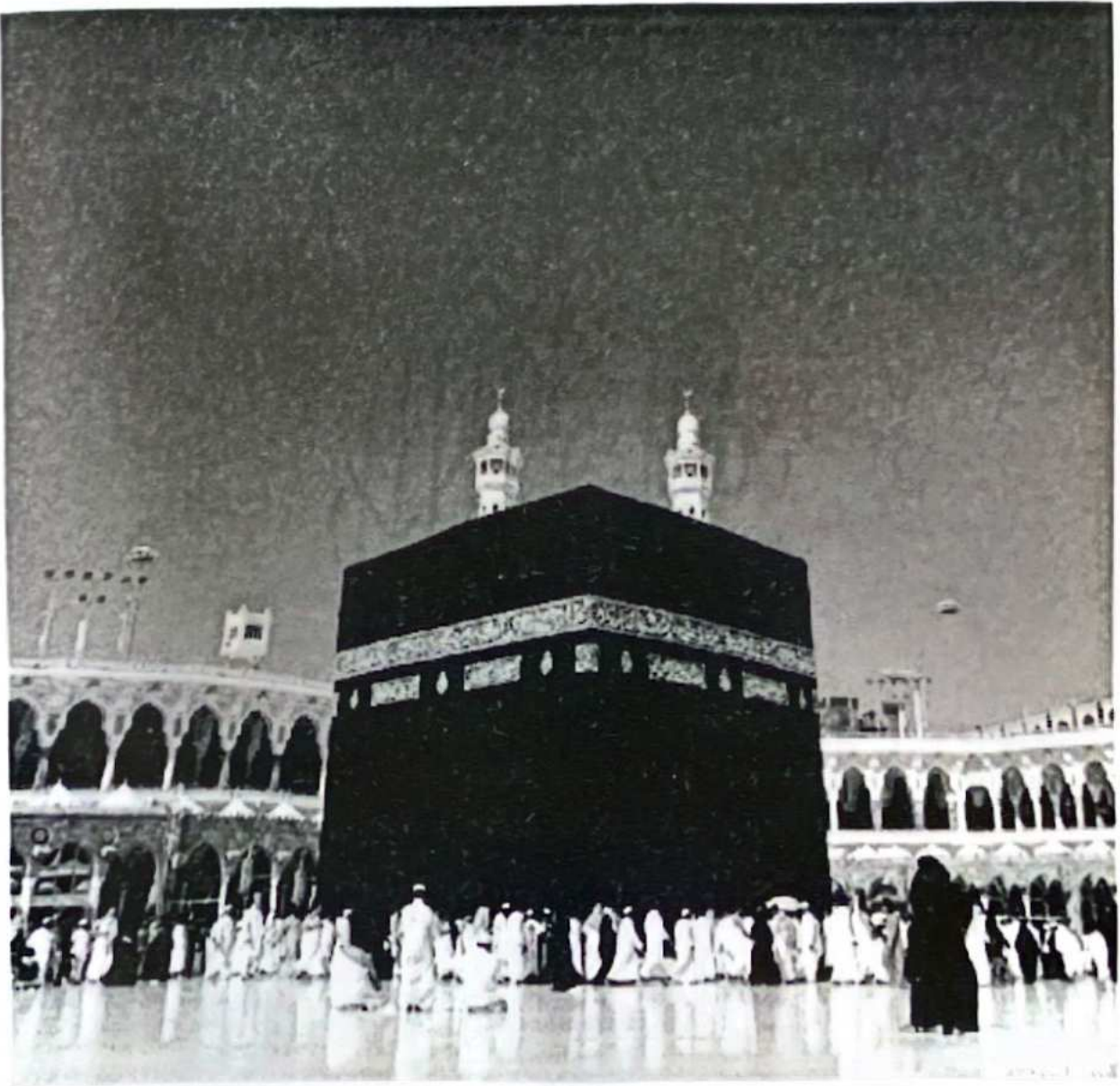
نام کتاب: بہار کے اصحاب احمد

مؤلف: ڈاکٹر سید شہاب احمد۔ کینیڈا

معاون: ڈاکٹر سید یوسف احمد۔ کینیڈا

کمپیوٹر ورک: سدرا احمد۔ کینیڈا

ناشر: منور احمد نوری۔ لندن

مقام اشاعت: انڈیا

سال اشاعت: اپریل 2018ء

تعداد: 400

شبیہ مبارک سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام
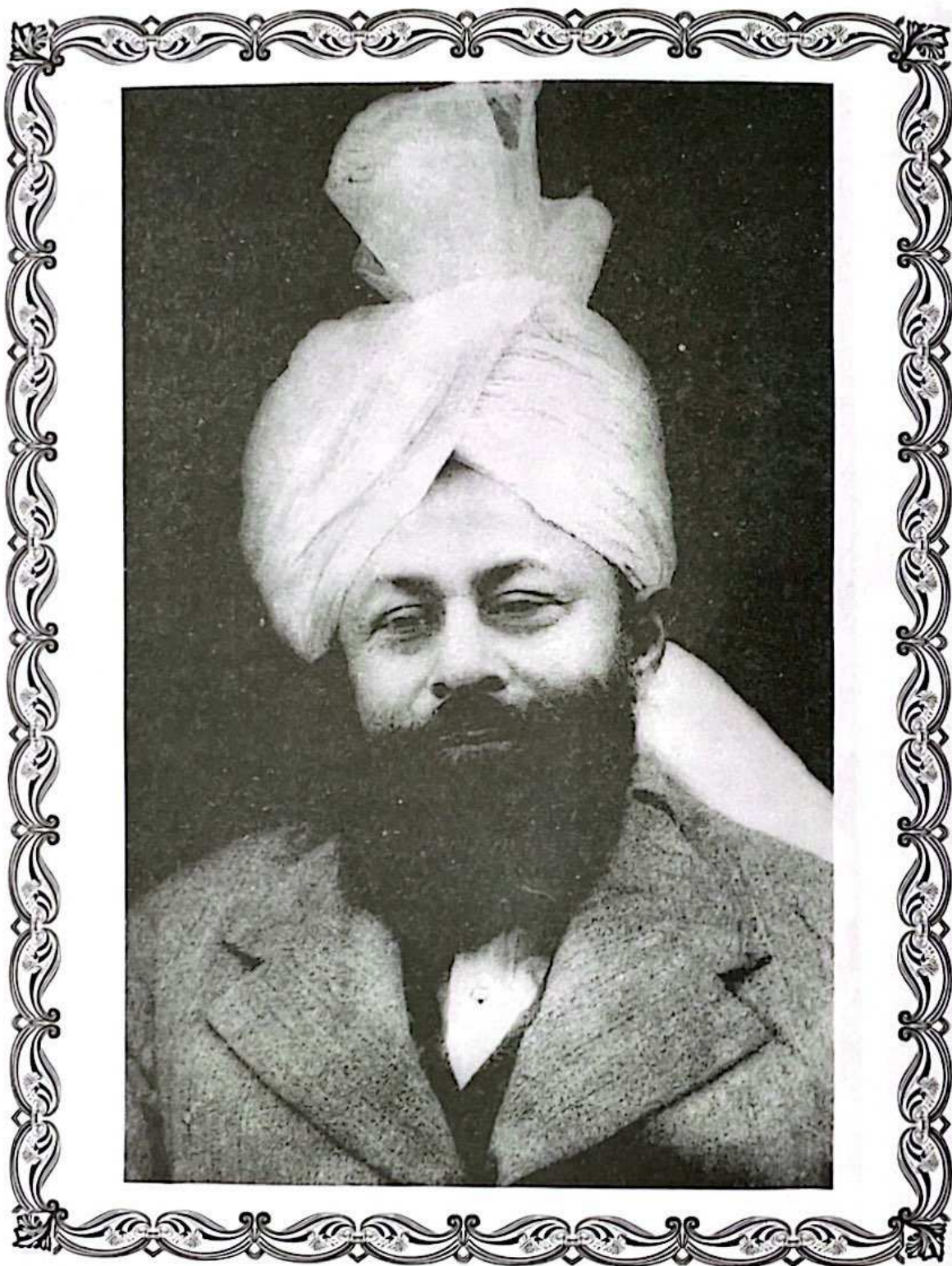
حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ
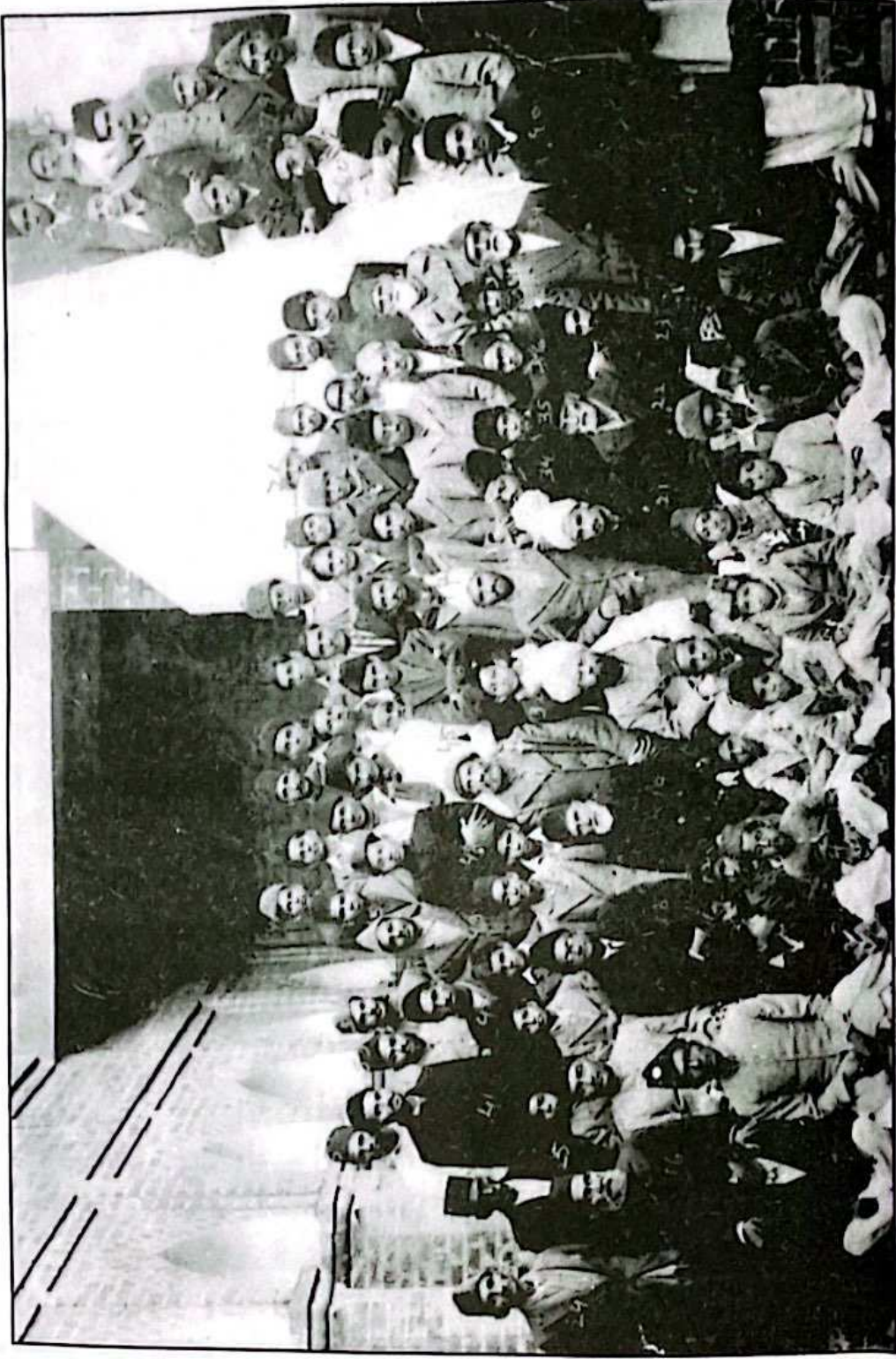
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ جنوری 1947ء کو قصر خلافت قادیان کے سامنے بہار کے احمدی احباب کی ایک یادگار تصویر (احباب کے اسماء ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ خاکسار سیّد شہاب احمد

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ خاکسار سید شہاب احمد

(دائیں سے بائیں) مبارک احمد، سید شہاب احمد، سیدنا حضور انور، حارث احمد، خالد احمد

جلسہ سالانہ یوکے 2016ء میں لی گئی ایک یادگار تصویر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

لندن

Z-25/05/16

مکرم سید محمد شہاب احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس میں آپ نے لکھا ہے کہ آپ ایک کتاب ''بہار کے اصحاب احمد'' کے نام سے تصنیف کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کوشش میں برکت دے۔ اللہ آپ کی نواسی کو صحت دے اور آپ سب کا ہر آن حامی وناصر ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار

[signature]

خلیفۃ المسیح الخامس

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful

WAKALAT-E-TASNEEF

ISLAMABAD, 2 Sheephatch Lane, Tilford, Farnham, Surrey, GU10 2AQ, UK
Unit 3, Bourne Mill Business Park, Guildford Road, Farnham, Surrey UK GU9 9PS
Office: +44 (0) 1252 891334 Fax: +44 (0) 1252 266537 Email: avtmds@gmail.com

Ref. AVT-11824 Date:13-03-2018

مکرم و محترم ڈاکٹر شہاب احمد صاحب۔ کینیڈا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

آپ کی کتاب 'صوبہ بہار کے اصحاب احمد' کے تعلق سے مکرم وکیل صاحب تعمیل و تنفیذ نے مکرم ناظر صاحب نشر واشاعت قادیان کی رپورٹ بھجوائی ہے جس کی روشنی میں آپ کو اس کتاب کی طباعت کی اجازت دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی طباعت ہر لحاظ سے مفید و بابرکت فرمائے۔ آمین۔ طباعت کے بعد کتاب کے دو نسخے بغرض ریکارڈ بھجوادیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

والسلام

خاکسار

[signature]

ایڈیشنل وکیل التصنیف

نقل: مکرم و محترم وکیل صاحب تعمیل وتنفیذ (انڈیا۔ نیپال۔ بھوٹان)
مکرم و محترم امیر صاحب جماعت کینیڈا

انتساب

میں اس کتاب کو اپنے نانا جان مکرم حضرت سید ارادت حسین صاحب ؓ اور آپ کے چھوٹے بھائی مکرم حضرت سید وزارت حسین صاحب ؓ کے نام کرتا ہوں جنہوں نے ابتدائی عمر میں امام الزمان سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اور جن کی بدولت ہمارے خاندان اور ہمارے صوبہ بہار میں احمدیت کا نور پھیلا، ظلمتیں چھٹ گئیں اور خدا تعالیٰ نے اپنی رحمانیت سے احمدیت کی نعمت ہمیں عطا فرمائی۔ ان دو بزرگوں کا احسان ہمارے سب عزیز و اقارب اور آئندہ آنے والی نسلوں پر ہے جس سے ہم کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

میری زندگی کی یہ ناچیز اور حقیر کوشش کا ثمرہ میری والدہ محترمہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہ ؓ کی مرحون منت ہے جو آج خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکی ہیں لیکن آپ کی دعائیں ہمیشہ میرے لئے مشعل راہ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین

بہار کے اصحاب احمد۔ دستی بیعت کے لحاظ سے

نمبر شمار	نام	تاریخ بیعت
1	حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ	1894ء
2	حضرت سید وزارت حسین صاحب	1901ء کے شروع میں
3	حضرت ڈاکٹر ملک الٰہی بخش صاحبؓ	1902ء
4	حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ	1902ء
5	حضرت ملک بشیر احمد صاحبؓ	1902ء
6	حضرت ڈاکٹر ملک محمد اسماعیل صاحبؓ	پیدائشی صحابی
7	حضرت محمد رفیق صاحبؓ	8 نومبر 1902ء
8	حضرت محمد کریم صاحبؓ	8 نومبر 1902ء
9	حضرت سید ارادت حسین صاحبؓ	جنوری یا فروری 1903ء
10	حضرت سیدہ رؤف النساء صاحبہؓ	جنوری یا فروری 1903ء
11	حضرت سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ	جنوری یا فروری 1903ء
12	حضرت سیدہ صالحہ بیگم صاحبہؓ	جنوری یا فروری 1903ء
13	حضرت پروفیسر عبدالقادر صاحبؓ	اپریل 1903ء
14	حضرت سید محمود عالم صاحبؓ	1903ء
15	حضرت بشیر الدین صاحبؓ	1905ء
16	حضرت شیخ عبدالحق صاحبؓ	13 اگست 1905ء
17	حضرت محمد سلیمان صاحبؓ	1907ء سے قبل
18	حضرت پروفیسر علی احمد صاحبؓ	1908ء کے شروع میں
19	حضرت سید محبوب عالم صاحب۔ؓ	نامعلوم

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

مذہب کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ دنیا میں جب بھی گمراہی یا ضلالت کا غلبہ ہوا تو رحمٰن خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم کرتے ہوئے ان کی اصلاح کے لئے نبی ورسول کو مبعوث فرمایا۔ان انبیاء کرام کا اولین فرض ہمیشہ یہی تھا کہ وہ انسانوں کو گناہ اور تاریکی سے نکال کر انہیں روشنی اور ہدایت اور پاک زندگی عطا کریں۔نیز مخلوق کا اپنے خالق سے رشتہ مضبوط سے مضبوط تر کریں۔

تیرھویں صدی ہجری میں دنیا کی حالت بد سے بدتر ہو چکی تھی۔مخلوق اپنے خالق سے بہت دور ہو چکی تھی۔ایمان ثریا پر جا چکا تھا جس کا واپس آنا ضروری تھا۔کیا مسلمان کیا عیسائی کیا ہندو نیز دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنے اپنے صحیفہ کے مطابق ایک موعود کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور بدست دُعا تھے کہ وہ موعود جلد ظاہر ہو۔اس زمانہ کے اخبارات اس قسم کی خبروں سے بھرے پڑے ہیں جن کے نقل کی یہاں گنجائش نہیں۔

ارحم الراحمین خدا تعالیٰ نے حسب سابق ایک مصلح کو مبعوث فرمایا۔جن کا اسم شریف سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام ہے۔آپ نے اعلان فرمایا کہ دنیا جس موعود کا انتظار کر رہی ہے وہ میں ہی ہوں ۔ میں مسلمانوں کے لئے مہدی عیسائیوں کے لئے مسیح اور ہندوؤں کے لئے کرشن اوتارر کے مثیل کے روپ میں ظاہر ہوا ہوں۔ نیز دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لئے اُن کا موعود ہوں اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو متحد کرنا چاہتا ہے۔آپ نے اللہ تعالیٰ کے اذن کے مطابق 23 مارچ 1889ء کے دن احمدیہ مسلم جماعت کی بنیاد بمقام لدھیانہ رکھی۔

آپ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ میرا مذہب اسلام ہے۔جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ مذہب ہے۔ میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور قرآن شریف آخری شرعی کتاب ہے۔اس بات پر میرا ایمان ہے۔آپ نے فرمایا کہ:

’’یہ زمانہ جس میں ہم ہیں یہ وہی زمانہ ہے جس میں دشمنوں کی طرف سے ہر یک قسم کی بدزبانی کمال کو پہنچ گئی ہے اور بدگوئی اور عیب گیری اور افترا پردازی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اب اس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور ساتھ اس کے

مسلمانوں کی اندرونی حالت بھی نہایت خطرناک ہوگئی ہے صدہا بدعات اور انواع واقسام کے شرک اور الحاد اور انکار ظہور میں آ رہے ہیں۔ اس لئے قطعی اور یقینی طور پر اب یہ وہی زمانہ ہے جس میں پیشگوئی مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ کے مطابق عظیم الشان مصلح پیدا ہو۔ سوالحمدللہ کہ وہ مَیں ہوں۔"

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 453 حاشیہ)

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ

"مَیں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصّہ پایا ہے۔ جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر مَیں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو مَیں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا اور مَیں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن 22 صفحہ 59)

"اِس تاریکی کے زمانہ کا نور مَیں ہی ہوں۔ جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں۔ مجھے اس نے بھیجا ہے کہ تا مَیں امن اور حلم کے ساتھ دنیا کو سچے خدا کی طرف رہبری کروں اور اسلام میں اخلاقی حالتوں کو دوبارہ قائم کردوں۔"

(مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 13)

آپ نے دنیا کے سامنے اعلان فرمایا کہ:

"میں بیت اللہ میں کھڑے ہوکر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی۔ اس طرح پر میرے لئے آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفۃ اللہ ہوں۔"

(ایک غلطی کا ازالہ، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 210 مطبوعہ 1984ء لندن)

اس اعلان نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ سعید انسانوں نے اس اعلان پر لبیک کہتے ہوئے

آپ کی بیعت کی اور احمدیہ مسلم جماعت میں شامل ہوئے جب کہ بد بخت اور شقی القلب انسانوں نے اس آواز کی مخالفت کی اور اسے دبانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ ''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤنگا۔'' کے مطابق اس آواز کو دنیا کے 210 ملکوں میں پہنچادیا۔ اور ہر لمحہ احمدیہ مسلم جماعت ترقی کی نئی منزلیں طئے کر رہی ہے۔

امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی اس آواز پر سعید روحوں نے لبیک کہا اور دور دراز سے آپ پر ایمان لانے کے لئے قادیان دار الامان کی مقدس بستی کی طرف گامزن ہوئے۔ قادیان، پنجاب سے مشرقی جانب صوبہ بہار موجود ہے جو اُس وقت متحد بنگال کا حصہ تھا۔ امام الزمان کی اس آواز کے نتیجہ میں صوبہ بہار سے 15 سے زائد خوش نصیب احباب کو آپ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان خوش نصیبوں میں پہلا نام مکرم ومحترم مولانا حسن علی صاحبؓ کا ہے۔ آپ کو صوبہ بہار میں پہلا احمدی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آپ 313 اصحاب صدق وصفا میں بھی شامل ہیں۔ دوسرے نمبر پر یہ سعادت مکرم سید وزارت حسین صاحبؓ اورین کے حصہ میں آئی۔ بعدہ مکرم ڈاکٹر الٰہی بخش صاحبؓ، مکرم محمد رفیق صاحبؓ، مکرم کریم صاحبؓ، مکرم سید ارادت حسین صاحبؓ، مکرمہ رؤف النساء صاحبہؓ، مکرم پروفیسر عبد القادر صاحبؓ، مکرم سید محمود عالم صاحبؓ، مکرم سید محبوب عالم صاحبؓ، وغیرہ کو امام الزمان کے قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے کہ میرے چھوٹے نانا سید وزارت حسین صاحبؓ اور نانا سید ارادت حسین صاحبؓ کے ذریعہ ہمارے خاندان یعنی سید خاندان میں اس زمانہ کی سب سے بڑی نعمت احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا نفوذ 1901ء میں ہوا۔ یہ ان بزرگوں کا وہ احسان ہے جس کا شکر یہ ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ اگر یہ بزرگوار احمدیت کی ابتدا میں جب صوبہ بہار میں شاید ہی کوئی احمدی ہو، امام الزمان حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت نہ کرتے تو آج ہمارا خاندان بھی گمراہی اور ظلالت میں بھٹکتا ہوا نظر آتا۔ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قرب عطا کرے جس طرح اس دنیا میں عطا کیا۔ سید خاندان میں احمدیت کیسے پھلتی پھولتی رہی یہ قلم بند کرنا تو ان بزرگوں کا ہی کام تھا۔ حضرت سید ارادت حسین

صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا یا نہیں اس کا مجھے کوئی علم نہیں اگر وہ یہ عظیم کام کرتے تو بھی اپنے وصال کے سال یعنی 1931ء تک ہی کرتے۔ سید وزارت حسین صاحبؓ نے اس موضوع پر ایک مضمون بعنوان ''ذکر حبیب'' لکھا ہے۔ جسے میں نے اس کتاب میں شامل کر دیا ہے لیکن یہ مضمون ابتدائی سالوں کے حالات پر مبنی ہے۔ ہمارے خاندان میں احمدیت کیسے نشونما پائی اس مضمون میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بہر حال یہ ایک مفید اور ایمان افروز مضمون ہے۔ محترم سید وزارت حسین صاحبؓ کا انتقال 1975ء میں ہوا۔

ان بزرگوں کے بعد میرے خاندان میں اس کام کے لائق مکرم سید غلام مصطفٰی صاحب (متوفی 1971ء) مکرم پروفیسر سید اختر احمد اورینوی صاحب (متوفی 1977ء) اور پروفیسر شاہ شکیل احمد صاحب (متوفی 1978ء) تھے۔ افسوس کہ کسی نہ کسی وجہ سے یہ بزرگ عالم اس اہم کام کو کر نہ سکے اب اس اہم ذمہ داری کو خاکسار نے اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ جن بزرگوں اور عالموں کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے ہر ایک شخص عاجز سے علم کے علاوہ قوت بیان میں بھی بہتر اور افضل تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان بزرگوں خصوصاً سید غلام مصطفٰی صاحب اور مکرم اختر اورینوی صاحب کو حضرت سید ارادت حسین صاحبؓ اور حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ کے ساتھ وقت گزارنے کا جتنا موقعہ ملا خاکسار اس سے محروم رہا۔ میرے نانا سید ارادت حسین صاحبؓ کا انتقال نومبر 1931ء میں ہوا اور میری پیدائش نومبر 1929ء کی ہے۔ میں تو انہیں دیکھ بھی نہ سکا یا اگر دیکھا بھی تو مجھے یاد نہیں۔ سید وزارت حسین صاحبؓ جو میرے نانا کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے علم اور ان کی صحبت سے میں مستفیض ہوا اور جو کچھ انہوں نے ہمیں بتلایا اُسے میں نے اس مضمون میں شامل کر دیا ہے۔ بہر حال اس اہم کام کو ان بزرگان میں سے کوئی کسی نہ کسی وجہ سے نہ کر سکا۔ ہوسکتا ہے کہ رحمٰن خدا جس نے اس عاصی کو بلا کسی وجہ سے اتنے افضال اور نعمتوں سے نوازا وہ اس عاجز کو اس کار خیر کا ثواب دینا چاہتا ہو۔ اسی بنا پر میں نے اس مضمون کو لکھا ہے۔

صوبہ بہار میں صرف بھاگلپور، گیا اور مونگھیر کے اضلاع کو یہ فخر حاصل ہوا کہ وہاں کے افراد نے امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر دستی بیعت کی۔ اس کتاب میں خاکسار نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ صوبہ بہار کے تمام اصحاب احمد وصحابیات اسی طرح اُن کے خاندانوں کا ذکر خیر کرے۔ تا آئندہ آنے والی نسلیں ان بزرگان کے حالات سے واقف ہوں اور اُن کے ایمانوں میں

اضافہ ہو۔خاکسار اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہے اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں بہت سارے احباب نے تعاون کیا۔جن کا میں شکر گزار ہوں۔خصوصاً مکرم شیخ مجاہد احمد شاستری صاحب قادیان، انڈیا کا خاکسار شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔آپ نے قدم قدم پر خاکسار کی مدد و رہنمائی فرمائی۔اور کئی نایاب مسودے تلاش کئے اور بہار کے صحابہ کرام کے حالات کی تکمیل کا مواد مہیا کیا۔نیز کتاب کی تیاری میں مسلسل کئی سال تک خاکسار کی مدد اور رہنمائی کی۔

اسی طرح حافظ مظفر احمد صاحب ربوہ پاکستان اور مکرم غلام مصباح الدین صاحب بلوچ پروفیسر جامعہ احمدیہ کینیڈا نے بھی انتہائی قیمتی مواد فراہم کئے جس سے اس کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا۔

پھر عزیزہ حامدہ صاحبہ نے اپنے والد پروفیسر محمد صاحب اور اپنے خاندان کے حالات اور تصاویر فراہم کیں۔میری بھتیجی عزیزہ طلعت صاحبہ بھاگلپور نے نایاب مواد اور تصاویر بھیجی۔برادرم مکرم موسیٰ اسماعیل صاحب اور عزیزم داؤد اسماعیل صاحب نے مکرم میجر محمد صاحب اور اُن کے خاندان کے حالات اور تصاویر مہیا کیں۔عزیزہ مبارکہ نے بھی اس سلسلہ میں بہت مدد کی۔پھر مکرم برادرم ضیاء الدین ملک صاحب نے اپنے دادا مکرم ڈاکٹر الٰہی بخش صاحبؓ اور اُن کے خاندان کے حالات اور تصاویر فراہم کر کے دیں۔برادرم مکرم منور نوری احمد صاحب نے اپنے والد مکرم حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری کے تفصیلی حالات اور اُن کی تصاویر براہ راست قادیان بھیج کر ہمیں محنت سے بچالیا۔

نیز محترمہ عمامہ صاحبہ بنت مکرم پروفیسر عبدالقادر صاحبؓ اور اُن کی بہو مکرمہ سمرین صاحبہ نے حضرت مولانا عبدالماجد صاحب اور اُن کے خاندان کے حالات کے ساتھ تصاویر بھی بھیجی۔مکرم ڈاکٹر مسلم بن عقیل صاحب نے بھی اپنے خاندان کے متعلق مواد فراہم کیا۔مکرم ڈاکٹر سید آفتاب صاحب آف امریکہ اور مکرم ڈاکٹر ممتاز احمد صاحب اور مکرم ڈاکٹر خالد احمد صاحب آف انگلینڈ ابھی خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔مکرم ڈاکٹر ممتاز احمد صاحب نے اپنے والد محترم عبدالقیوم صاحب کے حالات اور تصویر مہیا کی۔اللہ تعالیٰ سبھوں کو جزائے خیر عطا کرے۔

اسی طرح میرے خالہ زاد بھائی مکرم ڈاکٹر سید یوسف احمد صاحب مقیم کینیڈا نے شروع سے آخر تک نہ صرف مواد اور نادر تصاویر مہیا کیں بلکہ پروف ریڈنگ کے مشکل کام کو بھی سرانجام دیا اور میرا ہاتھ بٹایا۔

میری بھتیجی عزیزہ کوثر صاحبہ نے اپنے والدمکرم سید وسیم احمد صاحب کی تصویر مہیا کی۔ میرے ایک دوست نصر اللہ صاحب نے اس ضمن میں ایک انتہائی مفید کتاب'' نگینے لوگ'' فراہم کی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

پھر میری کسی تحریک کے بغیر میرے بھائیوں بھتیجوں اور بھتیجیوں نے کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں میری مالی مدد کی اور مجھے اس طرف سے سبک دوش کیا۔

اس کے علاوہ خاکسار اُن تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اپنے بزرگان کے کوائف خاکسار کو دئے اور کسی بھی رنگ میں تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ خاکسار کی اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے۔

خاکسار

سید شہاب احمد۔ ایڈمنٹن۔ کینڈا

اپریل 2018ء

سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خط

مکرم شہاب صاحب

السلام علیکم ورحمہ اللہ برکاتہ

آپ کا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قلمی کوششوں کے بابرکت نتائج پیدا فرمائے۔ دعاؤں پر زور دیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے سب اہل خانہ کو دین و دنیا کی بہترین برکات و حسنات کا وارث بنائے اور ہر آن آپ کی نصرت فرماتا چلا جائے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اپنے فضل و رحم سے نوازتا رہے۔ آمین

والسلام

خاکسار

خلیفۃ المسیح الخامس

اس دعا کا اثر ہے کہ یہ کتاب میرے وہم وگمان سے بھی آگے بڑھ گئی۔ ورنہ من آنم کی من دانم۔

حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مختصر تعارف

حضرت مولانا حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوبہ بہار کے پہلے صحابی ہیں۔آپ کا شمار امام الزماں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔آپ کے ذریعہ احمدیت کا نور صوبہ بہار میں پھیلا۔اپنے تفصیلی سوانح حیات آپ نے اپنی کتاب "تائید حق" میں بیان کئے ہیں۔ جس پر مزید تحقیقی کام محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مرحوم نے اپنی کتاب اصحاب احمد جلد 14 میں کیا ہے۔ یہاں پر آپ کے مختصر حالت زندگی اصحاب احمد جلد 14 صفحہ 8 تا 11 سے درج کئے جا رہے ہیں۔

حضرت مولانا حسن علی صاحب ولد محمد علی صاحب (ولادت ۲۲/اکتوبر 1852ء بمقام بھاگل پور۔ وفات فروری 1896ء) فطرتاً بہت ذہین تھے۔آپ نے عربی، فارسی اور اردو سیکھی۔ بوجہ مذہبی رجحان ایف۔اے سے تعلیم ترک کردی اور مذہبی تحقیقات میں سرگرداں رہے۔ پھر پٹنہ میں نارمل سکول کے ہیڈ ماسٹر متعین رہے۔آپ کو ہندی اور بنگلہ زبانوں میں بھی مہارت حاصل تھی۔ کچھ عرصہ "بہار بندھو" وغیرہ اخبارات کے ایڈیٹر رہے۔آپ بلند پایہ مصنّف بھی تھے۔

ایک درویش صفت بزرگ سے مذاکرات سے آپ کے قلب صافی نے جلا پایا اور آپ اسلام پر پوری طرح عامل ہو گئے۔آپ رفاہِ عام کے کاموں میں شرکت کرتے تھے۔ پٹنہ کے رفاہِ عام سے متعلق ہر جلسہ میں آپ کی تقریر ہوتی تھی۔ مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کیلئے آپ نے بے حد جدوجہد کی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو خادم المسلمین کے خطاب سے نوازا۔اور ہدایت خداوندی کی تعمیل میں آپ نے مدرسہ کی ہیڈ ماسٹری اور دیگر دنیوی مشاغل 1886ء میں ترک کر دیئے۔تا بقیہ عمر بطور واعظِ اسلام ہندوستان بھر میں وعظ کرتے ہوئے اور ایک رسالہ نور الاسلام جاری کر کے بسر کریں۔قوم سے آپ کو "شمس الواعظین" کا لقب عطا ہوا۔اور سات سال تک ہندوستان کے طول و عرض میں آپ نے وعظ کا سلسلہ جاری رکھا۔ انگریز گورنر مدراس نے ایک ایسے جلسہ کی صدارت کی۔ کئی سو ہنود نے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔اور دو ہزار سے زائد مسلم طلباء نے آپ کے ذریعہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کی۔ متعدد اسلامی مدارس اور

یتیم خانے قائم کئے اور غیر معمولی نصرتِ الٰہی آپ کے شاملِ حال رہی۔ بعض افراد آپ کو مجدّد خیال کرتے تھے۔ انجمن حمایتِ اسلام حیدر آباد نے قرار دیا کہ بطور مبلغِ اسلام انگلستان بھجوایا جانے کے لائق ہیں اور اس کیلئے ہزاروں روپیہ جمع ہوا۔ لیکن وہاں کے ایک نومسلم کے منشاء کے مطابق آپ کو بھجوایا جانا ملتوی ہوا۔

بطور واعظ کام شروع کرنے پر آپ نے معقول ماہوار آمد ترک کرنا تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صالحہ رفیقۂ حیات عطا کی تھی کہ جس نے اس نیک کام کی خاطر ہر عُسر و تنگی کو برداشت کرنے کا یقین دلایا۔ ابتداء میں بہت تنگی ہوئی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی کے سامان پیدا ہوگئے۔

آپ کی شدید تمنا تھی کہ کسی شیخ کامل کے ذریعہ روحانی برکات پائیں۔ چنانچہ آپ نے ایک بزرگ کی بیعت کی اور ساتھ ہی آپ کو اس بزرگ کا خلافت نامہ بھی عطا ہوا۔ 1893ء میں بمقام لاہور انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ کی ملاقات علّامۂ دہر حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح اوّل ؓ) سے ہوئی۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ ذکر کیا کہ ایک گناہ تھا، جس کو میں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ گیا بلکہ اس سے نفرت ہوگئی۔ اس بیان سے حضرت مولوی حسن علی صاحب بہت متاثر ہوئے۔ مگر ان کی ترغیب کے باوجود اس بار آپ قادیان نہیں گئے۔ بعدہٗ مدراس کے حضرت سیٹھ عبدالرحمن صاحب نے آپ کو آمادہ کیا کہ حضرت مرزا صاحب کو دیکھیں اور بتائیں، آیا وہ صادق ہیں۔ اس پر دونوں ۲؍جنوری 1894ء کو قادیان پہنچے۔ سیٹھ صاحب تو اوّلین ملاقات میں ہی حضور کے ہزار جان عاشق ہوگئے۔ مولوی حسن علی صاحب قبل ازیں قادیان میں 1887ء میں حضور سے ملاقات کر چکے تھے۔ لیکن اب آپ نے حضور کو سرتاپا نور پایا اور حضور کی تصانیف کا مطالعہ بھی کیا اور اس یقین پر پہنچ گئے کہ حضور ہی مجدّدِ زمان ہیں۔ جن کی تلاش تھی۔ چنانچہ آپ نے ۱۱؍جنوری 1894ء کو بیعت کر لی۔ انجامِ آتھم میں تین سو تیرہ صحابہ میں آپ کا نام مرقوم ہے۔ اور حضور نے آپ کو انگلستان میں بطور مبلغ و مجاہد بھجوانے کے لائق سمجھتے ہوئے اپنی جماعت کو آپ کے ایک دو معاون اور رقم فراہم کرنے کی تلقین کی تھی اور آپ کو تقی، زکی اور برگزیدہ قرار دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور آپ 43 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ وفات کے قریب آپ نے تائیدِ احمدیت میں ایک کتاب تائیدِ حق تالیف کی تھی۔ جو اس وقت تک چار مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ اس کی علوِ شان اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے اس کا مطالعہ کیا۔ تو جب تک اسے ختم نہ کر لیا اس وقت تک سوئے

نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ آپ کو حضور علیہ السلام کیلئے شاہد قرار دیتے ہیں۔

حالات تعلیمی وخاندانی مولوی علی احمد صاحب کی زبانی

حضرت مولوی علی احمد صاحب ایم۔اے بھاگلپوری رضی اللہ عنہ نے اپنے حالات میں 1330 ہش (1951ء) میں ''بہار کی (اس) ایک بڑی مسلم شخصیت'' کے بارے میں رقم فرمایا:۔

''اس شخصیت سے میری مراد حضرت مولانا حسن علی صاحب رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ یہ بزرگ بھاگلپور شہر میں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے۔ جو جہالت، بے دینی اور بدعت، فسق وفجور و پابندیٔ رسومِ ہندوانہ میں خاص طور پر بدنام تھا۔ شاید حضرت نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر

گہ آری خلیلے زبُت خانہ
گہی آشنائے ز بے گانہ

اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ؎

شکر از نَے ، میوہ اَز چوب آوری
از زمینِ مُردہ بُتے خوب آوری

انہیں کے حق میں کہا تھا۔ بزرگ موصوف انٹرنس پاس کرنے کے بعد کلکتہ کے ایک کالج میں داخل ہوئے۔ ابھی فرسٹ ایر میں ہی تھے کہ بابو کیشب چندر سین کی جو کہ برہموسماج کے اوّلین رہنماؤں میں سے اور ایک لاثانی خطیب تھے۔ طلاقتِ لسانی اور خطابت کا غلغلہ بلند ہوا۔ مولانا حسن علی صاحب کو جو اس وقت آغاز شباب میں تھے، قدرت کی طرف سے سوچنے والا اور فکر کرنے والا اور فوراً حقیقت تک رسائی پا جانے والا دماغ عطا ہوا تھا۔ اور جن کو ان کے سکول کے ہیڈ ماسٹر جب کہ حضرت ابھی نیچی جماعتوں میں پڑھتے تھے۔ انسپکٹران سکول سے یہ کہہ کر ملاتے تھے کہ ایک عجوبۂ روزگار اور فلسفی لڑکا میرے سکول میں پڑھتا ہے۔ بابو صاحب موصوف کی آتشیں اور برق افشاں تقریروں سے بہت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ برہموسماج میں داخل ہوئے۔ اور تحصیلِ علم کے کام کو چھوڑ کر دن رات یادِ الٰہی میں مگن رہنے لگے۔ اسی حال میں ان کی دور اندیش والدہ نے ان کی شادی بھاگلپور بلا کر کردی۔ شادی کے بعد فکر معاش نے انہیں پٹنہ پہنچایا۔ وہاں نارمل ٹریننگ سکول کی ہیڈ ماسٹری کا معزز عہدہ انہیں مل گیا۔

''اس زمانہ میں دو درویش صفت رئیس یعنی قاضی سیّد رضا حسین صاحب مرحوم اور ''شمس العلماء'' سید محمد حسین صاحب مرحوم زندہ تھے اور ان کے ہاں قرآن مجید اور مثنوی مولانا روم کا روزانہ درس ہوا کرتا تھا۔ دورانِ درس میں اسلامی مسائل پر بحثیں ہوتی تھیں۔ اس درس میں مولانا ممدوح بھی باقاعدہ شریک ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر شکوک ان کے دل میں اسلام کے متعلق برہموسماج نے پیدا کر دیئے تھے، ایک ایک کر کے رفع ہو گئے۔ اور وہ صدق دل سے علی وجہ البصیرۃ، نہ تقلیدِ آباء کی بناء پر مسلمان ہو گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ایسے مسلمان ہونے کا کیا لطف ہے۔ کوشش کرنی چاہئے کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے۔ اور نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن جاویں۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دینے کی ٹھان لی۔ ہر چند ان کے خیر خواہوں نے انہیں اس سے روکا۔ لیکن وہ نہ رُکے پر نہ رُکے البتہ اپنی بیوی سے جن کی کفالت ان پر فرض تھی مشورہ کیا۔ بیوی بھی ایسی نیک خاتون تھیں کہ وہ اس بات پر راضی ہو گئیں اور مولانا نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی نوکری پر جو اس زمانہ کے پانچ چھ سو روپیہ کے برابر تھی اور جس میں آئندہ ترقی کی امیدیں تھیں، لات مار کر اور اپنی ساری دنیوی ترقیات کی امیدوں پر پانی پھیر کر استعفیٰ داخل کر دیا۔ اور درویشانہ زندگی اختیار کرتے ہوئے ایک واعظ و مبلغِ اسلام کا کام کرنے لگے۔''

اثمارِ خدمتِ اسلام و تائیداتِ ربِّ ذی الاکرام

''آپ نے جب بطور واعظ خدمتِ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ تو بظاہر یہ کام از حد کٹھن تھا۔ چنانچہ اخبار ''اپنچ'' بانکی پور نے ۳/اگست 1886ء کی اشاعت میں آپ کے عزم کا کہ ایک اس قسم کا رسالہ جاری کریں گے اور شہروں میں وعظ کہتے پھریں گے اور اس خاطر وہ دنیوی امور سے دستبردار ہو گئے ہیں، ذکر کر کے لکھا ہے۔:۔

''اس میں کیا شبہ ہے کہ ایک ایسے رسالہ اور خاص کر ایک ایسے واعظ کی ضرورت ہم مسلمانوں کو بدرجہ غایت ہے اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ خود منشی صاحب میں اس کام کے کرنے کی قابلیت کافی طور پر موجود ہے لیکن قومی خدمت کی یہ صورت بجائے خود کچھ ایسی مشکل اور بے ڈھب ہے کہ ہم سرِ دست اس کی نسبت اپنی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ خدا ہمارے منشی صاحب کو اس ارادہ میں استقلال بخشے اور ان کی کوششیں

خدا کرے استقلال کے ساتھ برابر کامیاب ہوتی رہیں۔ کوئی کام ہو.........اس کا شروع کر دینا ہی خوشی کی بات نہیں ہے بلکہ تحمل اور استقلال وخوش سلیقگی ومحنت و بے غرضی کے ساتھ شروع کریں گے اور جاری رکھیں گے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ استقلال وغیرہ کے متعلق اس اخبار کو کامل یقین نہ تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی یہ خدمات جلیلہ مثمر ثمرات حسنہ ہوئیں اور اللہ کے حضور آپ کی اور آپ کے اہلِ بیت کی عظیم قربانی اور توکّل علی اللہ مقبول ہوئے۔ چنانچہ حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری جن کی ولادت 1877ء کی ہے۔ آپ کے اس عرصۂ خدمت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:۔

''غالباً میں نویں یا دسویں جماعت میں تھا کہ حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض و برکاتِ صحبت سے متاثر ہو کر بعض نوجوان طلباء کالج اور ایک نوجوان شیعہ رئیسِ شہر نے ایک انجمن بنام ''انجمن تہذیب اسلام'' قائم کی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کو دینیات کا علم حاصل کرنے کا وقت اور موقعہ نہیں ملتا۔ اس لئے ہر ماہ میں دو مرتبہ شہر اور بیرونجات کے عالموں اور شیریں مقال واعظوں کو بلا کر جلسے کئے جائیں۔ جن میں یہ بزرگانِ دین وعظ فرمایا کریں اور دین و اسلامی علوم سے نوجوان مسلمانوں کو واقف کر کے ان کے دِل میں نورِ ایمان پیدا کریں۔ اور ان میں روحِ عمل پھونک کر اعمال صالحہ بجالانے پر انہیں آمادہ کریں۔ ان واعظوں کے وعظوں کو بانیانِ انجمن نے اس شرط سے مشروط کر دیا تھا کہ مختلف فرقہ ہائے اسلام میں جو مسائل مابہ النزاع اور باعث انشقاق وافتراق ہو سکیں، وہ نہ بیان کئے جائیں۔ بلکہ مختلف پیرایوں میں طلباء کو صلاح وتقویٰ اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے اور فرقہ ہائے اسلام میں اتحاد واتفاق و یک جہتی پیدا کرنے کی کوشش کریں تاکہ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ میں ایک متحدہ محاذ قائم کر کے اسلام کی غیر مسلموں میں تبلیغ کی جاسکے۔''

''انجمن تہذیب اسلام کے جلسے سالہائے دراز تک کبھی کالج ہال میں اور کبھی مسجد جامع میں ہوتے رہے۔ اور شہر کے مسلمان ان سے مستفید ہوتے رہے۔ ان جلسوں میں بیشتر علمائے شہر کے دو مشہور واعظ یعنی مولانا حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت مولانا عبدالماجد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خسر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی علیہما الصلوٰۃ والسلام نیز بہار کے دوسرے شہروں کے نامی علماء مثلاً مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی و مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری طوطیٔ ہند وغیرہ اور بیرون بہار کے علماء میں سے مولوی

امانت اللہ صاحب غازی پور اور مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب دہلوی صاحبِ تفسیر حقّانی اپنے اپنے مواعظ حسنہ سے ہم لوگوں کو مستفیض فرماتے رہے۔ چونکہ ہم طلباء میں زیادہ تر تعداد غریب لڑکوں کی تھی۔ جلسوں کے پوسٹر و ہینڈ بلز خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر جلسوں کا اعلان کیا کرتے تھے۔ بھاگلپور کے دولتمند مسلمانوں کو بالکل اس طرف توجہ نہیں تھی۔ اس لئے ان سے مالی امداد گویا بالکل نہیں ملتی تھی۔''

''تقریباً برِّ صغیر ہندوستان کے کُل مشہور شہروں نیز دیہاتوں کا انہوں نے دورہ کیا۔ جا بجا شہر بہ شہر انہوں نے مدرسے اور یتیم خانے قائم کئے۔ یتیموں کا اس قدر خیال انہیں رہتا تھا کہ ان کے احباب انہیں یتیموں کا باپ کہا کرتے تھے۔ سینکڑوں ہندو اُن کے ہاتھ پر اسلام لائے اور ہزاروں انگریزی یافتہ نوجوان جو الحاد و دہریت کی رَو میں بہہ رہے تھے، ان کے پُر تاثیر وعظوں کو سُن کر اسلام پر دلی استقامت کے ساتھ قائم ہو گئے۔''

حضرت سیّد وزارت حسین صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کا بھی حصہ معروف 'انجمن حمایتِ اسلام' لاہور کی بناء میں تھا۔ اور مونگھیر میں جو مدرسہ حمایتِ اسلام ہے وہ آپ ہی کی کوشش کا نتیجہ ہے اور اس کیلئے آپ نے اپنا مونگھیر کا دو منزلہ مکان ہبہ کر دیا تھا اور بعض اور مقامات پر بھی آپ نے اس نام کے مدارس کھلوائے تھے۔ اسی طرح احمدیت سے قبل ہی بھاگلپور کی فاحشہ عورتوں کے خاندانوں کی اصلاح کر کے آپ نے ان سے توبہ کرائی اور ان کی بچّیوں کی شادی کرا کے اُن کا یہ گھناؤنا کسب ختم کروا دیا تھا۔''

(اصحاب احمد جلد 14 صفحہ 22 تا 24)

استجابتِ دعا

حضرت مولوی صاحب مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی برادرزادی محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ دو باتیں بیان کرتی ہیں:۔

1۔ میں بچپن میں شدید طور پر بعارضہ ٹیٹنس (کزاز) بیمار ہوگئی۔ عزیز و اقارب پریشان تھے۔ مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کی درخواست کی گئی۔ انہوں نے دعا کی اور فرمایا کہ مریضہ صاحبِ اولاد ہوں گی۔ چنانچہ میں اب تک زندہ ہوں۔ میری عمر اس وقت ستّر اٹھہتر سال کی

ہے۔اس وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی اولاد میں زندہ موجود ہیں۔لڑکے پارٹیشن (تقسیم برِصغیر) کے بعد چاٹگام چلے گئے۔

2۔ بھاگلپور میں احمد یہ بلڈنگ سے سرکاری سڑک تک آمدورفت کیلئے جو پُل ہے۔وہ مولوی حسن علی صاحبؓ کا بنایا ہوا ہے۔ جب یہ پُل بن کر تیار ہوا یا بن رہا تھا۔تو آپ نے فرمایا کہ میں اس پُل کے اطراف میں اختر علی ہی کو دیکھتا ہوں۔مولوی صاحب کی کوئی اولاد عرصہ سے زندہ نہیں اور ان کے بھائی کی اولاد دوسری جگہ جابسی اور اس جگہ مولوی اختر علی صاحب نے مکان بنایا اور وہاں عرصہ تک مع اپنی اولاد کے سکونت پذیر رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ڈپٹی محمد ایوب صاحب مع اپنی اولاد کے رہ رہے ہیں۔''

داعی الی اللہ

حضرت مولانا حسن علی صاحب اپنی خدمت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''غرض وعظ ولیکچر، اشاعتِ اسلام، حمایتِ اسلام کے کاموں میں برابر سرگرم رہا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔اللہ پاک نے مجھ کو میرے وہم وگمان سے بڑھ کر کامیابی عطا فرمائی۔کئی سو ہنود تو اس کمترین کے ہاتھ پر توبہ کر کے دینِ اسلام میں داخل ہوئے۔اُن طالبعلموں کی تعداد اللہ ہی خوب جانتا ہے (دو ہزار سے غالباً زائد ہی ہوں گے) جو مغربی تعلیم وفلسفہ کے بداثر سے دہریہ، گمراہ، سُست عقیدہ ہو گئے تھے۔وہ اس ناچیز کے انگریزی لیکچروں کو سُن کر اسلام پر مضبوط ہو گئے۔ہندوستان کے مشہور مشہور شہروں میں میرا عرصے تک قیام رہا اور وعظ ولیکچر کا دھوم رہا۔'' (بحوالہ اصحاب احمد جلد 14 صفحہ 24)

اللہ تعالیٰ کی یہ کیسی عظیم مصلحت ہے کہ یہ عظیم ہستی قبولیت احمدیت کے بعد صرف دوسال تک زندہ رہی پھر بھی ان کے ذریعہ مندرجہ ذیل احباب تک احمدیت یعنی حقیقی اسلام پہنچا۔

(1) سید وزارت حسین صاحبؓ

سید وزارت حسین صاحبؓ (آپ خاکسار سید شہاب احمد کے نانا سید ارادت حسین صاحبؓ کے برادر اصغر تھے۔) آپ نے میری موجودگی میں کئی آدمیوں کے سامنے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے احمدیت کا نام پہلی دفعہ حضرت مولانا حسن علی صاحبؓ سے سنا تھا۔

(2) حضرت مولانا عبدالماجد صاحب

مورخ احمدیت مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم حضرت مولانا عبدالماجد صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی خبر آپ کو مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری محمڈن مشنری سے ہوئی تھی''۔ (تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 538)

(3) حضرت مولوی احمد علی صاحب

اصحاب احمد جلد 14 کے صفحہ 22 حضرت مولانا حسن علی صاحب کی خدمات اسلام کا ذکر ہے۔ اس سے مولوی احمد علی صاحب بھی جب وہ نویں دسویں جماعت کے طالب علم تھے مستفیض ہوئے تھے، خاکسار شہاب احمد، اس سے استدلال کرتا ہے کہ قبول احمدیت کے بعد حضرت مولانا حسن علی صاحبؓ نے مولوی احمد علی صاحب تک بھی ضرور پیغام پہنچایا ہوگا۔

(4) مولانا اختر علی صاحب

مولانا اختر علی صاحب حضرت حسن علی صاحب کے رشتہ میں بھانجہ تھے۔ آپ نے 30 جنوری 1940ء میں تحریر کیا کہ

''میری بیعت کا قصّہ یہ ہے کہ ہمارے ماموں جناب مولوی حسن علی صاحب مرحوم 1894ء میں بیعت کر کے جب مکان واپس آئے تو اس وقت ہم لوگوں کے سامنے حضرت اقدس کے دعویٰ کو پیش کیا اور میں اسی وقت حضرت اقدس کے دعویٰ کو تسلیم کر کے احمدی ہو گیا۔''

(بحوالہ اصحاب احمد جلد 14 صفحہ 28 حاشیہ)

(5) خان بہادر مولوی محمد صاحب ایم اے ایل ایل بی

آپ حضرت مولانا حسن علی صاحبؓ کے رشتہ میں بھتیجا تھے۔ آپ کے قبولیت کے متعلق آزاد نوجوان اخبار نے مورخہ 23 اکتوبر 1970ء میں لکھا:

''علی گڑھ کے جن طلباء کو احمدیت نے اپنے ابتدائی زمانہ میں جیتا۔ اُن میں پروفیسر صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے۔ مرحوم سُنایا کرتے تھے کہ آپ کو طالب علمی کے زمانہ میں ہی احمدیت سے پیار ہو گیا۔''

(بحوالہ اصحاب احمد جلد 14 صفحہ 27)

اصحاب احمد کی اس جلد سے عیاں ہے کہ پروفیسر محمد صاحب کے قبول احمدیت میں مکرم حسن علی صاحب کی کاوش بھی شامل ہے۔

ان پانچ احباب کے علاوہ کتنے اور لوگوں تک احمدیت کا پیغام حضرت حسن علی صاحبؓ کے ذریعہ پہنچا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ازدواجی زندگی

آپ نے 1874ء میں شادی کی۔ آپ کی اہلیہ کا نام مکرمہ حمیدہ خاتون صاحبہ تھا۔ جو برہ پورہ کی رہنے والی تھیں۔ یہ خاتون تعاون علی البرّ کرنے والی تھیں اور جس وقت آپ نے رضائے الٰہی کی خاطر ہیڈ ماسٹری ترک کر کے وعظ اور تبلیغِ اسلام کی خدمت کرنے کا عزم کیا۔ تو موصوفہ نے ہر تنگی کو برداشت کرنے سے اتفاق کر کے ایک شاندار اُسوہ پیش کیا۔ خان بہادر مولوی محمد صاحب ایم۔ اے بتلاتے ہیں کہ تایا جان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جو مجھ سے ایک سال بڑا تھا اور میرا ہم جماعت تھا۔ لیکن چودہ سال کی عمر میں غالباً 1902ء میں داغِ مفارقت دے گیا۔

خدمتِ اسلام کی ایک برکت اس بچے کا دیا جانا مولوی صاحب نے لکھا ہے۔ گو بچہ صغر سنی میں فوت ہوا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا کہ شادی کے چودہ سال بعد یہ بچہ عطا ہوا............اور کم وبیش چودہ سال تک اس خاندان کیلئے باعثِ سرور وقرۃ عین رہا اور مولوی صاحب کی وفات کے بعد اس کی وفات ہوئی۔

افسوس حضرت مولوی حسن صاحبؓ کی قبر کا نام ونام ونشان آج مٹ گیا ہے۔ لیکن یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی اور آپ کے بیٹے احمد کی جو بچپن میں فوت ہو گیا تھا دونوں کی قبریں بھاگلپور شہر کے شاہ جنگی محلہ میں تھیں۔

اشاعت دین کی تڑپ:

حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام احمدیت کی اشاعت اور تبلیغ کی دھن لگی ہوئی تھی۔ رات دن آپ کا اوڑھنا بچھونا تبلیغ تھا۔ ذیل میں آپ کا ایک نایاب خط نقل کیا جاتا ہے جس میں آپ نے اپنے ایک دوست کو حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی طرف رجوع

کرنے کی ترغیب دی ہے۔آپ کا یہ خط مکرم ایڈیٹر صاحب البدر قادیان نے 8 جولائی 1904ء کو صفحہ 8 میں بعنوان ''ایک سابق بالخیر کی یادگار'' شائع کیا ہے۔

محترم مولوی صاحب اپنے دوست کو لکھتے ہیں

روحانی برادر سلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

میرے دل میں ایک خیال گزرتا ہے اس میں آپ کی کیا رائے ہے۔اس سے مطلع فرمائیں۔

میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کو سچے دل سے امام الوقت مانتا ہوں افسوس کہ علمائے پنجاب اور ہندوستان نے ابھی تک حضرت کے امام ہونے کو نہیں مانا ہے لیکن وہ وقت آنے والا ہے کہ وہ ضرور اس صداقت کو قبول کریں گے اللہ کو یہ بات منظور ہے کہ یہ آہستہ آہستہ پھیلے۔

مرزا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے لوگ روکتے ہیں کہ مجھ کو بہت بڑا مالی نقصان پہنچنے والا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ لوگوں کی حماقت ہے حق کے لئے کچھ قربانی کر کے آدمی کو کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا ۔میں اسکول کا ہیڈ ماسٹر تھا سو روپیہ ماہوار کی آمدنی تھی۔اُس کو میں نے حق یا اللہ کے لئے چھوڑا۔اللہ کے فضل وکرم سے مجھ کو ایسا نفع ہوا کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔اللہ نے ہر طرح سے فارغ البال اور خوش حال رکھا اور میری ذات سے بہت سے آدمیوں کو فائدہ پہونچایا۔کئی شہروں میں یتیم خانے جاری ہوئے۔ مدرسے قائم کئے گئے۔اسکول کھولے گئے۔وغیرہ وغیرہ۔اب کی دفعہ میں نے وعظ کی شہرت کو حق کے لئے قربان کر دیا لیکن دیکھ لیجئے گا کہ اللہ اب کی دفعہ بھی میرے ساتھ ہے۔اے میرے پیارے بھائی آپ مقدمات عدالت میں پھنسے رہتے ہیں۔اس لئے آپ کو موقعہ نہیں ملا کہ خدا کی طرف رجوع ہو کر اس مسئلہ کو معلوم کرتے کہ حضرت مرزا صاحب کا مقام کیا ہے اور اُن سے کیا کام ہونے والا ہے۔ میں نے ایک کتاب مرزا صاحب کے دعویٰ کی تصدیق میں حال میں تصنیف فرمائی ہے قریباً نصف کے لکھ چکا ہوں باقی کو لکھنا ہے''

اس کے بعد کتاب تائید حق کے چھپانے اور دیگر اخراجات کے حوالہ سے لکھا ہے۔خط کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں

''غرض ان سب باتوں کا جواب جس قدر جلد ہو عنایت فرمایئے گا لیکن خوب غور وفکر کرے جواب لکھیے۔

اللہ آپ کو اپنی محبت اور حضرت رسول کریم ﷺ کی محبت میں روزانہ ترقی عطا فرمائے اور آپ کے بارے میں جو جو دعائیں اس کمترین نے کی ہیں اُن کو قبول ہونے کا وقت آجاوے اور آپ کی ذات سے پنجاب میں کچھ کام اللہ تعالیٰ لیوے۔ آمین

بندہ کمترین حسن علی عفی عنہ واعظ اسلام

محلہ رام سر شہر بھاگلپور صوبہ بہار

15 دسمبر 1894ء

(بحوالہ اخبار البدر قادیان 8 جولائی 1904ء صفحہ 8)

مولوی صاحب کے متعلق غیروں کی شہادتیں:

حضرت مولانا حسن علی صاحب ؓ برصغیر کی مشہور و معروف شخصیت تھے۔ قبول احمدیت سے قبل ہی آپ بطور ایک مسلم مشنری کے برصغیر میں متعارف تھے۔ آپ کے ذریعہ ہزاروں سعید روحوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تبلیغ اور اسلام کے سلسلہ میں کی جانے والی کاوشوں کا ذکر مشہور مورخین نے اپنی کتب میں کیا ہے۔ یہاں مشہور مصنف Thomas.W.Arnold اور H.A .Walter کے دو حوالے پیش خدمت ہیں۔ ان حوالوں سے حضرت مولانا حسن علی صاحب ؓ کی عظمت کا مزید پتہ چلتا ہے۔

(1) معروف مورخ ٹی۔ ڈبلو۔ آرنلڈ اپنی مشہور کتاب The Preaching Of Islam میں لکھتا ہے کہ

''ہندوستان کے اکثر مسلمان مبلغین نے ہمیں بتایا کہ ان کے ذریعہ کتنے افراد نے اسلام قبول کیا ۔اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں کہ مولوی حسن علی نے اپنی موت (1896ء) کے قبل ہمیں بتلایا کہ انکے ذریعہ سے 25 افراد نے اسلام قبول کیا۔ جس میں 12 پونا سے تھے بقیہ حیدر آباد اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے تھے۔''

مولوی حسن صاحب ؓ کی وفات کا ذکر Muslim Chronicle کی اشاعت 4 اپریل 1896ء میں شائع ہوا تھا۔ آرنلڈ اس خبر کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

''وہ عملی زندگی اور اسکول کی زندگی میں ذہین شمار کئے جاتے تھے۔ تعلیم کے میدان میں انہوں نے

بہت کم وقت میں بہت ترقی کی۔کافی کم عمر میں انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا تھا۔اُنہیں وظیفہ ملا جس کی بدولت فرسٹ آرٹ میں داخلہ ہوا لیکن جلد ہی ان کی اندرونی بے چینی نے اُنہیں مجبور کیا کہ وہ بیرونی دنیا کی سیر کریں۔اسلئے تعلیم ترک کر کے وہ مختلف عقائد کے لوگوں سے ملتے رہے وہ فقیروں پنڈتوں اور عیسائیوں سے ملے۔وہ چرچ گئے نیز شہروں اور جنگلوں میں گشت لگایا انہیں کہیں کچھ نہ ملا لیکن وہ اس یقین سے پُر تھے کہ رحیم خدا اُن کی مدد ضرور کرے گا۔ وہ ایک سال تک مختلف مذاہب کا مطالعہ اور موازنہ کرتے رہے۔1874ء میں پٹنہ کے ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر کا عہدہ قبول کیا لیکن ازل سے یہ مقدر تھا کہ وہ اسلام کے مبلغ ہوں۔اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُنہیں اندر سے ایک ناگزیر احساس ہوا کہ وہ اس عہدہ کو جس سے اُنہیں ماہانہ سو روپیہ ملتا تھا چھوڑ دیں۔اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کی مرضی کے خلاف انہوں نے اس عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔اب اُن کا گزر ایک ماہوار رسالہ نور الاسلام کی آمد پر تھا۔انہوں نے پٹنہ میں اسلام پر کئی تقاریر کیں۔پھر کلکتہ گئے جہاں انگریزی زبان میں تقاریر کیں۔جس کا سامعین پر بہت اثر ہوا۔کئی یوروپین پادریوں نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا۔ایک معزز انسان بابو بپن چندر پال اسلام قبول کرنے کے بہت قریب ہو گئے۔پھر ڈھاکہ کے لوگوں نے اُنہیں مدعو کیا جہاں اُنکی تقریر اور تبلیغی کارناموں کا بہت گہرا اثر ہوا۔انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں اردو اور انگریزی زبان میں تقاریر کیں۔کئی کتب تصنیف کیں جس نے انہیں ایک تاریخی انسان بنا دیا اُن کی کتب اور تقاریر کے ذریعہ کئی سو انسانوں نے اسلام قبول کیا اُن کا تبلیغی جوش اُن کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہا جب اُن کی آواز تھی اپنے مذہب کو ترک کرو اور مسلمان ہو جاؤ۔جب اُن سے سوال کیا گیا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ ایک عیسائی سے گفتگو کر رہے تھے۔''

ناشر THE PREACHING OF ISLAM BY T.W. ARNOLD)
(SH.MUHAMMAD ASHRAF EDITOIN 1965 PAGE 286

(2) احمدیہ مومنٹ کا مصنف ایچ۔اے۔والٹر صاحب اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ

''اندازہ ہے کہ صوبہ بہار میں احمدیہ نظریہ کا تعارف پہلی دفعہ 1893ء میں ہوا۔جب بھاگلپور کے ایک مسلمان مبلغ (حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ۔ناقل) نے اس نظریہ کو قبول کیا پھر کافی تعلیم یافتہ اور

خوش حال افراد اس تحریک سے منسلک ہو گئے ۔ایسے لوگ عموماً بھاگلپور اور مونگھیر میں آباد ہیں اور صدر انجمن احمدیہ قادیان سے منسلک یا وابستہ ہیں۔ احمدیہ نظریہ اور اس کے ماہواری رسالہ Review Of Religions پر تبصرہ کے لئے چندہ فراہم کیا جاتا ہے۔ مونگھیر میں کٹر عقیدہ مسلمانوں کی طرف سے احمدیوں کی کافی مخالفت ہوئی۔ جون 1911ء میں مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع میں حضرت مرزا غلام احمد کے دعاوی پر غور ہوا کافی بحث ومباحثہ کے بعد اُن پر کفر کا فتویٰ صادر ہوا۔

اس فرقہ (جماعت احمدیہ) نے اُڑیسہ میں بھی قدم آگے بڑھایا ہے کٹک کے چند تعلیم یافتہ مسلمانوں نے گورداسپور کے سفر کے دوران اس نظریہ کو قبول کیا۔ پھر پوری (اُڑیسہ کا ایک شہر۔ ناقل) واپس آنے کے بعد اپنے مزید ہم مذہبوں کو اس عقیدہ کی صداقت کا قائل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ پھر بھی ایسے لوگوں کی تعداد کم ہی ہے۔"

مولوی حسن علی صاحبؓ کے عزیز و اقارب

مؤلف اصحاب احمد محترم ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے مرحوم نے اصحاب احمد جلد 14 میں محترم مولوی حسن علی صاحب کے مقامِ جلیل کے باعث اُن کے اقارب کا ذکر فرمایا ہے۔ جو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ

''(1) آپ کے بھائی مکرم اقبال علی صاحب کی اولاد:۔

(الف) خان بہادر مولوی محمد صاحب ایم۔اے، ایل ایل بی۔ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن مدراس۔ وفات بتاریخ 21/اکتوبر 1970ء بعمر 82 سال۔ پچاس سال بطور صدر خدمت سلسلہ کی۔(بدر جلد 19 نمبر 46 مورخہ 12/نومبر 1970ء صفحہ 10 کالم 1)

(ب) مؤلف اصحاب احمد مکرم مولوی حسن علی صاحبؓ کے رشتہ داروں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ جو بیوہ ہیں اور اس وقت بھاگلپور میں ہیں۔ان کا نام ''پانچ ہزاری مجاہدین'' تحریکِ جدید دفتر اوّل کے صفحہ 448 پر مرقوم ہے (موصوفہ کی اولاد محمد یعقوب صاحب حال مقیم ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) اور سلیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ داروغہ احمد رضا خان صاحب (ولد ڈاکٹر فیاض الدین صاحب مرحوم مقیم بھاگلپور ہیں)

(2) مولوی حسن علی صاحبؓ کی ایک ہمشیرہ صاحبہ اہلیہ شاہ بذل الحسن صاحب بھاگلپور تھیں۔ان کی اولاد میں سے یقینی طور پر مجھے صرف جناب مولوی اختر علی صاحب مرحوم انسپکٹر پولیس کا علم ہے (محلہ رام سر بھاگلپور موصی نمبر 2191 مورخہ 14/دسمبر 1924ء۔وفات 22/جنوری 1950ء عمر 70 سال مدفون بہشتی مقبرہ قادیان) مولوی اختر علی صاحب نے 30/جنوری 1940ء کو تحریر کیا:۔''میری بیعت کا قصہ یہ ہے کہ ہمارے ماموں جناب مولوی حسن علی صاحب مرحوم 1894ء میں بیعت کر کے جب مکان واپس آئے تو اس وقت ہم لوگوں کے سامنے حضرت اقدس کے دعویٰ کو پیش کیا اور میں اسی وقت حضرت اقدس کے دعویٰ کو تسلیم کر کے احمدی ہو گیا۔ بعدہٗ 1907ء میں پھر ایک دوست نے کہا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں لکھ کر بیعت بھی کر لو۔ چنانچہ اسی وقت میں نے تحریری بیعت بھی کر لی۔جس کی منظوری بھی حضرت اقدس کے یہاں سے آ گئی۔اگرچہ مجھ کو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا......''

17 / جون 1940 میں بھی بیعت 1907ء میں کرنے اور 1894ء میں ایمان لانے کا اور اولاد محمد عیسیٰ اور محمد اسمٰعیل، محمد ایوب صاحب اور میمونہ خاتون صاحبہ اہلیہ ملک محمد اسمٰعیل صاحب کا ذکر کیا ہے اور تصدیق وصیّت میں مُصدّق نے تحریر کیا ہے:۔

''تبلیغی کاموں میں نہایت شوق اور اخلاص (سے) حصّہ لیتے رہتے ہیں اور رات دن ان کا یہ ہی (جذبہ) رہتا ہے کہ کم از کم بھاگلپور کے تمام لوگ احمدی ہو جائیں۔'' (مسل وصیّت)

خطوطِ وحدانی کا لفظ خاکسار مؤلف کی طرف سے ہے۔ ڈپٹی محمد عیسیٰ صاحب کراچی میں فوت ہوئے۔ میجر محمد اسمٰعیل صاحب ماڈل ٹاؤن لاہور میں مقیم ہیں۔ ڈپٹی محمد ایوب صاحب ریٹائرڈ اے۔ ڈی۔ ایم بھاگلپور میں مقیم ہیں۔

(3) مولوی حسن علی صاحبؓ کی ایک بہن کے نواسے (یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ایک ہی بہن مراد ہیں یعنی والدہ مولوی محمد صاحب مرحوم یا یہ اور ہمشیرہ ہیں) کرنل سعید احمد صاحب اور محمد ابو رشید صاحب مع والدہ فاطمہ خاتون صاحبہ کراچی میں مقیم ہیں۔''

(اصحاب احمد جلد 14 صفحہ 8 تا 40 مولفہ ملک صلاح الدین ایم اے قادیان طبع دوم 8 دسمبر 2008ء)

نوٹ: محترم ملک صلاح الدین صاحب مؤلف اصحاب احمد نے مولوی حسن علی صاحب کے عزیز و اقارب کے بارے میں اپنی کتاب جو کہ آپ نے 1971ء سے قبل تحریر کی تھی لکھا ہے کہ:

''محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ مکرم اقبال علی صاحب (برادر اصغر حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ) کی دختر اور پروفیسر محمد صاحب کی چھوٹی بہن تھی۔ آپ 1890ء میں بھاگلپور میں پیدا ہوئیں اور ساری زندگی وہیں پر گذاری 1971ء کے قبل وہ بیوہ ہو چکی تھیں اُن کا نام پانچ ہزاری مجاہدین تحریک جدید دفتر اوّل کے صفحہ 448 میں مرقوم ہے''

خاکسار شہاب احمد اس بارے میں مزید تحریر کرتا ہے کہ آپ کا انتقال 1986ء میں ہوا اور بھاگلپور میں مدفون ہیں۔ آپ کی اولاد میں مکرم محمد یعقوب صاحب اور مکرمہ سلیمہ بیگم صاحبہ ہیں۔ مکرم یعقوب صاحب 1919ء میں پیدا ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد ڈھاکہ میں چلے گئے۔ وہیں ملازمت یا تجارت کرتے رہے۔ 1980ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مکرمہ سلیمہ بیگم صاحبہ 1922ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی شادی

محترم ڈاکٹر فیاض الدین صاحب سے ہوئی۔ محترمہ سلیمہ بیگم صاحبہ کا انتقال 2009ء میں ہوا۔

خان بہادر مولوی محمد صاحب

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا حسن علی صاحبؓ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک بیٹا تھا جو جلد وفات پا گیا تھا۔ آپ کے بھائی مکرم اقبال احمد صاحب کے بیٹے مکرم مولوی محمد صاحب تھے۔ آپ کے متعلق محترم ملک صلاح الدین صاحب مولف اصحاب احمد اخبار آزاد نوجوان کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ

''اس تاریخ (یعنی 21 اکتوبر 1970ء) کو آپ کی وفات کا ذکر کر کے ہفت روزہ ''آزاد نوجوان'' مدراس مورخہ 23/اکتوبر 1970ء نے لکھا:۔

''علیگڑھ کے جن طلباء کو احمدیت نے اپنے ابتدائی زمانہ میں جیتا۔ اُن میں پروفیسر صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے۔ مرحوم سُنایا کرتے تھے کہ آپ کو طالبعلمی کے زمانہ میں ہی احمدیت سے پیار ہو گیا تھا اور شرفِ بیعت خلیفہ اوّل مولوی نور الدین صاحبؓ کے زمانہ میں حاصل ہوا۔ گو آپ بہار کے ایک مخلص خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مگر قدرت نے انہیں ملازمت کے سلسلہ میں مدراس لا بسایا۔ پروفیسر صاحب کی زندگی کے بہترین سال مدراس میں کٹے۔ مولوی صاحب کے آج بھی مدراس اور دیگر علاقوں میں کئی شاگرد ہیں۔ جو پروفیسر صاحب کے اخلاقِ فاضلہ کے آج تک قائل ہیں اور مولوی صاحب کے قدر دانوں میں سے ہیں۔ مولوی صاحب کو لوگوں نے احمدی اور اوّل درجہ کا قادیانی تو قرار دیا مگر کبھی یہ نہیں کہا کہ مولوی صاحب نے کبھی اپنی احمدیت کو چھپایا ہو۔ مولوی صاحب کو ہر ایک نے با اخلاق اور باخدا شخص قرار دیا۔ مدرسۂ اعظم کی ہیڈ ماسٹری، محمڈن کالج کی پروفیسری اور پبلک انسٹرکشن کی ڈپٹی ڈائریکٹری کا شرف بھی مولوی صاحب کو حاصل تھا۔ (عثمانیہ کالج) کرنول کالج کی پرنسپلی بھی مولوی صاحب کو ہی سونپی گئی تھی۔ ڈاکٹر عبدالحق صاحب پر جب اس سلسلہ میں اعتراض ہوا۔ تو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کہ:۔

''مجھے اس قادیانی کی دیانتداری اور ایمانداری پر پورا اعتماد ہے اور میں اس دیانتداری اور ایمانداری کو مسلمانوں کا طرّہ امتیاز سمجھتا ہوں۔''

''مولوی صاحب گو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے مگر کبھی کسی پر بے جا طور پر زور نہیں ڈالا۔ آپ کا رگ و ریشہ سادگی سے بنا ہوا تھا اور معصومیت اس قدر رچی ہوئی تھی کہ آپ کو کبھی کسی کی بُرائی بُرائی
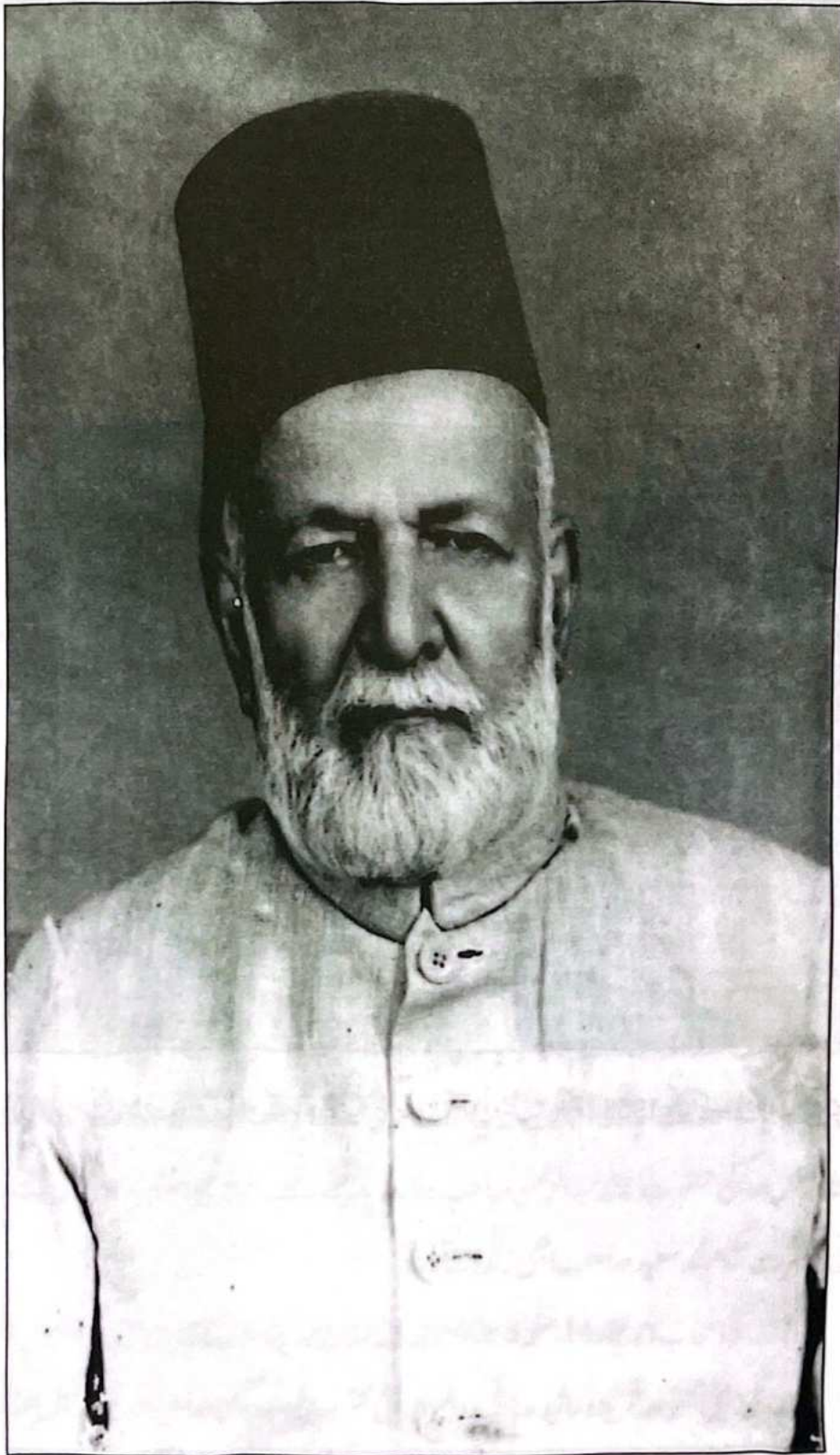
مکرم خان بہادر مولوی محمد صاحب
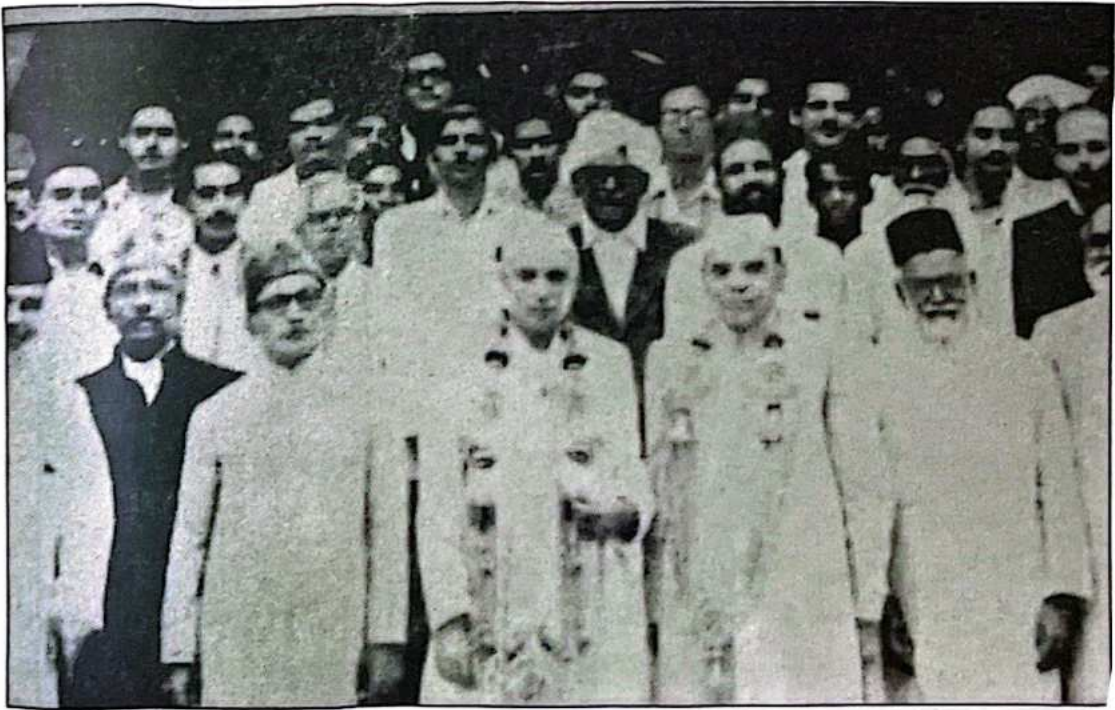
سولوی محمد صاحب کی پنڈت جواہر لعل نہرو کے ساتھ عثمانیہ کالج کرنول آندھرا پردیش میں اکتوبر 1953ء کی ایک یادگاری تصویر

نظر نہ آئی۔ بہتوں نے آپ کی اس خوبی کا فائدہ بھی اُٹھایا۔ مگر ایسے پکڑے گئے کہ مولوی صاحب کے معاف کرنے کے باوجود بھی سنبھلنے نہ پائے۔

''مولوی صاحب کے چہرہ پر ہمیشہ ایک قسم کی مسکراہٹ ہوتی۔ ہمیشہ ہنستے ہنستے بولتے۔ لب ولہجہ اتنا دلبر ہوتا کہ سننے والے کا من موہ لیتا۔ ہم نے اپنے بچپن میں بھی مولوی صاحب کو دیکھا ہے اور اس زمانہ میں بھی دیکھا جب ہم ابھی ''لاہوری'' قسم کے احمدی تھے۔ گو لمبی چوڑی بات ہوتی مگر مولوی صاحب کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتے جو ہمیں ٹھیس پہنچانے والی ہو۔ مولوی صاحب کی اُردو زبان کا لب ولہجہ اس قدر میٹھا تھا کہ جب بولتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ موتی بکھیر رہے ہیں.......... جماعتی امور میں جب اختلافِ رائے آن پڑتی تو بحیثیت صدر آپ علیحدگی میں ہم سے صلاح ومشورہ کرتے اور ایک ایسا سلوک اختیار کرتے۔ جس سے جماعتی کام اپنی جگہ بحال ہو جاتا.......... مولوی صاحب کے خطبے بھی بڑے سبق آموز ہوتے تھے۔ عیدین کو مولوی صاحب اپنے مکان میں دوستوں کی خاطر تواضع سویاں، شربت، چائے اور پان سے کرتے......''

'' نومبر 1967ء میں مرحوم نے خاکسار مؤلف کو یہ بتایا تھا کہ مدراس کی حکومت نے مدراس کے ایک قدیمی مدرسہ کیلئے جو بعد میں محمڈن کالج بن گیا، علیگڑھ سے ایک ہیڈ ماسٹر مانگا۔ پہلے اس کا ہیڈ ماسٹر ہمیشہ کوئی انگریز ہوتا تھا۔ میں اس وقت علیگڑھ میں پروفیسر تھا۔ میں نے خیال کیا کہ پہلے بھی تو میں وطن سے چھ سو میل دور ہوں۔ کچھ اور دوری ہوگئی تو کیا فرق پڑتا ہے اور میں نے یہ پیشکش قبول کر لی اور 1920ء میں یہاں چلا آیا۔ اور مجھے یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ منشائے الٰہی ہوگا۔ کیونکہ اس وقت جماعت مدراس کے ایک نہایت مخلص رکن حضرت سیٹھ عبدالرحمن صاحب وفات پاچکے تھے۔ البتہ تین سو تیرہ صحابہ میں سے ایک اور مخلص حضرت حکیم محمد سعید صاحب ابھی زندہ تھے۔''

(اصحاب احمد جلد 14 صفحہ 8 تا 40 مولفہ ملک صلاح الدین ایم اے قادیان طبع دوم 8 دسمبر 2008ء)

آپ کی بیٹی محترمہ فریدہ رشید صاحبہ، دوسری بیٹی محترمہ رفیضہ معین صاحبہ اور نعیمہ شکیل صاحبہ اپنے والد محترم مکرم خان بہادر مولوی محمد صاحب کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

خان بہادر مولوی محمد صاحب کا ذکر خیر

خاکسار کے والد محترم خان بہادر مولوی محمد صاحب 7 اکتوبر 1888ء کے دن بھاگلپور بہار میں پیدا

ہوئے۔ آپ کا ذاتی نام محمد تھا۔ والدین نے سرور کائینات حضرت محمد ﷺ کی نسبت سے رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی طرح ہی آپ کو بھی بالکل کم عمری میں یتیمی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ جب محترم والد صاحب کی عمر ڈھائی سال کی تھی تو آپ کے والد محترم اقبال علی صاحب کی وفات ہوگئی۔ آپ کی بہن محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ محترم داداجان صاحب کے انتقال کے دوماہ بعد پیدا ہوئیں۔ نیز جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ بھی جنت سدھاریں۔ آپ کی بیٹی محترمہ رفیصہ معین صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ ''محترم داداجان اقبال علی صاحب کلکتہ ہائی کورٹ میں ٹرانسلیٹر کا کام کرتے تھے۔''

محترم والد صاحب والدین کی وفات پر اپنے پھوپھی ذات بھائی مکرم اختر علی صاحب کی کفالت میں آ گئے۔ انہوں نے اس یتیم بھائی کی حتی الوسع کفالت کی۔ لیکن ایک چھوٹی عمر کے بچے کے لئے ماں باپ کے سایہ سے بڑھ کو کوئی نہی ہوسکتا۔ محترم والد صاحب کو اپنے والدین کی یاد آتی تھی۔ آپ نے ایک بار اپنی اولاد کے سامنے ذکر فرمایا کہ میں اپنے غم ناک موقع پر کہا کرتا تھا کہ '' کاش میرے ابا قبر سے نکل کر میرے پاس آجائیں''۔ آپ کا بچپن بہت تکلیفوں میں گزرا۔

لیکن یتیمی کی حالت ہونے پر بھی آپ زندگی سے مایوس نہ ہوئے۔ آپ کو اچھی تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ آپ نے اپنے اسکول کی تعلیم کا عرصہ بہت شوق سے پورا کیا۔ اسکول جانے پر اگر دیر ہونے کا خدشہ ہوتا تو اکثر بھوکے ہی چلے جایا کرتے تھے۔ دنیا میں کئی لوگوں نے اپنی مجبوری کے پیش نظر اسٹریٹ لائٹ میں پڑھائی کی ہے، محترم والد صاحب کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے اکثر اسٹریٹ لائٹ میں پڑھائی کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجوکیشن کیا اور انگریزی زبان میں بہترین ملکہ حاصل کیا پھر اسی علی گڑھ یونی ورسٹی سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ آپ نے اسلامی تعلیم بھی اتنی اچھی طرح حاصل کی کہ لوگ آپ کو مولوی صاحب کے نام سے پکارنے لگے۔ 1919ء میں ہندوستان کے جنوبی حصہ مدراس میں جس کو اب چنئی کہا جاتا ہے۔ ایک درخواست وہاں کے محمڈن کالج سے آئی کہ ہمارے علاقہ میں ایک اچھے مسلمان استاد کی ضرورت ہے، آپ علی گڑھ سے ایک قابل آدمی مہیا کردیں۔ اس پر محترم والد صاحب کے ذمہ ہی یہ کام لگایا یا کہ آپ درخواست کو سرکولیٹ کریں۔ ان دنوں میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شمالی ہند سے کوئی اتنی دور جنوبی ہند مدراس جا کر نوکری کرے گا۔ چنانچہ کسی نے مثبت جواب نہیں دیا

اس پر آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اس پیشکش کو قبول کر سکتے ہیں اور کیا آپ وہاں مسلمان ادارے کی مدد کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؟ آپ نے یہ سوچ کر کہ قومی ضرورت ہے جواب دیا کہ میں وہاں جا سکتا ہوں اگر حالات کے پیش نظر میری تنخواہ دگنی کر دی جائے۔ مدراس سے فوراً تار سے جواب آیا کہ ہمیں محمد صاحب کی شرط منظور ہے۔ چنانچہ محترم والد صاحب نے دور دراز جا کر نئی سکونت اختیار کر لی۔ وہاں کی زبان، علاقہ اور لوگ اجنبی تھے لیکن محترم والد صاحب وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

مدراس جا کر آپ کی خوب ترقی ہوئی۔ جب مدراس پہنچے تو مسلم لڑکوں کے اسکول میں ہیڈ ماسٹر کا رتبہ ملا۔ وہ اسکول آج بھی مدراس میں قائم ہے اور اس اسکول کا نام مدرسہ اعظم Boys School ہے۔ آپ نے Presidency of Madras میں گورنمنٹ کی نوکری کی تھی۔ آپ وہاں کالج کے پرنسپل بنا دئے گئے۔ اور پھر بعد میں Deputy Director of Public Instructions بھی بنا دئے گئے۔ جس کے تحت صوبہ بھر کے تمام تعلیمی ادارے محترم والد صاحب کے ماتحت آ گئے۔ آپ اس عہدہ سے مئی 1948ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ اس کے فوراً بعد آپ کے بہت قریبی دوست مکرم مولوی عبد الخالق صاحب نے آپ کو عثمانیہ کالج کرنول میں پرنسپل کا عہدہ دیا جہاں آپ نے 1958ء تک کام کیا۔ آپ نے تعلیمی میدان میں انتہائی نیک نامی اور قابلیت حاصل کی۔ آپ کی قابلیت دیکھ کر مرحوم لیاقت علی خان صاحب جو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم رہے، انہوں نے ایک بار آپ کو پیش کش کی کہ آپ مشرقی پاکستان آ جائیں۔ وہاں ڈھاکہ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کا عہدہ قبول کریں مگر آپ نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا اور مدراس میں ہی رہے۔ 1970ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس وقت تک آپ کے سب بچے Double Gradute ہو چکے تھے اور اپنے پیروں پر کھڑے تھے۔"

بیعت:

آپ کی بیٹی فریدہ رشید صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ "محترم والد صاحب کو دس سال کی عمر میں اپنی نانی جان کی زبانی مسیح موعودؑ اور مہدی معہود کے ظہور کی خبر ملی اور اور اس بات کا علم ہوا کہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیان نے مسیح موعود و مہدی معہود کا دعویٰ فرمایا ہے۔ اس بات کا علم ہونے پر آپ میٹرک کا امتحان درمیان میں چھوڑ کر قادیان گئے اور وہاں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

پہلی شادی:

مکرم خان بہادر مولوی محمد صاحب نے دوشادیاں کیں۔آپ کی پہلی بیوی کا نام مکرمہ زہرہ صاحبہ تھا۔انکے بطن سے خان صاحب کو مندرجہ ذیل اولاد ہوئی۔

(1) مکرمہ ڈاکٹر رشیدہ صاحبہ

آپ 14 نومبر 1919ء کو پیدا ہوئیں اور 16 مئی 1999ء کے دن فوت ہوئیں۔

(2) مکرمہ خورشیدہ سعید صاحبہ

آپ 20 جون 1922ء کے دن پیدا ہوئیں اور 28 اکتوبر 1994ء کے دن فوت ہوئیں۔

(3) مکرمہ ڈاکٹر شمیمہ صاحبہ

آپ 3 مئی 1924ء کے دن پیدا ہوئیں اور 23 جون 2013ء کے دن فوت ہوئیں۔

دوسری شادی:

مکرم خان بہادر محمد صاحب کی دوسری اہلیہ کا نام محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ تھا۔آپ بہت نیک خدا رسیدہ اور دیندار خاتون تھیں۔آپ کے بارے میں آپ کی بیٹی مکرمہ فریدہ رشید صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ’’خاکسار کی والدہ محترمہ کا نام محترمہ بلقیس بیگم تھا۔آپ محترم چوہدری عبدالحمید صاحب صحابی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور محترمہ حلیمہ بیگم صاحبہ کی صاحبزادی تھیں۔آپ دونوں کا خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔خاکسار کی والدہ محترمہ اپنے والدین کی پہلی اولاد تھیں۔آپ 27 ستمبر 1909ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئیں۔موجودہ حضور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی والدہ محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ آپ کی سہیلی تھیں۔1926ء میں آپ کی شادی محترم مولوی محمد صاحب سے لاہور میں ہوئی اور وہ لاہور سے مدراس آ گئیں۔اتنی دور آ گئیں کے والدین سے ملنا بہت کم میسر آتا تھا۔یہاں تک کہ اپنے کسی بہن بھائی کی شادی میں بھی شریک نہ ہوسکیں۔والدین کے انتقال پر ملال پر بھی نہ جاسکیں اور انتہائی صبر کا نمونہ دکھایا۔’’بلانے والا ہے سب سے پیارا۔اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر‘‘ کہہ کر اپنے دل کو مضبوط کر لیتی تھیں۔

آپ کم تعلیم یافتہ تھیں لیکن پھر بھی اپنے گھر کا انتظام بہت اچھی طرح کرتی تھیں۔ اپنے بچوں کی تربیت میں آپ کا بہت ہاتھ ہے۔ بہت صفائی پسند تھیں اور اپنے شوہر اور بچوں کے آرام اور ضرورتوں کا بہت خیال رکھتیں تھیں۔ صوم صلوۃ کی پابند تھیں اور دل کی انتہائی نرم تھیں۔ گھر کے ملازم اور غرباء کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ 1972ء میں حج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1976ء کی دسمبر میں ایک قلیل علالت کے بعد جنت سدھار گئیں۔ اِنَّا للهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُون۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت میں آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ خاکسارہ فریدہ رشید اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتی ہے کہ میں ان کی اولاد ہوں۔''

آپ کی دوسری بیٹی محترمہ رفیضہ معین بیان کرتی ہیں کہ ''محترمہ والدہ صاحبہ کی شادی میں اُم المومنین حضرت اماں جان صاحبہؓ تشریف لائیں تھیں اور اپنے ساتھ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفہ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ) اور آپا ناصرہ صاحبہ (موجودہ حضور کی والدہ ماجدہ صاحبہ) کو بھی لائیں تھیں۔''

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے محترم خان صاحب کو دوسری بیوی کے بطن سے مندرجہ ذیل اولاد عطا فرمائی۔

(1) مکرمہ ڈاکٹر آصفہ زہرہ صاحبہ

آپ 25 دسمبر 1927ء کے دن پیدا ہوئیں اور 23 ستمبر 2007ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

(2) مکرم محمد احمد صاحب

آپ 19 اکتوبر 1929ء کے دن پیدا ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد Geological Survey of India میں داخل ہوئے۔ پینشن کے وقت آپ اس محکمہ میں ڈائرکٹر تھے۔ اس کے بعد بھی Consultant کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آپ کو اور آپ کی اہلیہ قیصر صاحبہ کو حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ 12 نومبر 2002ء کو فوت ہوئیں۔ آپ کے دو بیٹے مکرم شیراز احمد صاحب اور مکرم سرفراز احمد صاحب اور ایک بیٹی مکرمہ شیریں صاحبہ ہوئیں۔ بیٹی ان دنوں لندن میں مقیم ہیں۔ بڑے بیٹے مکرم شیراز احمد صاحب ان دنوں قادیان میں مقیم ہیں اور بحیثیت نائب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ و ناظر

تعلیم قادیان کی حیثیت سے خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔اہلیہ مکرمہ قیصر صاحبہ مرحومہ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

(3)مکرمہ نعیمہ شکیل احمد منیر صاحبہ

آپ کی پیدائش کا سال معلوم نہ ہوسکا۔آپ کی شادی جماعت کے معروف خادم سلسلہ مکرم حکیم خلیل احمد صاحب مرحوم کے بڑے بیٹے مکرم شکیل احمد منیر صاحب سے ہوئی۔آپ کو اپنے شوہر کے ساتھ گھانا، نائجیریا، اور آسٹریلیا میں 45 سالوں تک جماعت کی خدمت کی توفیق ملی۔1970ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کر ارشاد پر والپا، گھانا میں نصرت جہاں لیپ فورواڈ اسکول کے کام کو آگے بڑھانے کی خدمت کا موقعہ ملا۔اسکول کی عمارت کا ایک حصہ آپ کے نام پر ہے۔ان دنوں آپ اپنے شوہر کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں اور حسب سابق جماعتی خدمات میں مصروف ہیں۔

(4)مکرمہ عابدہ محمد صاحب B.A,BT

آپ 28 جون 1935ء کو پیدا ہوئیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں۔اللہ تعالیٰ عمر صحت میں برکت دے اور انجام بخیر فرمائے۔

(5)مکرمہ زاہدہ صاحبہ B.A,BT

آپ 25 جون 1936ء کو پیدا ہوئیں اور 25 اپریل 2006ء کو مولیٰ کریم کے حضور حاضر ہوگئیں۔

(6)مکرمہ فریدہ رشید صاحبہ B.A,BT

آپ 14 اکتوبر 1938ء کے دن پیدا ہوئیں۔اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔اللہ تعالیٰ عمر صحت میں برکت دے اور انجام بخیر فرمائے۔

(7)مکرمہ رفیعہ معین الدین صاحبہ

آپ 18 جنوری 1941ء کے دن پیدا ہوئیں۔ اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔اللہ تعالیٰ عمر صحت میں برکت دے اور انجام بخیر فرمائے۔

(8)مکرم محمد محمود صاحب ایم ایس سی

آپ 22 جون 1943ء کے دن پیدا ہوئے۔اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔اللہ تعالیٰ عمر صحت

مکرم محمد احمد صاحب
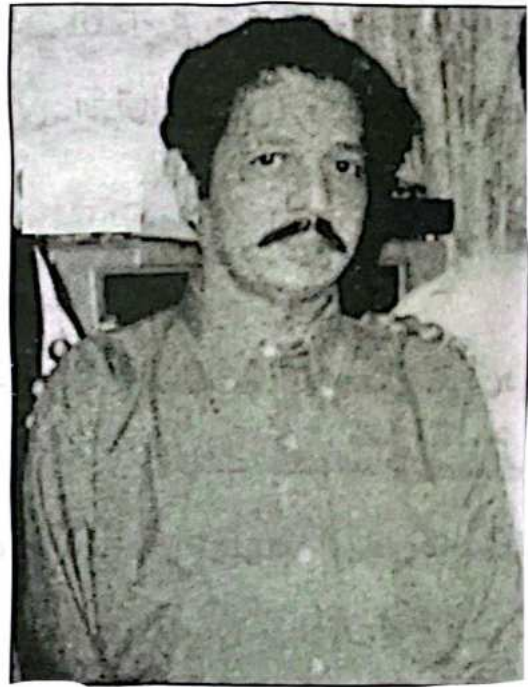
مکرم محمد محمود صاحب

معاویہ عمر

میں برکت دے اور انجام بخیر فرمائے۔

(9) مکرمہ حامدہ عمر صاحبہ ایم ایس سی

آپ 3 جولائی 1945ء کے دن پیدا ہوئیں۔ کئی سالوں سے کیلگری کینڈا میں مقیم ہیں۔ آپ کی شادی مکرم معاویہ عمر صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ مکرم معاویہ عمر صاحب 31 جولائی 1939ء کو مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ والدین کے ساتھ جے پور میں زندگی کے ابتدائی دن گزارے۔ والد صاحب کی وفات پر یہ خاندان کراچی منتقل ہو گیا۔ کراچی میں ہی آپ نے بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔

مکرم معاویہ عمر صاحب 1973ء میں کیلگری کینڈہ میں منتقل ہو گئے۔ شروع سے ہی جماعت کے کاموں میں منسلک رہے۔ 1980ء میں جب کہ ایم ٹی اے کا نظام شروع نہ ہوا تھا احباب جماعت کو حضور کے خطبہ جمعہ کا ٹیپ تیار کرے تقسیم کرتے تھے۔ 1989ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دورہ کینڈہ کے وقت آپ کے ذمہ تصاویر بنانا تھا۔

ذاتی طور پر آپ ہر ایک کی مدد کرنا پسند کرتے تھے محنتی مخلص اور سچے انسان تھے۔ مہمان نواز ایک اچھے بھائی ایک اچھے بیٹے اور شوہر تھے۔ مکرم معاویہ عمر صاحب کا 26 اپریل 2012ء کو انتقال ہوا ہے۔

مکرمہ حامدہ عمر صاحبہ اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے اور انجام بخیر فرمائے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت:

آپ کی ایک بیٹی نعیمہ شکیل کا بیان کرتی ہیں کہ "خدا تعالیٰ نے ہمارے والد محترم کو بہت اچھا ذہن دیا تھا وہ ہمیشہ اپنی پڑھائی میں اچھے تھے۔ یہی شوق وہ اپنے بچوں میں پورا کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس بیٹیاں اور دو بیٹے عطا فرمائے۔ آپ نے شروع میں عہد کیا تھا کہ ساری بیٹیوں کو ڈاکٹر بناوں گا اور بیٹوں کا بھی اعلیٰ تعلیم دلاؤں گا۔ تاکہ وہ ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کریں۔ آپ کی تین بیٹیاں ڈاکٹر بنیں۔ ان تینوں کے بعد چوتھی بیٹی نے تھرڈ ایر تک پڑھا۔ پھر اس کی شادی ہوگئی تو پڑھائی رُک گئی میری بیماری کی وجہ سے ڈاکٹری چھوڑ اکر ابا نے B.sc, B.T کروایا اور باقی بہنوں کو M, sc کروایا بڑے بیٹے کو Geology میں M.sc کروایا اور چھوٹے بیٹے کو Geography میں M.sc کروایا۔ الحمدللہ۔

آپ کے اعلیٰ اخلاق:

آپ کی بیٹی نعیمہ شکیل بیان کرتی ہیں کہ ’’محترم والد صاحب کا یہ عالم تھا کہ نوکر چاکر کو بھی ’’آپ‘‘ کہہ کر بات کیا کرتے تھے۔ غریب بچوں کو اپنے خرچ پر پڑھاتے تھے۔ آپ کے دفتر میں جو بھی peon وغیرہ ہوتے۔ ان سے دریافت فرماتے کہ کتنے بچے ہیں؟ اور عموماً ان کے لئے اسکول کا خرچ وغیرہ دیا کرتے تھے۔ گھر میں بھی مالی کے بچوں کو تعلیم دلواتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے امیر غریب سے بہت عزت سے پیش آتے تھے۔ کوئی بھی مدد مانگے تو جس قدر ممکن ہوتا روپیہ پیسہ کتابوں سے مدد کیا کرتے تھے۔‘‘

آپ کی بیٹی رفیضہ معین الدین صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ’’محترم والد صاحب بڑے بڑے عہدوں کے مالک رہے مگر کبھی کسی پر بیجا زور نہ ڈالا۔ آپ کا وجود سادگی لئے ہوا تھا اور معصومیت اس قدر تھی کہ برائی، برائی نظر نہ آتی تھی۔ آپ کے چہرہ پر ہمیشہ ایک مسکراہٹ ہوا کرتی تھی اور لب ولہجہ اس قدر میٹھا تھا کہ دل موہ لیتے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ موتی بکھیر رہے ہیں‘‘

آپ اپنے بچوں پر کبھی غصہ نہیں کیا کرتے تھے اگر بچوں کی کوئی بات اچھی نہیں لگتی تھی تو عموماً شام کا انتظار کیا کرتے تھے۔ نماز باجماعت کرنے کے بعد ایک طرح کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ جس سے ہم کو معلوم ہو جاتا کہ ابا کو ہماری یہ بات اچھی نہیں لگی۔

محترم والد صاحب انتہائی متقی اور دیندار تھے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ عموماً فجر مغرب اور عشا کی نماز بچوں کے ساتھ باجماعت پڑھایا کرتے تھے۔ فجر کی نماز کے وقت ایک ایک بچے کا نام لیکر جگایا کرتے تھے اور نماز کے بعد درس قرآن مجید ہوا کرتا تھا۔ قرآن مجید کی چند آیات سنا کر اس کی تشریح کیا کرتے تھے۔ جس سے بچوں کی تربیت میں بہت فائدہ ہوا۔ آپ کی بیٹی رفیضہ معین صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ’’ایک بار محترم والد صاحب کی دور کی دو بہنیں گھر آئی ہوئی تھیں تو ایک دن صبح اپنی بھابھی یعنی خاکسارہ کی والدہ محترمہ سے کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ اس گھر میں برکت کیوں نہ دے جس گھر میں میاں بیوں تہجد گزار ہیں‘‘۔

آپ کی ایک بہن تھیں جو دور بھاگلپور میں اپنے خاوند کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ آپ ہر ماہ ان

کی ضرورت کے لئے پیسہ بھیجا کرتے تھے۔اپنی جائیداد ان کے حوالہ کررکھی تھی اور زمین سے جو بھی آمدنی ہوتی وہ بھی ان کے پاس رہتی تھی۔

آپ کے بڑے تایا محترم مولوی حسن علی صاحبؒ تھے۔آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔آپ کے انتقال پر آپ کی جائیداد بھی محترم والد صاحب کو ملی لیکن ابا مرحوم نے اس جائیدا کو اسی طرح ہی رہنے دیا اور یہ کہا اسے رشتہ داروں کے استعمال کے لئے رہنے دیا جائے۔

آپ کی بیٹی محترمہ فریدہ رشید صاحبہ کا بیان ہے کہ محترم والد صاحب نے باوجود وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے تدریس کا پیشہ اختیار کیا کیونکہ آپ کو خوف تھا کہ وکالت میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔

آپ کی جماعت احمدیہ مدراس کے کاموں میں دلچسپی اور خدمات:

جب آپ مدراس میں پہلی بار آئے تو اس وقت مدراس میں کل 3 آدمی احمدی تھے۔آپ نے ان سے رابطہ کیا اور باقاعدہ اپنے گھر میں نماز باجماعت کا انتظام کیا۔عیدین اور نماز جمعہ شروع میں ہمارے گھر میں ہوتی تھی۔آپ عیدین اور دیگر پروگراموں میں بہت تواضع کیا کرتے تھے۔ اسی طرح مہمانوں کی بہت عزت وتکریم کیا کرتے تھے۔مستورات کے لئے لجنہ کی تنظیم قائم کی۔جب تعداد بڑھی تو آپ کو جماعت احمدیہ مدراس کا صوبائی امیر مقرر کیا گیا۔آپ 1920ء سے 1970ء تک یعنی تقریباً 50 سال مدراس کی جماعت کے صدر اور امیر جماعت رہے۔اس ذمہ داری کو آپ نے پچاس سال تک احسن طور سے نبھایا۔جب کبھی جماعتی کاموں میں اختلاف رائے ہوتا تو ہمیشہ بحیثیت صدر جماعت عہدے داران سے مشورہ کرتے۔جب جماعتی کام بحال ہوجاتا تو کہتے ”خدا کے کام بندوں سے نہیں رکتے“۔آپ کو لوگوں نے احمدی اور اول درجہ کا قادیانی قرار دیا مگر کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ مولوی صاحب نے اپنا احمدی ہونا کسی مقام پر چھپایا ہو۔

آپ کی طرز زندگی:

آپ نے زندگی بہت سادگی سے گذاری۔سر پر ترکی ٹوپی ہوا کرتی تھی۔آپ شیروانی زیب تن کئے ہوئے ہوتے تھے۔نیچے پتلون ہوا کرتا تھا۔جس پر اکثر وبیشتر پیوند لگا ہوا ہوتا تھا۔کسی خاص دفتری

ملاقات میں جانا ہوا تھا تو اُس وقت بھی پیوند لگا لباس پہننے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ جمعہ کا خطبہ بھی کبھی کبھی اسی لباس میں دے دیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت حاجی حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حضور کا درس قرآن سارے ہندوستان میں مشہور تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ محترم والد صاحب قادیان میں تھے۔ درس لمبا ہو گیا آپ کو شدید بھوک لگنے لگی لیکن آپ نے درس سے اٹھ کر جانا گوارا نہ کیا۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی بھوک مٹانے کا کشفی طور پر انتظام فرما دیا اور آپ کی طبیعت سیر ہو گئی۔ محترم والد صاحب کا اپنا بیان ہے کہ اس دن مجھے کامل یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک اور واقعہ خاکسارہ بیان کرنا چاہتی ہے۔ ہندوستان سے آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ کراچی آئے ہوئے تھے۔ گھر میں ایک مجلس میں آپ اپنے حالات زندگی دونوں بیٹیوں اور دامادوں کے سامنے بیان کر رہے تھے۔ دوران گفتگو آپ نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک صحابی آپ سے ملنے کے لئے آئے اور فرمایا کہ آپ اسلامی ریاست کے فرمارواں ہیں مجھے بھی کسی صوبہ کا گورنر بنا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کو قرآن شریف کا علم ہے؟ آپ کو اگر گورنر بنا دیا جائے تو آپ کو قرآن مجید کے احکام اور قوانین کے مطابق فیصلہ جات کرنے ہوں گے۔ اُس صحابی نے جواب دیا کہ مجھے تو قرآن شریف کا اتنا علم نہیں ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بیان فرمایا کہ آپ جائیں اور قرآن شریف کا علم حاصل کریں اور پھر مجھ سے ملیں۔ وہ صحابی چلے گئے اور ایک لمبے عرصہ تک واپس نہ آئے پھر اتفاقاً ایک دن اُن کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے آپ سے کہا لگتا ہے آپ مجھ سے ناراض ہیں جو دوبارہ ملاقات کے لئے تشریف نہ لائے؟ انہوں نے کہا حضور میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں لیکن مجھے قرآن شریف میں ایک آیت نظر آ گئی جس کی وجہ سے میں حضور سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کون سی آیت؟ اس پر انہوں نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ○ (الطلاق آیت نمبر 3.4) اس واقعہ کو بیان کر کے ابا جان، ہم لوگوں کو سمجھا رہے تھے کہ انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ ایسی جہت سے اس کو رزق عطا فرمائے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ محترم ابا جان پر اپنا فضل نازل فرمائیں اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔"

حضرت حسن علی صاحبؓ کی بہن مکرمہ اُچرج النساء صاحبہ واولاد کا ذکر خیر

صوبہ بہار کے اولین صحابی حضرت مولوی حسن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی مکرم اقبال علی صاحب کے خاندان کے ذکر کے بعد مناسب ہے کہ آپ کی بہن مکرمہ ارچنا صاحبہ اور آپ کے خاندان کا ذکر کیا جائے۔ آپ کی شادی مکرم شاہ بذل الحسن صاحب ساکن بھاگلپور سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میاں بیوی کو اپنے فضل سے تین بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔ یعنی حضرت مولوی حسن علی صاحب کے تین بھانجے اور ایک بھانجی تھی۔ ان کے اسماء اور مختصر کوائف مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم اختر علی صاحب متوفی 22 جنوری 1950ء

(2) مکرم شاہ محمد یوسف صاحب پیدائش 1898ء وفات 1970ء

(3) مکرمہ خدیجہ بیگم صاحبہ

(4) مکرم حاجی شاہ نور الحسن صاحب وفات 13 اگست 1969ء

مکرم مولوی اختر علی صاحب حضرت مولانا حسن علی صاحبؓ کے بھانجہ تھے۔ آپ کے بارے میں محترم مولوی سمیع اللہ صاحب مبلغ سلسلہ نے ایک مضمون آپ کی وفات پر لکھا تھا۔ وہ قارئین کے افادہ کے لئے درج ہے۔
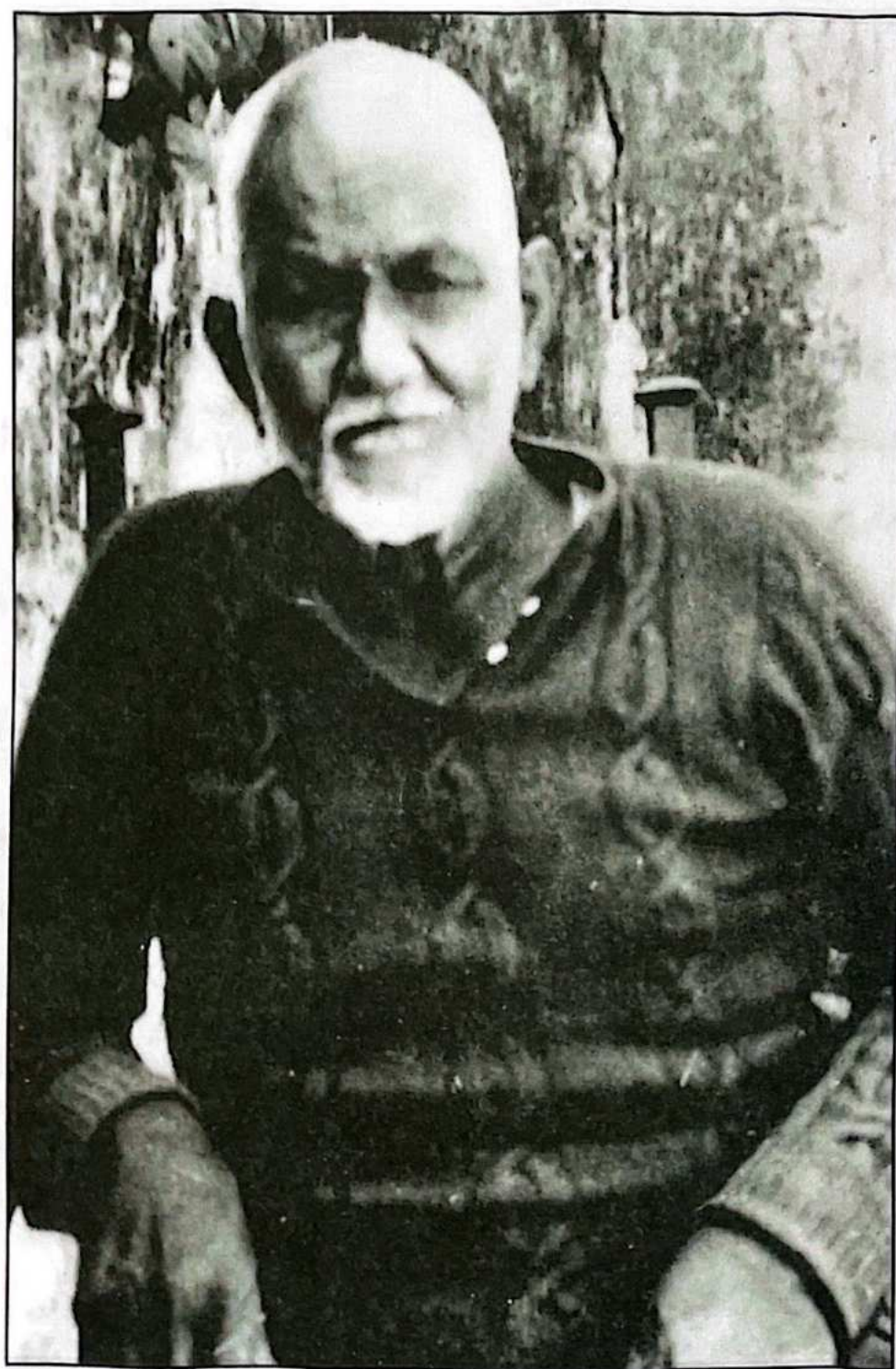
مولوی اختر علی صاحب بھاگلپوری

جناب مولوی اختر علی صاحب بھاگلپوری

مکرم مولوی محمد سمیع اللہ صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ بہار

بھاگل پور کا وہ گوہر تابند جس سے کاشانہ احمدیت جگمگا رہا تھا۔ 22 جنوری 1950ء کو ہماری آنکھوں سے روپوش ہو گیا۔

وہ معمر انسان جو اپنے پورے مشرقی وقار کے ساتھ ہمیشہ احمدیہ بلڈنگ کے سائبان میں ایک دربار لگائے بیٹھا رہتا تھا۔ داغ مفارقت دے گیا۔

اور وہ بحر جود وسخا جس کی ساری زندگی محتاجوں کی حاجت روائی کرتے بسر ہوئی اور جو صبح وشام فقیر و مسکین کو اپنے دستر خوان پر آنے کی دعوت دیتا رہا وہ قبلہ حاجات اس دار فانی سے رحلت فرما گیا۔

دل اس کی جدائی میں غمگین ہے اور آنکھیں نم آلودہ۔ کوئی ایسا نہیں جسے اس کے فیض صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا ہو اور اس کی جدائی کے بعد اپنی زندگی میں ایک خلاء سا محسوس نہ کرتا ہو۔

انہوں نے اپنے کسب سعی اور اخلاص کی بدولت اعلیٰ سے اعلیٰ طبقہ میں جگہ پائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کا روسائے شہر میں شمار ہونے لگا۔ گورنمنٹ کی نظروں میں بھی قابل اعتماد ٹھہرے۔ زندگی بھر ایک وفادار شہری کی حیثیت سے قوم و وطن کی خدمت میں مصروف رہے۔ سالہا سال انسپکٹر آف پولیس کا عہدہ آپ کے سپرد رہا۔ چند ماہ ڈی۔ ایس۔ پی کا عہدہ بھی آپ کے سپرد رہا۔ بھاگلپور کے ایک مشہور اسٹیٹ ''نارتھ کنا تھ اسٹیٹ'' کے جنرل مینیجر بھی مامور ہوئے۔ ان کے زیر اہتمام آتے ہی اسٹیٹ میں نہایت مفید اصلاحات کا نفاذ ہو گیا۔ جن دنوں بھاگلپور میونسپلٹی میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی تو اس کی اصلاح کے لئے بھی آپ کو میونسپلٹی کا سیکریٹری بنایا گیا۔ مرحوم کی انتظامی قابلیت حیرت انگیز تھی۔ ان اطراف میں ایسی صلاحیت کا انسان ابھی تک نہیں دیکھا گیا۔

یہ تو دنیوی مدارج کا کمال تھا۔ مگر ان کا مقصود زندگی تو مذہب تھا۔ انہیں ہر جگہ خدا پرستی کی دُھن لگی رہتی تھی۔ مذہب کا وہ مفہوم جو انہوں نے احمدیت کے دامن میں آکر سمجھا تھا۔ ہر محکمہ میں پہنچ کر اس کی خدمت کرتے رہے۔ ہر عقیدہ وخیال والے کے ساتھ بالکل احمدیہ روایات کے مطابق پیش آتے۔

اس تعصب، عناد اور قوم پرستی کی دنیا میں جب غیر مسلم آپ کے اقوال اور اعمال دیکھتے تو محو حیرت ہو

جاتے کہ اس صدی میں ایسا انسان کیسے پیدا ہو گیا۔ یہ تو کوئی ست یگ کا مہا پرش معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ایک قریبی بیٹھنے والے ہندو کو بار بار یہ کہتے سنا ہے کہ یہ مریں گے تو آ کاش سے ان کے لئے ویمان (جہاز) آئیں گے۔

پھر ان کی کریمی کا یہ حال تھا کہ پینشن کے ساتھ جو اپنی مزروعہ زمین کی پیداوار بھی آتی تھی اسے بھی آخیر سال تک مطالبات سلسلہ اور صدقہ و خیرات میں صرف کر دیتے۔ ذخیرہ اندازی، زر پرستی اور کبر پسندی کی عادت تو بالکل نہیں پائی تھی۔ ان کے مکان کا وسیع سائبان بے گھروں کا گھر اور بے پناہوں کی پناہ گاہ تھا۔ ان کا کشادہ سا محل حضرت آدم کی جنت کی ظل معلوم ہوتا تھا جس کے متعلق خدا نے کہا إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ جس غریب و مسکین کو شہر کے کسی دروازہ پر آب و دانہ نہ ملتا وہ یہاں آ کر اپنی بھوک و پیاس بجھا لیتا اور زندگی بھر منشائے الٰہی وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ پر عمل کرتے رہے۔

پھر ان میں ایک عجیب و غریب صفت توکل و غنا کی تھی۔ ان کا ایک کالا سا بٹوہ جو ہمیشہ ان کے آگے پڑا رہتا تھا۔ اسے کسی نے خالی ہوتے نہیں دیکھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ بٹوے میں صرف دس روپے رہ گئے۔ ایک طرف باورچی مطبخ کا خرچ مانگنے آیا اور دوسری طرف کوئی محتاج سوال کرتا ہوا آ گیا۔ آپ نے وہ روپے سائل کو اٹھا کر دے دیئے اور باورچی کہتا کھانا کیسے بنے گا کہتے خدا بھیج دے گا اور خارق عادت طور پر خدا کی مدد آ جاتی۔ اسی طرح وہ ہمیشہ اپنی دوا اپنے لباس اور اپنے گھر پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔

اسی طرح مرض الموت کا واقعہ ہے کے بٹوہ میں صرف دس روپے تھے ڈاکٹر نے نسخہ بھی دس روپے کا لکھا۔ ابھی خادم دوا لانے چلا ہی تھا کہ ایک حاجت مند آ گیا۔ انہوں نے خادم کو واپس بلا لیا اور وہ روپے محتاج کو دے دئے۔ پھر یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا بلکہ مرحوم کی زندگی میں اس قسم کے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔

ایک مرتبہ میرے سامنے ایک واقعہ پیش آیا مرحوم کہ متبنیٰ کا لڑکا کہیں غائب ہو گیا اور ساتھ ہی پانچ سو روپے بھی سرہانے سے گم ہو گئے۔ یہ کتنے بڑے شبہ کا موقعہ تھا مگر مرحوم کی شرافت نفس دیکھئے کے کہ ان کی زبان سے ایک لفظ بھی اس قسم کا نہیں نکلا بلکہ وہ رو رو کر صرف لڑکے کے لئے دعا مانگنے لگے۔ اور یہ مرحوم کی فطری خاصیت تھی کہ جب ایسے حوادث پیش آتے غصہ و پریشانی کی بجائے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور وہ

توبہ اور دعا کی طرف مائل ہوجاتے۔ان پر ایک مرتبہ چند بداندیشوں نے مقدمہ بھی چلایا۔ان دنوں ان کے صبر واستقلال اور پامردگی کا شاندار مظاہرہ ہوا انہوں نے حوادثات اور مشکلات پر صبر واستقامت کی عجیب ہمت پائی تھی۔

پھر یہ ایمان اخلاص اور عقیدت کے لحاظ سے اپنے بہت سے ہم عصروں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے تھے۔قبولیت احمدیت کے وقت انہوں نے خدا تعالیٰ سے جو عہد باندھا تھا اس پر تا مرگ قائم رہے۔ ارکان اسلام کی ادائیگی کا دل میں کا ایک ولولہ تھا۔ برکات دعا پر بڑا پختہ ایمان تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ خاندان نبوت اور اکابر سلسلہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جب کوئی نمائندہ سلسلہ کا آتا ان کی رگِ محبت بھڑک اٹھتی۔ہر شخص کی زبان سے ذکر حبیب سننے کے مشتاق رہتے اور فرماتے کے یہ زبان اپنے اپنے الفاظ میں میرے محبوب کا ذکر کرتی ہے اور مجھے اس میں خاص لطف آتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد محاصرہ قادیان کا مرحوم پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا وہ اکثر فرماتے کہ مجھے زندگی کی ہوس نہیں لیکن ایک باران آنکھوں سے تخت گاہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مقاماتِ مقدسہ اور شعائرہ اللہ کو آزاد دیکھنا چاہتا ہوں۔

اُن کے خصائل حمیدہ میں سب سے بزرگ خصلت اقامت صلوٰۃ کی تھی۔انہیں یہ بڑا گراں گزرتا تھا کہ اذان کے بعد کوئی شخص مسجد جانے میں تاخیر کرے۔انہوں نے اپنی آل واولاد کو بھی پابند نماز بنانے کی انتہائی کوشش کی اور نوجوان اسٹوڈنٹ کا تو انہیں خاص خیال رہتا تھا۔انہوں نے حتی المقدور فرمان الٰہی یا ایھا الذین قوا انفسکم اھلیکم ناراً یعنی اے لوگو! اپنے آپ کو آپنے اہل کو (آگ سے) بچاؤ) پر عمل کرنے کی کوشش کی۔

آواز بڑی دلکش پائی تھی۔خوش الحانی سے کلام پاک کی تلاوت کرتے تو بے اختیار دل اس کی طرف کھنچا جاتا۔ہمیشہ باترجمہ تلاوت کی عادت تھی۔اور اکثر اس اثنا میں رقت طاری ہوجاتی کہ آواز گلوگیر ہوجاتی۔

ان کے عہد میں بھاگلپور کی احمدیہ مسجد کی تعمیر ہوئی انہوں نے اس میں نمایاں حصہ لیا اگر یہ زندہ رہتے تو امید تھی کہ ان کی خاص کوشش سے مسجد کے اور بہت سے کام ہوجاتے۔انہوں نے آئندہ سال کے بجٹ میں مسجد کے لئے خاص بڑی رقم رکھی تھی۔ایک باران کے عرصہ ملازمت میں مونگھیر کی مسجد کا مقدمہ چھڑ گیا۔احباب کا بیان ہے کہ اس وقت انہوں نے پانی کی طرح روپئے بہائے اور یہ بالکل درست ہے کہ

جب احمدیت کا سوال آجاتا تو ان کے ایثار وقربانی میں بھی طغیانی آجاتی۔

پھر میں نے دیکھا کے ان کی زندگی کا آخری حصہ بھی سلسلہ کے ایک معاملہ کو سلجھاتے ہوئے بسر ہوا۔ حضور انور ایدہ اللہ کی تحریک پر بھاگلپور کے سب Subdivison بانکا (اب ضلع بانکا) میں ایک حلقہ تبلیغ کھولا گیا۔ جہاں واقفین احمدیت پندرہ روز تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک شخص خالد احمد عرف مٹھو میاں کو سچی توبہ کی توفیق ملی۔ جب وہ اپنے پرانے ڈاکوؤں کی جماعت سے نکل کر مسجد بنانے لگے اور دوستوں کی طرف سے جو قتل وغارت گری کی مہم ان کے سپرد تھی اس سے انکار کیا تو ان کے پرانے ساتھیوں کو ان کی طرف سے شبہ ہوا اور ان پر قاتلانہ حملہ کیا۔ جس سے وہ شدید طور پر مجروح ہوئے ان دنوں یہی مقدمہ چھڑا ہوتھا۔

جناب مولوی اختر علی صاحب کا آخری لمحہ حیات بھی اسی مظلوم احمدی کے معاملات پر غور وفکر کرتے ہوئے بسر ہوا۔ وہ جب تک زندہ رہے ان کی طرف سے نہات فیاضانہ اور دلیرانہ طور پر مدافعت کرتے رہے۔

مجھے جب ان کے قریب بیٹھنے کا موقعہ ملا اور میں نے ڈوب کر ان حالات کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ ان کی دانست میں کوئی ایسا مستحق امداد احمدی نہیں جن کی وہ خفیہ طور پر مدد نہ کرتے ہوں اور اخلاص کا یہ عالم تھا کہ اسے مخفی رکھنے کی زیادہ کوشش کرتے۔

خود میرا واقعہ ہے کہ جب میں 1945ء میں بیعت کر کے قادیان سے واپس آیا تو اتفاقاً دشمنان احمدیت کے نرغہ میں پھنس گیا۔ ابھی تک مولوی اختر علی صاحب سے میری دید تھی نہ شنید۔ مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ بھاگلپور میں اس قسم کا ایک واقعہ ہوا ہے تو فوراً دریافت حال کے لئے ایک پارٹی بھیجی اور جب 1949ء میں اعداء حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے زیادہ ستانا شروع کر دیا تو اپنے اہل وعیال کو لے کر انہیں کے سایہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ یہ جب تک زندہ رہے بزرگانہ شفقت سے پیش آتے رہے۔ ان کی سیرت کے سلسلہ میں ان کی فراست مومنانہ کا ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

موت سے دو دن پیش تر نہایت وثوق سے انہوں نے اپنی وفات کی پیشگوئی کر دی۔ اپنے خاص خادم معین احمد کو اس قبر کی صفائی کا حکم دے دیا تھا جس میں ان کی لاش رکھی جانے والی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک ہم لوگوں کو ان کے شفا کی زیادہ امید تھی۔ اور موت کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تھی۔ مجھے تو انہوں نے

خاص نصائح سے نوازا بستر علالت پر تھے۔ ان دنوں برہ پورہ میں ہر اتوار کو میری تقریر ہوا کرتی تھی۔ ایک اتوار کو میں نے محض ان کی علالت کے پیش نظر وہاں کا پروگرام ملتوی کر دیا مگر مرحوم کی فراست دیکھئے کہ جس دن ان کی وفات ہونے والی تھی۔ وہ رات میں نے ان کے قریب ہی باہر گزاری تھی۔ وہ تو غالباً عبادت الٰہی میں مشغول تھے۔ صبح کی اذان ہوئی تو انہوں نے مجھے پکارا۔ میں وضو کر کے مسجد جانے لگا۔ مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ آپ آج برہ پورہ چلے جائیں اور جو سلسلہ تبلیغ وہاں شروع کیا ہے اسے جاری رکھیئے۔ میں نے ان کی تشویش ناک حالت کے باعث معذرت چاہی تو فرمانے لگے آپ کو میری یہ بات ماننی ہی ہوگی میں تو ان کے حکم کی تعمیل کرتا ہوا برہ پورہ چلا گیا۔ افسوس کہ وہ مجھے چھوڑ کر اس شام کو پروردگار حقیقی کے پاس چلے گئے۔

میں نے جب خبر وفات سنی تو مجھے دفعتاً حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یاد آ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی اپنی وفات سے قبل ایک سریہ کا سردار بنا کر مدینہ سے باہر جانے کا حکم دیا تھا۔ یہ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس وقت مجھے برہ پورہ جانا کتنا شاق گزر رہا تھا مگر اس بندہ خدا کی مصلحت تو کچھ اور تھی پھر جب اسی دن سول سرجن آیا اور اس نے انجکشن دینا چاہا تو اس سے بھی یہ فرمایا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں اب آپ بھی اپنی ڈیوٹی ادا کر لیجئے۔

وہ مرض الموت جو مرحوم کے لئے جاں بحق ثابت ہوا تھا۔ اس کی ابتدا نہایت معمولی طور پر ہوئی تھی ایک مٹکے میں دیہات سے گنے کا رس لایا گیا۔ ایک گلاس میں نے پیا اور آدھا گلاس انہوں نے۔ بس اسی دن سے ان کو معدہ ثقیل معلوم ہونے لگا اور یہی حالت آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی آخر میں بھوک بالکل مر گئی۔ ورنہ موت کے وقت بھی ان کی تندرستی اچھی معلوم ہوتی تھی۔ ضعیف العمر ہونے کے باوجود جسمانی قویٰ ٹھوس تھے اور حواس کی درستگی کا تو یہ عالم تھا کہ کبھی بڑھاپے کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا۔ اور مزاج میں چڑ چڑا پن تو بالکل آیا ہی نہیں۔ مرحوم مولانا حضرت حسن علی صاحب ؓ کے بھانجے تھے۔ انہیں کے زیر تربیت رہ کر توفیق احمدیت پائی۔ اپنے خاندان کے سب سے معزز فرد تھے۔ آپ کی شادی بھی برہ پورہ کے ایک معزز خاندان سادات میں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی رفیقہ حیات بھی ایک عالم کے لئے مثال تھیں آج بہشتی مقبرہ میں آرام فرما ہیں۔

سنا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خاندان کیلئے ایک نان دیا تھا اور فرمایا تھا

کہ جواس سے کھائے گا برکت پائے گا۔اس خاندان کی موجودہ اقبال مندی اس پیشگوئی کی شاہد ہے۔ان لوگوں کو دیکھ کر خدا کی سنت وَجَعَلَ عَالِيَهَا سَافِلَهَا یاد آجاتی ہے۔اس وقت ہندوستان میں احمدیوں کے ایسے خاندان کم ہونگے۔جو دنیوی عروج میں ان کی ہمعصری کا دعویٰ کر سکیں۔

غرض ایک عالم کو دینوی اور دینی عروج دیکھا کر وہ مرد خدا ہمارے درمیان سے اٹھ گیا۔ایک شمع محفل تھی وہ بجھ گئی۔ان کی زندگی میں کسی نے احمدیہ بلڈنگ پر اداسی نہیں دیکھی تھی۔میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے اٹھ جانے سے کن کن کے دل کی چہل پہل اٹھ گئی۔آج وہ کتنی حسرت بھری نظروں سے ان کی جستجو کرتے ہیں۔ محفل تو بہتوں کی گرم ہو سکتی ہے مگر ان کی بات ہی کچھ اور تھی۔وہ ہوتے تو لطف صحبت دوبالا ہو جاتا تھا۔

مرحوم آج اپنے تمام محاسن و کمالات کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں آرام فرمارہے ہیں۔ 1951ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ان کی لاش قادیان پہنچائی گئی اور درود و دعا اور استغفار کے ساتھ سپرد خاک کر دی گئی۔تاریخ احمدیت میں ان کا شمار بھی نامور ہستیوں میں ہوگا۔

مرحوم قابل تقلید نمونہ چھوڑ کر گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے کہ میرے وہ آنسو جو ان کی وفات کے وقت آنکھوں سے امڈے تھے۔اس تحریر کے وقت پھر امڈ آئے۔اے روح حق تجھ پر سلامتی ہو۔ (بحوالہ اخبار ہفت روزہ بدر قادیان 7 جولائی 1952ء صفحہ 8)

شادی و اولاد:

مکرم مولانا اختر علی صاحب کی اولاد و نسل کا ذکر مختصر درج کیا جاتا ہے۔

(1) مکرم محمد عیسیٰ صاحب

(2) مکرم میجر محمد اسماعیل صاحب

(۳) مکرم ڈپٹی محمد ایوب صاحب

(4) مکرم میمونہ صاحبہ

مکرم محمد عیسیٰ صاحب

مکرم محمد عیسیٰ صاحب مکرم مولوی اختر علی صاحب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔آپ بھاگلپور میں 19ویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئے۔آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے علم ریاضی میں M.Aاور قانون (L.L.B) کی اسناد حاصل کیں پھر انگلستان کی کسی یونیورسٹی سے Barrister کا امتحان پاس کیا۔انگلستان سے واپسی کے بعد کلکتہ میں وکالت کی پریکٹس شروع کی۔پھر تجارتی کام شروع کیا اور اس سلسلہ میں کلکتہ امرتسر اور کانپور میں لمبا عرصہ مقیم رہے۔خاکسار شہاب احمد کے علم کے مطابق تقسیم ہند کے وقت آپ کانپور میں تھے اور اسی سال پاکستان میں چلے گئے۔

آپ کی شادی مکرمہ عنایت بیگم صاحبہ بنت مکرم غلام قریشی صاحب سے ہوئی تھی۔مکرم غلام قریشی صاحب دراصل عراق کے باشندہ تھے اور پیشہ کے لحاظ سے حکیم تھے۔انہوں نے بطور طبیب امرتسر اور کشمیر میں کام کیا اور غالباً امرتسر میں ہی مکرم محمد عیسیٰ صاحب کی شادی مکرم عنایت بیگم صاحب سے ہوئی تھی۔

مکرم محمد عیسیٰ صاحب کی پیدائش بھاگلپور میں اور وفات کراچی میں ہوئی۔آپ کی پیدائش اور وفات کے معین سال کا علم نہ ہوسکا۔اندازہ ہے کہ پیداش 1895ءاور وفات 1953ءمیں ہوئی۔وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً60 سال کے قریب تھی۔

شادی و اولاد

مکرم محمد عیسیٰ صاحب کی اولاد پیدائش کے لحاظ سے مندرجہ ذیل ہے۔

(1) مکرمہ زرینہ بیگم صاحبہ مرحومہ

(2) مکرم محمد یحیٰ صاحب مرحوم

(۳) مکرم محمد ادریس صاحب مرحوم

(4) مکرمہ وسیمہ اختر صاحبہ مرحوم

(۵) مکرم ہارون صاحب مرحوم

(6) مکرمہ مبارکہ بیگم صاحبہ بقید حیات

(1)مکرمہ زرینہ بیگم صاحبہ:

یہ مکرم عیسیٰ صاحب کی پہلی اولاد تھیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ ان کی شادی مکرم محترم رشید صاحب سے ہوئی۔ جو پٹنہ یونیورسٹی میں M.A انگریزی تھے۔1942ء میں یہ لوگ Musqat چلے گئے۔ وہاں 1942ء سے 1950ء تک رشید صاحب نے بحیثیت Custom Collector کام کیا۔1950ء میں یہ لوگ کراچی آ گئے۔ یہاں بھی آپ نے اسی حیثیت میں کام کیا۔ پینشن کے وقت آپ Director of custom and excise کے معزز عہدہ پر فائز تھے۔ دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

(2)مکرم محمد یحییٰ صاحب

آپ مکرم عیسیٰ صاحب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ پیدائش کے لحاظ سے آپ کا دوسرا نمبر ہے۔ آپ نے پٹنہ یونیورسٹی سے طبیعات (Physics) اور کیمیا (chemistry) میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی یعنی ڈبل M.sc۔ تعلیم الاسلام کالج قادیان میں لیکچرار کی حیثیت سے خدمت کی توفیق ملی۔1949ء میں پاکستان تشریف لے گئے اور پاکستان کی فوج کے محکمہ نیوی میں کام شروع کیا۔ اس محکمہ میں آپ کا خاص کام بطور کیمسٹ تھا۔ اور آپ کی خدمت صرف نیوی کے محکمہ تک محدود نہ تھی بلکہ chemical Analysis کے لئے فوج کے علاوہ دوسرے محکمہ سے بھی کام آتا تھا۔ پینشن کے وقت آپ کیپٹن کے معزز عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی محترمہ امۃ الحئی صاحبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ یحییٰ صاحب 1980ء کی دہائی میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی اولاد پر فضل فرمائے۔

(۳)مکرم محمد ادریس صاحب:

آپ اولاد میں تیسرے نمبر پر اور بیٹوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ آپ نے ریاضی میں M.A یا M.sc کا امتحان پاس کیا تھا۔ پاکستان کے محکمہ موسمیات میں کام کیا۔ پنشن کے بعد ربوہ منتقل ہو گئے۔ آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔

محمد عیسیٰ صاحب

محمد یحیٰ صاحب
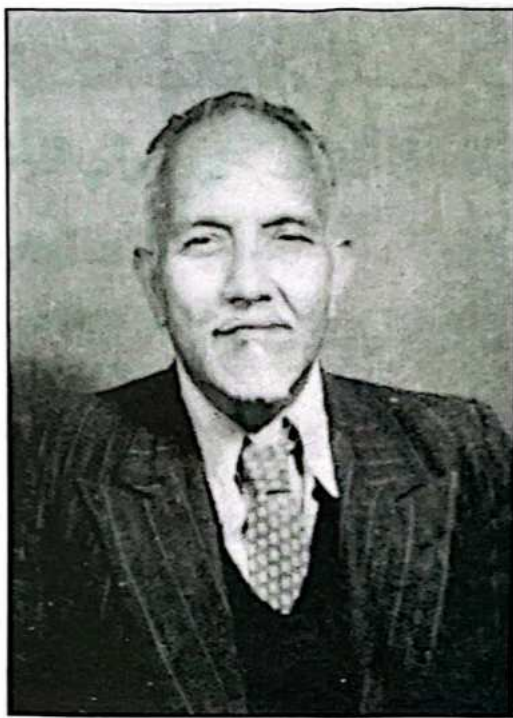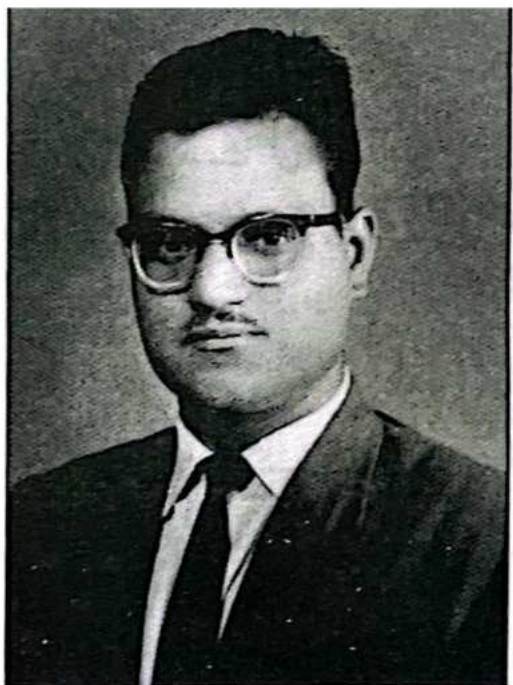
محمد ہارون عیسیٰ

محمد ادریس عیسیٰ

(4) مکرمہ وسیمہ اختر صاحبہ

آپ مکرم عیسیٰ صاحب کی دوسری بیٹی تھیں۔ پیدائش کے لحاظ سے آپ کا نمبر چوتھا ہے۔آپ نے پاکستان کے کسی ادارہ سے مولوی فاضل کی سند حاصل کی تھی۔آپ کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کے پوتے مکرم عمر فاروق صاحب سے ہوئی تھی۔آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔

(۵) مکرم ہارون عیسیٰ صاحب

آپ مکرم عیسیٰ صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے نیز پیدائش کے لحاظ سے پانچویں نمبر پر تھے۔کراچی کے کسی اسکول سے ابتدائی اسکول کی تعلیم حاصل کی۔computer language کا امتحان پاس کیا۔ پہلے انگلستان اور بعدہ امریکہ چلے آئے اور یہاں N.A.S.A کے محکمہ کمپیوٹر میں کئی سال تک کام کیا۔اب اللہ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ سے رحمت اور مغفرت کا سلوک فرمائے۔

(6) مکرمہ مبارکہ بیگم صاحبہ

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔کراچی یونی ورسٹی سے I.SC کیا۔شادی کے بعد اپنے شوہر مکرم شاہد احمد صاحب (خاکسار کے چھوٹے بھائی) کے ساتھ مسی ساگا کینیڈا آ گئیں۔معاشیات اور نفسیات میں DOUBLE HONOUR کا اعزاز حاصل کیا۔اللہ کے فضل سے دونوں میاں بیوی نے عمرہ کی سعادت پائی۔اللہ تعالیٰ اُن کو اور ان کی اولاد کو خلافت سے پہلے سے بڑھ کر وابستہ رکھے۔مکرمہ مبارکہ صاحبہ کے سب بھائی بہن اب خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔

مکرم میجر محمد اسماعیل صاحب

آپ مولانا اختر علی صاحب کے دوسرے بیٹے تھے۔ بھاگلپور میں ہی پیدا ہوئے اور انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے بی اے اور بعد میں انگریزی میں ایم اے کی اسناد حاصل کیں۔ آپ ایک اچھے فٹ بال کے کھلاڑی تھے اور بھاگلپور کی کئی ٹیموں کے علاوہ علی گڑھ کی ٹیم میں بھی شامل رہے۔ جس میں صرف قابل کھلاڑیوں کا ہی انتخاب ہوتا تھا۔ یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز پٹنہ کالج سے بحیثیت لیکچرار کیا۔ اسی دوران آپ نے ہندوستانی فوج کے شعبہ تعلیم کو جوائن کیا اور وہاں زیر تربیت فوجیوں کو پڑھانا شروع کیا۔ آپ کی پہلی پوسٹنگ داناپور جو پٹنہ شہر سے چھ میل کے فاصلے پر ہے میں ہوئی۔ تقسیم ہند کے وقت تمام فوجیوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ہندوستان کی فوج میں ہی رہیں یا پاکستان جا کر پاکستانی فوج میں شمولیت اختیار کرلیں۔ آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا اور کاکول اکیڈمی میں بطور عربی فارسی انگریزی کے پروفیسر کے 1947ء تا1950ء تک کام کیا، اپنی ملازمت کے آخری ایام میں 1952 تا 1955ء آپ کی پوسٹنگ ڈھاکہ میں ہوئی جہاں سے آپ بحیثیت میجر کے ریٹائرڈ ہوئے۔ فوج سے پینشن لینے کے بعد آپ ربوہ منتقل ہوگئے جہاں انہوں نے 1955 تا1965ء جامعہ احمدیہ اور نصرت کالج میں انگریزی اسلامیات عربی اور فارسی کی تعلیم دی۔ 1962ء میں آپ ربوہ سے لاہور کے علاقے ماڈل ٹاؤن میں منتقل ہوگئے جہاں 1976ء میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ موصی تھے لہذا آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔ آپ ایک لائق بیٹا، شفیق شوہر، بہترین باپ اور شفیق دادا ہونے کے ساتھ ساتھ شفیق استاد بھی تھے لیکن لوگ انہیں ایک جاں نثار احمدی نیز انسانیت کا درد رکھنے والے انسان کی حیثیت سے یاد رکھتے ہیں۔

شادی اور اولاد:

محترم میجر اسماعیل صاحب کی شادی اپنی خالہ زاد بہن محترمہ امینہ صاحبہ سے ہوئی جن کا تعلق بھاگلپور کے ایک قریبی گاؤں برہ پورہ کی قاضی فیملی سے تھا۔ امینہ بیگم کے ایک بھائی قاضی کلیم صاحب تھے جو واقف زندگی تھے اور ایک لمبا عرصہ تک احمدیہ ہال کراچی اور بعد میں ناظم آباد میں بیت الحمد میں رہائش پذیر رہے۔ مکرم امینہ بیگم صاحبہ موصی تھی اور آپ کی تدفین ربوہ میں بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔

میجر محمد اسماعیل صاحب کی اولاد کا تعارف:

آپ کی کل اولاد کی تعداد اٹھ تھی ۔جن میں تین بیٹیاں اور پانچ بیٹے تھے ۔جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

(1) مکرم محمد اسحاق صاحب

آپ مکرم میجر محمد اسماعیل صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔آپ پیشے کے اعتبار سے انجینیر تھے۔اور آپ کی شادی جماعت کے مشہور عالم دین اور ماہر تعلیم محترم پروفیسر قاضی اسلم صاحب کی دختر مکرمہ کوثر بیگم صاحبہ سے ہوئی تھی ۔مکرم محمد اسحاق صاحب کا انتقال 1975ء میں کافی کم عمر میں ہو گیا تھا۔آپ کے تین بچے ہیں ۔یوسف اسحاق جو ایک کامیاب بزنس مین ہیں اور پاکستان میں مقیم ہیں جب کہ دوسرے بیٹے احمد اسحاق ڈاکٹر ہیں اور لندن میں سکونت اختیار کی ہوئی ہے ۔جب کہ بیٹی مریم کی شادی ائر کمانڈر ظفر چوہدری کے بیٹے سے ہوئی ہے اور آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔جب کہ اسحاق صاحب کی بیگم لاہور میں اپنے بڑے بیٹے کے پاس رہتی ہیں۔اسحاق صاحب کی تدفین ربوہ کے عام قبرستان میں ہوئی۔

(2) مکرم رضیہ بیگم صاحبہ

آپ اولاد میں دوسرے نمبر پر تھیں۔اور تقسیم پاکستان کے بعد ربوہ آکر جامعہ نصرت سے بی اے تک کی تعلیم حاصل کی،آپ کی شادی اپنے خالہ زاد بھائی شیخ منظور علی سے ہوئے جو پیشے کے اعتبار سے انجینیر تھے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ تھے،شیخ صاحب نے ملازمت کے سلسلہ میں آپ کافی عرصہ ڈھاکہ اور پھر کراچی میں آخر مستقل رہائش اختیار کی۔آپ کے تین بچے ہیں شیخ منور احمد جن کی شادی اپنی خالہ آمنہ کی بیگم کی بیٹی سے ہوئی اور بیٹی صوفیہ کی شادی آمنہ بیگم کے بیٹے سے ہوئی دونوں اولادوں کی رہائش کراچی میں ہے۔جب کے منجھلی بیٹی سعدیہ بشریٰ کی شادی بہار کے سید محمد ظفیر صاحب کے بیٹے سید سلیم صاحب سے ہوئی اور آج کل کینڈا کے شہر ایڈمنٹن میں مقیم ہیں۔رضیہ بیگم صاحبہ اب وفات پا چکی ہیں۔آپ کی تدفین احمدیہ قبرستان کراچی میں ہوئی۔

(3) مکرم زکریا اسماعیل صاحب

آپ یکم جولائی 1929ء کو بہار کے شہر بھاگلپور میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم بھاگلپور سے

میجر محمد اسماعیل صاحب
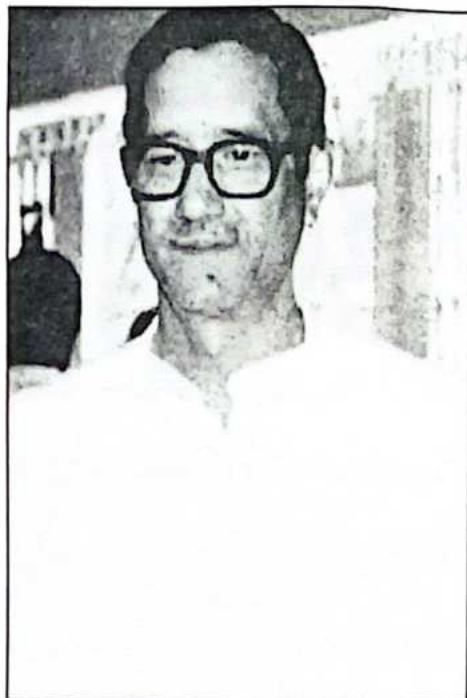
موسیٰ اسماعیل صاحب

سلیمان اسماعیل صاحب

زکریا اسماعیل صاحب

حاصل کی اور نویں جماعت میں تعلیم الاسلام اسکول قادیان میں داخلہ لیا۔ تقسیم ہند کی وجہ سے پاکستان آنا پڑا اور لاہور اور بعد میں تعلیم الاسلام اسکول چنیوٹ سے انٹرس پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کی۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں آپ ایک اچھے اسپورٹس مین تھے اور کالج کی فٹ بال ٹیم کے کھلاڑی تھے۔ آپ کے طالب علم کے ساتھیوں میں حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ اور مبارک مصلح الدین صاحب بھی شامل تھے۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ایم ایس سی آنرز کیا، پروفیشن کے لحاظ سے فارمیسٹ تھے اور لاہور کوئٹہ اور کراچی میں مختلف دوا ساز فرموں میں ملازمت اختیار کی اور بحیثیت پروڈکیشن مینیجر ریٹائرڈ ہوئے۔ جماعت کے انتہائی خادم تھے اور 1947ء کے پرآشوب دور میں پھر 1953ء کے آزمائشی دور میں مختلف جماعتی خدمات سرانجام دیں جن میں پُرخطر مقامات پر حفاظتی ڈیوٹیاں بھی شامل تھی، جماعت اور خلیفہ وقت کی اطاعت گذار اور ہر تحریک پر لبیک کہنے والے تھے، جماعتی چندوں کا خاص خیال رکھتے تھے اور ہر ممکن کوشش تھی کہ چندے بروقت ادا ہوں۔ زندگی کے آخری 15 سالوں میں آپ کینیڈا منتقل ہو گئے۔ آپ کا انتقال 2012ء میں کینیڈا کے شہر ایڈمنٹن میں ہوا اور آپ اسی شہر میں مدفون ہیں۔ اپنی اولادوں کی تربیت میں اس بات کا خیال رکھا اور اللہ کے فضل سے اُن کی تینوں اولادیں جماعتی خدمت میں پیش پیش ہیں اور ہر قدم پر آپ نے اُن کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔
زکریا اسماعیل کی شادی خاکسار راقم کی بھانجی آصف جہاں نیلوفر سے ہوئی۔ آپ کی اولادوں میں سے بیٹی ڈاکٹر فوزیا زکریا ہیں جن کی شادی راقم کے بیٹے سید مبارک احمد سے ہوئی ہے اور وہ بھی کینیڈا کے شہر ایڈمنٹن میں مقیم ہیں آپ کی تین اولادیں ہیں۔ اور فرزندان ڈاکٹر یونس اسماعیل صاحب الابامہ، یو ایس اے ہیں جن کی شادی سلسلہ کے عالم حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری صاحب کی پوتی بشریٰ سے ہوئی۔ اور آپ کی چار اولادیں ہیں، اور سب سے چھوٹے بیٹے داؤد اسماعیل ہیں۔ داؤد اسماعیل کی رہائش بھی ایڈمنٹن میں ہے پیشے کے اعتبار سے کمپیوٹر اپرافیشنل ہیں اور آپ کی تین اولادیں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ زکریا صاحب کی بیوہ انہیں کے ساتھ رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی بیگم اور تینوں اولادوں اور آپ کے تمام بچوں کو عمرہ کی سعادت نصیت ہوئی ہے۔ تمام اولادیں جماعت کے مختلف عہدوں پر خدمات انجام دے رہی ہیں۔
فوزیہ زکریا صاحبہ کی خدمت کا ذکر ان کے شوہر کے سید مبارک احمد کے ساتھ ہوگا۔ ڈاکٹر یونس

اسماعیل صاحب جماعت احمدیہ الابار کے فعال کارکن ہیں وہ اور ان کی اہلیہ عمرہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ داؤد اسماعیل صاحب قریباً بیس سال سے ایڈمنٹن کینیڈا میں مقیم ہیں۔ شروع سے آج تک جماعت کے فعال رکن ہیں ان دنوں جماعت ایڈمنٹن مشرقی کے جنرل سیکریٹری ہیں۔ چند سال قبل انہیں مع اپنی والدہ محترمہ کے عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ انہیں اور ان کے اہل عیال کو خدمت دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

(4) مکرمہ آمنہ بیگم صاحبہ

آپ کی شادی خاکسار کے بھانجے اور نیلوفر کے بڑے بھائی ڈاکٹر شوکت احمد صاحب سے ہوئی۔ کافی عرصہ ڈھاکہ میں رہنے کے بعد جب کراچی تشریف لائے تو کراچی کے واٹر بورڈ میں ڈاکٹر تھے اور 2005ء میں برین ہمریج کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ آمنہ بیگم بھی چند سال قبل خالق حقیقی سے جا ملی ہیں۔ آپ کی چار اولادیں ہیں۔ بڑے بیٹے سید مبشر احمد کی شادی اپنی خالہ رضیہ بیگم کی بیٹی صوفیہ سے ہوئی آپ کے تین بیٹے ہیں۔ سید مبشر صاحب کا انتقال صرف 49 سال کی عمر میں ہو گیا ہے۔ بیٹی ثمینہ احمد کی شادی رضیہ بیگم کے بیٹے سید منور احمد سے ہوئی ہے اور آپ کے تین بچے ہیں تیسرے بیٹے سید مظفر احمد پاکستان فوج میں برگیڈئر ہیں اور آپ کی شادی اپنی ماموں زاد ڈاکٹر سلیمان اسماعیل کی بیٹی سے ہوئی جب کے چوتھے بیٹے سید مدثر احمد کراچی میں ایک نجی بینک میں ملازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام اولادیں جماعت سے اخلاص اور وفا کا تعلق رکھتی ہیں۔

(5) مکرم محمد سلیمان اسماعیل صاحب

ڈھاکہ یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پاکستانی فوج میں ملازمت اختیار کر لی اور بعد ازاں کرنل کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائرڈ ہوئے۔ انتہائی پر جوش داعی الی اللہ تھے فوج کی ملازمت اور پاکستان کے حالات کے باوجود کبھی اپنے عقیدہ کو نہیں چھپایا بلکہ جہاں بھی موقعہ ملتا تبلیغ ضرور کرتے۔ پینشن کے بعد لاہور میں رہائش اختیار کر لی اور وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی شادی عقیلہ بیگم سے ہوئی جن سے آپ کی تین اولادیں ہیں بڑی بیٹی عائشہ کی شادی اپنے کزن برگیڈئر سید مظفر احمد سے ہوئی جب کہ بیٹی خولہ اور بیٹا صباح الدین بھی شادی شدہ ہیں۔ آپ احمدیہ قبرسان لاہور میں مدفون ہیں۔

(6) مکرمہ عاصمہ بیگم صاحبہ

بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں، جامعہ نصرت سے بی اے کرنے کے بعد لاہور سے ایم سے سائیکلو جی کیا، آپ کی شادی کرنل لئیق احمد ملک سے ہوئی۔ آج کل کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ آپ کی چار اولادیں ہیں جن میں دو بیٹیاں سارہ ملک اور رابعہ ملک جب کہ دو بیٹے فیصل ملک اور یاسر ملک ہیں۔

(7) مکرم محمد شعیب اسماعیل صاحب

آپ کی پیدائش پٹنہ بہار میں ہوئی کامرس کی ڈگری لینے کے بعد پاکستان کے ایک سرکاری بینک میں ملازمت اختیار کی۔ آپ کی شادی قاضی اسلم کی بھتیجی اسمہ بیگم سے ہوئی۔ ایک لمبے عرصہ تک ذیابطیس اور گردے کی تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد آپ کا انتقال لاہور میں ہوا۔ آپ کی ایک بیٹی آسیہ اپنی والدہ کے ساتھ لاہور میں رہتی ہے۔

(8) مکرم محمد موسیٰ اسماعیل صاحب

یوں تو آپ شعیب اسماعیل کے جڑواں بھائی ہیں لیکن پیدائش میں تین منٹ کے وقفہ کی وجہ سے آپ اسماعیل صاحب کی سب سے چھوٹی اولاد ہیں۔ آپ ہندوستان میں 1944ء میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت آپ کی عمر صرف تین سال تھی۔ تعلیم الاسلام ہائی اسکول ربوہ سے میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد فورمین کرسچن کالج لاہور سے بی اے کی سند حاصل کی بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری بھی حاصل کی۔ آپ نے پاکستان کی سوئی سدرن کمپنی کراچی میں ملازمت اختیار کی ان کی شادی مکرم محمد عبد الرشید صاحب (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) کی دختر مکرمہ فرحت صاحبہ سے ہوئی۔ جن سے آپ کے تین بچے ہیں۔ مکرم آصف صاحب، مکرم اسد صاحب اور مکرمہ مائرہ صاحبہ۔

آپ 15 مہینوں کی لمبی بیماری کے بعد ٹورنٹو میں 14 اگست 2017ء کو فوت ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اس لمبی بیماری کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ٹورنٹو کے احمدیہ قبرستان میں تدفین ہوئی۔ اب مکرم میجر محمد اسماعیل صاحب کی اولاد میں سے کوئی بیٹا زندہ نہیں صرف بیٹی مکرمہ آمنہ بیگم صاحبہ بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مکرم ڈپٹی محمد ایوب صاحب

آپ مکرم مولانا اختر علی صاحب کے تیسرے اور سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ آپ کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم بھاگلپور میں ہوئی۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کی آخری تعلیم کہاں تک تھی اور کس یونیورسٹی سے تھی لیکن یہ یقینی ہے کہ آپ کم از کم B,A ضرور تھے۔ اس لئے کہ آپ نے بہار سول سروس میں ڈپٹی کی حیثیت سے سروس شروع کی تھی جس کے لئے B.A ہونا لازمی ہے۔

ملازمت کے سلسلہ میں آپ کی تعیناتی آرہ، گیا، رانچی اور بہار کے دیگر مختلف شہروں میں ہوتی رہی۔ آرہ جو خاکسار یعنی سید شہاب احمد کا وطن ہے، وہاں آپ دو مرتبہ تعینات رہے۔ جب آپ کی پہلی تعیناتی آرہ میں ہوئی۔ اُس وقت میں بہت کم سن تھا۔ اس لئے یہ بھی یاد نہیں کہ وہ کون سا سال تھا غالباً یہ 1940ء سے قبل کی بات ہے۔ دوسری بار 1941ء میں آپ آرہ آئے۔ اچھی طرح یاد ہے کہ جمعہ اور عید کی نمازیں انہیں کی دولت کدہ پر ہوتی تھیں۔ اللہ کے فضل اور مسیح پاک کی غلامی کے طفیل آپ اپنی ملازمت میں ترقی کرتے چلے گئے یہاں تک کہ پرنسپل ٹرینگ کالج ہو گئے۔ یہ کالج رانچی میں ہے اور یہاں ان حکام کی تربیت ہوتی ہے جن کا ملازمت کے لئے انتخاب ہو چکا ہوتا ہے لیکن کام شروع کرنے کے لئے ٹرینگ ضروری ہے۔ یہ کافی اعلیٰ عہدہ ہے۔ کئی سال اس اعلیٰ عہدہ پر فائز رہنے کے بعد انہیں پینشن ملی۔ میری ان سے آخری ملاقات اسی شہر رانچی میں 1961ء میں ہوئی تھی۔ وہاں انہوں نے بہت اچھا مکان بنوایا تھا اور اُن کا رادہ تھا کہ وہیں مستقل سکونت اختیار کی جائے لیکن 1967ء مین اس شہر میں زبردست فساد ہوا سینکڑوں مسلمان موت کے گھاٹ اتار دئے گئے سینکڑوں زخمی ہوئے۔ مالی نقصان اس کے علاوہ تھا اللہ تعالیٰ نے حسب سابق احمدیوں کو محفوظ رکھا لیکن دنگوں کی وجہ سے شہر کی فضا اس قدر مکدر ہو چکی تھی کہ اب ایوب صاحب کے لئے وہاں رہنا ممکن نہ تھا مجبوراً اپنے وطن واپس آ گئے۔ وہیں ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کے بعد 28 دسمبر 1978ء کو وفات پائی۔ آپ موصی تھے لہذا بعد ازاں 19 دسمبر 1983ء کو بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن کیا گیا۔ اُن کی قبر قطعہ 10 حصہ 4 قبر 23 میں ہے۔ آپ کا وصیت نمبر 13881 ہے۔

شادی اور اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹیاں اور پانچ بیٹے عطا فرمائے۔جن کے نام علی الترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرمہ صفیہ ایوب صاحبہ زوجہ مکرم شمس الھدیٰ صاحب حال کینیڈہ

(2) مکرمہ آصفہ ایوب صاحبہ زوجہ مکرم سید فاروق احمد صاحب حال لندن

(3) مکرم الیاس ایوب صاحب مرحوم

(4) مکرم عباس ایوب صاحب مرحوم

(5) مکرم احمد ایوب صاحب حال پاکستان

(6) مکرم مصطفیٰ ایوب صاحب ساکن بھاگلپور

(7) مکرم اسلم ایوب صاحب ساکن بھاگلپور

مکرم مصطفیٰ ایوب صاحب کے تین بیٹے مکرم راشد مصطفیٰ صاحب، مکرم عاصف مصطفیٰ صاحب، اور مکرم خالد ایوب صاحب ہیں۔

مکرمہ میمونہ بیگم صاحبہ

آپ مولانا اختر علی صاحب کی اکلوتی بیٹی تھیں۔آپ کی شادی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی محترم ڈاکٹر ملک الٰہی بخش صاحبؓ کے فرزند مکرم ملک محمد اسماعیل صاحب سے ہوئی تھی۔مکرمہ میمونہ بیگم صاحبہ کا ذکر خیر مکرم حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحبؓ کے خاندان کے ضمن میں آئے گا۔انشاء اللہ۔

ڈپٹی ایوب صاحب

یونس اسماعیل صاحب

داؤد اسماعیل صاحب

سلیمان داؤد اور یحیٰ داؤد
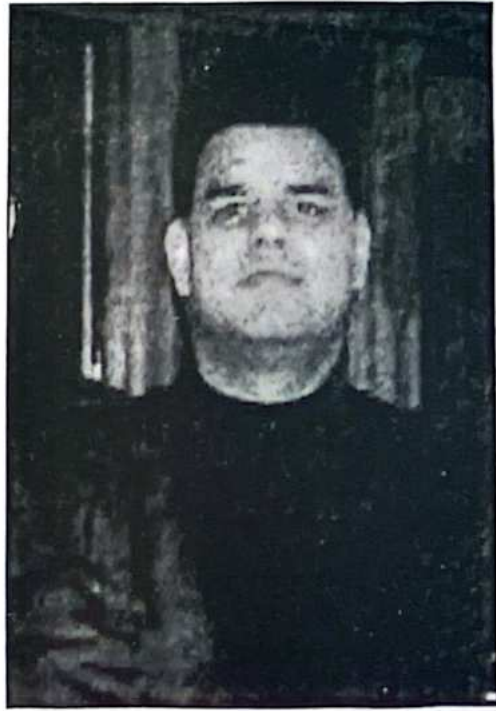
مکرم شاہ محمد یوسف صاحب

مکرم شاہ محمد یوسف صاحب حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ کے دوسرے بھانجے تھے۔ آپ کی مندرجہ ذیل اولاد تھی۔

شادی واولاد:

(1) مکرم ڈاکٹر محمد یونس صاحب پیدائش 30 اکتوبر 1930ء وفات 25 اگست 2010ء
(2) مکرم سید محمد داؤد صاحب پیدائش 8 اگست 1932ء حال مقیم کینڈا
(3) مکرم سید محمد ابراہیم صاحب پیداش 7 ستمبر 1935ء وفات 8 جولائی 2014ء
(4) مکرمہ حسن آراء صاحبہ پیدائش 20 اکتوبر 1939ء وفات 30 دسمبر 2014ء
(5) مکرمہ جہاں آراء صاحبہ پیدائش 5 ستمبر 1941ء
(6) مکرمہ ہاجرہ بیگم پیدائش 2 اکتوبر 1949ء حال مقیم کینڈا
(7) مکرمہ شہناز بیگم صاحبہ پیدائش 28 اپریل 1955ء

(1) مکرم ڈاکٹر محمد یونس صاحب

آپ بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ پٹنہ میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے آبائی شہر بھاگلپور میں بحیثیت ڈاکٹر برسوں انسایت کی خدمت کی۔ انتہائی مخلص انسان تھے۔ طالب علمی کے زمانے سے شریعت کے پابند تھے۔ پانچوں وقت کی نماز احمدیہ مسجد بھاگلپور میں ادا کرتے تھے۔ زندگی کی آخری سالوں میں ویل چیر کے استعمال پر مجبور ہو گئے تھے۔ 80 سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ آپ موصی تھے۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

مکرم ڈاکٹر یونس صاحب کی مندرجہ ذیل اولاد ہے۔

(1) مکرمہ صبیحہ صاحبہ پیدائش 14 ستمبر 1957ء (2) مکرمہ نصرت صاحبہ 7 اکتوبر 1958ء (3) مکرم ڈاکٹر مبشر یونس صاحب پیدائش 19 اگست 1960ء (4) مکرمہ سائمہ مسرت صاحبہ پیدائش 4 اکتوبر 1962ء (5) مکرمہ ناصرہ صاحبہ پیدائش 6 ستمبر 1968ء (6) مکرم مظفر یونس صاحب پیدائش 13 اگست 1972ء

(2) مکرم سید محمد داؤد صاحب

مکرم سید محمد داؤد صاحب مکرم شاہ محمد یوسف صاحب کی دوسری اولاد ہیں۔ آپ کی شادی جماعت کے مخلص خادم سید محی الدین صاحب رانچی کی دختر مکرمہ پروین صاحبہ سے ہوئی۔ سالوں سے وہ ٹورنٹو کینیڈہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہیں۔

آپ کی مندرجہ ذیل اولاد ہے

(1) مکرم ڈاکٹر اسلم داؤد صاحب پیدائش 25 ستمبر 1962ء (2) مکرم خالد داؤد صاحب پیدائش 25 جنوری 1967ء (3) مکرمہ فریحہ سمین صاحبہ پیدائش 9 اگست 1974ء

مکرم اسلم داؤد صاحب برسوں سے ٹورنٹو کینڈہ میں مقیم ہیں۔ جماعت احمدیہ کینڈہ کے نائب صدر دوم ہیں۔ ہیومینیٹی فرسٹ کے صدر ہیں اور انتہائی محنت سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ طبیعت میں بہت زیادہ خاکساری پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مقبول خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

مکرم خالد داؤد صاحب کی مندرجہ ذیل اولاد ہے۔ (1) مکرم سید کاشف صاحب پیدائش 9 مئی 1999ء (2) مکرم سہیل سلمان صاحب

مکرم شاہ نور الحسن صاحب

مکرم شاہ نور الحسن صاحب حضرت حسن علی صاحبؓ کے تیسرے بھانجے تھے۔ 13 اگست 1969ء کو وفات ہوئی۔ آپ کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم سید منصور الحسن صاحب (2) مکرم سید خورشید الحسن صاحب (3) مکرم سید محمود الحسن صاحب (4) مکرم سید مسعود الحسن صاحب (5) مکرمہ شہزادی صاحبہ (6) مکرم ہارون رشید صاحب

مکرم سید ہدایت حسین صاحب

اور آپ کے خاندان

کا ذکر خیر

سیّد ہدایت حسین صاحب

حضرت وزارت حسین صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت سید حضرت وزارت حسین صاحبؓ

صوبہ بہار میں سب سے پہلے حضرت مولوی سید حسن علیؓ صاحب کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کے بعد سید وزارت حسین صاحبؓ کو صوبہ بہار کا دوسرا احمدی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ اورین ضلع مونگھیر میں 1883ء میں پیدا ہوئے 1901ء کے اوائل میں قادیان جا کر حضور کی دستی بیعت کی۔ آپ نے اپنے قبول احمدیت کے متعلق دو بیانات دیئے ہیں لیکن مناسب ہے کہ آپ کے بیانات سے قبل آپ کا نسب نامہ درج کر دیا جائے جو آپ کی تصنیف ''مراۃ الجہاد'' میں درج ہے۔

نسب نامہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فاطمۃ الزہراءؓ۔ امام حسینؓ۔ امام زین العابدین۔ امام محمد باقر۔ امام جعفر صادق۔ امام موسیٰ کاظم۔ امام موسیٰ رضا۔ نقی۔ تقی۔ حسن عسکری۔ امام عسکری۔ ابوفراح وسطی۔ سید فُضیل۔ سید فضل۔ سید داود۔ سید محمود۔ سید محمد مدنی۔ سید احمد جنجیری۔ سید محمد یوسف۔ سید سلیم الدین۔ سید محمد خان۔ سید عین الدین۔ سید محیب اللہ۔ سید رحیم الدین۔ سید تاج الدین۔ سید عنایت حسین۔ سید ہدایت حسین۔ سید ہدایت صاحب کے تین بیٹے سید خلافت حسین (وفات 1941ء) سید ارادت حسینؓ (وفات نومبر 1931ء) سید وزارت حسینؓ (وفات مئی 1975ء)

قبول احمدیت کی روایتیں

سید وزارت حسین صاحبؓ کے قبول احمدیت کے متعلق دو روایتیں ہیں، جو درج کی جاتی ہیں:

1۔ 1962ء میں مظفر پور بہار میں اپنی نواسی مکرمہ سیدہ قیصر جہاں صاحبہ بنت مکرم ڈاکٹر سید منصور احمد کی شادی کے موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ انہوں نے حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ سے پہلی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام سنا تھا۔ علاوہ اور احباب کے اس موقعہ پر حضرت حسن علی صاحبؓ کے بھتیجے پروفیسر محمد صاحب بھی موجود تھے۔

2۔ 1963ء میں اورین میں اپنے بیٹے ڈاکٹر محسن احمد کے ولیمہ کی دعوت کے موقع پر فرمایا کہ وہ اور ان کے منجھلے بھائی سید ارادت حسینؓ اپنے بڑے بھائی سید خلافت حسین کے فٹن پر بھاگلپور شہر کی سیر کر رہے تھے۔ ایک جگہ انہیں ایک اجتماع نظر آیا۔ آپ دونوں بھائی فٹن سے اتر کر اجتماع میں شامل ہو

گئے۔معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں کا اجتماع ہے اور ان کے سامنے غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایک عیسائی غالباً ایک پادری نے اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں اس کا جواب دینے کیلئے کسی عالم کا انتخاب کیا جائے۔اس سلسلہ میں کئی نام پیش ہوئے جن میں ایک نام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔ بہرحال حاضرین جلسہ کے فیصلہ کے مطابق اس کام کیلئے کانپور کے ایک عالم کا انتخاب عمل میں آیا۔

دوسرا غور طلب مسئلہ یہ تھا کہ شائع ہونے والی کتاب کے اخراجات کہاں سے آئیں گے۔ فیصلہ ہوا کہ جو دوست کتاب خریدنا چاہتے ہیں وہ اس کی پیشگی قیمت ادا کریں گے اور اپنا پتہ لکھوا دیں۔کتاب کی اشاعت کے بعد یہ کتاب ان کے پتہ پر بذریعہ ڈاک روانہ کردی جائے گی۔ان بھائیوں نے کتاب کی پیشگی قیمت ادا کردی اور معترض کی کتاب بھی خرید لی۔ کچھ دنوں بعد انہیں مسلمان عالم کا جواب بھی بذریعہ ڈاک مل گیا۔جب ان بھائیوں نے عیسائی معترض کے اعتراضات اور ان کے جوابات پڑھے تو ان کا یہ ایماندارانہ فیصلہ تھا کہ عالم صاحب معترض کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دینے میں ناکامیاب رہے۔ان بھائیوں کی اسلامی غیرت جوش میں آئی اور انہوں نے خود جواب لکھنے کا عزم کیا اس سلسلہ میں انہوں نے بائبل کا مطالعہ شروع کیا۔ایک دن اِنہیں بائبل پڑھتا دیکھ اورین کے قریبی گاؤں کے ایک مسلمان نے غصہ میں کہا کہ ایک بھائی تو عیسائی عورت سے شادی کر کے نصف عیسائی ہوگیا ہے تم لوگ بائبل پڑھ کر پورے عیسائی ہو جاؤ۔ (اس کی مراد بڑے بھائی محترم سید خلافت حسین صاحب سے تھی جنہوں نے ایک عیسائی خاتون سے شادی کی تھی۔شہاب) ان بھائیوں نے انہیں بائبل پڑھنے کی اصل وجہ بتائی اس مسلمان نے انہیں جواب دیا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب جو قادیان ضلع گورداسپور پنجاب کے عالم ہیں انہوں نے عیسائیوں کے اعتراضات کا خوب جواب دیا ہے۔اس مسلمان نے ہمیں ''البدر'' کی کاپیاں دیں اور ہم بھائیوں نے ''البدر'' پڑھنا شروع کر دیا۔حضور کے مسکت اور بے نظیر جواب سے متاثر ہوئے اور احمدیت سے واقف ہوئے۔اس طرح ہم احمدی ہوئے۔

حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ کا ایک مضمون اخبار الفضل قادیان 26 اگست 1943ء میں بعنوان ''ذکر حبیب'' شائع ہوا ہے۔اس میں آپ نے اپنے بیعت کرنے اور مختلف روایات و واقعات کو بھی بیان کیا ہے۔آپ کا یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

روایات سید وزارت حسین صاحبؓ

1۔ مسلم مشنری حضرت مولوی حسن علیؓ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھاگلپوری مصنف ''تائید حق'' سے بچپن میں کچھ باتیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں سن کر اور بعدہ حضور علیہ السلام کی بعض کتابیں پڑھ کر اولاً بذریعہ خط 1900ء اور بعد ازاں 1901ء میں خود دارالامان میں حاضر ہو کر دستی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت میری عمر 18 برس تھی۔ جہاں تک مجھے علم ہے خاص صوبہ بہار میں مولوی حسن علیؓ صاحب کے بعد ظاہری بیعت کرنے والوں میں دوسرے نمبر پر خاکسار ہی تھا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ اور حضور کی زیارت کرنے والوں میں بھی دوسرا نمبر اسی عاجز کا ہے۔

2۔ جب میں 1901ء کے ابتدائی مہینوں میں دارالامان پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کی طبیعت ناساز ہے اور تین روز تک یہی حالت رہی۔ ایک روز صبح کی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام آج سیر کیلئے تشریف لے جائیں گے چونکہ ان دنوں مسجد مبارک کے دروازہ جانب جنوب مخالفین نے دیوار کھڑی کی تھی، جس کے متعلق عدالت میں مقدمہ دائر تھا۔ اس لئے حضرت اقدس شمالی جانب کی اس گلی کی طرف سے ہو کر سیر کو جانے والے تھے جو حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کے مکان کے پاس شرقاً غرباً واقعہ ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مولوی محمد احسن صاحب امروہی، مولوی محمد علی صاحب وغیرہ دیگر احباب جماعت کے ساتھ حضور کے انتظار میں وہاں کھڑے تھے۔ ان کے بعد میں بھی کھڑا تھا تھوڑی دیر کے بعد حضرت اقدس بڑا سا اور کوٹ پہنے، سفید پگڑی باندھے اور ہاتھ میں عصا لئے جلوہ افروز ہوئے۔ جب حضور علیہ السلام ہم لوگوں کے قریب پہنچے تو مولوی سید محمد احسن امروہی صاحب نے مجھے حضرت اقدس کے سامنے پیش کیا چونکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سابق متوطن صوبہ بہار رشتہ میں میرے نانا تھے اور ان کی بھتیجی سے میرے بڑے بھائی سید خلافت حسین صاحب بیرسٹر کی شادی ہو چکی تھی، اس لئے مجھے پیش کرتے ہوئے مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ اول المکفرین کے خاندان سے آئے ہیں۔ جس پر حضور نے فرمایا ''یہ بھی ایک نشان ہے'' پھر جب مولوی محمد احسن صاحب نے یہ کہا کہ ''اس وقت اپنے علاقہ میں اکیلے احمدی ہیں'' تو حضور نے فرمایا کہ ''عنقریب وہاں جماعتیں قائم ہو جائیں گی''۔ اس امر کو ہم نے جلدی ہی پورا ہوتے دیکھ لیا۔ ہمارے گھرانے کے اکثر افراد احمدیت میں داخل ہو جانے کے علاوہ مونگھیر و بھاگلپور اور کئی دیگر مقامات

میں جماعت ہائے احمدیہ قائم ہوگئیں صرف یہی نہیں بلکہ خاص سورج گڑھ میں بھی جہاں سید نذیر حسین صاحب کے بھائی اوران کی اولادرہتی تھی جماعت احمدیہ قائم ہوگئی۔اور یہ سب کچھ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی مبارک زندگی میں ہی ظہور میں آ گیا۔

3۔میں نے حضور کی خدمت بابرکت میں کئی بار بیعت کے لئے عرض کیااور کرایا بھی۔مگر ہر بار حضور یہی فرماتے کہ ابھی ٹھہریں۔آخرایک دن جمعہ کی نماز کے بعد حضور نے مجھے یادفرمایااور مسجد اقصیٰ کی پرانی عمارت کے شمالی در کے پاس مسجد کے اندر ہی تشریف فرما ہو گئے اس وقت اگر چہ اور بھی دوست بیعت کرنے والے موجود تھے مگر حضور نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیااور بندہ کی بیعت قبول فرمائی۔ میرے ساتھ اور بھی کئی احباب نے بیعت کی ان میں سے بعض نے میرے ہاتھ اور جسم پر ہاتھ رکھا۔اور ایک دو نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بھی ہاتھ رکھا ہوا تھا۔بیعت کے بعد حضور دعا فرما ہی رہے تھے کہ ڈاکیہ تار لایا جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے لیا۔اور دعا کے بعد حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے بتایا کہ وزارت حسین کے والد کی طرف سے حضور کے نام تار آیا ہے وہ دریافت کرتے ہیں کہ سید وزارت حسین قادیان پہنچے ہیں یا نہیں؟۔حضرت اقدس نے تار کا مضمون مفتی صاحب سے سننے کے بعد فرمایا کہ ان کے والد کو تار کے ذریعہ خبر کر دیں کہ بخیریت یہاں ہیں۔چونکہ میں گھر میں اطلاع دئے بغیر دارالامان چلا آیا تھااور میرے بکس میں مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ کے خط پا کر انہیں شبہ ہوا کہ میں دارالامان پہنچا ہوں گا اس لئے انہوں نے مذکورہ بالا تار حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجا۔تار کا جواب تار میں پا کر والد صاحب اور دیگر اعزا کو تسلی ہوئی اور میرے منجھلے بھائی سید ارادت حسین صاحب مرحوم نے اگر چہ اس وقت تک بیعت نہ کی تھی مگر میری دار الامان میں حاضری اور حضور علیہ السلام کی زیارت پر مبارک باد کا خط لکھا۔

4۔ان دنوں میرا قیام نواب محمد علی خان صاحب کے شہر والے مکان کی نچلی منزل کی ایک کوٹھری میں تھااوراس کے پہلو کی کوٹھری میں مولوی سید احسن صاحب امروہی کا قیام تھا۔میں اکثر ان کی کوٹھری میں جا بیٹھتا تھا۔اس مکان کے اوپر والی منزل میں خدا بخش صاحب مصنف عسل مصفّٰی مع اہل وعیال رہتے تھے۔یہ مکان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان کے ساتھ ملحق ہے۔انہی ایام میں حضور علیہ السلام

کتاب ''اعجاز المسیح'' تصنیف فرما رہے تھے۔ جو کہ ساتھ ہی ساتھ چھپ بھی رہی تھی۔ اس کا ایک پروف روزانہ مولوی محمد احسن صاحب امروہی کے پاس بھی آیا کرتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں مولوی صاحب کی کوٹھری میں بیٹھا تھا کہ حسب معمول پروف آیا۔ مولوی صاحب پروف دیکھتے دیکھتے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ'' صلہ غلط ہے میں حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کرنے کیلئے جا تا ہوں'' چلے گئے۔ وہاں سے کچھ دیر بعد واپس آئے اور چند موٹی موٹی لغت کی کتابیں منگوائیں اور دیر تک ان کو دیکھتے رہنے کے بعد یہ کہتے ہوئے پھر اٹھے اور چلے گئے کہ'' میری ہی غلطی تھی میں حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کرنے جاتا ہوں''۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گئے۔

5۔ حضور علیہ السلام سے شرف ملاقات کرنے کے بعد کئی بار دیگر احباب جماعت کی طرح میں بھی حضرت اقدس کے جسم اطہر کو جب کہ آپ نمازوں کے بعد مسجد مبارک میں تشریف رکھتے تھے دبایا کرتا تھا۔ حضور کا جسم گداز اور نرم محسوس ہوتا تھا اور جسم و کپڑوں سے عطر کی خوشبو آتی تھی۔

6۔ ان دنوں صبح اور عشاء کی نماز کے لئے مسجد مبارک میں آنے والے مہمانوں اور اکثر ساکنان قادیان کو بھی دیوار کھڑی ہو جانے کے باعث چکر کاٹ کر اور تکلیف برداشت کر کے آنا پڑتا تھا۔ کیوں کہ ان ایام میں بارش ہو جانے کی وجہ سے گلیوں میں کیچڑ ہو گیا تھا۔ اور راستے خراب تھے۔ کئی دوست رات کی تاریکی میں پھسل پڑتے تھے اور تکلیف اٹھاتے تھے۔ اس وقت دیوار گرائے جانے کے متعلق الہام ہو چکا تھا۔ اس لئے احباب جماعت میں اس کے متعلق تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ الہام جلد پورا ہو۔

7۔ ایک ماہ کے قریب دار الامان میں قیام کرنے کے بعد یہ عاجز حضرت اقدس سے وطن واپس جانے کے لئے رخصت ہوا۔ تو اس وقت میرے ساتھ مولوی الٰہی بخش صاحب امروہی بھی رخصت حاصل کرنے کے لئے کھڑے تھے۔ اس وقت حضور علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ دہلی سے ہوتے ہوئے واپس اپنے وطن کو جائیں گے۔ اس لئے حضور نے'' اعجاز المسیح'' کے پانچ نسخے ہم دونوں کے حوالے کئے اور فرمایا کہ یہ مولوی تلطف حسین اور ڈاکٹر نذیر احمد و دیگر علمائے دہلی کو جن کے نام حضور نے نوٹ کرا دئے تھے پہنچا دیں۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کو وہ کتاب بذریعہ

رجسٹرڈ پیکٹ بھیجی جا چکی ہے۔اس لئے ان کو دینے کے لئے کوئی نسخہ نہیں دیا گیا تھا۔ہم نے دہلی پہنچ کر پانچوں نسخے حسب ارشاد پہنچادیے۔

8۔1903ء میں جب میں دوبارہ دارالامان میں حاضر ہوا تو اس وقت میرے ساتھ میرے منجھلے بھائی سید ارادت حسین اوران کی اہلیہ مرحومہ بی بی رؤف النساء صاحبہ اور تین بچیاں جو چھوٹی عمر کی تھی آئی تھیں۔ہم لوگوں کے قیام کے دوران میں ہمارے والد صاحب نے ہمیں واپس لے جانے کے لئے ہمارے خالہ زاد بھائی کو قادیان بھیجا۔انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں والد صاحب کی طرف سے ہماری واپسی کی استدعا کی۔مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا ''چند دن یہاں رہنے کے بعد انہیں واپس بھیج دیا جائے گا''اس پر وہ واپس چلے گئے۔

9۔جب ہماری واپسی کا وقت آیا تو ان ایام میں خاکسار دفتر ریویو آف ریلیجنز میں کلرک کا کام انجام دیتا تھا۔مولوی محمد علی صاحب میرے کام سے بحیثیت ایڈیٹر و مینجر رسالہ خوش تھے۔انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں جب کہ حضور مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے میرے اور میرے بھائی کی موجوگی میں یہ عرض کیا کہ حضور سید ارادت حسین اوران کے خاندان کو جانے کی اجازت دی جائے مگر سید وزارت حسین کو جو بہت اچھا کام کر رہے ہیں روک لیا جائے۔میں بھی ان کی استدعا پر خوش ہوا مگر حضرت اقدس نے فرمایا کہ'' مولوی صاحب خودغرضی سے کام نہ لیں آخر ماں باپ کا بھی حق ہوتا ہے۔انہیں بھی جانے دیں۔'' چنانچہ میں بھی باقی عزیزوں کے ساتھ پانچ چھ ماہ رہنے کے بعد وطن واپس چلا گیا مگر افسوس پھر حضرت اقدس کی زندگی میں دارالامان حاضر ہونے کا موقعہ نہ ملا۔

(بحوالہ اخبار الفضل 26 اگست 1943ء)

10۔دارالامان سے واپس آکر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم دونوں بھائیوں کو صوبہ بہار میں تبلیغ کا خوب موقع ملا اور سلسلہ کی دیگر نوع کی خدمات بجالانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔میں نے 1905ء میں ایک کتاب ''مراۃ الجہاد'' تین سو بارہ صفحہ کی لکھی۔اور شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم کے مطبع میں چھپوا کر شائع کی۔جو حضرت اقدس کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون ہے۔اور مسئلہ جہاد اور متعلقہ مضامین پر مفصل بحث ہے جس میں ضمناً پنڈت لیکھرام کے رسالہ جہاد کا بھی تحقیقی اور الزامی جواب دیا گیا ہے۔

11۔ ہمارے دادا حاجی سید عنایت حسین صاحب مرحوم و مغفور حضرت سید احمد صاحب بریلوی مجدد صدی سیز دہم کے مرید تھے اور اپنی بستی اورین کے رئیس اعظم اور نہایت متقی پرہیز گار بزرگ تھے۔ انہوں نے میرے ہوش سنبھالنے کے بعد وفات پائی۔ پھر مجھ کو اور میرے گھرانے کے اکثر ممبروں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت کی توفیق نصیب ہوئی۔ اس طرح ہمارا تیرھویں اور چودھویں صدی کے مجددین سے تعلق ہوگیا۔

12 دوسری دفعہ جب ہم لوگ قادیان پہونچے تھے تو اس وقت حضرت صاحبزادہ عبدالطیف صاحب شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اپنے چند شاگردوں کے دار الامان میں موجود تھے وہ ہمارے سامنے ہی افغانستان روانہ ہوئے۔ حضرت اقدس جب شہید کو رخصت کرنے کے لئے دور تک گئے تو دیگر خدام کے ساتھ میں بھی تھا۔ راستہ میں حضرت اقدس شہید کے ساتھ باتیں کرتے جاتے تھے مگر افسوس کہ میں سن نہ سکا اور اگر کچھ سنا بھی تو اب یاد نہیں۔ سواریاں ساتھ ساتھ جارہی تھیں مگر سب لوگ پیدل تھے۔ جب بٹالہ جانے والی سڑک کے قریب ہم لوگ پہنچے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام رک گئے اور شہید موصوف کو رخصت کرنے لگے اور غالباً یہ فرمایا کہ اب آپ سوار ہو جائیں مگر شہید یہ سنتے ہی معاً حضور کے قدموں پر روتے ہوئے گر پڑے۔ جنہیں حضور نے فوراً اٹھالیا اس کے بعد دیر تک معانقہ کیا اور پھر مصافحہ کے بعد انہیں سوار کیا اور پھر حضور دار الامان واپس تشریف لائے۔

13۔ اس دفعہ کے قیام دار الامان کا یہ واقعہ بھی مجھے یاد ہے کہ ایک روز لکھنؤ سے ایک صاحب آئے جو اپنے آپ کو عرب بتلاتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کو لکھنؤ کے چند معززین نے تحقیقات کیلئے قادیان بھیجا ہے۔ نمازوں کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو حق پہنچاتے رہے۔ ایک دن حضرت اقدس ان کو مخاطب ہو کر فرما رہے تھے کہ اس شخص نے نہایت شوخی کے لہجہ میں کہا "آپ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر زبان تک آپ کی صاف نہیں۔ زبان رُک رُک جاتی ہے۔ جس پر حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید کہ وہ بھی اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ فقرہ سن کر بے تاب ہو گئے اور کوئی جملہ بول اٹھے جس کے الفاظ تو مجھے یاد نہیں مگر مطلب یاد ہے کہ کیا تم ہمیں قتل کر دینا چاہتے ہو۔ اس وقت ان کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا مگر حضرت اقدس نے فوراً ہی شہید مرحوم کے

زانو کو اپنے دست مبارک سے مس کیا۔اس کے بعد شہید پھر نہیں بولے اور خاموش ہو گئے۔اس کے بعد حضرت اقدس نے ایک نہایت ہی پُر اثر تقریر فرمائی اور اس ذیل میں اپنی جماعت کی تعریف کی۔واقعی ایسے موقعہ پر اگر کوئی دوسری مجلس ہوتی تو اس میں اس قسم کی شوخی کرنے والے کی حالت زبوں کر دی جاتی مگر یہ حضرت اقدس کا اثر تھا کہ ساری مجلس سوائے شہید مرحوم کے جو کہ افغانستان سے نوارد تھے، بالکل خاموش رہی۔حضور نے یہ بھی فرمایا

''کہ لکنت پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ تو میری صداقت کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں حضور نے ایک حدیث بھی پڑھی تھی۔''

14۔جس دن ہم لوگ دار الامان سے واپس جا رہے تھے وقت تنگ تھا۔میری بھاوج اہلیہ سید وزارت حسین (اصل میں یہاں سید ارادت حسین صاحب مراد ہیں۔شہاب) نے ایک پھول دار کپڑے کا ٹکڑا جس کو بہار میں مارینہ کہتے ہیں، دیا۔کہ حضرت اقدس کی خدمت میں صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے لئے پیش کر آو۔نماز کے بعد میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ کچھ تنہائی میں عرض کرنا ہے۔اس پر حضرت اقدس نے ساتھ چلنے کا ارشاد فرمایا مسجد مبارک سے جانب شمال جو چھوٹی سی کوٹھری ہے اور جس سے حضرت اقدس آیا کرتے تھے اس کوٹھری میں ساتھ جا کر میں نے اپنی بھاوج کی طرف سے وہ اُونی کپڑا صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے لئے پیش کیا۔تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ ''اس کی کیا ضرورت ہے'' مگر جب میں نے عرض کی کہ بھابھی جان کی آرزو ہے کہ حضور قبول فرمائیں تو اس پر حضور نے قبول فرما لیا اور السلام علیکم کہتے ہوئے زنانہ خانہ میں چلے گئے۔(بحوالہ اخبار الفضل 29 اگست 1943ء)

سید وزارت حسین صاحب کا تاریخ احمدیت میں ذکر

''ذکر حبیب'' میں سید وزارت حسین صاحبؓ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے 1901ء کے شروع میں جا کر حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کا شرف حاصل کیا اس بیان کی تصدیق تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 197 اور 201 سے بھی ہوتی ہے۔صفحہ 197 میں بعض ممتاز صحابہ کے نام لکھے ہیں ان میں ایک نام سید وزارت حسین صاحبؓ مونگھیری کا بھی درج ہے۔پھر صفحہ 201 میں سید صاحب کے مختصر حالات ان الفاظ میں درج ہیں:

سید وزارت حسین صاحبؓ

’’ولادت 1882ء بیعت کے بعد 1903 میں چند ماہ مدرسہ تعلیم السلام کی ایک کلاس میں تعلیم دی جس کی بدولت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی کلاس کے معلم ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا بعدہ کئی ماہ تک ریویو آف ریلجنز کے تنہا انچارج رہے۔ پٹنہ ہائی کورٹ اور مدراس ہائیکورٹ میں جب علی الترتیب احمدیہ مسجد مونگھیر اور احمدیوں کے فسخ نکاح کے مقدمات دائر تھے اور چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب نے کامیاب وکالت کی تو آپ نے ضروری مواد کی فراہمی میں بڑا کام کیا۔ ان ہر دو مقدمات میں جماعت احمدیہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ 1924ء میں علاقہ ملکانہ میں تین ماہ تک تبلیغی جہاد کیا۔ 1906ء سے 1946ء تک آپ مونگھیر کے راجہ صاحبان کی ملازمت میں رہے۔ مگر جہاں گئے اسلام واحمدیت کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ آپ تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں سے ہیں۔ حضرت مولوی عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی وفات کے بعد سال ہا سال تک امیر جماعت احمدیہ بہار رہے (الحکم 17 فروری 1901ء صفحہ 8 پر آپ کی بیعت درج ہے۔ وفات یکم مئی 1975ء)‘‘

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 201)

ایک واقعہ کی نسبت شہادت:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر صحابی کا حضور علیہ السلام سے پیار اور اخلاص کا ایک خاص تعلق تھا۔ صحابہ کرام کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ حضور علیہ السلام کی سیرت اور سوانح کے متعلق لگائے جانے والے اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب دیا جائے۔ میاں عبدالسلام صاحب مرحوم خلف حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے کسی بیٹے نے ایک بار یہ کہا کہ ان کے دادا جان کتابیں لکھتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس پر دستخط کر دیتے اور اپنے نام سے شائع کر دیتے۔ اس اعتراض کے جواب میں حضرت بھائی عبدالرحمان صاحب قادیانیؓ نے ہفت روزہ بدر قادیان 15 ستمبر 1956ء صفحہ 7 میں ’’ایک سچی گواہی‘‘ کے نام سے مضمون شائع فرمایا۔ حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ نے بھی حضرت بھائی عبدالرحمٰن قادیانیؓ کی طرح اس اعتراض کی تردید میں ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 20 اکتوبر 1956ء کو اپنی ایک گواہی شائع فرمائی ہے۔ جو اخبار میں بعنوان ’’ایک واقعہ کی نسبت شہادت‘‘ شائع ہوئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سورۃ فاتحہ کی تفسیر ''اعجاز احمدی'' تصنیف فرما رہے تھے، میں قادیان دارالامان میں نواب محمد علی خاں صاحب مرحوم ومغفور کے کچے مکان کے زیرین حصہ میں مقیم تھا۔ ایک دالان میں عاجز مقیم تھا اور پہلو کے دالان میں مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی مقیم تھے اور بالائی کوٹھے پر اُس مکان کے مرزا خدا بخش صاحب مرحوم رہتے تھے۔ ایک روز میں مولوی سید محمد احسن صاحب موصوف کے پاس اس کے دالان میں بیٹھا تھا اور وہ پریس سے آیا ہوا ''اعجاز احمدی'' کے ایک حصہ کا پروف دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے ایک مقام پر وہ بول اٹھے کہ صلہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اور پھر اُٹھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس دارالمسیح کے زنانہ خانہ میں خبر کرا کر گئے اور واپس آ کر فرمانے لگے کہ مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے تو فرمایا جو صلہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لکھوایا ہے وہ ضرور صحیح ہے۔ آپ عربی لغات کی صلوں کی چھان بین کریں۔ چنانچہ وہ لائبریریوں سے اور اپنے پاس سے بہت سی کتابیں لا کر اور نکال کر دیکھتے رہے۔ دیکھتے دیکھتے یک بیک خوشی کے اظہار کے ساتھ کہنے لگے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمانا ہی درست ثابت ہوا کیونکہ لغات والوں نے لکھا ہے کہ لفظ زیر بحث کا صلہ مختلف عرب کے قبیلوں میں وہ مستعمل ہے جو وہ سمجھتے تھے مگر قریش میں وہی صلہ مستعمل ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے لکھوایا ہے۔

میں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر مندرجہ بالا واقعہ کی نسبت بیان درج کیا ہے۔ جس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتابوں کی تصنیف میں خاص تائید الٰہی شامل حال ہوا کرتی تھیں۔

پس میاں عبدالسلام صاحب مرحوم خلف حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کے کسی بیٹے نے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت یہ کہا کہ ان کے دادا جان کتابیں لکھتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس پر اپنے دستخط کر دیتے اور اپنے نام سے شائع کر دیتے۔ یہ سراسر جھوٹ اور لغو و باطل ہے جو مندرجہ بالا واقعہ سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔

اس سلسلہ میں جو ''ایک سچی گواہی'' حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ؓ کے قلم سے بدر قادیان 15 ستمبر 1956ء صفحہ 7 میں شائع ہوئی ہے۔ وہ بھی نہایت اہم اور قابل غور ہے۔ اللہ تعالیٰ بھٹکے

ہوئے نو جوانوں کوراہ راست پر آنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

عاجز سید وزارت حسین بہاری صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

ساکن اورین ضلع مونگھیر بہار

آپ کی جماعتی خدمات

الحمدللہ آپ کو ایک لمبا عرصہ بہار میں سلسلہ کی مختلف حیثیت میں خدمات کی توفیق نصیب ہوئی۔اس کا ذکر آپ نے اپنے مضمون بعنوان ''ذکرحبیب'' میں بھی کیا ہے۔الفضل 26 اگست 1943ء میں جہاں یہ مضمون شائع ہوا ہے وہاں آپ کے نام کے ساتھ ''نائب امیر پراونشل صوبہ بہار'' درج ہے۔آپ کو مختلف حیثیتوں سے جماعت کی خدمات کی سعادت نصیب ہوئی۔ذیل میں آپ کی چند اہم خدمات کا ذکر خیر کیا جاتا ہے۔

تاریخ احمدیت میں مقدمہ بہار مشہور معروف ہے۔جس کی پیروری کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خصوصاً حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحبؓ کو بہار بھجوایا تھا۔اس مقدمہ کی تیاری میں محترم حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ کو خاص موقع نصیب ہوا۔تاریخ احمدیت میں اس مقدمہ کے بارے میں درج ہے کہ

بہار ہائیکورٹ کا فیصلہ

مونگیر کے احمدیوں نے سب جج مونگیر عدالت میں غیر احمدیوں کے نام یہ درخواست دی تھی کہ وہ احمدیوں کے مساجد میں آکر نماز پڑھنے میں مزاحم نہ ہوں۔غیر احمدیوں کی طرف سے کہا گیا کہ احمدی کافر ہیں اس لئے انہیں مسجدوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔سب جج اور ڈسٹرکٹ جج نے دعویٰ خارج کردیا اور قرار دیا کہ احمدی فرقہ کے لوگ مسلمان تو ہیں البتہ ان کی بعض رسوم وعقائد دوسرے مسلمانوں سے مختلف ہیں اس لئے وہ اس رعایت کے مستحق نہیں۔اس فیصلہ کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔جس کی سماعت 12/دسمبر 1916ء کو شروع ہوئی۔جماعت احمدیہ کی طرف سے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹرایٹ لاء پیش ہوئے۔آپ نے کہا کہ عدالت ماتحت نے قانون محمدی کے تحت

میرے مؤکلوں کو مسلمان قرار دیا ہے اس لئے احمدی اس رعایت کے مستحق ہیں۔ مدعاعلیہم کی طرف سے مسٹر مظہر حق پیش ہوئے۔ اپیل کی سماعت ختم ہوئی تو خاتمہ پر چیف جج نے چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی بہت تعریف کی اور کہا کہ ہائی کورٹ کے جج ان کے بہت شکر گزار ہیں۔ مگر ہائیکورٹ نے عدالت ماتحت کے فیصلہ کو بحال رکھا اور اپیل نامنظور کر دی۔ فریق ثانی کی طرف سے بھی اپیل کی گئی وہ بھی خارج ہو گئی۔''

(تاریخ احمدیت جلد 4، صفحہ 194)

اگر چہ اس حوالہ میں سید وزارت حسین صاحب ؓ کا نام درج نہیں ہے مگر اس مقدمہ کی پیروی میں آپ نے خصوصی کردار ادا کیا۔ اس کی تفصیل ہمیں چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحب ؓ کی کتاب ''تحدیث نعمت'' میں ملتی ہے۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحب اپنی سوانح حیات میں تحریر کرتے ہیں کہ :

''اگست 1916ء میں خاکسار سیالکوٹ سے نقل مکانی کر کے انڈین کیسز کے نائب ایڈیٹر کی حیثیت سے لاہور آ گیا۔ ابھی لاہور چیف کورٹ میں پریکٹس شروع کرنے کا منصوبہ بھی ذہن میں نہیں آیا تھا کہ آخر نومبر میں حضور ؓ کا ارشاد موصول ہوا کہ پٹنہ ہائی کورٹ میں مونگھیر کی مسجد کے متعلق تنازعہ کی اپیل زیر سماعت آنے والی ہے اس کی پیروی کے لئے جاؤ۔ کس قدر بھروسہ تھا آپ کو اپنے رب کی قدرتوں اور اس کی عنایت پر کہ ان فرائض کی سرانجام دہی کے لئے جو اس ذات باری نے آپ کے ذمہ عائد کئے تھے۔ اگر آپ بظاہر ایک کند آلہ کا بھی انتخاب کر لیں گے تو وہ قوی اور غالب حکمت کا مالک آقا اس کند آلہ کو حریفوں کے مقابے میں تیز کر دے گا۔ چنانچہ اس بار بھی اور بار بار نمایاں طور پر ایسا ہوا۔ الحمد للہ۔ پٹنہ ہائیکورٹ میں خاکسار کے مقابل میں میدان وکالت کے بڑے بڑے شہسوار زیر قیادت مسٹر مظہر علی صاحب پر جمائے ہوئے تھے۔ سید فخر الدین صاحب گورمنٹ پلیڈر، مسٹر یونس، مولوی طاہر اور کوئی نصف درجن دیگر اصحاب اور ان کی تائید میں اتنے ہی علما کرام۔ خاکسار کے ساتھ فقط مولوی خورشید حسنین صاحب۔ وہ بھی محض عدالت کی پابندی کی خاطر ورنہ اپنے دفتر میں ایک سرسری مشورے کے علاوہ وہ پیروی میں شریک نہ ہوئے اور دوران سماعت صرف حاضری دینے کے لئے چند منٹ تشریف فرما رہے لیکن جہاں تک واقعاتی اور قانونی تیاری کا تعلق تھا جناب سید وزارت حسین صاحب ؓ نے ایسے مکمل طور پر کی ہوئی

تھی کہ مجھے بفضل تعالیٰ نہ کوئی دقت پیش آئی نہ زحمت اٹھانا پڑی نہ پریشانی لاحق ہوئی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء (بحوالہ تحدیث نعمت صفحہ 718.719)

محترم چوہدری ظفر اللہ صاحب نے اس واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر اس واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ واقعہ کی تفصیل سے محترم سید وزارت حسین صاحبؓ کی خدمات بھی نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں اس لئے اس واقعہ کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

پٹنہ ہائی کورٹ

''پٹنہ پہنچتے ہی سید وزارت حسین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ڈاک بنگلے میں قیام ہوا۔ اس کے عین مقابل مظہر الحق صاحب کا بنگلہ تھا۔ ڈاک بنگلے میں پہنچ کر جو اسٹیشن سے بہت قریب تھا۔ سید وزارت حسین صاحب سے مقدمہ کے کوائف معلوم کئے۔ سید صاحب قانون پیشہ نہیں تھے لیکن ان کی مقدمات کی تیاری نہایت مکمل تھی۔ انہوں نے بڑی احتیاط اور ترتیب سے واقعات، تنقیحات، فقہی اور قانونی مسائل کتب فقہ، قانونی دلائل اور نظائر مرقع تیار کر لیا تھا۔ ماتحت عدالتوں کے فیصلے پڑھنے کے بعد جو بھی میں دریافت کرتا اس کا مکمل شافی جواب فوراً مہیا فرما دیتے۔ ان کی نوٹ بک میں تمام امور کا خلاصہ اور ضروری حوالہ جات نہایت خوش خط باترتیب درج تھے۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر مقدمے کے تمام پہلو بفضل تعالیٰ صفائی سے میرے ذہن میں آ گئے اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی دی گئی توفیق سے ایک دن کی محنت اور توجہ سے اپنی تیاری مکمل کر لوں گا۔ سید صاحب نے کمال دور اندیشی سے ضروری کتب اور قانون اور نظائر ڈاک بنگلہ میں مہیا کر لی ہوئی تھیں۔ مجھے کسی لائبریری میں جانے کی ضرورت نہ پڑی۔ کتب قانون اور نظائر انہوں نے سید حسینن صاحب سے حاصل کی تھیں سید صاحب نے اطمینان دلایا کہ ضرورت پڑنے پر خورشید حسنین صاحب مزید کتب وغیرہ مہیا فرما دیں گے۔ ہم ہفتہ کے روز پٹنہ پہنچے تھے۔ واقعات کے متعلق تو میری تیاری اسی روز مکمل ہو گئی تھی۔ فقہ اور قانونی مسائل کے متعلق حوالہ جات کا دیکھنا باقی رہ گیا تھا۔ اس کے بعد تیاری کا سب سے ضروری حصہ خالصۃً میرا کام تھا یعنی دلائل کا ترتیب دینا اور اسی ترتیب کا نوٹ کرنا۔ اسی دن میں سید وزارت حسین صاحبؓ کی معیت میں سید حسنین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان کے ساتھ مختصر طور پر تبادلہ خیالات کیا ان سے دو ایک مفید معلومات بھی حاصل ہوئیں۔ ایک تو

انہوں نے بتایا کہ مظہر الحق صاحب زیادہ تر فوج داری کام کیا کرتے ہیں دیوانی کام میں انہیں زیادہ دلچسپی نہیں۔ سید فخر الدین صاحب کے بارہ میں بتایا کے وہ بہت قابل وکیل ہیں اور دیوانی کام کا انہیں بہت تجربہ ہے لیکن انہیں بحیثیت گورنمنٹ پلیڈر سرکاری کام کی طرف اس قدر توجہ کرنی پڑتی ہے کہ وہ اس مقدمہ میں باقی وکلاء کے ساتھ صرف بطور عام وکیل شامل رہے ہیں۔ خود انہوں نے تیاری میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا ہے۔ بحث مظہر الحق صاحب ہی کریں گے۔ مقدمہ کی تیاری میں ان کے مددگار مسٹر یونس اور مولوی محمد طاہر صاحبان رہے ہیں اور وہی اجلاس میں ان کے مشیر اور مددگار ہوں گے باقی تین چار وکلاء نے اپنی خدمات صرف اس لئے پیش کر دی ہیں کہ ان کے نام بھی ریکارڈ میں شامل ہو جائیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مظہر الحق صاحب اور چیف جسٹس صاحب کے تعلقات گو دوستانہ ہیں لیکن مظہر الحق صاحب کی طبیعت کچھ تصنع کی طرف مائل ہے اور چیف جسٹس صاحب سادگی پسند ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مظہر الحق صاحب نے چیف جسٹس صاحب کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ اس مقدمے میں پیچیدہ فقہی اور دینی مسائل پر بحث ہوگی اس لئے مناسب ہوگا کہ مسلمان جج یعنی مسٹر شرف الدین لال اجلاس میں شامل ہوں۔ اس پر چیف جسٹس صاحب نے مسٹر شرف الدین صاحب سے استصواب کیا تو انہوں نے فرمایا کہ چونکہ انہیں جماعت احمدیہ کے عقائد سے سخت اختلاف ہے اس لئے ان کا اجلاس میں شریک ہونا مناسب نہ ہوگا۔ تاریخ سماعت کے متعلق بتایا کہ کیس آئندہ کی فہرست میں تو درج ہے لیکن ہمارے کیس سے پہلے جو کیس درج ہیں ان کی سماعت آئندہ ہفتے کے دوران ختم نہ ہو سکے گی۔ مجھے یہ سن کر پریشانی ہوئی کہ میں ڈیڑھ دو ہفتے پٹنہ میں بیٹھا کیا کروں گا۔ خورشید حسنین صاحب نے فرمایا کہ تم سوموار کو رجسٹرار صاحب سے مل لینا شاید وہ کوئی حل تجویز کر سکیں۔ میں نے دریافت کیا مجھے پیروی کے لئے خود تحریری درخواست پیش کرنا ہوگی یا اجلاس میں زبانی گذارش کرنا کافی ہوگا۔ اس کے متعلق بھی فرمایا کہ رجسٹرار صاحب سے دریافت کر لینا مناسب ہوگا۔

میری کم عمری اور عدم تجربہ

اتوار کے دن کا اکثر حصہ تیاری میں گزرا لیکن سب مراحل اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے لئے سید وزارت حسین صاحبؓ کی سابقہ محنت اور توجہ کے نتیجے میں آسان ہو گئے اور میں نے عصر کے وقت تک

اپنی تیاری مکمل کر لی۔ سید وزارت حسین صاحبؓ نہایت متین اور سلجھی ہوئی طبیعت کے مالک ہیں۔ یہ فیصلہ ساری جماعت کیلئے ہی اہم تھا۔ لیکن جماعت ہائے صوبہ بہار کے لئے خصوصاً مونگھیر اور بھاگلپور کی جماعتوں کیلئے تو بہت ہی نازک تھا۔ جب حکیم خلیل احمد صاحب اور سید وزارت حسین صاحبؓ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں استصوابی عریضہ ارسال کیا تھا تو یہ دونوں بزرگ شاید میرے نام سے بھی واقف نہ ہوں گے۔ انہیں توقع ہوگی کہ حضورؓ ان کے عریضہ کے جواب میں الہ آباد یا کلکتہ یا لاہور کے کسی نامور وکیل کے تقرر کا مشورہ دیں گے لیکن مرکز سے اطلاع دی گئی کہ حضورؓ نے خاکسار کا انتخاب فرمایا ہے اور خاکسار حضور کے ارشاد کے مطابق جلد پٹنہ حاضر ہو جائے گا۔ علم، لیاقت، اور تجربہ کا کیا ذکر میری عمر بھی ابھی تیئس سال ہی تھی۔ فریق مخالف کے وکلاء میں سے سب سے جونیئر سے بھی میں کہیں جونیئر تھا اور سب سے کم عمر سے کہیں کم عمر تھا تجربہ کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ میرا چیف کورٹ یا ہائی کورٹ کا تجربہ صفر تھا لیکن یہ جماعت کے دیگر بزرگ احباب خوب سمجھتے تھے کہ ظاہری اسباب تو محض ایک آلہ ہیں نتیجہ تو اللہ کے فضل و رحم سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ رعایت اسباب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ضروری ہے لیکن سہارا خدا تعالیٰ کے فضل پر چاہیئے۔ میرے پٹنہ پہنچنے پر یہ بزرگ اور دیگر احباب بڑی بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملے اور سید وزارت حسین صاحب تو سارا وقت پورے اعتماد کے ساتھ نہ صرف تعاون کرتے رہے بلکہ اپنے توکل اور تقویٰ کے مقام کے لحاظ سے میری ہمت افزائی کا موجب بنے رہے۔ مقدمے کی تیاری کے متعلق بھی انہوں نے مجھ پر پورے اعتماد کا ثبوت دیا۔ جو کچھ میں دریافت کرتا نہایت خوش اسلوبی سے واضح فرما دیتے لیکن خود میری تیاری میں کوئی دخل نہ دیتے۔ میری طبیعت ان کے اوصاف حمیدہ سے بہت متاثر ہوئی۔ تقسیم ملک تک جماعت کے جلسہ سالانہ پر ان سے ضرور ملاقت ہوتی۔ تقسیم ملک کے بعد ملاقات کا موقع نہیں ہوا لیکن ان کی نہایت خوشگوار صحبت کی یاد اب تک میرے دل میں تازہ ہے۔ ان کی خیریت کی اطلاع ملتی رہتی ہے اور جب موقع میسر آتا ہے میں اپنا نیاز مندانہ سلام ان کی خدمت میں بھجوا دیتا ہوں۔ حکیم خلیل احمد صاحب بھی بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور میر ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ نہایت بشاش طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی باقی انسانوں کی طرح یقیناً آلام انسانی سے خالی نہیں رہی ہوگی لیکن میں نے انہیں کبھی ملول خاطر نہیں دیکھا۔ افسوس کہ دسمبر 1970ء میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔"

(بحوالہ تحدیث نعمت صفحہ 152.153)

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ نے سارے ایمان افروز واقعہ کی تفصیل اپنی کتاب تحدیث نعمت میں بیان فرمائی ہے۔ یہ ساری روئیداد پڑھنے کے قابل ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعاؤں کے طفیل غیبی تائید ونصرت عطا فرمائی۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحبؓ کے بیان فرمودہ اس اقتباس سے عیاں ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کو اللہ تعالیٰ کی خاص تائید حاصل تھی۔ ایک بظاہر بڑا نظر آنے والا کام بھی آپ کی دعاؤں کے طفیل ایک بچہ سے سر ہو گیا۔ یہاں تک کہ فاضل جج صاحب نے بھی چوہدری صاحب کی تعریف کی۔ دوسری بات یہ بھی عیاں ہوتی ہے کہ سید وزارت حسین صاحبؓ بظاہر قانون کا علم نہ رکھنے کے قانون اور فقہ پر عبور رکھتے تھے اور اسے احسن پیرائے میں بیان کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ہمیں ان کے مضمون ''ذکر حبیب'' سے بھی ہو جاتا ہے۔

معروف عالم دین

محترم سید وزارت حسین صاحبؓ اپنے علاقہ کے معروف عالم دین تھے۔ آپ کئی کتب کے مصنف بھی تھے۔ اس وقت آپ کی کتب میں ''مراۃ الجہاد'' میسر ہے۔ اس کتاب میں آریہ سماج کے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا کافی وشافی جواب دیا گیا ہے۔ اور خصوصاً پنڈت لیکھرام کے اسلام کے خلاف کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ آریہ سماج کے متعلق آپ کی معلومات پختہ اور دلائل انتہائی مضبوط ہوا کرتے تھے۔

مراۃ الجہاد پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ ایڈیٹر الحکم کا تبصرہ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کا جماعت احمدیہ کی تاریخ میں جو مقام و مرتبہ ہے وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہیں۔ آپ نے اپنے مؤقر اخبار الحکم کے ذریعہ عظیم الشان خدمات سر انجام دی ہیں۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے اخبار الحکم کو اپنا ایک بازو قرار دیا تھا۔ آپ 21 اگست 1923ء کے اخبار الحکم میں مرآۃ الجہاد کتاب پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''آریوں کی طرف سے مسئلہ جہاد پر بہت اعتراضات کئے گئے ہیں۔ لیکھرام مقتول نے اس پر ایک خاص کتاب لکھی ہے اور آج آریوں نے شدھی کی تحریک کی بنیاد اسی پر رکھی ہے کہ اسلام بذریعہ تلوار پھیلا

ہے۔ اس کتاب میں اس مسئلہ کی حقیقت عملی اور تاریخی حیثیت سے اس قابلیت سے بیان کی گئی ہے کہ بے اختیار مصنف کی محنت اور ہمت کی داد دینی پڑتی ہے۔ اس کتاب میں آریوں کے قتل و غارت لوٹ مار اور بے حد ظلم اور زیادتیوں کا تاریخی ثبوت ایک خاص فصل میں دیا ہے۔

کتاب قابل دید ہے۔ اور اس کی کثرت اشاعت کی ضرورت ہے۔ 312 صفحہ کی کتاب ہے اور آٹھ آنہ فی جلد کے حساب سے دفتر الحکم قادیان سے ملے گی۔ محصول ڈاک اس کے علاوہ ہے یہ کتاب مولوی سید وزارت حسین صاحب اورینوی مونگھیری کی تالیف ہے۔

(اخبار الحکم 21 اگست 1923ء صفحہ 1)

مراۃ الجہاد پر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایڈیٹر البدر کا ریویو

حضرت مولوی سید وزارت صاحبؓ کی کتاب مراۃ الجہاد پر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایڈیٹر اخبار البدر قادیان نے بھی ریویو فرمایا ہے۔ وہ یہاں پر احباب کے فائدہ کے لئے پیش ہے۔ آپ بعنوان ''مراۃ الجہاد'' لکھتے ہیں کہ

''اس نام کی ایک کتاب ہمارے دوست وزارت حسین صاحب ساکن اورین ضلع مونگھیر نے تصنیف کر کے چھپوائی ہے اور ہمارے پاس ریویو کے واسطے بھیجی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہماری جماعت کے ممبروں کو اسلام کی سچی محبت اور دین محمد ﷺ کی خدمت کا دلی جوش عطا فرمایا ہے۔ اور یہی اس امر کا ثبوت ہے کہ اس زمانہ میں اسلام اگر کسی فرقہ میں پایا جاتا ہے تو وہ یہی فرقہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف موصوف نے اس کتاب کے لکھنے میں بہت محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے اپنے اور بے گانوں کی کتابوں کا بہت غور سے مطالعہ کر کے مفید عبارتیں ہر جگہ سے نقل کی ہیں۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی کتب اور مسائل ہنود میں ہندوؤں اور آریہ کی مستند کتب کے حوالجات کے ساتھ اس بات کو بپایہ ثبوت پہنچایا ہے کہ اسلام میں اگر کوئی جہاد ہے تو وہ عین فطرت انسان کے مطابق اور بنی نوع انسان کی ضروریات کے موافق ہے۔ جہاد کا وعظ کیا گیا ہے۔ اسلام پر اعتراض کرنا اُن اقوام کے واسطے جائے شرم ہے۔ یہ کتاب 312 صفحہ کی ہے اور اس میں بہت سے مفید مسائل پر عمدہ بحث کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر چند ایک سرخیاں فہرست مضامین میں نقل کرتا ہوں۔

وید میں جنگ کی تاکید، اسلام کو جہاد کی کیوں ضرورت پڑی۔ مغازی الرسول۔ خلفائے راشدین کے جنگوں کے اسباب۔ مسلمان بادشاہوں کے پاس معزز ہندوافسر، جواب رسالہ جہاد مصنفہ آریہ صاحبان۔ عرب، روم، فارس، مصر، مراکو، افغانستان، ہندوستان کس طرح مسلمان ہوئے، نیوگ کا تاریخی ثبوت۔ گورنمنٹ برطانیہ مسلمانوں کی محسن وغیرہ۔

اس جگہ ہم اس کتاب میں سے دو مقام نقل کرتے ہیں۔ اول یہ کہ آریوں نے اپنے مفتوحوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور دوم یہ کہ اسلام نے اپنے مفتوحوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ غیر آریوں کے ساتھ سلوک۔

اشلوک نمبر 195-196 مصنفہ سوامی دیال ''دشمن قلعہ میں رہے یا باہر رہے اور جنگ بھی نہ کرتا ہو لیکن اس کو گھیرے رہے اور گھاس اور لکڑی اور پانی اُن میں ناکارہ چیز ڈال کر خراب کرے۔ تالاب وقلعہ و بالا خانہ کھائیں ان سب کو کھود ڈالیں، بے خوف دشمنوں کو خوف کرے اور برچھی لے کر رات کو دھکا نام کا باجہ کی آواز سے زیادہ تکلیف دے۔

ویدوں میں غیر آریوں کو جو وید کے دھرم کو قبول نہیں کرتے۔ دسیو کہتے ہیں۔

''اندر نے جس سے بہت لوگ دعا کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ اس کے چالاک ساتھی ہیں دسیوں کو جو زمین پر رہتے تھے اپنے برق سے ہلاک کر ڈالا اور تب اُس نے کھیتوں کو گورے رنگ کے اپنے آریہ دوستوں میں تقسیم کر دیا۔''

ہم چاروں طرف سے دسیوں قوموں کو گھیرے ہوئے ہیں وہ یگ نہیں کرتے کسی چیز کا اعتقاد نہیں رکھتے ان کے مراسم دوسرے ہیں۔ وہ گویا انسان نہیں ہیں۔ اے دشمن کے ہلاک کرنے والو۔ قتل کرو ان کو اور قوم کو ہلاک کر۔''

اندر نے دسیو قوم کو ہلاک کر دیا وہ اسی انجام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

اب میں وہ حق تلفیاں دکھانا چاہتا ہوں جو فاتح آریوں نے شودروں یعنی مفتوحوں کے ساتھ کی ہیں اور صرف کی ہی نہیں بلکہ قانون میں داخل کر چھوڑا ہے۔

اگر فاتح (برہمن) کسی برہمن کو قتل کرے تو اس کو راجہ صرف پیشانی داغ کر راج سے نکال دے اور

اگر وہ کسی مفتوح شودر کو قتل کرے تو صرف دس گائیاں جرمانہ دے دے۔اور اگر بے چارہ مفتوح (شودر) کسی فاتح (برہمن) کو مار ڈالے تو وہ قتل کیا جائے اور اُس کی کل جائیداد ضبط کر لی جائے۔"

اگر فاتحوں برہمنوں کشتری وغیرہ میں سے کوئی مفتوح (شودر) کی عورت سے زنا کرے تو صرف جلاوطن کیا جائے اور اگر بے چاہ مفتوح (شودر) کسی فاتح آریہ کی عورت سے زنا کرے تو جان سے مارا جائے۔"

یہی جابرانہ امتیاز چھوٹے چھوٹے جرموں کی سزا میں بھی ہے مثلاً اگر بے چارہ شودر (مفتوح) کسی (فاتح) برہمن کشتری وغیرہ سے سخت زبانی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے اور اگر تو فلانے برہمن سے نیچ ایسا با آواز بلند برہمن وغیرہ فاتحین کے نام اور ذات کر کے کہے تو اُس کے منہ میں بارہ انگلی کی میغ آہنی جلتی ہوئی ڈالی جائے۔

پنڈت رمیش دت صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ آریوں کی ذات ناقابل بھروسہ ہے انہوں نے شودورں کو ظلم وزیادتی کے ساتھ الگ رکھا اور مذہبی معلومات اور مذہبی مراسم کو ادا کرنے سے بزور بازو الگ رکھا۔ اور ان کے لئے بے انصافانہ اور ظالمانہ دیوانی اور فوج داری قوانین بنائے۔سب سے پہلے شودروں پر اپنے فاتحوں کی غلامی کرنا فرض ہوئی اور اُن کے لئے آزادانہ اندگی بسر کرنا اور حسب خواہش دنیا کے تماشوں میں مشغول ہونا ناممکن ٹھہرایا گیا۔اور فاتحوں کی غلامی اور سیوا کے سوا اُن کو کائی چارہ نہ تھا۔اور اُن سے جبراً غلامی کرایا جاتا رہا۔

یہ تحقیر و تذلیل یہاں تک ترقی کر گئی کہ برت میں بے چارے شودورں نے ہم کلام ہونا ممنوع قرار دیا گیا اور اُس کو برت کا ایک لازمی رکن قرار دیا گیا۔مفتوح بے چاروں کا جھوٹھا کھانا اور پانی پینا بھی گناہ عظیم ٹھہرایا گیا اور اسکے لئے پراشچت (کفارہ) کی ضرورت بتائی گئی۔

مسلمانوں کا سلوک مفتوحوں کے ساتھ

آنحضرت ﷺ کے ذمیوں کو جو حقوق عطا فرمائے۔

(1) کوئی دشمن اُن پر حملہ کرے گا تو اُن کی طرف سے مدافعت کی جائے گی۔رسول اللہ ﷺ کے خاص الفاظ یہ ہیں **يُمۡنَعُوا**

(2) ان کو ان کے مذہب سے برگزشتہ نہیں کیا جائے گا۔خاص الفاظ یہ ہیں **لَا يُفۡتَنُوا عَنۡ دِيۡنِهِمۡ**

(3) اُن کی جان محفوظ رہے گی۔

(4) اُن کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

(5) اُنکی زمین محفوظ رہے گے۔

(6) اُن کا مال محفوظ رہے گا۔

(7) جولوگ اُس وقت حاضر نہیں ہیں یہ احکام اُن کو بھی شامل ہوں گے۔

(8) اُن کے قافلے اور کارواں (یعنی تجارت) محفوظ رہیں گے۔

(9) اُن کا لشکر محفوظ رہے گا اور اُس کی کل چیزیں محفوظ رہیں گی۔

(10) جن رسوم عقائد کے وہ پابند تھے وہ بدلوایا نہیں جائے گا۔

(11) اس قسم کی اور چیزیں بھی زائل نہیں ہوں گی۔

(12) سُقف راہبوں گرجوں کے پجاری وغیرہ اپنی عمل داری اور عہدوں سے برطرف نہیں کئے جائیں گے۔

(13) ہر چیز قلیل وکثیر جس میں حیثیت سے وہ ان کے پاس باقی رہے گی۔اور وہ اُسے اسی طرح کام میں لائیں گے۔جس طرح اب لاتے ہیں۔

(14) اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(15) اُن سے زمانہ جاہلیت کے خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

(16) جزیہ جو اُن سے لیا جائے گا اُن کے لئے محصل کے پاس خود سے جانا نہیں پڑے گا۔

(17) اُن سے عشر نہیں لیا جائے گا۔

(18) اُن کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔

یہ کتاب 312 صفحات پر چھپی تھی اور قیمت آٹھ آنے رکھی گئی تھی اور مصنف سے یا قادیان میں شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم سے مل سکتی ہے۔ قیمت اگرچہ مصنف کی محنت اور اخراجات کے لحاظ سے بہت نہ ہوتا ہم اگر کم رکھی جاتی تو زیادہ تعداد اُس سے فائدہ اٹھا سکتی۔''

(البدر قادیان یکم جون 1905 صفحہ 6-7)

حضرت وزارت صاحبؒ بحیثیت شاعر

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر کے ساتھ ساتھ شاعری کا ملکہ اور شوق بھی عطا فرمایا تھا۔آپ کی شاعری کا ایک نمونہ ناظرین کے لئے اخبار فاروق کے شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔آپ لکھتے ہیں

شہر خموشاں کی سیر

(1)

کل ہوا گورِ غریباں کی طرف میرا گذر
اُٹھ گیا آرام دل سے وہ سماں آیا نظر
نا اُمیدی پیٹتی تھی ایک مرقد کے قریب
حسرت واندوہ تھے ماتم کناں اک قبر پر
تھا کوئی بکسا ہوا مایوسیوں چھایا مزار
قبر کے رخنوں سے اوٹھتا تھا کہیں دودِ جگر
قلب تھرّاتا تھا جنگل اس قدر سنسان تھا
نامرادی سی برستی تھی ہر اک تعویذ پر
شمع تھی خاموش ایک تکیہ کے قریب
ایک جا سوکھے پڑے تھے گلہائے تر
مقبرے تھے جس قدر پر ہول و ہیبتناک تھے
ڈر کے مارے تھم نہ سکتا تھا وہاں مرغِ بصر
وہ خموشی دیکھ کر جاتے رہے میرے حواس
بڑھ گیا کچھ اور آگے واں سے میں باچشم تر
ناگہاں یہ پاؤں کے نیچے سے آئی اک صدا
منہ اٹھائے کس طرف جاتا ہے او غافل ٹھہر
شرم کر اللہ سے یوں چل نہ بد مستوں کی چال

کاسہ سرکو میرے مت ٹھوکروں سے چور کر
چار دن کی زندگی پہ کس لئے اتنا غرور
ایک آنا دن ہے تجھ کو بھی یہیں اے بے خبر
چشم عبرت کھول کا دیکھ عبرت کی ہے جا
ایک دن چکھے گا تو بھی ذائقہ موت کا

(2)

جب سُنی مرقد سے میں نے یہ صدائے درد غم
ہو گیا بیہوش گر کر اس قدر کانپے قدم
ہوش جب آیا مجھے قائم ہوئے کچھ کچھ حواس
ڈرتے ڈرتے عرض کی اے سالک راہ عدم
جو کہا اس وقت تو نے سب بجا ہے ٹھیک ہے
قوم میں تیرے نہیں گنجائش لاؤ نعم
پر مجھے اتنا تو بتلا موت کیا چیز ہے
کس طرح ہوتی ہے پیدا کب یہ لیتی ہے جنم
کیا مزہ اس کا ہے شیریں کہ شور تلخ ہے
یہ ہی بتلا دے کوئی تریاق ہے کہ سم ہے
یک بیک اس قبرسے ظاہر ہوا شور و فغاں
بعد اک لحظہ کہ یوں آئی صدا، بتائیں ہم
ذائقہ اس کا حنظل سے فزوں تر تلک ہے
میں بُھلاتا ہوں مگر ہوتی نہیں یاد اُس کی کم
گو مجھے دنیاکو چھوڑے ہو گئے لاکھوں برس
تلخی موت اب تک منہ میں ہے خالق کی قسم

اس کی پیدائش کی صورت کیا خدا کا حکم ہے
ہے ہر اک ذی روح پر اس کا سدا یکساں کرم
حاجت الفت اُسے ہے نہ عداوت کا خیال
اس سے بچ سکتے نہیں دیر و حرم ہندو و عجم

سب جگہ ہر وقت ہے یہ روم ہے یا روس
چین ہو جاپان ہو یا سر زمیں طوس ہو

گر چہ انساں دار فانی میں جئے لاکھوں برس
پر اجل انجام ہے باقی حوس
بیٹھ ہی رہتے ہیں سب بھائی بہن رو پیٹ کر
موت سے ماں باپ کا بھی کچھ چلتا نہیں ہے بس
جب متاع جاں پے قزاق اجل ہے لوٹتا
روک سکتا ہی نہیں ہو پاسباں یا ہو عسس
عوج و رفعت سے گرے خاک مذلت پر وہ شاہ
بار گاہوں میں لگے تھے جن کے سو زریں کلس
ایک وارد ایک رخصت ایک آیا ایک گیا
قافلے چلتے رہیں گے حشر تک یوں پیش وپس
عمر بڑھنے کی دعا کرتے ہیں گو دنیا میں لوگ
پر یہ سن گھٹتا چلا جاتاہے ہر دم ہر نفس
غیر ممکن ہے سدا کوئی یہاں قائم رہے
ہے عبث اس بات کی انسان کو عالم میں ہوس
کوئی سر پیٹے کہ چلائے اُسے پرواہ نہیں
ہے یہ ایسی سنگ دل بالکل نہیں آتا ترس

قافلے اس راہ میں چپ چاپ ہوتے ہیں رواں
نہ حدی خوان کوئی چلتا ہے کہ بجتا ہے جرس
ڈر خدا کے خوف سے وہ موت کی تلخی نہ بُھول
گر نہ اس شرینیِ دنیا پہ یوں مثلِ مگس

کام جو عقبیٰ میں آئے رہے دنیا میں ناکام
چھوڑ دے غافل خودی کو کر یہاں وہ نیک کام

کوئی غافل اس جگہ ایسا کبھی نہ آیا تھا
موت کو تیری طرح کوئی بشر بھولا نہ تھا
اس زمیں کو دیکھ لے جیسے جواہر دفن ہیں
جن کی قیمت کوئی دنیا میں لگا سکتا نہ تھا
اس زمیں میں ہے سکندر شاہ کجکلاہ
جس کی جانب دیکھنے کو مہر کو یارانہ نہ تھا
اس زمیں میں سو رہے ہیں حاتم و نوشیرواں
جن کا جود و عدل میں کوئی بھی ہم پایہ نہ تھا
اس زمیں میں دیکھ داراؤ فریدوں دفن ہیں
دبدبہ میں کوئی بھی جن کی برابر کا نہ تھا
صاحب تدبیر اکبر سا یہاں مدفون ہے
سامنے جس کے کسی کا مکر و فن چلتا نہ تھا
اس زمیں میں دفن ہے قیس سا عاشق مزاج
جو ہوائے بے خودی میں آپ سے بیگانہ تھا
اس زمیں میں دفن ہے ماہوش جادو نظر
ہر ادا جن کی تھی دلکش ناز معشوقانہ تھا

ان حسینوں کے منہ پر بھی ہے اس زمیں کا نقاب
روئے انوار ماہ نے جن کا کبھی دیکھا نہ تھا
سینکڑوں اس خاک کے نیچے ہیں وہ نازک بدن
خواب جن کو فرش مخمل پر کبھی آتا نہ تھا

باغ عالم میں ہمیشہ یہ پریشانی رہی
قیصری قیصر کی نہ خاقان کی خاقانی رہی

مان لے میرے نصیحت کو جہالت چھوڑ دے
ہوش میں آ ہوش میں دنیا سے الفت کو چھوڑ دے
جس طرح ہو چند روز زندگی کے دن گذار
دار فانی میں خیال رنج و راحت چھوڑ دے
حوصلہ کر مار راہ سعی میں بڑھ قدم
ناز استعداد پر زعم لیاقت چھوڑ دے
چاہیے ہر کام میں انسان کو فکر اعتدال
بخل سے پرہیز کر بے جا سخاوت چھوڑ دے
ناریوں کے کام ہیں مکروہ فسق اعتدال
چھوڑ تقلید راہ ضلالت چھوڑ دے
مذہب اسلام میں مذموم ہے بے حد عناد
صاف رہ ہر ایک سے کینہ عداوت چھوڑ دے
جو نہ ہو موجود پھر اُس کی شکایت کیا ضرور
دیکھ اپنے عیب کو غیبت کی عادت کو چھوڑ دے
بھول کر یہ مت زباں پر لاکذب و دروغ
راستی محمود ہے پچھلی حماقت چھوڑ دے

چاہتا ہے گر بھلا اپنا بھلائی تو بھی کر
ترک کر شکوہ شکایت کو شماتت چھوڑ دے
انقلاب دہر کی نیرنگیوں پر کر نظر
اس خمارِ خوابِ غفلت کو وزارت چھوڑ دے
دُختِ رز کی صحبتوں میں کر نہ عقبیٰ کو خراب
ورنہ ہو جائے گا مر کر داخل نار عذاب

(بحوالہ اخبار فاروق قادیان 14 جولائی 1922ء صفحہ 1۔2)

کامیاب مناظر:

آپ نے آریہ سماجیوں سے مباحثات بھی کئے۔ چنانچہ تاریخ احمدیت میں آپ کے ایک مباحثہ کا ذکر موجود ہے۔ تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 497 میں مباحثہ بانکی پور پٹنہ کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ لکھا ہے

''مباحثہ بانکی پور پٹنہ'' (مولوی سید وزارت حسن صاحب رئیس اورین ضلع مونگھیر اور آریہ سماج کے درمیان)

تبلیغ کا شوق

آپ کو تبلیغ کا حد درجہ شوق تھا۔ جس امن بخش پیغام کو آپ نے قبول کیا تھا۔ اسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے آپ ہر دم کوشاں رہتے تھے اور کوئی موقع نہ جانے دیتے تھے۔ اور اس بارے میں نئی نئی تجویزیں سوچتے رہتے تھے۔ چنانچہ اخبار الفضل میں درج ہے کہ

''مونگھیر سے اخویم وزارت حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ صوبہ بہار کے لوگ اردو سمجھتے ہیں اسی زبان میں ان کو تبلیغ کی گئی۔ کئی اشخاص اعتقاداً تو احمدی ہیں لیکن ابھی تک بیعت نہیں کی۔ اُمید ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور بیعت کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلدی قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ الحمد للہ میری تحریک پر بعض آدمیوں نے احمدیت کی تحریک کے لئے ہمارے لیکچراروں کے بلانے کا ارادہ کیا اور جلسہ کا انتظام کرنے والے ہیں۔''

(الفضل 19 اگست 1915ء صفحہ 1)

آپ کو بحیثیت سیکریٹری تبلیغ جماعت احمدیہ مونگھیر خدمت بجالانے کی توفیق بھی نصیب ہوئی۔ چنانچہ آپ کے دور سیکریٹری شپ کی ایک رپورٹ ہمیں اخبار الفضل 26 نومبر 1926ء صفحہ 10 میں ان الفاظ میں ملتی ہے:

صوبہ بہار کے صدر مقام عظیم آباد پٹنہ میں ممبران وفد نمبر: 1 کی شاندار تقریریں

''عظیم آباد پٹنہ میں چونکہ جماعت بہت مختصر ہے۔اس لئے وہاں کے جلسہ کا انتظام بھی سیکریٹری تبلیغ جماعت احمدیہ مونگھیر کو کرنا پڑا۔جلسہ گاہ کے لئے انجمن اسلامیہ ہال جو پٹنہ میں ایک ہی عظیم الشان پبلک ہال ہے۔مولوی غلام احمد صاحب وکیل ہائی کورٹ پٹنہ نے عطا فرمایا۔وفد کے مونگھیر میں وارد ہونے کے بعد مشورہ کر کے پٹنہ کے جلسہ کے لئے اشتہار اردو اور انگریزی مع پروگرام مونگھیر ہی میں طبع کرائے گئے اور 8/نومبر کو یہاں کی دوسرے دن کی تقریروں کے بعد رات ہی کو سیکریٹری تبلیغ جماعت احمدیہ مونگھیر کو اشتہارات کے ساتھ پٹنہ روانہ کیا گیا۔صبح پہنچ کر دیگر انتظامات مکمل کر لئے گئے۔9/نومبر کو بعد دوپہر تین بجکر دس منٹ پر وفد نمبر: 1 وارد ہوا اور پٹنہ جنکشن کے سٹیشن پر احباب اور چند دیگر مسلمان اور ہندو معززین نے استقبال کیا۔سید ارادات حسین صاحب اورینی مونگھری اور عبدالماجد صاحب بھاگلپوری بھی وفد کے ساتھ پٹنہ تشریف لائے۔اور دوسرے دن کے جلسے سے پہلے مولوی حکیم خلیل احمد صاحب بھی پٹنہ پہنچ گئے۔خدا کے فضل سے 9/نومبر کو وقت مقررہ پر ہمارے جلسہ کا افتتاح ہوا۔تقریر شروع ہونے سے پہلے ہی جلسہ گاہ پُر ہو گیا تھا۔جلسہ تلاوت قرآن مجید کے ساتھ زیر صدارت سید ارادت حسین صاحب اورین شروع کیا گیا۔مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر نے بزبان فصیح انگریزی ''اسلام عالمگیر مذہب'' پر نہایت دلچسپ اور معلومات سے پُر تقریر فرمائی۔اور اسلام کو ہر رنگ میں عالمگیر مذہب ثابت کرتے ہوئے پنج ارکان اسلام کی فلاسفی اس احسن طریق پر بیان فرمائی کہ لوگ نہایت محظوظ ہوئے۔اس کے بعد مولانا غلام احمد صاحب مولوی فاضل نے بزبان اردو ''اسلام صلح و آشتی کا مذہب'' پر تقریر فرمائی۔جس میں جہاد کی حقیقت پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی۔آخر میں ایک مسلمان لا اسٹوڈنٹ اور ایک ہندو طالب علم کے چند سوالات کا جواب دیا گیا۔حاضرین کی تعداد کا تخمینہ آج کے دن تقریباً بارہ تیرہ سو تھا۔دوسرے دن کی کاروائی بھی خدا کے فضل سے عین وقت پر بصدارت مولوی حکیم خلیل احمد صاحب شروع ہوئی۔پہلی تقریر

مولانا غلام احمد صاحب کی ''اسلام زندہ مذہب'' کے عنوان پر تھی۔ مولانا ممدوح نے دوران تقریر میں نہایت حسن وخوبی کے ساتھ اور لطیف پیرائے میں اسلام کی زندگی کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات کو بھی پیش فرمایا۔ اس کے بعد مولانا نیر صاحب نے تمہیدی تقریر کے بعد اپنے اشعار اور میجک لالٹین کے ساتھ سلائڈس دکھاتے ہوئے افریقہ ویورپ، امریکہ ودیگر ممالک میں جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا ثبوت تصویری زبان میں پیش کیا اور حضرت مسیح موعودؑ وخلفائے سلسلہ احمدیہ کی مبارک شبیہوں اور دارالامان کے مناظر کو پیش کر کے بتایا کہ جو کچھ آپ نے اسلام کی تبلیغ کے حالات تصویروں میں دیکھے یا تقریروں میں سنے ہیں وہ سب انہی مبارک وجودوں کا فیض ہے اور اسی گاؤں سے نکل کر اللہ اکبر کی صدا تمام عالم میں پہنچائی جارہی ہے۔ آج کے دن مجمع پہلے دن سے بھی زائد تھا۔ بعض اندازے کے مطابق حاضرین کی تعداد تقریباً سولہ سترہ سوتھی اور بہت سے لوگ دیواروں میں لگے ہوئے اور دروازوں پر کھڑے تھے۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتے ہیں کہ محض اس کے فضل سے صوبہ بہار کے مرکز میں اسلام کی صداقت اور مسیح موعود علیہ السلام کا نام اور آپ کے فیض سے جماعت احمدیہ کا کام امن اور کامیابی کے ساتھ اتنے بڑے مجمع کے اندر پہونچا دیا گیا۔ جس کے عمدہ نتائج اللہ نے چاہا تو جلد نکلیں گے اور زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ حاضرین میں زیادہ تعداد تعلیم یافتہ لوگوں کی تھی۔ جن میں کالجوں کے طلباء کی کثرت کے علاوہ وکلاء، گریجوئیٹ، اسکول کے ماسٹر کالج کے پروفیسر، ہر مذہب وملت کے لوگ شامل تھے۔ ہندو برادران کی تعداد بھی کافی تھی۔

ہمارے جلسہ کا عام اثر

کالج اور اسکول کے طلباء پر انگریزی واردو تقریروں کا خاص اثر ہوا۔ ان کے علاوہ عام غیر احمدی حضرات نے بھی تقریروں کو پسند فرمایا اور جلسہ کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی جماعت فی زمانہ اعلائے کلمۃ اللہ کی اہلیت رکھتی ہے اور تبلیغ کرتی ہے تو وہ یہی جماعت احمدیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جتنی آوازیں اس جلسہ کے متعلق ہمارے کانوں میں پہنچی ہیں۔ وہ خوش کن اور عمدہ اثرات کی شہادت دینے والی ہیں۔ وفد کی جائے قیام پر جو گرینڈ ہوٹل میں تھا کئی غیر احمدی اور آریہ اور ہندو حضرات آآکر ملتے اور معلومات حاصل کرتے رہے۔ ایک عام چرچا احمدیت کا شہر میں پھیل گیا اور سوالات اٹھنے

لگے ہیں کہ احمدیوں کو کیوں برا کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ عمدہ نتائج پیدا ہونگے۔''

(عاجز وزارت حسین سیکریٹری تبلیغ جماعت احمدیہ مونگھیر)

اسی طرح مونگھیر میں وفد نمبر 1 کا وروداور اسلام احمدیت کی شاندار تبلیغ کے عنوان سے اسی دن کے اخبار الفضل قادیان میں مزید رپورٹ بھی آپ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

تبلیغ کے لئے آپ کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے کئی احباب کو خطوط لکھے۔ انہیں تبلیغی خطوط میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے اخبار الفضل زیر عنوان مونگھر تحریر کرتا ہے کہ

''سیکریٹری تبلیغ سید وزارت حسین صاحب کی تبلیغی خط و کتابت بعض انگریز مرد اور خواتین سے جاری ہے۔ جن کے جوابات ان کو حوصلہ افزا مل رہے ہیں۔ ایک انگریز خاتون نے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے کہ آپ کے خطوط کو توجہ سے پڑھتی ہوں بے شک کرسچن سائنس ایک خیالی مذہب ہے اور عملی زندگی کے لحاظ سے اسلام ہی حقیقی اور سچا مذہب ہے بعض وکلاء اور رؤسا کے سامنے سلسلہ کا لٹریچر اور اخبارات مطالعہ کے لئے رکھے گئے۔'' (الفضل 28 ستمبر 1926ء)

آپ کو حد درجہ اسلام احمدیت کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کا جنون تھا اور اس کوشش میں رہتے تھے کہ کوئی موقع ہاتھ آئے۔ لوگ جمع ہوں اور انہیں احمدیت کی تعلیم پہنچائی جاسکے۔

اپنے بیٹے فضل احمد کی تقریب آمین کے موقع پر آپ نے اپنے گھر ایک شاندار دعوت کی اور لوگوں کو مدعو کیا اس موقعہ پر انہیں احمدیت کا پیغام پہنچایا گیا۔ اس کی رپورٹ اخبار الفضل میں ان الفاظ میں درج ہے۔

موضع اورین ضلع مونگیر میں مسلمانوں کا عظیم الشان جلسہ

29 دسمبر (1929) تقریب آمین فضل احمد سلمہ اللہ ولد جناب سید وزارت حسین صاحب احمدی رئیس موضع اورین مسلمانوں کا اجتماع بمکان سید صاحب موصوف ہوا۔ جس میں مسلم باشندگان اورین اور دیگر مقامات کے مسلمان بھی جمع تھے۔ پہلے فضل احمد سلمہ نے تلاوت قرآن مجید کی بعدہ مولوی سید ارادت حسین صاحب احمدی نے ایک موثر تقریر میں قرآن کریم کے اعلیٰ واکمل ہونے کا زبردست دلائل کے ساتھ ثبوت دیا اور ثابت کیا کہ قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے ماتحت ہے۔ صفت

رحمانیت اللہ تعالیٰ کی ان عطاؤں اور کرم فرمائیوں کا سرچشمہ ہے۔ جو جانداروں پر بغیر محنت وطلب کے جاری ہیں۔ مثل آسمان وزمین وسورج وچاند ہوا وپانی نزول وحی وغیرہ۔

اس کے بعد آیہ اِقْرَأْ بِاسْمِ کے بہت حقائق ومعارف بیان کرنے کے بعد ثابت کیا کہ قرآن شریف چونکہ اس خالق کل کا کلام ہے۔ جس نے کائنات کی ہر شے پیدا کی ہے۔ اس لئے جس طرح نیچر کی کسی ایک چیز کے عجائبات وافعال وخواص کا احاطہ نہیں ہوسکا اور نہ ہوسکتا ہے۔ جس قدر علوم وفنون ترقی کرتے جاتے ہیں اور کرتے جائیں گے۔ اسی طرح قرآن کریم کے عجائبات وحقائق ومعارف وعلوم مزکی نفوس کے ذریعہ ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں گے۔'' (الفضل مورخہ 21رجنوری 1930ء)

حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ کا ایک خواب

مکرم مولوی عبدالحق صاحب فاضل مرحوم مبلغ سلسلہ بہار اپنی تبلیغی رپورٹ بعنوان ''صوبہ بہار کی جماعتوں کا تبلیغی وتربیتی دورہ مطبوعہ ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 2 مئی 1968ء صفحہ 9 میں مقام خلافت کے حوالہ سے مکرم سید وزارت حسین صاحبؓ کی ایک خواب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''حضرت سید وزارت حسین صاحب اس اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں کہ آپ اور آپ کے خاندان کا ایک ایک فرد ہمیشہ خلافت احمدیہ کے ساتھ والہانہ عقیدت کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کے موقعہ پر آپ نے خواب دیکھا کہ ایک نوجوان تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور وہ تخت بہت اونچی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ آپ نے یہ خواب بھی قبل از وقت مونگھیر کے احمدیوں کو سنا کر اس کی تعبیر بھی بتادی تھی کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحبزادہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب سربرآئے خلافت ہوں گے۔''

مباحثہ مونگھیر

بہار کی سرزمین میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں ہی احمدیت کا نفوذ ہو چکا تھا۔ چنانچہ صوبہ میں سب سے پہلے مولانا سید حسن علی صاحبؓ کو امام الزمان کو قبول کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ آپ کامیاب داعی الی اللہ تھے۔ جس کے نتیجہ میں اور بھی کئی اصحاب کو امام

الزمان کی بیعت کرنے اور صحابہ کا مقام نصیب ہوا۔ ان کامیاب تبلیغی کاوشوں کے نتیجہ میں سارے صوبہ میں احمدیت کا چرچا شروع ہو گیا۔ خصوصاً بھاگلپور اور اطراف کے علاقوں میں اس کا خاص چرچا تھا۔ مخالفین بھی اپنا پورا زور لگا رہے تھے کہ کسی طرح حق کو پھیلنے سے روکا جائے۔ محترم سید وزارت حسین صاحبؓ کے ایمان لانے کے چند سال بعد ہی مخالفین نے خاص مونگیر میں 1912ء میں مباحثہ کیا۔ اس ایمان افروز مباحثہ کی مکمل روئیداد سلسلہ کے جید عالم دین سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشہور صحابی حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے اپنی کتاب ''حیات قدسی'' جلد سوئم صفحہ 49 تا 53 طبع 1954ء میں مباحثہ مونگھیر کے تحت بیان کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ کا اپنے پیاروں اور مقدس نائبین کے ساتھ جو گہرا تعلق ہوتا ہے وہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی معجزانہ اور اُس کے خارق نشانوں سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انبیا اور اُن کے خلفاء راشدین کی نرالی شان اور بابرکت تعلق کا اندازہ کرنا ایک عام آدمی کے لئے بہت مشکل ہے۔ ان اسرار کو جو خدا تعالیٰ کو اُن کے ساتھ اور اُن کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں وہی جانتے ہیں یا خاص مقربین کو اس اسرار کی کسی قدر جھلک نظر آتی ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کی عظیم الشان کرامت:

1912ء میں خاکسار خواجہ کمال الدین صاحب کے ساتھ ایک جلسہ میں شمولیت کے لئے آگرہ گیا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خواجہ صاحب کے نام پیغام پہنچا کہ خاکسار کو فوری طور پر وہ دہلی پہنچا دیں تاکہ وہاں سے میر قاسم علی صاحبؓ کی معیت میں مونگھیر صوبہ بہار کے مناظرہ میں شرکت کر سکوں۔ اس مناظرہ کے لئے مرکز سے حضرت علامہ مولوی سرور شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حافظ روشن علی صاحبؓ سیدھے مونگھیر روانہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ خاکسار میر صاحبؓ کی معیت میں مونگھیر پہنچا۔

دہلی میں حضرت میر صاحبؓ نے حضرت کا خط دکھایا جس میں ارشاد تھا کہ دعا اور استغفار کثرت کے ساتھ کرتے جانا۔ چنانچہ خاکسار سفر کے دوران میں دعاؤں اور استغفار میں مشغول رہا۔ ابھی ہم

دونوں سفر میں مونگھیر سے کچھ فاصلہ پر تھے کہ مجھ پر کشفی حالت طاری ہوگئی میں نے دیکھا کہ میرا ہاتھ یک دم سفید ہو گیا اور میں ایک محل پر چڑھ رہا ہوں۔ پھر وہ حالت بدل گئی ۔ مونگھیر شہر کے اسٹیشن پر احباب پیشوائی کے لئے موجود تھے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اطراف و جوانب سے تقریباً ڈیڑھ سو علماء جمع ہیں۔

شرائط مناظرہ:

جب شرائط مناظرہ طئے ہونے لگے تو غیر احمدی علماء نے محض ضد اور شرارت سے طبعی ترتیب کو چھوڑ کر اس بات پر زور دیا کہ احمدی مناظر پہلے عربی میں وفات مسیح پر پرچہ لکھے اور پھر اس عربی پرچہ کو مع اردو ترجمہ اور تشریح کے حاضرین کو سنائے ۔اس کے بعد غیر احمدی مناظر جوابی پرچہ لکھ کر سنائے ان کے شدید اصرار پر آخر ہماری طرف سے کہا گیا کہ اگر آپ نے اپنی بات پر بہر حال اصرار ہی کرنا ہے اور طبعی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھنا تو کم از کم یہ کیا جائے کہ دونوں مناظر بیک وقت عربی میں اپنا اپنا پرچہ لکھیں اور مکمل کرنے پر ایک دوسرے کو تردید کے لئے دے دیں لیکن علماء مخالفین نے حد درجہ کی ضد دکھائی اور اُس کو بھی قبول نہ کیا اور اسی بات پر اصرار کیا کہ پہلے احمدی مناظر عربی میں پرچہ لکھے اور کہا کہ اگر احمدی مناظر اس شرط کو نہ مانیں گے تو تمام شہر میں منادی کرادی جائے گی کہ احمدی لوگ فرار ہو گئے۔

ان علماء کی اس بد دیانتی اور صریح ضد کی وجہ سے ہمیں بہت ہی تکلیف ہوئی۔ چنانچہ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان حالات میں کیا قدم اٹھانا چاہئے ۔ بعدہ یہ طئے ہوا کہ ہمیں یہ شرائط جو علماء مخالفین نے صریح اصولوں کے خلاف محض بد دیانتی سے پیش کی ہیں مان لینی چاہئے۔ تا کہ اُن کو جھوٹے طور پر بھی فتح کا نقارہ بجانے کا موقعہ نہ مل سکے۔ مناظرہ کی صورت میں کم از کم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام اور آپ کے دعوے اور اُس کے دلائل کے پیش کرنے کا کچھ موقعہ تو میسر آ جائے گا۔اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی شرائط کے ہوتے ہوئے بھی اعلاء کلمۃ اللہ کی توفیق عطا فرما دے۔

احمدی مناظر کا تقرر:

اب یہ سوال تھا کہ اگر عربی میں پرچہ لکھنا پڑے تو احمدیوں کی طرف سے کون مناظر پیش ہوگا۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے بوجہ آنکھوں کی معذوری کہ فرمایا کہ میں تو تحریری کام نہیں کر سکتا۔ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ نے فرمایا کہ میں نوارد خواں ہوں اور زیادہ سے زیادہ فارسی خواں منشی ہوں۔ میں عربی میں مناظرہ کرنے سے معذور ہوں۔ اس پر حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ فرمانے لگے کہ بے شک میں عربی کا عالم ہوں لیکن مجھے اس طرح عربی میں مضامین لکھنے اور مناظرہ کرنے کی مشق مزاولت نہیں لہذا مجھے بھی معذور دسمجھا جائے آخر'' قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند'' کے مقولہ کے مطابق مجھ پر پڑا۔ اگرچہ اس خاکسار کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب بار بار پڑھنے کی برکت سے عربی میں کچھ لکھنے کی مشق ہوگئی تھی اور میں علماء مخالفین کو عربی میں خطوط بھی لکھتا رہتا تھا لیکن عربی میں باقاعدہ مناظرہ کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ تاہم اپنے احباب کی تحریک پر میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

جب ہم وقت مقررہ پر میدان مناظرہ میں پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مخلوق کا ایک اژدھام پنڈال میں جمع ہے۔ بعض کے اندازہ میں مجمع 15 ہزار کے قریب تھا۔ اور بعض کے اندازوں میں اس سے بھی زیادہ تھا۔ انتظام کے لئے پولیس کے اعلیٰ افسران تک موجود تھے۔ مناظرہ کی کاروائی کے لئے پانچ صدر مقرر کئے گئے۔ دو احمدیوں کی طرف سے اور دو غیر احمدیوں کی طرف سے اور پانچواں صدر ایک معزز ہندو تھا۔ جو شہر کا رئیس اور آنریری مجسٹریٹ بھی تھا۔

وقت مقررہ پر صدر اعظم نے مجھے پرچہ لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے قلم دوات لے کر پرچہ عربی میں لکھنا شروع کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ وفات مسیح کی چار پانچ آیتوں کے ساتھ ساتھ صداقت مسیح موعود علیہ السلام کے دلائل بھی لکھ دیئے۔ پھر عربی عبارت کا اردو مفہوم اور ترجمہ بھی تحریر کیا۔ وقت ختم ہونے پر خاکسار پرچہ کو سنانے کے لئے کھڑا ہوا۔ کھڑے ہوتے وقت میں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز آسمان سے اتری ہے اور میرے وجود اور قویٰ اور حواس پر مسلط ہوگئی ہے۔ وہ روح القدس کی روحانی تجلی کا نزول تھا۔

میری آواز زیادہ بلند نہ تھی اور نہ ہی میں خوش الحان تھا۔ لیکن اس وقت سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ

السلام کی برکت اور خلیفۃ المسیح اول ؓ کی دعاؤں توجہ سے مجھے آسمانی تائید حاصل ہوگئی ۔ میری آواز اس قدر بلند ہوئی کہ سارے مجمع میں آسانی سے سنائی دینے لگی اور مجھے خوش الحانی بھی عطا کی گئی ۔ یہاں تک کہ مجھے اپنی آواز سے خود لذت اور سرور محسوس ہونے لگا۔ اور مکرم حضرت خلیل صاحب نے جب اس مناظرہ کی روئیداد شائع کی تو میری آواز کو لحنِ داؤدی کے نام سے ذکر کیا۔

علماء مخالفین کی ناپسندیدہ حرکت:

چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے لوگوں پر میرے پرچہ اور اس کے مفہوم اور تشریح کا بہت اثر ہوا۔ میں نے ابھی پرچہ کا اٹھواں حصہ ہی پڑھا ہوگا کہ علماء مخالفین نے فتنہ انگیزی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ یہ اپنا اثر ڈال رہا ہے اس کو صرف پرچہ پڑھ کر اس کو ختم کرنا چاہئے ۔ ان کی اس بے جا حرکت کو دیکھ کر صدر اعظم نے ان کو تقریر کے دوران بولنے اور شور ڈالنے سے منع کیا اور مجھے اپنے بیان کو جاری رکھنے کو کہا لیکن جب میں کچھ حصہ اور پڑھ چکا تو ان دو غیر احمدی صدروں نے شور ڈالنا شروع کر دیا اسی طرح دو یا تین بار میری تقریر کے دوران غیر احمدیوں نے شور وغل مچایا ۔ تب صدر اعظم نے بہت ہی رنجیدہ ہو کر کہا کہ اگر غیر احمدی علماء اپنے اس بیجا طریق نے بعض نہ آئے تو وہ مناظرہ ختم کر دیں گے اور اپنی صدارت سے مستعفی ہو جائیں گے ۔ اسی دوران احمدی صدر حضرت میر قاسم علی صاحب ؓ نے بھی نہایت قابلیت سے نظم ونسق اور پر امن طریق اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی اور غیر احمدی صدران کی بیجا باتوں کا قرار واقعی جواب دیا اور شرائط مناظرہ کی پابندی کی طرف توجہ دلاتے رہے ۔ اس اثنا میں آٹھ نوجوان مجمع میں سے اٹھ کر جن میں سے بعض گریجوئٹ اور اچھے تعلیم یافتہ تھے ، میری میز کی طرف آگے بڑھے اور جب ان سے آگے بڑھنے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ اُن پر احمدیت کی صداقت منکشف ہوگئی ہے اور وہ اپنے احمدی ہونے کا اعلان کرنا چاہتے ہیں ۔ اس پر مولوی سید سرور شاہ صاحب ؓ امیر وفد نے اُن کو وہاں اعلان کرنے سے منع کیا اور قیام گاہ پر حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا ۔ چنانچہ وہ قیام گاہ پر آکر مشرف با احمدیت ہوئے اور اُن کی درخواست ہائے بیعت کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کی خدمت میں بھجوا دیا گیا ۔ فالحمد للہ علی ذالك ۔

اس عظیم الشان کامیابی کے بعد جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ حقہ کو حاصل ہوئی مجھے اپنے کشف کی

تعبیر معلوم ہوگئی اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی طرف سے جو خاص ارشاد اس حقیر خادم اور حضرت میر قاسم علی صاحبؓ کو اس موقعہ پر مونگھیر جانے کا ہوا اس کی حقیقت کا علم ہوا۔ اس موقعہ پر غیر احمدی علماء کی طرف سے میرے مقابلہ کے لئے مولوی عبد الوہاب صاحب پروفیسر عربی کلکتہ کالج جو عربی زبان کے ایک ماہر استاد تھے، کو مقرر کیا گیا تھا اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے جو ان دنوں وہاں پہنچے ہوئے تھے تمام علماء مخالفین کو یہ بتایا تھا کہ احمدی مناظر عربی زبان سے بالکل نابلد ہیں اور اس زبان میں تحریری یا زبانی مناظرہ کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے اُن کو یقین تھا کہ احمدی علماء عربی میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے اور ہماری فتح و نقارہ کا ڈنکا بجے گا۔

لیکن جب سلسلہ کی طرف سے غیر احمدی علماء کی توقعات کے عین برخلاف میں نے عربی پرچہ لکھ کر پڑھنا اور سنانا شروع کر دیا تو سب علما و معاندین حیران و ششدر رہ گئے اور نہ مولوی عبد الوہاب صاحب کو اور نہ کسی عالم کو مقابل پر آنے کی جرات ہوئی۔ ہر ایک کے دل میں یہی خدشہ پیدا ہو گیا کہ اگر ہم میں سے کسی سے کوئی صرفی یا نحوی غلطی ہوگئی تو سب کے سامنے سبکی ہوگی چنانچہ وہ سوائے شور غل سے میری تقریر میں رخنہ ڈالنے کے کچھ نہ کر سکے۔

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی تذلیل:

جب بڑے صدر نے جلسہ کے برخواست ہونے کا اعلان کیا تو مولوی محمد ابراہیم صاحب جو علماء مخالفین کے پیچھے بیٹھے تھے۔ ایک کرسی پر چڑھ کر نعرہ بلند کرنے لگے ابھی نعرے کے پورے الفاظ اُن کی زبان سے نہ نکلے تھے کہ کہ مولوی صاحب کی کرسی ان کے اس بے ہودہ جوش کی وجہ سے الٹ گئی اور وہ بُری طرح زمین پر گرے۔ ان کی ٹانگیں اوپر تھیں اور سر نیچے۔ پگڑی کہیں دور گری ہوئی تھی اور اس پر ستم ظریفی یہ ہوئی کہ جن لوگوں کے سامنے انہوں نے یہ غلط اطلاع دی تھی کہ قادیانی علماء عربی بالکل نہیں جانتے ان کی دروغ بیانی کے پیش نظر غصہ کی حالت میں ان کو گھیر لیا اور مکّوں اور لاتوں سے اُن کی وہ دُرگت بنائی کہ الاماں والحفیظ۔ الغرض مولوی صاحب کو اپنی کذب آفرینی اور تعلّی اور شیخی کا پورا پورا بدلہ اُن کے اپنے لوگوں سے مل گیا۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر سلسلہ حقہ کو بہت بڑی فتح دی اس مناظرہ کی مختصر روئداد مکرم حکیم خلیل

احمد صاحب مونگھیری نے تحریر کر کے شائع کرادی ہے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ‘‘

احمدیان بہار کی معجزانہ حفاظت

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے پیاروں کو مصائب میں محفوظ رکھتا ہے۔اور ہر مخلص احمدی نے اس بات کا مشاہدہ اپنی زندگی میں کئی بار کیا ہوگا،محترم سیدوزارت حسین صاحبؓ کی زندگی کا ایک واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ یہ واقعہ جہاں آپ کی خاص حفاظت کا نشان ہے وہاں مجموعی طور پر ساری جماعت احمدیہ کی سچائی کا ایک نشان ہے۔15 جنوری 1934ء بوقت دوپہر بہار کے کئی اضلاع میں زلزلہ آیا۔جس میں بہت نقصان ہوااور ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے سارے احمدیوں کو محفوظ رکھااور سید صاحب کواور آپ کی اولاد کو معجزانہ طور پر محفوظ رکھا۔تاریخ احمدیت میں اس واقعہ کی تفصیل ان الفاظ میں درج ہے:

احمدیان بہار کی خدائی حفاظت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 2فروری 1934ء کے خطبہ جمعہ میں جماعت احمدیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ زلزلہ کے مصیبت زدگان کی بلا امتیاز مذہب وملّت امداد کریں۔مرکز کی طرف سے مولانا غلام احمد صاحب فاضل بدوملہی اظہار ہمدردی اور تفصیلات مہیا کرنے کے لئے بہار بھجوائے گئے۔اور مئی 1934ء میں تیرہ سوروپیہ کی رقم حضرت مولانا عبدالماجد صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ بھاگلپور کو روانہ کی گئی۔علاوہ ازیں ایک ہزارروپیہ ریلف فنڈ میں دیا گیا۔

اس قیامت خیز زلزلہ میں خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے صوبہ بہار کے احمدیوں کی جانیں معجزانہ رنگ میں محفوظ رہیں۔چنانچہ حضرت مولانا عبدالماجد صاحبؓ بھاگلپوری امیر صوبہ بہار نے 22رفروری 1934ءکوزلزلہ کے چشم دید حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا۔

’’میرا مکان بھاگلپور کا چاروں طرف سے مسقّف ہےاور درمیان میں صحن دس گیارہ ہاتھ مربع ہے۔ زلزلہ کے وقت چاروں جانب کے مکان میں سخت جنبش ہوئی اور بظاہر کوئی امید کسی کے بچنے کی نہ تھی اس وقت ہم سب لوگ مع (صاحبزادہ مرزا) حنیف احمد سلمہ‘ سربسجود ہوکر دعا میں مشغول ہو گئے۔خدا تعالیٰ نے

فضل کیا اور سب کی جانیں بچ گئیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ۔ شہر کے کسی اور احمدی کو بھی خدا کے فضل سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

مونگیر کے احمدی بھی عجیب و غریب طریقہ سے بچے۔ سید وزارت حسین صاحب راجہ صاحب کے ملازم ہیں راجہ صاحب کے پاس ان کے مکان میں بیٹھے تھے کہ زلزلہ محسوس ہوا۔ دونوں باہر کو بھاگے اور خدا کے فضل سے بچ گئے۔ راجہ صاحب کا محل اور وزارت حسین صاحب کا کمرہ جس میں وہ رہتے تھے بالکل مسمار ہو گیا اور تمام مال واسباب اس میں دب گیا۔ مولوی عبدالباقی صاحب مولوی علی احمد صاحب کے بھتیجے مونگیر میں ملازم ہیں ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ نماز ظہر پڑھ کر قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ زلزلہ محسوس ہوا ۔ نیچے سے کسی نے پکارا کہ بھاگو! وہ اسی حالت میں زینہ سے اترے اور نیچے پہنچے ہی تھے کہ سارا مکان بیٹھ گیا۔ ان کا بھی کوئی مال واسباب نہیں نکل سکا۔ حکیم خلیل احمد صاحب کے بال بچے رام پور میں تھے اور حکیم صاحب گھر میں اکیلے تھے۔ مکان سے باہر نکل آئے اور مکان زمین بوس ہو گیا۔ دو بھائی سید عبدالغفار صاحب و سید محمد حنیف صاحب کی دکانیں بازار میں تھیں۔ وہ اپنے مکان سے تو نکل گئے مگر دوسرے مکان کے دیوار کے نیچے دونوں بھائی دب گئے۔ سید محمد حنیف صاحب تو شہید ہو گئے اور سید عبدالغفار صاحب کئی گھنٹہ کے بعد زندہ نکالے گئے جس مکان کی دیوار ان پر گری وہ کسی روئی کے تاجر کا تھا۔ روئی یا سوت کا ایک گٹھا ان کے اوپر پہلے گرا پھر دیوار آپڑی انہیں سانس لینے کا موقعہ اسی گٹھے کی وجہ سے مل گیا۔ ان کا بیان ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی الہامی دعا رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِي وَارْحَمْنِي پڑھتا رہا۔

سید وزارت حسین صاحب کے دو بھتیجے اور داماد اور ایک لڑکا مظفر پور میں تھے۔ وہ لوگ بھی محض قدرت الٰہی سے بچ گئے۔ عورتیں عید کے لئے کچھ دن پہلے اورین اپنے گاؤں میں چلی گئی تھیں اور لوگ مکان سے نکل بھاگے اور بچ گئے۔ لڑکا دو منزلہ پر تھا مکان گر گیا اور کئی ہزار کا زیور۔ نقدی اور سامان دب گیا۔ لوگ کسی طرح چوتھے دن اورین پہنچ گئے۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب مرحوم کے فرزند محمد اسمٰعیل صاحب بھی مظفر پور میں تھے، وہ بھی محفوظ رہے۔ الغرض سوائے ایک احمدی کے بہار میں کوئی احمدی زلزلہ کے حادثہ میں فوت نہیں ہوا۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس ہیبت ناک زلزلہ کے آنے سے پہلے حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری اور ان کی اہلیہ صاحبہ سید وزارت حسین صاحب، بھائی شمس الھدیٰ صاحب وغیرہ بہاری احمدیوں کو منذر خوابیں آئیں اور حکیم خلیل احمد صاحب کو تو صاف دکھایا گیا کہ بہت بڑا زلزلہ آیا ہے اور سخت بدحواسی پھیلی ہوئی ہے۔''

(تاریخ احمدیت جلد ششم، صفحہ 177-176)

یہ زلزلہ خاص سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک کشف کے عین مطابق ظاہر ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''ایک تازہ نشان کا ظہور'' مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

اشاعت قرآن کی غیر معمولی تڑپ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ عنہ کے سینہ میں اشاعت قرآن کی ایک غیر معمولی تڑپ تھی۔ آپ کی انتہائی آرزو تھی کہ کتاب اللہ قرآن مجید کو دنیا کی مختلف زبانوں میں جلد از جلد ترجمہ کر کے پیش کیا جائے۔ 1944ء میں آپ نے ترجمان القرآن کے حوالہ سے جماعت احمدیہ کے سامنے ایک مالی تحریک پیش فرمائی اور ہندوستان کی جماعتوں کو منظم طریق پر تقسیم فرما کر مالی قربانی میں شمولیت کے تحریک کی۔ اس عظیم الشان تحریک پر صوبہ بہار سے نائب امیر صوبہ بہار حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ نے ایک وعدہ فرمایا۔ جو اخبار الفضل میں بعنوان ''ترجمان القران کی اشاعت میں سید وزارت حسین صاحبؓ کا صوبہ بہار کی نمائندگی میں غیر معمولی وعدہ'' شائع ہوا۔ اخبار الفضل اس حوالہ سے تحریر کرتا ہے کہ

''مکرم سید وزارت حسین صاحب نائب امیر صوبہ بہار ترجمان القران کے بارے میں صوبہ بہار کی نمائندگی یوں پیش کرتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم پر بھروسہ کرتے ہوئے میں بحیثیت پراونشل نائب امیر صوبہ بہار صوبہ بہار امرائے جماعت ہائے احمدیہ صوبہ بہار کی قائم مقامی کرتے ہوئے نیز بحیثیت اپنی ذات کے حسب ذیل وعدہ کرتا ہوں اور ان کا پابند اپنے آپ کو بناتا ہوں۔ حضور نے دہلی ضلع، لدھیانہ ضلع، ضلع انبالہ ریاست ہائے پٹیالہ یوپی اور بہار کے ذمہ اکیس ہزار روپے کی تجویز فرمائی ہے (تازہ خطبہ میں جو 10 نومبر کا ہے جو الگ سے چھاپ کر جماعتوں میں بھیجا جا چکا ہے یہ اٹھائیس ہزار ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ حضور نے ضلع جالندھر ہوشیار پور ضلع کانگڑہ بھی شامل فرما دیا ہے۔ فنانشل سیکریٹری) کہ مذکورہ چھ اضلاع اور

صوبوں کی حصہ رسدی برابر سمجھی جائے تو اگر چہ صوبہ بہار کی جماعتیں چھوٹی چھوٹی اور عموماً غرباء کی جماعتیں ہیں مگر تاہم مساوی حصہ رسدی کے مطابق ساڑھے تین ہزار روپیہ کی رقم صوبہ بہار کو آتی ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ یہ رقم 31 اکتوبر 1945ء تک تمام جماعت ہائے احمدیہ صوبہ بہار اور متفرق افراد سے نیز اپنی ذات سے وصول فرما کر حضور میں پیش کراؤں گا حضور کی خدمت مبارک میں صوبہ بہار کی جماعتوں افراد اور صوبہ بہار میں نمایاں اور غیر معمولی ترقی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

اس درخواست پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ منظوری فرماتے ہوئے" جزاکم اللہ احسن الجزاء رقم فرمایا۔
(الفضل 21 نومبر 1944ء صفحہ 2)

ہمدردی خلق

اکتوبر اور نومبر 1946ء میں بہار کے کئی اضلاع میں زبردست فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جو قریباً تین ہفتوں تک چلتے رہے۔ ان فسادات سے ضلع مونگھیر بری طرح سے متاثر ہوا۔ ہزاروں مسلمان موت کا شکار ہوئے اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ جو مسلمان بھاگ سکتے تھے، انہوں نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائی۔ سید برادران کا گاؤں اورین ضلع مونگھیر میں واقع تھا۔ اورین کے چاروں طرف فساد ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے شاید اورین کو صرف اس لئے محفوظ رکھا کہ اس گاؤں میں حضرت مسیح موعود کا ایک غلام صحابی اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہ رہا تھا۔ الحمدللہ۔ اس فساد کی اطلاع ملنے پر سید وزارت حسین صاحب کے بڑے بیٹے سید اختر اورینوی صاحب فوجی مدد کے ساتھ اپنے والد محترم کو وہاں سے نکالنے کے لئے پہنچے۔ سید وزارت صاحب نے اپنے بچوں وغیرہ کو تو ان کے ساتھ کر دیا مگر خود گاؤں چھوڑنے سے انکار کر دیا صرف اس لئے کہ اس گاؤں کے ہندوؤں پر ان کا اثر ہے اگر وہ گاؤں چھوڑ دیں گے تو یہاں بھی فسادات شروع ہو جائیں گے اور معصوم مسلمانوں کا خون بہے گا۔ اور اُن کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

اشاعت دین کا شوق اور ایک اہم انٹرویو

آپ کو حد درجہ تبلیغ کا شوق تھا اور اس سلسلہ میں آپ ہر ممکن کوشش اور طریق کار کو اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اسلام احمدیت کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان کو خطوط لکھتے اور

رپوٹران کوانٹرویوبھی دیا کرتے تھے۔آپ کا ایک خط اخبار الفضل یکم فروری لاہور 1949ء صفحہ 2 میں شائع ہوا ہے۔آپ کے ایک انٹرویو کا ذکر اور اس کی اہمیت کے مدنظر محترم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک مضمون بعنوان ''سید وزارت حسین صاحب کا خط سٹیٹسمین دہلی کے نام ایک غلط فہمی کی ضروری تردید'' اخبار الفضل میں شائع کیا۔ یہ خط آپ کے تبلیغی جوش اور حالات حاضرہ پر آپ کی پکڑ نیز علمی قابلیت کا ایک نمونہ ہے۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ

'' جیسا کہ احباب کو معلوم ہے کہ گذشتہ جلسہ سالانہ قادیان میں دہلی، یوپی، بہار اور بنگال وغیرہ کے 66 دوست بھی شریک ہوئے تھے اور ان دوستوں میں سید وزارت حسین صاحب پراونشل امیر جماعت احمدیہ صوبہ بہار بھی شامل تھے۔اس وفد کے قادیان سے واپسی پر اخبار سٹیٹسمین دہلی کے ایک نمائندہ نے سید وزارت حسین صاحب موصوف سے امرتسر میں ملاقات کی اور پھر اس ملاقات کی رپورٹ اخبار سٹیٹسمین میں شائع کروائی اس رپورٹ میں سید صاحب موصوف کی طرف یہ بات منسوب کی گئی کہ انہوں نے گاندھی جی کو بنی نوع انسان کا بالعموم اور مسلمانوں کا بالخصوص سب سے بڑا محسن قرار دیا ہے اس طرح اس رپورٹ میں یہ بات بھی سید وزارت حسین صاحب کی طرف منسوب کی گئی تھی کہ گاندھی جی ہمیشہ اسلامی اصولوں کے پابند رہے ہیں چونکہ یہ دونوں باتیں سید وزارت حسین صاحب نے نہیں کہیں تھیں اور اخباری نمائندہ کی غلط فہمی کی وجہ سے ان کی طرف منسوب کی گئیں اس لئے سید صاحب موصوف نے اپنے ایک خط میں جو اخبار سٹیٹسمین کی اشاعت مورخہ 23 جنوری 1949ء میں شائع ہوا ہے۔ان دونوں باتوں کی پر زور تردید کی ہے اور ہم اس سوال کی اہمیت کہ پیش نظر اس خط کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی گذشتہ ایام میں سٹیٹسمین اور بعض دوسرے اخباروں میں غلط فہمی پیدا کرنے والی رپورٹیں شائع ہوئی ہیں جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رپورٹ لکھنے والے اخباری نمائندے بعض اوقات کسی خاص غرض وغایت کو سامنے رکھ کر سوالات کرتے ہیں اور پھر جوابات دینے والے کے جوابات کو اپنی اسی غرض وغایت کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ ہمیں سٹیٹسمین کے نمائندے پر یہ بدظنی تو نہیں ہے کہ اس وقت ایسا کیا ہو لیکن یقیناً ہمارے بعض اصولوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یا اپنے طریق کے مطابق دونوں حکومتوں میں بہتر تعلقات پیدا کرنے کی خواہش کے ماتحت اس سے نادانستہ طور پر یہ غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

بایں ہمہ گذشتہ ایام میں اخبار سٹیٹسمین نے جو کوشش مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے کی ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہے۔

جہاں تک ہمارے اصول کا سوال ہے اور یہ وہی اصول ہے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت بھی احمدی جماعت کے افراد ہیں انہیں اُس کا وفادار اور پُر امن شہری بن کر رہنا چاہئے لیکن اس اصول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انڈین یونین میں رہنے والا کوئی احمدی اپنے مذہبی عقیدہ کو چھپائے یا ایسی باتیں زبان پر لائے جو مداہنت یا خوشامد کا رنگ رکھتی ہوں۔ مومن ہمیشہ بہادر ہوتا ہے۔ اور اسلام مسلمانوں کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ ہر حال میں اخلاقی جرات سے کام لیں اور اپنے عقائد کے اظہار میں کسی حالت میں بھی خائف نہ ہوں اور وفاداری کے اظہار میں بھی خوشامد کا طریق یا بے وفا رنگ اختیار نہ کریں۔ قادیان میں رہنے والے دوستوں کو بھی ہماری طرف سے یہی مذہبی ہدایت بھجوائی گئی ہے۔ اور خدا کے فضل سے وہ اس ہدایت پر پوری طرح کاربند ہیں۔

اس تمہیدی نوٹ کے ساتھ سید وزارت حسین صاحب کے خط کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد

رتن باغ لاہور

30 جنوری 1949ء

جناب ایڈیٹر صاحب اخبار سٹیٹسمین تسلیم گزشتہ ماہ ہمارے قادیان جانے کے سلسلہ میں آپ کے امرتسر کے نامہ نگار نے جو خبر آپ کو ارسال کی تھی اس کے متعلق میں بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ باتیں اتنی اہم نہ ہوں کیونکہ ان کا ہمارے عقائد کے ساتھ تعلق نہیں۔

مجھے کچھ عرصہ کے لئے اپنے گاؤں میں جانا پڑا تھا۔ اس لئے اس خط کے ارسال کرنے میں کسی قدر تاخیر ہوگئی۔ آپ کی اشاعت کے بعد مجھے بہت سے احمدی مسلمانوں کی طرف سے احتجاجی خطوط بھی موصول ہوئے ہیں۔

آپ کے نامہ نگار نے اپنی خبر میں یہ ظاہر کیا ہے کہ گویا میں نے گاندھی جی کو بنی نوع انسان کا بالعموم اور مسلمانوں کا بالخصوص سب سے بڑا محسن قرار دیا ہے۔ اس قسم کا نظریہ ہمارے مذہب کے عقائد کے خلاف

ہے لہذا یہ الفاظ کسی طرح زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔ ہمارے عقائد کی رو سے حضرت کرشن، حضرت موسیٰؑ، حضرت بدھؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ یقیناً گاندھی جی سے بہت زیادہ بنی نوع انسان کے محسن تھے، اسی طرح میرے عقیدہ کے مطابق حضرت احمد علیہ السلام آف قادیان اپنے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کے بعد بنی نوع انسان کے بالعموم اور مسلمانوں کے بالخصوص سب سے بڑے محسن تھے۔

آپ کے نامہ نگار کو یقیناً میرے الفاظ سننے میں غلطی لگی ہے۔ گاندھی جی ہم سب ہندوستانیوں کے محسن تھے۔ اور خاص طور پر مسلمانوں کی حفاظت کے لئے تو انہوں نے اپنے جان تک قربان کر دی۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو میں نے اُن سے کہے اور یہ ہیں بھی صحیح۔ اسی طرح میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ”مہاتما گاندی ہمیشہ اسلامی اصولوں پر عمل پیرار ہے۔“ ایک سچا مسلمان کبھی بھی گاندھی جی کے تمام افعال کو اسلام کے مطابق قرار نہیں دے سکتا۔

میں یہ امر بھی پورے زور کے ساتھ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ انڈین یونین کے ساتھ ہماری وفاداری کسی خوف یا طمع کی وجہ سے نہیں ہے اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ہر شخص کو اس مملکت اور حکومت کا وفادار رہنا چاہیے جس کا وہ شہری ہے دوسری طرف حکومت پر بھی فرض ہے کہ وہ سب کے ساتھ بلا تفریق بلا امتیاز منصفانہ سلوک کرے۔

میں اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے اس تعاون کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے ہماری مشکلات اور تکالیف کے ازالہ کے لئے ہمارے ساتھ کیا۔ اس وقت ہمارے مقدس مقام قادیان میں 313 احمدی قیود و پابندی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اور موجودہ حالات میں وہاں ہمارا مذہب اور ہماری تنظیم نہایت درجہ کمزوری کی حالت میں ہے۔ ایسی حالت میں جو کوشش آپ نے حالات کو بہتر بنانے کے لئے کی ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو اُس کا بہتر اجر عطا فرمائے۔

نیاز مند

سید وزارت حسین پروینشل امیر جماعت احمدیہ بہار 16 جنوری 1949ء

سید صاحب کو خاکسار سید شہاب احمد نے اپنے ہوش و حواس میں کئی بار دیکھا اور قریب سے دیکھا۔ کبھی انہیں کسی کی غیبت یا شکایت کرتے نہیں سنا۔ ان کی گفتگو ہمیشہ ناصحانہ ہوتی تھی۔ آپ برسوں

صوبہ بہار کے امیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور اس اہم ذمہ داری کو انتہائی کامیابی سے ادا کرتے رہے۔ یکم مئی 1975ء میں اپنے گاؤں اورین میں وفات پائی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی۔ آپ کی وفات پر اخبار بدر نے لکھا:

حضرت مولوی سید وزارت حسین صاحب اورینی وفات پا گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اورین سے بذریعہ تار یہ نہایت افسوس ناک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حضرت مولوی سید وازرت حسین صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام یکم مئی کو اورین میں وفات پا گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کی وفات کے ساتھ صوبہ بہار میں تاریخ احمدیت کا ایک باب ختم ہو گیا۔ مرحوم نے 1901ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا اور ساری عمر احمدیت کی تبلیغ واشاعت میں کوشاں رہے۔ اپ صوبہ بہار کے ایک مشہور خانوادہ کے چشم وچراغ تھے۔ اور دینی و دنیاوی علوم سے آراستہ تھے۔ قبول احمدیت کے بعد آپ اس صوبہ میں قافلہ احمدیت کے سالاروں میں شامل ہو کر سلسلہ کی خدمت بجالاتے رہے۔ انہوں نے اپنی ساری اولاد کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر سید اختر احمد صاحب اورینوی آپ کے بڑے فرزند اور محترم سید فضل احمد صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر نیشنل پولیس اکیڈمی حیدرآباد آپ کے دوسرے فرزند ہیں اس کے علاوہ آپ کے چار فرزند اور ہیں اور وہ سب بھی خدا کے فضل سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور احمدیت کے فدائی ہیں۔ محترم ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب مظفر پور اور محترم سید غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم مظفر پور آپ کے داماد ہیں گویا یہ سارا خاندان احمدیت کا فدائی ہے۔

ادارہ بدر سید صاحب کے خاندان کے تمام افراد کی خدمت میں تعزیت کرتے ہوئے افسوس اور ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب میں اعلیٰ مقام بخشے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین'' (اخبار بدر 8 مئی 1975 صفحہ 2)

مزار

آپ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے موصی تھے۔ آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں قطعہ نمبر 4

ہوئی۔آپ کے کتبہ میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

مزار

سیدوزارت حسین صاحب ولد سید ہدایت حسین صاحب ساکن اورین ضلع مونگھیر بہار

سید صاحب موصوف نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت بذریعہ خط 1899ء میں اور دستی بیعت بذریعہ زیارت قادیان جنوری 1901ء میں اور دوسری زیارت 1903ء میں کی۔ یہ صوبہ بہار میں دوسرے صحابی تھے۔بسلسلہ تحریک انسداد شدھی ساندھن (یوپی) میں اپنے امام کے ارشاد پر اپنے خرچ پر جہاد میں شامل ہوئے۔آریوں کے مقابل پر ایک مدلل ومسکت کتاب ''مرآۃ الجہاد'' ویدوں وغیرہ کے حوالجات سے تالیف کی۔

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ نے اپنی کتاب ''تحدیث نعمت''میں پٹنہ ہائی کورٹ میں سماعت مقدمہ مسجد احمدیہ مونگھیر کے سلسلہ میں آپ کی دینی اور قانونی خدمت وصلاحیت کا ذکر محبت و احترام سے تفصیلاً کیا ہے۔

عابد،صابر،خادم سلسلہ باثر تھے۔بعد تقسیم ملک کئی سال تک پروینشل امیر صوبہ بہار رہے۔

ولادت 1882ء وصیت 4804 وفات یکم مئی 1971ء

مرزا وسیم احمد

اہل وعیال

سیدوزارت حسین صاحبؓ کی دو شادیاں ہوئیں،پہلی شادی کاکو ضلع گیا کے مشہور شمسی خاندان میں 1903 یا 1904ء میں ہوئی۔اہلیہ کا نام شمس النساء صاحبہ تھا۔ 1924ء میں اورین بہار میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئیں۔ان کے بطن سے سید صاحب کو دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔جن کے نام ہیں۔

(1) مکرم سید اختر احمد اورینوی صاحب۔

(2) مکرمہ سیدہ زینب بیگم صاحبہ۔

(3) مکرمہ سیدہ رقیہ بیگم صاحبہ۔

(4) مکرم سید فضل احمد صاحب۔
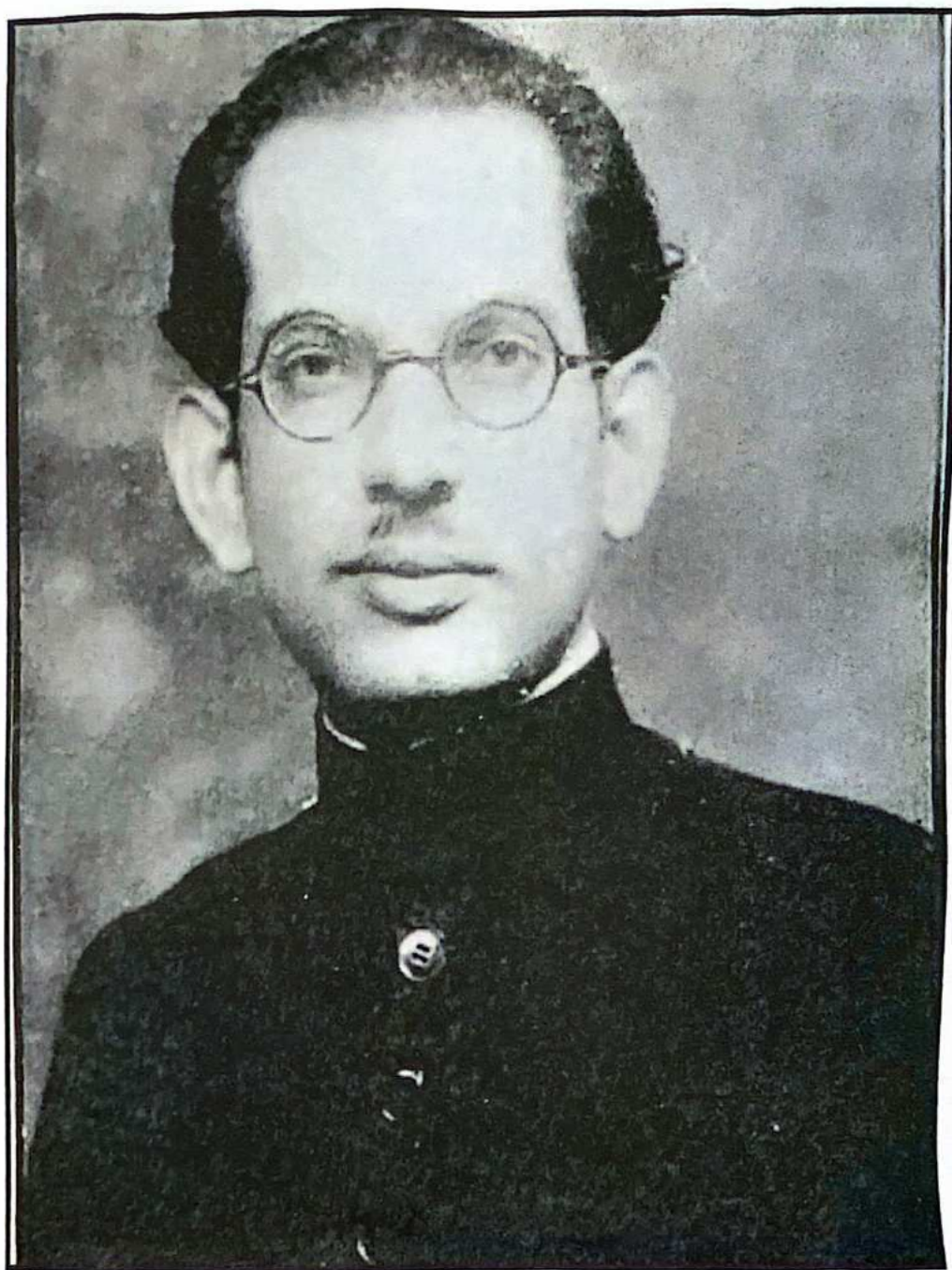
مکرم سیّد اختر اورینوی صاحب

(دائیں سے بائیں) طارق احمد، نعیم احمد، اختر اور بینوی، فضل احمد، محمود احمد، مبارک احمد، بے بی بشریٰ

1۔ پرفیسر سید اختر احمد اورینوی صاحب M.A.D.lit

آپ 1910ء اپنے ننہال کاکو میں پیدا ہوئے۔ اسکول کی تعلیم مونگھیر میں حاصل کی۔ پھر یونیورسٹی کی تعلیم ایم اے تک پٹنہ کالج بہار سے حاصل کی۔ آپ نے ہر امتحان انتہائی اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ ایم۔اے کے امتحان میں اول درجہ میں پاس کرنے کے ساتھ ہی یونیورسٹی میں اول رہے۔ یعنی first class first 1938ء میں پٹنہ کالج یا پٹنہ یونیورسٹی میں محکمہ اردو میں لیکچرار بحال ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے پروفیسر ہوئے اور وہیں سے پینشن یافتہ ہوئے۔

آپ غیر معمولی صلاحیت کے انسان تھے۔ آپ بایک وقت شاعر، افسانہ نویس، ڈرامہ نویس اور نقاد تھے۔ ایک انسان میں اتنی خوبیوں کا جمع ہونا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ بعض عالموں کا خیال ہے کہ اگر وہ صرف شاعری پر زور دیتے تو دوسرے اقبال ہوتے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ ان کا فطری رجحان تنقیدی مضامین کی طرف تھا اگر وہ صرف نقاد رہتے تو چوٹی کے نقاد ہوتے انہوں نے کئی تنقیدی مضامین لکھے۔ انکا Thesis ''بہار میں اردو زبان اور ادب کا ارتقاء 1857ء تک'' انتہائی ٹھوس عالمانہ تحقیق ہے اس پر انہیں پٹنہ یونی ورسٹی سے D.lit کی ڈگری 1957ء میں ملی۔ آپ کو D.lit کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ جس وقت صرف ایم۔اے تھے۔ تب بھی وہ p.hd کے طلباء کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ جو طلبا دوسری یونیورسٹیوں میں phd کا مقالہ جمع کرتے تھے، وہ ان میں سے اکثر کے بیرونی ممتحن ہوتے تھے لیکن 952 یا 1953ء میں پٹنہ یونی ورسٹی نے یہ قاعدہ بنالیا کہ کوئی لیکچرار مکمل پروفیسر نہیں بن سکتا، جب تک اس کے پاس ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہ ہو۔ اس لئے مجبوراً انہیں ڈی لیٹ کرنا پڑا۔ مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ وہ اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے۔ اور سامعین کو مسحور کردیتے تھے اور سیرت پاک ﷺ پر ان کی تقاریر نہ صرف عالمانہ ہوتیں بلکہ وجد پیدا کردیتے تھے۔ اس فن میں اتنے ماہر اور مقبول تھے کہ غیر احمدی مسلمان بھی سیرۃ النبی ﷺ کے جلسوں پر ان سے تقریر کرواتے تھے اور آپ کی تقریر ایسے جلسوں کو چار چاند لگادیتی تھی۔ خاکسار نے آپ کی سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر تقریر سنی ہیں جس کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔

ایں سعادت بروز بازو نیست

تا نہ بخشندہ خدا بخشندہ

پروفیسر اختر اورینوی صاحب کی شادی

پروفیسر اختر صاحب کی شادی شاہ محمد توحید صاحب، زمیندار ارول ضلع گیا کی بڑی صاحبزادی شکیلہ اختر صاحبہ سے ہوئی۔ وہ اپنے نو بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ شاہ محمد توحید صاحب، حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی اہلیہ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہ بنت سید ارادت حسین صاحب ؓ صحابی کی بیٹی تھی۔ احمدی تھی، نیز ان کی ساری اولاد احمدی تھی۔ یہ لوگ پنج وقتہ نمازیں یہاں تک کہ عیدین کی نماز بھی اپنے گھر میں ادا کرتے تھے۔ لیکن شاہ صاحب نے کبھی مداخلت نہ کی۔ نہ صرف یہ بلکہ مرکز سے آنے والے مہمانوں کی پوری طرح تواضع کرتے ان کا اپنے گاؤں ارول اور اس کے گردونواح میں بڑا اثر تھا۔ جس کا ان کی اولاد کو یہ فائدہ ہوا کہ کسی مخالف کو ان کو نقصان پہنچانے کی ہمت نہ ہوئی۔ الحمدللہ۔ پروفیسر اختر صاحب اور شکیلہ اختر صاحبہ نہ صرف احمدی تھے بلکہ موصی اور موصیہ تھے۔ شکیلہ اختر صاحبہ خود ایک کامیاب افسانہ نویس تھیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ کئی کتب کی شکلوں میں شائع ہوا ہے۔ جو کینیڈا جیسے دور دراز ملک کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔ اردو ادب میں ان کے اعلیٰ مقام کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ پٹنہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ان کے ادبی کاموں پر تحقیق کی اور اور phd. کی ڈگری حاصل کی۔ عرض ہے کہ اپنے شوہر کے برعکس انہوں نے کسی اسکول میں قدم نہیں رکھا صرف فطری ذوق سے اس قدر علم حاصل کیا۔ وہ انتہائی ذہین، ہنرمند، ملنسار اور مہمان نواز تھیں۔ ساتھ ہی ہنس مکھ اور دوسروں کو ہنسانے والی۔ اب تو اختر صاحب اور شکیلہ اختر صاحبہ کی صرف یادیں باقی ہیں۔ جو میرے لئے سخت تکلیف دہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند کرے۔ آمین۔

اختر اورینوی صاحب مارچ 1977ء میں اور شکیلہ اختر صاحبہ 1994ء میں پٹنہ میں فوت ہوئے۔ جہاں انہوں نے اپنی ساری زندگی گزاری دونوں موصی تھے۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ آپ لاولد تھے۔

خدمت خلق کے میدان میں:

تقسیم ہند سے قبل ہندوستان میں 1946ء بنگال کے نواکھالی اور بہار کے مختلف شہروں میں خطرناک

فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ جس میں ہزاروں بے قصور مسلمان شہید ہوئے اس موقعہ پر بہار کے احمدیوں نے خصوصی طور پر خدمت انسانیت کا حق ادا کیا۔ شہر پٹنہ میں احمدیوں کے ذریعہ کی جانے والی خدمات کے ذکر میں تاریخ احمدیت میں درج ہے:

پٹنہ:- یہاں پروفیسر سید اختر احمد صاحب اور ینوی کی وجہ سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے باقاعدہ تنظیم کے ساتھ خدمت خلق کا فریضہ ادا کیا اور آپ اس کے روح رواں تھے آپ کے اہل بیت بھی مستورات میں ریلیف کا کام کرتے رہے۔" (تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 606)

اختر اورینوی صاحب کی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ایک یادگار ملاقات

اختر اورینوی صاحب کی ساری زندگی پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی چھاپ نظر آتی ہے۔ شروع زندگی میں جب آپ موذی مرض ٹی بی سے جان کنی کی حالت میں پہنچ چکے تھے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی قبولیت دعا کے نتیجہ میں معجزانہ طور پر اس بیماری سے شفا پائی اور لمبی عمر پائی۔ 1942ء کے زمانہ میں آپ کمیونزم اور دنیاوی اقتصادی نظاموں کا اسلام کے اقتصادی نظام سے موازنہ کرتے ہوئے پیدا ہونے والے چند سوالات سے پریشان تھے۔ ذہنی پریشانی کا حل کئی ماہرین سے کرنے کی کوشش کی مگر تسلی نہ ہوئی۔ آخر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے حضور حاضر ہوئے۔

اپنی اس یادگار ملاقات کے بارے میں آپ خود بعنوان "حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ سے ایک ملاقات" تحریر کرتے ہیں کہ

"اکتوبر 1942ء کی بات ہے۔ میں پٹنہ سے قادیان کے لئے روانہ ہوا۔ علی گڑھ، دہلی اور لاہور ہوتا ہوا دارالامان پہنچا۔ اور مہمان خانہ میں ٹھہرا۔ میرے ذہن و دماغ میں کئی سوال اضطراب کر رہے تھے۔ میں آغوش احمدیت میں پیدا ہوا، پلا اور بڑھا۔ میری ذہنی تربیت میں احمدیت کا بنیادی اور گہرا ہاتھ ہے۔ اسلام کی اس نشاۃ ثانیہ کے پرروردہ دل و دماغ لکیر کے فقیر نہیں ہوتے۔ وہ کسی خیال یا عقیدے کو محض اس خیال سے قبول نہیں کرتے کہ وُہ اُن کے آباء یا اُن کے سماج کا عقیدہ و خیال ہے۔ وہ تازہ ایمان و ذاتی فکر و نظر کے قائل ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مٹی میں ملی ہوئی امت محمدیہ ﷺ کے افراد کو نفخ روح سے چونچال اور محوِ پرواز طیور بنا دیا۔ امام الزمان نے ارتقاء کے دروازے بند نہیں کئے۔ آپ نے

اسلام کی ایسی حیات پرور اور بالیدہ تشریح تفسیر اور اور تعبیر کی ہے اور ایسا ماحول پیدا کیا ہے کہ انسانی روح گھٹن محسوس کرنے کے بجائے تحریک پرواز محسوس کرتی ہے۔لیکن پرواز آوارہ نہیں۔معمار ملت نے ہماری بنیاد بہت یقینی اور ٹھوس بنائی ہے۔ ہم اعتماد اور اُمنگ کے ساتھ اپنی دیواریں اٹھاتے اور فلک پیمائی کرتے ہیں۔ہم نے حیاۃ مسیح کے مردہ عقیدہ کر دفن کر دیا کیونکہ ملت محمد یہ کی ترقی اور عزت محمدی کے منافی ہے۔قرآن حکیم نے آیات مبین کے ذریعہ پہلے سے اس حقیقت کو واضح کر دیا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انکشاف تازہ کیا اور مسیح ناصری کی موت کے ساتھ اُمت محمد یہ زندہ ہوگئی۔ہم کمالات محمد یہ کو صرف تاریخ پارینہ اور اساطیر الاولین نہیں سمجھتے۔مہدی مسعود نے دین کو منجمد(Static) تصور کے خلاف جہاد کیا۔آپ نے دین محمد کا متحرک(Dynamic) اور ارتقاء پذیر(Evdlutional) نظریہ پیش کیا، جاودان، پیہم جاودان، ہردم جوان اخلاقی اور روحانی ارتقاء کا نقطہ کمال محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوئی اور کمالات محمدی کا فیض جاری ہوا۔جاری ہے اور جاری رہے گا۔ختم نبوت کی جاں بخش تفسیر کر کے حضرت مہدی علیہ السلام نے امید کے دروازے کھول دئے۔ذہن وقلب کے اُفق کو وسیع تر کر دیا اور میدان عمل کو لامتناہی بنا دیا۔

ابنائے احمدیت اسی زندہ اور ترقی پذیر ماحول میں پلے ہیں۔جب نئے مسئلے ان کے سامنے آتے ہیں تو وہ اندھے بہرے اور گونگے نہیں بن جاتے بلکہ وہ ایماندرانہ تعقّل اور تفکّر و تدبّر سے اُن کے حل ڈھونڈتے ہیں۔

میرے ذہن میں جو عقدے تھے اور دل میں جو اضطراب تھا وہ اقتصادی مسائل کے متعلق تھا۔میں نے گذشتہ سالوں میں معاشی صنعتی اور سماجی تنظیم کے متعلق اشتراکی اشتمالی فسطائی اور سرمایہ دارانہ نظریوں کا مطالعہ کیا تھا۔1942ء میں فسطائی نے دنیا کو آگ اور خون کی نظر کر رکھا تھا۔سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتمالی جمہوریت روس جسے ریاستی معاشیات آمریت بھی کہہ سکتے ہیں فسطائیت کا مقابلہ کر رہی تھیں۔سرخ فوج کی جرائت اور پامردی نے ذہنوں اور تخّیل کو گہرے طور پر متاثر کیا تھا۔روس کی اشتمالی تنظیم سے بہت متاثر ہو رہا تھا۔اور یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ مذہبی دشمنی سے قطع نظر اشتمال کی معاشی اور صنعتی تنظیم کا پروگرام فلاکت زدہ انسانیت کی درد کا درماں ہے۔سرمایہ داری تو بہت ہی رسوا حد تک ناکامیاب ثابت ہو چکی تھی

فسطائیت درد کا درماں نہیں بلکہ تجدید درد تھی۔ سرمایہ داری اور فسطائیت دونوں انسانیت آزار اور محبت کُش انتہا پسندانہ وطنیت کے شعلوں کو بھڑکا رہی تھیں۔ مگر اشتمالیت بین القومیت کا خیال پیش کرتی تھی۔ سب کچھ تھا مگر اشتمالیت بے دین، خدا دشمن اور دہریت پسند تھی۔ اور فسطائیت بھی بے دین خدا نا آشنا اور مادیت نہاد تھی۔ اور سرمایادارانہ جموریت بھی منافقانہ بے یقنی سطحی، کاروباری مذہبیت کا ڈھونگ رچائے ہوئی تھی۔ اور میں اسلامی اقتصادیات کی واضح شکل نہیں دیکھ سکا تھا اور اس کی روح کو بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔ لہذا میں متردد اور متلاشی تھا اور اس آزار جستجو بے درماں آفریں کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔

میں لاہور احمدیہ ہوسٹل میں چند دن ٹھہرا۔ وہاں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض نوبرانوں سے ملنے کا موقعہ ملا۔ اُن سے میں نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ سبھوں نے اس موضوع سے دلچسپی لی۔ اور میرے سفر قادیان اور حضرت امام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ہدایت جوئی کے ارادے کو بہت پسند کیا۔ اُس وقت تک اسلام کا اقتصادی نظام تفصیلات کے ساتھ جماعت کے سامنے نہیں آیا تھا۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام میں خود امام ایدہ اللہ نے اس مسئلہ کو چھیڑا تھا۔ اور اس پر نظر ڈالی تھی لیکن حلقہ جماعت میں عالمی نظام ہائے معاشیات کی روشنی میں اس مسئلے ہر بحث نظر نہیں ہوئی تھی۔ احمدیہ علم کلام نے بہت سے مسائل کے باب میں اغیار کے مقابلہ میں فتحیں حاصل کی تھیں مگر اس میدان میں ابھی کھل کر لڑائی نہیں لڑی گئی تھی۔ متکلمین احمدیت دانشوران جماعت اس کے ذہین طبقے اور جمہور احمدی ہنوز اسلام کی معاشیاتی تعلیمات کا مقابلہ و موازنہ دوسرے نظاموں کے اصول سے اچھی طرح نہیں کر پائے تھے۔ دوسری طرف ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ میں کسان اور مزدوروں کے درمیان معاشی مسئلے چھڑے ہوئے تھے اور دوسری عالمگیر جنگ نے عوام الناس اور دانشوروں کے احساسات و جذبات اور ذہن و ادراک کو اس طرف شدت سے منعطف کر دیا تھا۔

میں نے اس سے پہلے بھی بعض علمائے جماعت سے اپنی تشفی کرنی چاہی۔ مگر مجھے تسلی نہیں ملی تھی۔ قادیان پہنچ کر میں نے بعض علماء سے ملاقاتیں کیں مگر مجھے شرح صدر نہ ہوا۔ میں حضرت امیر المومنین کے سامنے جا کر تفصیلی سوال کرنے سے جھجک رہا تھا دل میں خلشِ جستجو تھی اور رعب خلافت بھی۔ عجیب کشاکش کا عالم تھا۔ میں نے اپنی اُلجھن کا تذکرہ حضرت سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری رضی

اللہ تعالیٰ عنہ، جناب ملک غلام فرید صاحب اور مولانا مولوی محمد علی صاحب ؒ پروفیسر سے کیا۔ اُن بزرگوں نے مجھے اس بات پر مضبوط کر دیا کہ میں حضرت امام سے ضرور مذکورہ مسئلہ کے بارے میں جماعت کی فلاح کی خاطر رہبری حاصل کروں۔ اس کے باوجود محمود کے سامنے جا کر سر گرم سوال ہونے کی اس ایاز کو جرائت نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے پروفیسر علی احمد صاحب سے درخواست کی کہ وہ بھی میرے ساتھ دربار خلافت میں حاضر ہوں اور مجھے سہارا دیں۔

آخر ایک روز میں نے باریاب ہونے کی اجازت حاصل کر لی۔ اور پروفیسر علی احمد صاحب کے معیت میں حضرت امیر المومنین سے ملنے ''قصر خلافت'' میں حاضر ہوا۔ غالباً ان دنوں مکرم عبد الرحیم درد صاحب پرائیوٹ سیکریٹری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کی باری آئی اور ہم زینوں پر سے ہوتے ہوئے اوپر کی منزل پر گئے۔ محرابوں اور دروں پر چلمن پڑی ہوئی تھی اور برآمدہ میں مونڈھے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت محمود ایدہ اللہ اُن میں سے ایک کرسی پر رونق افروز تھے۔ جیسے ہی ہم آخری زینے طے کرتے ہوئے آخری منزل پر پہنچے۔ آپ ہمارے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور ازراہ محبت و خادم نوازی خندہ پیشانی ے ساتھ آگے بڑھتے چلے آئے۔ ہم نے بھی بڑھ کر دلی جذبات کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اللہ اللہ کتنا کرم تھا۔ کیسی محبت تھی! کتنی سادگی! امیر المومنین خلیفۃ المسیح اپنے خادموں کے ساتھ مساوات، اخوات اور محبت کا برتاؤ اس فطری انداز میں کر رہے تھے کہ میری جھجک کافور ہو گئی اور میں اس قابل تھا کہ اپنے دل کی گرہیں اور ذہن کے عقدے عقدہ کُشا کے سامنے پیش کر دوں۔ میں حضرت امیر المومنین سے جلسہ سالانہ کے دنوں میں ملتا رہا تھا۔ مگر اُن موقعوں پر بہار کی جماعت کے ساتھ باریابی ہوا کرتی تھی۔ ہمارا امام جماعتوں کے ساتھ فرش پر بیٹھ کر انہیں شرف ملاقات عطا کرتا تھا۔ وہ دل کش چہرہ سب کے لئے ابدی مسرت کا سامان ہوا کرتا تھا۔ اجتماعی ملاقاتوں کے علاوہ مجھے اس سے پہلے انفرادی ملاقات کا موقعہ نہیں ملا تھا اور انفرادی ملاقات بھی اس رنگ کی کہ حضرت امیر المومنین سے ایک نہایت ہی اہم موضوع کے متعلق شرح صدر کے لئے گفتگو کرنے کے لئے جرائت کرنی۔ لیکن حضرت امام نے ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دی کہ میری ہمت بڑھ گئی اور میرے آمیز اعتماد کو اتنی تقویت پہنچی کہ میں نے حضرت امیر المومنین سے اشتمالی نظام کے متعلق باتیں شروع کیں۔

میں نے مختصر تمہید کے بعد اپنی الجھنیں حضرت امیر المومنین کے سامنے پیش کیں اور تسلی چاہی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی دقتوں کی وضاحت بھی نہیں کی تھی کہ مصلح موعود نے اپنی خداداد بصیرت کی وجہ سے سب کچھ سمجھ لیا۔ اور ظاہری و باطنی علوم کی مہارت کے سبب اپنی تقریر اس رنگ میں شروع کی اور اس اس دلنشین انداز میں عقدہ کشائی فرماتے رہے کہ نہ صرف میرے دماغ کے پردے اٹھتے چلے گئے بلکہ دل کو بھی نہایت تسکین وطمانیت حاصل ہوئی۔ آدھ گھنٹہ حضور متانت ومحبت سے باتیں کرتے رہے اور ہم (میں اور پروفیسر علی احمد صاحب) بیٹھے سنتے رہے۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضور میرے دل ودماغ سے مرکزی اور بنیادی سولات چنتے چلے جاتے ہیں اور اُن کے جوابات تسلی بخش اور دلکشا طور پر دیے جاتے ہیں۔

دعائے مسیح اور وعدہ خدائے ذوالجلال کے مطابق مصلح موعود بننے والے فوقِ فطرت طور پر اُس ذہین شخص نے اشتمالیت اور اسلام کا اصول و مقابلہ و موازنہ تاریخ عالم کی روشنی اور علم النفس کی شہادتوں کے ساتھ کیا۔

حضرت محمود نے اشتمالیت کی دو خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اشتمالیت جبر سے ذریعہ اصلاح معاشرہ کرنا چاہتی ہے وہ جبر سے اہل سرمایہ کی دولت چھین کر سماج پر خرچ کرتی ہے اور اپنے نظام کے قیام کے لئے جبر وقہر کو عملاً مرکزی اور بنیادی حیثیت دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا جبریہ طریق شدید ردعمل پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے ظاہرا اچھے نتائج دیرپا نہیں ہوتے۔ آپ نے امریکہ میں جبریہ شراب بندی کے اسکیم کی رسوئے عالم ناکامیابی کی مثال دی۔ اور پھر اسلام ممانعت شراب خمر کی کامیابی کو پیش کیا۔ اسلام نے پہلے نفسی انقلاب اور اخلاقی اصلاح کی بنیادیں مضبوط کرلیں۔ پھر شراب ممنوع قرار دی تو یہ علت ایسی مٹی کہ تاریخِ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح اسلام دولت یا ذرائع پیداوار بالجبر قبضہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ وہ سرمایہ داری کو جبر وقہر سے مٹانے کو اصول پیش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایسی تعلیمات دیتا ہے اور معاشرہ کی ایسی روحانی واخلاقی اصلاح کرتا ہے کہ طوعی طور پر رفتہ رفتہ مگر یقیناً وہ ساری معاشی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ جن کے حصول کا دعویٰ اشتمالیت کرتی ہے۔ اور اسلامی تعلیم سے انفرادی تخلیقی روح اور قوت مسابقتِ فنا بھی نہیں ہوتی۔ اور طوعی نیکی کی وجہ سے نیکی کی صلاحیت، سماجی احساس اور انسانی درد

مندی کی حسِ افراد معاشرہ میں بڑھتی جاتی ہے۔ برخلاف اسلام کے، امیر المومنین نے واضح کیا کہ اشتمالیت نادانستہ دماغی قوتوں کو تدریجی طور پر کچلنے کا سامان کرتی ہے۔ اول تو اس طرح کی اشتمالیت بدنی محنت کی قدرو قیمت کو سب کچھ بتاتی ہے۔ اور دماغی کام کی قدرومنزلت کو وہ مقام نہیں دیتی جو اُس کا حق ہے اور دوئم اس طرح کے جبر اور میکانکی یکسائی کے ذریعہ روحِ مسابقت دماغی اُبج، قوت ایجادو اقدام، فیصلہ و ارادہ کی طاقت کو مٹاتی ہے۔ دیر پا اس اشتمالی نظام کے بڑے اثر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور عاجلانہ کامیابی مستقل نامرادی میں بدل جاتی ہے ۔ اسلام نفسیاتی اور فطری، اور اخلاقی اور روحانی آزاد اور خود مختارانہ طریقوں سے معاشرہ میں مساوات اخوت اور حریت پیدا کرتا ہے۔ اسلام نہایت لطیف اور پُر اثر رنگ میں تقسیم دولت کر کے موزوں معاشی مساوات پیدا کر دیتا ہے اور دماغی صلاحیتوں کی پرورش بھی کرتا ہے۔

امیر المومنین کی دل میں گھر کر لینے والی تشریحات سے میری روح تسکین پاتی رہی اور جب حضور نے کلام ختم کیا تو میں نے ایک آخری سوال کرنے کی جرائت کی میں نے پوچھا کہ اگر بلا جبر و اکراہ معاشی تنظیم کے لئے حکومت اہل محنت اور ذرائع پیداوار کے مالک طبقہ کے درمیان کچھ ایسا سمجھوتہ ہو کہ اقتصادی منصوبہ بندی ممکن ہو سکے اور متوازی حالات پیدا ہو سکیں تا کہ ملک کی معاشی قوت ضائع نہ ہو تو یہ جائز ہو گا یا نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ یہ طریقہ جائز ہو گا۔

اس کے بعد میں نے اور پروفیسر علی احمد صاحب نے اجازت چاہی اور قصر خلافت سے واپس ہونے کے لئے اٹھے ہمارے آقا نے ہمیں نہایت ہی محبت اور خاطر داری کے ساتھ رخصت کیا۔ میرا دل مسرتوں سے بھرا ہوا تھا اور آج بھی جب میں اُس ملاقات کو یاد کرتا ہوں تو مجھے فخر اور مسرت ہوتی ہے۔"

(بحوالہ ماہنامہ رسالہ درویش قادیان فروری 1952ء صفحہ 20 تا 24)

مالی خدمات کا شوق:

محترم سید اختر احمد صاحب کو جماعتی خدمات خصوصاً مالی خدمت کا انتہائی شوق تھا۔ اس کا ایک نمونہ الفضل کے تراشہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اخبار الفضل تحریر کرتا ہے کہ

"اخلاص کا قابل تقلید نمونہ

سید اختر احمد صاحب پٹنہ سے اپنے آقا کے حضور لکھتے ہیں۔ حضور کے اعلان اخبار میں پے در پے

شائع ہو رہے ہیں۔ میرے آقا گذشتہ ماہ کے اوائل میں جب اخبار میں پہلی بار پڑھا تو دل پھٹ گیا اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ خصوصاً آخری جملہ کہ:

”آپ نے جوانی میں میرا ساتھ دیا تھا اب کہ میں بیمار اور کمزور ہوں آپ کا فرض ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ میرا بوجھ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔“

نے بہت تڑپایا۔ میں بہت بے چین رہا۔ بفضلہٖ تعالیٰ حضور کی دعاؤں کے طفیل میں نے سال کا چندہ تحریک جدید اور دوسرے چندے ادا کر دئے تھے۔ تب بھی میں محسوس کر رہا تھا کہ میں مجرم ہوں اور جب تک کچھ کروں نہیں یہ داغ دور نہ ہوگا۔

پیارے آقا! میں حضور کے اعلان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن رہا تھا جو غزوہ حنین میں اٹھی تھی۔ آقا! میں اکثر علیل رہتا ہوں میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں۔ میں اب تک کچھ پس انداز نہیں کر سکا۔ ہاں میری والدہ مرحومہ کی دین مہر کی رقم میرے حصے کی مبلغ ڈھائی ہزار روپیہ ابا جان کے ذمہ تھی۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس خطرناک وقت پر وہ کل سرمایہ خدمت اسلام کے لئے پیش امام کر دوں۔ سیدی! یہ رقم مہر اماں جان مرحومہ کی تھی جو مجھے وراثت میں ملی۔ لہٰذا میں ڈھائی ہزار کی رقم اماں جان مرحومہ کی طرف سے یہ تحریک جدید کے انیس سال میں ادکرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضور میں نے ڈھائی ہزار روپیہ اپنی علالت وغیرہ حادثاتی مصارف کے لئے رکھے تھے۔ اب یہ حضور کے قدموں میں پیش ہیں قبول فرمائیں اور میری پیاری اماں جان مرحومہ کو اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قرب میں جگہ دے۔ آمین۔ میرے خاندان کے بہت سے لوگ گھر میں جمع ہیں اور دعا کی درخواست کرتے ہیں اور وعدے پیش کرتے ہیں:

خاکسار سید اختر احمد و شکیلہ اختر اہلیہ 345

سید وزارت حسین صاحب مونگھیری معہ اہلیہ صابرہ خاتون 243

شاہ خورشید احمد آفتاب احمد شمیم احمد (دفتر دوم) 428

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک قلم سے رقم فرمایا:

”جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اڑھائی ہزار روپے کی رقم کا وعدہ وصول ہو گیا۔ اور رقم بھی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ مگر یہ رقم آپ اپنے نے پاس رہنے دیں۔ اخلاص درست ہے۔ مگر میں سمجھتا

ہوں کہ رقم موجودہ حالت میں مجھے قبول نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے آپ کو ضرور ثواب ملے گا۔انشاءاللہ تعالیٰ“

وکیل المال تحریک جدید ربوہ
(بحوالہ الفضل 5 جنوری 1950ء)

بلند پایہ ادیب، نقاد شاعر وافسانہ نویس

مکرم ڈاکٹر پرفیسر اختر اورینوی صاحب کا اُردو ادب میں ایک بلند مقام تھا۔ جہاں آپ مخلص احمدی تھے، وہیں آپ ادبی حلقوں میں بھی مشہور معروف شخصیت تھے۔آپ کے بارے میں جماعت احمدیہ کے مشہور ادیب محترم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب نے اپنے ایک مضمون بعنوان ”ڈاکٹر سید اختر اورینوی“ مطبوعہ روزنامہ الفضل ربوہ میں ذکر کیا ہے۔ اس مضمون سے آپ کا اردو ادب میں مقام و مرتبہ اور معاصرین کے نزدیک آپ کی عزت وتکریم کا علم ہوتا ہے۔قارئین کے لئے یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

”ڈاکٹر سید اختر اورینوی پٹنہ یونیورسٹی کے صدر کے طور پر ریٹائرڈ ہوئے۔آپ اردو ادب میں ڈی لٹ یعنی ڈاکٹر آف لٹریچر تھے۔ اردو میں افسانہ نگاری بھی کرتے تھے اور پہلے پہل اپنی افسانہ نگاری کی وجہ سے ہی ادبی حلقوں میں جانے جاتے تھے۔آپ کا تعلق بہار کے مشہور احمدی گھرانے سے تھا اور آپ نہایت دبنگ اور بے خوف احمدی تھے۔اپنی احمدیت کو چھپانا تو دور کی بات ہے موقعہ دیکھ کر اپنے دوستوں بزرگوں تک خاموشی سے احمدیت کا پیغام پہنچاتے رہتے تھے۔خاکسار سے ان کا تعارف صرف احمدیت کی وجہ سے ہوا۔میں پنجاب یونی ورسٹی سے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہا تھا۔اس مقالہ کی تکمیل کے لئے بھارت کی مشہور لائبریریوں تک رسائی حاصل کرنا ضروری تھا۔اس زمانہ میں ہندوستان جانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔مگر ان لائبریریوں کے حوالے کے بغیر بھی کوئی چارہ نہ تھا۔آخر میں نے سید اختر اورینوی صاحب کو ایک خط لکھا ان کا پتہ نقوش والوں سے ملا تھا۔نقوش شخصیات نمبر میں ڈاکٹر اختر اورینوی صاحب کا ایک مضمون چھپا تھا جس میں انہوں نے علی الاعلان لکھا تھا کہ مجھے جس شخصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی ذات بابرکت ہے۔اس وقت ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بہت اچھی لگی کہ آپ نے یوں برملا ادبی پرچہ میں اپنے عقائد اور عقیدت کا ذکر کیا ہے۔

خط میں میں نے بتایا کہ حوالوں کی ضرورت ہے بھارت جانے کا کوئی سوال ہی نہیں انڈیا آفس اور برٹش میوزیم سے مطلوبہ حوالے آگئے ہیں بھارت سے کوئی حوالہ موجود نہیں۔ ظاہر ہے پی ایچ ڈی کا مقالہ کیسے مکمل ہوسکتا ہے؟ آپ نے نہایت محبت سے لکھا کہ آپ سے ہمارا احمدیت کا رشتہ ہے اور فی زمانہ یہی رشتہ ہی سب سے زیادہ مستحکم رشتہ ہے آپ تردد نہ کریں یہاں سے جو بھی امداد ممکن ہوگی بہم پہنچائی جائے گی۔

خدا بخش لائبریری حوالوں کے لحاظ سے بہت اہم لائبریری ہے۔ اس لائبریری میں مجھے جتنے حوالے درکار تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب نے ازراہ کرم بھجوادیئے۔ آج تو آدمی اس زحمت عظیم کا اندازہ بھی نہیں کرسکتا کہ اس کام میں کتنی دقت اور محنت درکار ہوئی ہوگی مگر ڈاکٹر صاحب نے ذاتی کوشش سے یا اپنے شاگردوں کے ذریعہ وہ حوالے حاصل کئے اور مجھے بھجوائے۔ وہ زمانہ فوٹو کاپی کا زمانہ نہیں تھا ہر چیز اپنے ہاتھ سے نقل کرنی پڑتی تھی یا صرف کثیر سے مسودہ کی فوٹو لینا پڑتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے سب کچھ احمدیت کے رشتہ سے کیا۔ اللہ انہیں جزائے عظیم عطا فرمائے۔ میرے نگران استاذی المکرم پروفیسر سید وقار عظیم صاحب نے جب اختر صاحب کے بھیجے ہوئے حوالے دیکھے تو حیران رہ گئے۔ فرمانے لگے آپ نے ان پر کیا جادو کیا کہ اتنے قیمتی حوالے پٹنہ سے انہوں نے بھیج دیئے۔ میں نے کہا" جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ یہ احمدیت کا جادو ہے۔"

اسکے بعد جب میں پی ایچ ڈی کے امتحان میں کامیاب ہوگیا تو ڈاکٹر صاحب کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی آپ نے نہایت محبت سے مبارک باد کا پیغام بھیجا۔ ساتھ ہی یہ بھی خواہش کی کہ حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی طرف سے سلام عرض کروں اور دعا کی درخواست کروں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب سے کوئی رابطہ نہ ہوسکا۔ میں 1975ء میں جاپان کی اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز میں پڑھانے کے لئے جاپان چلا گیا۔ وہیں ڈاکٹر صاحب کی وفات کی اطلاع ملی۔ ایک بزرگ احمدی استاد اور ادیب کی وفات سے صدمہ ہوا اسی وقت تعزیت کا خط ان کی بیگم شکیلہ اختر کی خدمت میں لکھا۔ شکیلہ اختر بھی اردو کی مشہور افسانہ نگار ہیں۔ کافی عرصہ کے بعد اس خط کا جواب اختر صاحب کے چھوٹے بھائی سید فضل احمد صاحب کی طرف سے جاپان میں ہی ملا۔ سید فضل احمد صاحب اس وقت پولیس میں ڈی آئی جی تھے۔ خط میں اختر صاحب کی بیماری کی کوئی تفصیل درج نہیں تھی۔ سیدھا سادہ شکریہ کا خط تھا اس میں درج تھا کہ چونکہ شکیلہ اختر صاحبہ ابھی تک صدمہ کی کیفیت میں ہیں اس لئے وہ تعزیت نامہ کا

جواب دے رہے ہیں۔

برسوں بعد بہار کے ایک ادیب اویس احمد دوراں صاحب کی خودنوشت نظر سے گزری اس میں ان کی تکلیف دہ مرض الموت کا ذکر تھا۔ انہیں پارکنسن کا عارضہ ہو گیا تھا جس میں بڑی اذیت سے دوچار رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کی چادر میں ڈھانپ لیا۔ دوسری خودنوشت جس میں ڈاکٹر اختر اورینوی کا ذکر ہے وہ جناب آل احمد سرور کی خودنوشت ''خواب باقی ہے''۔ سرور صاحب نے لکھا ہے کہ اختر اورینوی احمدی تھے اور اپنے دوستوں میں احمدیت کا چرچا کرتے رہتے تھے۔ ایک بار سرور صاحب ان کے یہاں مہمان ہوئے۔ واپس چلنے لگے تو اختر صاحب نے انہیں خود تو کچھ نہیں کہا البتہ اپنے چھوٹے بھائی سید فضل احمد صاحب سے کہا کہ وہ احمدیت کی کچھ کتابیں ان کے سامان میں رکھ دیں۔ سرور صاحب کی خودنوشت آج کل پاکستان میں بھی دستیاب ہے۔

یہ مضمون لکھنے کی تحریک دراصل دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رکن رکین سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے ایک مضمون سے ہوئی جو انہوں نے ڈاکٹر سید اختر اورینوی صاحب کے بارہ میں لکھا ہے۔ یہ مضمون ان کی کتاب ''بزم رفتگاں'' کی دوسری جلد مین شامل ہے۔ یہ کتاب 1981ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کی طرف سے مکتبہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوئی تھی۔ ذیل میں ان کا مضمون درج کر رہا ہوں تا کہ ایک احمدی ادیب کا ذکر خیر جماعت میں جاری رہے۔ لکھتے ہیں: ''گذشتہ سال بہار کے پروفیسر اختر اورینوی کی وفات کی خبر بہت دکھ اور غم کے ساتھ سنی۔ ہم دونوں ہم درس ہم جماعت تو نہیں رہے لیکن ہماری طالب علمی کا زمانہ ایک تھا۔ وہ شروع میں سائنس کے طالب علم تھے آئی ایس سی (جسے ہمارے یہاں ایف ایس سی کہا جاتا ہے) کر کے پٹنہ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے مگر وہاں اُنکی صحت خراب ہوئی اور رانچی کے سینی ٹوریم میں رہ کر صحت یاب ہوئے۔ ہم دونوں 1936ء کے ایم اے اردو کے امتحان میں ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے نتیجہ میں اُن کا نام سرفہرست تھا۔ میرا نام اُن کے بعد تھا۔ وہ ایم کرنے کے بعد پٹنہ کالج میں اردو کے لیکچرار ہوئے۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر سید محمود مرحوم بہار کے وزیر تعلیم تھے۔ وہ کالج میں اردو کے ایک لائق استاد کے تقرر کے خواہش مند تھے اس لئے انہوں نے امیدواروں کا انٹرویو خود لیا۔ درجہ میں باضابطہ سبق پڑھانے کو بھی کہا۔ اختر اورینوی صاحب ان کے معیار پر پورے اترے وہ ایک استاد کی حیثیت سے

طلبہ میں بہت مقبول رہے انہوں نے (بہار میں) اردو زبان وادب کے ارتقاء پر پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریت کی ڈگری حاصل کی بہار کے جن شاعروں مصنفوں نقادوں پراس وقت تک سیر حاصل بحث نہیں ہوئی ہےاُن کی تلافی اس مقالہ سے ہوگئی اور وہ بھی ایک اچھے مصنف کی صف میں شامل ہوگئے۔اس کے بعد جب ان کا مقالہ کہیں شائع ہوتا اردو کے ادبی حلقہ میں شوق سے پڑھا جاتا۔انہوں نے اپنے مقالات کے مجموعے"تنقید جدید"،"قدرونظر" اور"تحقیق وتنقید" کے نام سے شائع کرائے۔وہ ایک اچھے افسانہ نگار بھی تھے ان کی بیوی شکیلہ اختر نے بھی ان کے ساتھ افسانے لکھنا شروع کردئے وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے ان کی بعض نظمیں مثلاً جگنو، ایک مجاہد فلسطین، افکار ارمغان شباب اور نغمے مقبول ہوئے۔(راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم فارسی میں بھی بہت عمدہ شعر کہتے تھے ان کی فارسی نعتیں چھپی ہوئی موجود ہیں۔)

ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب بہار میں اُس وقت موجود علمی ادبی ماحول کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ"......اسی بزم کے ایک ممتاز رکن پروفیسر اختر اورینوی بھی تھے۔پٹنہ میں رہ کر ہندوستان کے ممتاز شاعروں اور ادیبوں کو اپنی طرف کھینچتے رہے۔جعفر علی خاں اثر، جگر مرآدآبادی، فراق گورکھپوری، حفیظ جالندھری، اور ڈاکٹر عبارت علی ان کے مہمان رہے۔(پروفیسر آل احمد سرور صاحب کی مہمانی کا ذکر میں کر چکا ہوں۔طبیعت میں سادگی تھی ان کو اپنے مہمانوں کو مٹی کے برتنوں میں زمین پر چٹائی بچھا کر کھانا کھلانے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ان کی بیوی مہمانوں کی خاطر تواضع پوری شان سے کرنا پسند کرتیں۔اختر صاحب ان سے یہ کہہ کر اختلاف کرتے"میں کوئی نواب نائی تھوڑے ہی ہوں جو اپنی شان دکھاؤں میں تو جیسا ہوں ویسا ہی رہوں گا۔"

ان کی زندگی کے کچھ واقعات یاد رکھنے لائق ہیں۔ایک غریب لڑکی کی تجہیز تکفین کا سامان نہ تھا تو انہوں نے اپنی بیوی کے سونے کے کڑے بیچ کر یہ سامان کردیا۔اس طرح ان کے ایک عزیز دوست کو والد کے لئے مقدمہ کی فیس جمع کرنے کے لئے کچھ رقم کی ضرورت تھی اس کا ذکر ان سے اس وقت کردیا جب ان کی جیب خالی تھی۔ان کو اپنے امتحان میں سونے کے جتنے میڈل ملے تھے ان کو اونے پونے فروخت کرکے اپنے دوست کے حوالے کردیا۔وہ وہاں جاچکے جہاں سب کو جانا ہے مگر بہار کے ادبی حلقہ میں ایک قابل قدر مصنف نقاد شاعر افسانہ نگار اور ایک اچھے انسان کی حیثیت سے برابر یاد کئے جائیں گے۔

وہ بہار کے ضلع مونگھیر کے ایک گاؤں اورین کے رہنے والے تھے۔ان کا خوشحال خاندان جا جیزی سادات سے تھا۔ جو مرزا غلام احمد کا پیرو ہو گیا۔اس حیثیت سے وہ احمدی تھے اپنے مسلک کی تبلیغ بڑی سرگرمی سے کرتے رہتے تھے۔ پاکستان میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو ان کے قریبی دوستوں کا بیان ہے کہ ان کو بڑا دکھ ہوا۔ان کی بیوی نے انکی زندگی میں لکھا تھا“.........جب ان کے ساتھ گھر کے سارے لوگ ایک ہی ساتھ کھانا کھایا کرتے تو ایسی مزیدار باتوں کا سلسلہ چلتا کہ گیارہ بجے تک محفل جمی رہتی۔ جوٹھے ہاتھ سوکھ کر جھڑ جاتے پھر بھی کسی کا جی پلنگ پر جانے کو نہیں چاہتا۔“ ان کے احباب بھی ان کی گفتگو کی بذلہ سنجی، زندہ دلی اور خوش مزاقی کے قائل تھے۔ان کی صحت ہمیشہ خراب رہی آخر میں قوت گویائی بھی خراب ہوگئی ان کی کوئی اولاد نہ تھی مگر اپنی سوگوار بیوی کے دل دماغ پر اپنی یادیں اس طرح چھوڑ گئے ہیں کہ ”مخملی سبزے پے جیسے برگ گل کی ہو پھوار۔“

(بزم رفتگاں جلد دوئم صفحہ 223 تا225)

آپ کے بارے میں آپ کی بھانجی مکرمہ صوفہ انجم تاج صاحبہ اپنی کتاب ”یادوں کی دستک“ میں تحریر کرتی ہیں کہ

” چھوٹے ابا کی ادبی ذوق کی وجہ سے ہم لوگوں کے گھر پر بڑے بڑے مشاعرے ہوتے۔جناب اختر اورینوی زیادہ تر نظامت کرتے اور ایسی نظامت کرتے کہ ان کے ادا کئے ہوئے جملوں کو ہم لوگ ہفتوں اور مہینوں تک دہراتے اور پھر اپنی غزلیں اور نظمیں بھی اس پُرکشش انداز میں سناتے کے سننے والا سنتا ہی رہ جائے۔

اختر احمد اورینوی میرے خالو لگتے تھے جو کہ ایم اے ڈی لٹ۔ صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی اور ہندوستان اور پاکستان کے ایک مشہور مصنف اور افسانہ نگار، شاعر، مقرر، مبلغ تھے۔ان کی بیگم شکیلہ اختر میری امی کی اپنی Second cousin تھیں جن کی لکھی ہوئی کتاب ” شیطان کی ڈائری“ بہت ہی مقبول ہوئی۔اختر اورینوی اورل میں کافی دن تک رہے۔اورل کی سون ندی ریت کے ٹیلے اور خوشگوار فضاؤں میں اس جگہ کی ہر شئے کو شاعرانہ نظروں سے دیکھتے اور اپنے فن میں اسے منتقل کرتے رہے۔ میں بہت چھوٹی تھی جب امی مجھے پٹنہ میں ان کے گھر لے گئی تھیں۔ان دنوں اختر خالو کی طبیعت خراب تھی۔

بس ایک دھندلا سا کچھ یاد ہے لیکن ہم لوگوں کی گھر سلطان گنج میں وہ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور نظامت کی باغ ڈور بس وہی سنبھالتے تھے۔ ان کی گفتگو کا انداز بے حد نرالا تھا۔ ان کی زبان سے ادا کئے ہوئے جملوں کو سن کر میں تو بس بالکل بے بس ہو جاتی اور سوچتی ارے یہ کیا بول گئے ایسا لگتا کہ کوئی چیز ریشم کے طرح پھسل گئی اور میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

جناب شرف الدین صاحب (عظیم آبادی) جو کہ سخن دہلوی کے نواسے تھے جنہوں نے اپنی کتاب ''جراثیم ادب'' میں لکھا ہے کہ اختر ایک ایسے گاؤں کے رہنے والے ہیں جہاں کی بھاشا دہلی اور لکھنؤ کی اردو سے مختلف ہے لیکن ماننا پڑے گا کہ ان کی تحقیق نے اردو الفاظ میں کچھ اضافہ ضرور کیا ایک روز کسی لکھنؤ ادیب سے یہ الجھ پڑے، پوچھا۔ ''بانس کی آپ کے یہاں کتنی قسمیں ہیں اور ان کے لئے الگ الگ کون سا لفظ ہے؟ بے چارے نے جواب دیا ''ایک تو بانس دوسرا لاٹھی ہے۔'' اختر نے کہا ''بس؟ اب میرے زبان میں سنئے۔ بانس، کماچی، چھپٹی پینا، ڈنڈا، لاٹھی، سونٹا اور ان سب کا جد امجد بونگ۔ اور اس کے بعد اس کی وجہ تسمیہ بھی بالتفصیل بیان کی۔ اس طرح ایک دوست کی بی بی کی شاندار قدو قامت ہی اظہار خیال کی ضرورت پڑی۔ کسی نے کہا ''قدو قامت ترا قیامت ہے۔'' کسی نے کہا ''معاذ اللہ'' یہ بھی کافی نہیں، کہیے معاذ اللہ کی پناہ۔'' ادبی نقطہ نظر کو ابھی پرے رکھئے مگر کیا خوب! آگے لکھتے ہیں کہ ٹی بی تو ایک معمولی سی چیز تھی جو اس کے پاس غلطی سے آگئی تھی، اور جب غریب نے دیکھا کہ اختر میں اس سے بھی زیادہ خطرناک جراثیم پہلے سے موجود ہیں تو اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی۔

اب اس کا کیا جواب ہے کہ یہ حضرت نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتے ہوئے ایک دیہات میں پہنچتے ہیں جہاں کی بے چاری معصوم لڑکیاں اپنے گھروں کی چار دیواریوں سے بھی کبھی باہر نہیں نکلتی تھیں لیکن جونہی یہ کسی لڑکی سے باورچی خانے میں ملتے ہیں تو وہ غریب بے ساختہ شعر کہنے لگتی ہے، وہ خود گھبراتی ہے کہ کیا ہو گیا۔

شکیلہ خالہ نے 1956ء میں ''نقوش'' کے شخصیات نمبر میں خاص طور پر اشارہ کیا ہے کہ ''اختر اکتوبر کی چھٹیوں میں ارول آئے تو وہ دن بڑے یادگار طور پر گزرے۔ ہم سب کے سب اختر صاحب کے گرد ایک گھیرا لگائے بیٹھے رہتے۔ کسی کے ہاتھ میں 'بانگ درا' ہوتی اور کسی کے ہاتھ میں ''دیوان غالب''۔ ہر طرف

بس دیوان ہی دیوان نظر آتے۔اختر صاحب نے ایک خالص شاعرانہ ماحول پیدا کر کے ہمارے دلوں کو امنگوں سے بھر دیا تھا۔شاعری اور احساس شعری ہم اتنے آہنگ ہو گئے تھے کہ اچانک طور پر ہم ساری بہنوں نے ایک ساتھ ہی شعر کہنے شروع کر دیا۔اختر صاحب حیران ہو گئے۔ یہ سون کے میٹھے پانی ہی کی کرامات تھیں جو ایک ساتھ دیسی لڑکیاں جذباتی شعر کہنے لگ گئیں جو تعلیم لحاظ سے بے حد کمزور تھیں۔ پام وِلا پورے طور پر شعر وادب کا گھوارہ بن کر رہ گیا تھا۔آدھی آدھی رات تک بہت باتیں ہوتی رہیں۔مصرح طرح دیا جاتا شعر لکھے جاتے اور محفل مشاعرہ منعقد ہوتی۔

صدارت کی کرسی اختر صاحب کے لے مخصوص تھی اور باری باری عائشہ شمیم،شکیلہ اختر،عزیزہ نگار، رضیہ رعنا،نصیر دراز اور نسیم سوز اپنا کلام سنا کر تحسین حاصل کرتیں۔

ایک جگہ اور لکھا ہے" گھنٹوں وہ شیلی، بائرن اور براؤ نگ کی نظمیں سمجھاتے رہتے تھے،کبھی دیر تک غالب،میر اور اقبال سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے مجھ کو ان کی خصوصیات بتاتے،اس وقت ان کے الفاظ اور خیالات کی روانی کو دیکھتے ہوئے مجھے ہمیشہ ہی محسوس ہوتا کہ علم کا سمندر کسی بہت بڑے ساحل سے ٹکرانے کو بے چین ہے اور میں۔۔۔۔" شکیلہ خالہ نے خود ہی لکھا ہے تھا کہ" یہ سون کہ میٹھے پانی ہی کا اثر تھا جو ایک ساتھ ساری لڑکیاں شعر کہنے لگیں۔سون سے ان کو خود بڑی محبت رہی ہے، بقول انہیں کے:

سبزہ شاداب پر شہلا جمالوں کا ہجوم
سون کی وادی میں رقصاں ہے غزالوں کا ہجوم
شاعر سرشار کے رنگیں خیالوں کا ہجوم

اختر خالو کا ایک اور مشہور شعر ہے:

جن کے دل میں درد کم ہوتا ہے وہ روتے ہیں جلد
میرا دامن کیوں بھلا منت کش آنسو رہے

شکیلہ خالہ سے اور میری ساس سے بھی بڑی گہری دوستی تھی جب میں شادی کر کے گئی تو میری ساس سے انہوں نے کہا تھا" سکینہ تم میری بیٹی کو اپنے گھر لے گئی ہو۔"

(یادوں کی دستک صفحہ 222 تا 224 مطبوعہ زین پبلیکشنز کراچی)

اختر اورینوی ایک ہشت پہل شخصیت کے حامل تھے۔مگران کی شہرت عام کا سبب افسانہ نگاری اور تنقید ہے۔ بقول ڈاکٹر عبدالمغنی ان کا پہلا افسانہ ''بدگمانی'' اور آخری ایک درخت کا قتل ہے۔سن اشاعت کے اعتبار سے ان کے افسانوی مجموعوں کی ترتیب یہ ہے۔

(1) منظر و پس منظر (2) کلیاں اور کانٹے (7) انارکلی اور بھول بھلیاں (4) سیمنٹ اور ڈائنا مائیٹ (3) کچلیاں اور بال جبریل (6) سپنوں کے دیس میں۔

ان کی تنقیدی کتابوں کے نام بہ اعتبار اشاعت درج ذیل ہیں۔

(1) مطالعہ نظیر (2) مطالعہ اقبال (3) کسوٹی (4) تنقید جدید (5) تحقیق و تنقید (6) قدر و نظر (7) سراج و منہاج (8) مطالعہ و محاسبہ

چھوٹا ناگپور کے قبائلی علاقوں کے پس منظر میں لکھا گیا ان کا ناول ''حسرت تعمیر'' خاصا مشہور رہا ہے۔ان کے ایک اور ناول ''کارواں'' کی خبر ایس منانی نے دی ہے مگر اب اس کا پتہ نہیں چلتا۔انہوں نے دو ڈرامے شہنشاہ حبشہ اور زوال کینٹن لکھے ہیں جن میں سے اول الذکر بہت مشہور ہے۔شاعر کی حیثیت سے انہیں زیادہ شہرت شاید اس لئے نہیں ملی کہ ان کی خطابت ہمیشہ شاعری کے لئے حجاب بنتی رہی۔ بہرحال ان کا شعری مجموعہ 'انجمن آرزو' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ان تخلیقات کے علاوہ ان کے تحقیقی و تنقیدی اور سماجی نوعیت کے مضامین اردو کے علاوہ انگریزی رسالوں اور اخباروں میں 1970ء سے قبل برابر شائع ہوتے رہے ہیں۔

اختر اورینوی کی مختلف ادبی جہات پر مہر نیم روز، کراچی اور ساغر نو پٹنہ کے خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں۔موخر الذکر اختر شناسی کے نام سے 2008ء میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا ہے۔ان کی شخصیت اور فن کی تفہیم میں پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر سید احتشام حسین، آل احمد سرور، معین الدین دردائی، مالک رام خلیل الرحمن اعظمی،طیب عثمانی ندوی، وقار عظیم،عبدالمغنی، وہاب اشرفی،ابوذر عثمانی،سید محمد عقیل، سید محمد حسنین، کلیم عاجز، اشرف الدین شرف عظیم آبادی، محمد ظفیر الحسن، ڈاکٹر سید مجتبیٰ رضوی، اور قمر اعظم ہاشمی وغیرہ کے مضامین خاصے معاون ہو سکتے ہیں۔ہندوپاک سے شائع شدہ کم وبیش ایک درجن کتابوں میں اختر اورینوی سے متعلق قابل ذکر مواد موجود ہے۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(1) تذکرہ معاصرین جلد۔4 از مالک رام، (2) اختر اورینوی کے افسانے (مع مقدمہ)

پروفیسر عبد المغنی (2) تاریخ ادب اردو (جلد دوم) پروفیسر وہاب اشرفی (4) اختر اورینوی فنکار و نا قد مرتبین مظفر مہدی اور منصور عمر (5) بہار میں اردو تنقید۔ ڈاکٹر اعجاز علی ارشد (6) اردو ڈرامہ آزادی کے بعد۔ ڈاکٹر محمد منصور انصاری۔

مکرم ڈاکٹر اختر صاحب کا تبلیغ اور دعوۃ الی اللہ کے حوالہ سے ایک واقعہ اوپر کے حوالہ میں درج ہے۔ ایک اور واقعہ درج ذیل ہے۔

اہم شخصیات کو دینی لٹریچر کا تحفہ:

دینی لٹریچر کی اشاعت کے سلسلہ میں برصغیر پاک وہند کی مخلص جماعتوں نے اپنی مساعی کا سلسلہ اس سال بھی بدستور جاری رکھا۔ مثلاً ڈاکٹر سید اختر احمد صاحب اورینوی صدر شعبہ اُردو پٹنہ یونیورسٹی نے 14/اپریل 1960ء کو جواہر لعل نہرو (وزیر اعظم ہند) اور شری بھونیشور پرشاد چیف جسٹس آف انڈیا کی خدمت میں قرآن کریم انگریزی اور اگلے روز چیف جسٹس پٹنہ ہائی کورٹ کو ٹیچنگز آف اسلام کا تحفہ پیش کیا۔ جس پر تینوں اصحاب نے اظہار مسرت کیا۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 21 صفحہ 8)

اختر اورینوی صاحب صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی کا تاریخی مکتوب

محترم جناب سید اختر اورنیوی صاحب ایم اے (صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی) نے حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (صدر نگران بورڈ) کی خدمت میں لکھا کہ :-

1:- ہمیں ایک ''احمدیہ میوزیم'' قائم کرنا چاہیئے۔ مرکزی طور پر ربوہ اور قادیان میں اور ان کے علاوہ ایک برطانیہ میں، ایک امریکہ میں، ایک افریقہ میں اور ایک انڈونیشیا میں۔

2:- سب سے پہلے ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف کے قلمی نسخے ان کے خطوط اور دوسرے ملفوظات فوراً اکٹھا کرنا چاہیئے اور ان کے فوٹو سٹیٹ دوسرے مراکز میں روانہ کرنا چاہیئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان عظیم کتابوں کے قلمی نسخے موجود ہیں یا نہیں؟ حضور کے مسودات تو ہوں گے۔

احمدیہ میوزیم میں موسم کے بداثرات سے بچانے والا کمرہ ہونا چاہیئے۔

3:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اور یادگاریں مثلاً کپڑے، قلم، دوات، میز، بستر ا، جوتا وغیرہ محقق

طور پر جمع کرنا چاہیئے۔
4:- حضور کی تصانیف کے پہلے ایڈیشن جمع کئے جائیں اور ان پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور دوسرے رفقاء کے دستخط ہوجائیں اور پھر ان کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں تیار کی جائیں۔
5:- مذکورہ بالا خلفاء، اصحاب اور اراکین، اہل بیت اور جید مبلغوں کی تصانیف، مکتوبات وملفوظات کے سلسلہ میں بھری جائیں۔ یعنی قلمی نسخے اور کتابوں کی پہلی اشاعتیں جمع کی جائیں اور ان پر تصدیقی دستخط ہوں۔
6:- احمدیہ میوزیم میں تبلیغی چارٹ، تبلیغی کتب اور سب سے بڑھ کر قرآن حکیم کی تفسیریں اور ترجے رکھے جائیں۔ نیز احمدیہ البم۔
7:- زندہ صحابہ کا کلام ٹیپ ریکارڈ کیا جائے اور سب سے بڑھ کر پیارے امام کے خطبات و پیغامات ان کے فوٹو بھی رکھے جائیں۔
8:- اور پہلوؤں سے میوزیم کو مکمل کیا جائے۔ مثلاً فلم بندریل بھی جمع کئے جائیں۔
اگر آپ اس تحریک کو پسند فرمائیں تو پیارے امام کے سامنے پیش کردیں اور آقا کی منظوری کے بعد اس مجوزہ احمدیہ میوزیم کی تنظیم کا کام آپ کی نگرانی میں شروع کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ برکت دے۔''

مرکز میں تاریخی میوزیم کمیٹی کا قیام

نگران بورڈ کی طرف سے اس مفید اسکیم پر عملدرآمد کے لئے اکتوبر 1962ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تبرکات کے ریکارڈ اوران کی حفاظت کی لئے جماعتی تاریخی میوزیم کمیٹی کا قیام عمل میں آیا نیز فیصلہ کیا گیا کہ جن دوستوں کے پاس حضرت اقدس علیہ السلام کا کوئی تبرک از قسم پارچات یا دستاویزات وغیرہ ہو وہ اس کی تفصیل کمیٹی کو بھجوائیں تا کہ بعد تصدیق اسے ریکارڈ کیا جاسکے۔
''جماعتی تاریخی میوزیم کمیٹی'' کی سفارش پر صدر انجمن احمدیہ نے تبرکات کی تصدیق کے لئے حسب ذیل ممبران پر مشتمل کمیٹی مقرر کی
1۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس (چیئرمین)
2۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب۔

3۔کرنل عطاء اللہ خان صاحب۔

4۔ملک سیف الرحمن صاحب۔(سیکریٹری)

اس کمیٹی کا نام ''تصدیقی کمیٹی برائے قیام جماعتی تاریخی میوزیم'' تجویز ہوا۔

مولانا ملک سیف الرحمن صاحب نے الفضل 14 اکتوبر 1962ء میں ان ہر دو کمیٹیوں کی اطلاع دیتے ہوئے اعلان فرمایا کہ:-

وہ تمام دوست جن کے پاس کوئی تبرک کسی قسم کا ہو وہ 15 نومبر 1962ء تک اس تبرک کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیلات سیکرٹری ''تصدیقی کمیٹی برائے قیام جماعتی تاریخی میوزیم'' کو بھجوائیں:-

1۔نام مع ولدیت و مکمل پتہ جس کے پاس تبرک ہے

2۔تبرک کی نوعیت (کپڑا یا مسودہ یا کوئی اور تحریر تفصیلاً)

3۔کتنے عرصہ سے یہ تبرک اس کے پاس ہے۔

4۔یہ تبرک اسے کیسے ملا۔

5۔تصدیقی گواہ یا دستاویز

6۔کوئی اور ثبوت جو وہ دینا چاہے

7۔کیا یہ تبرک وہ عاریۃً یا مستقلاً جماعت کو دینے کے لئے تیار ہے

نوٹ:-یہ معلومات امیر صاحب مقامی کی تصدیق کے ساتھ بھجوائی جائیں۔اگر کوئی شخص اپنے تبرک کے متعلق تصدیق حاصل نہ کرے گا اور بغیر تحریری تصدیق کے دعویٰ کرے گا کہ اس کے پاس کوئی تبرک ہے تو جماعت اس کے اس دعویٰ کو قبول نہیں کریگی۔''

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 21 صفحہ 532 تا 534)

یہ مضمون ختم کرنے سے قبل یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اختر صاحب ایک اچھے مصور بھی تھے ان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں قابل تعریف ہیں۔وہ اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس کام کو جاری نہ رکھ سکے۔

آپ کی وفات 31 مارچ 1977ء میں پٹنہ میں ہوئی۔آپ کی وفات پر ہفت روزہ اخبار بدر قادیان نے مندرجہ ذیل خبر دی:

افسوس محترم سید اختر احمد صاحب اور ینوی پٹنہ میں وفات پا گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جنازہ قادیان لایا گیا اور بعد نماز جنازہ بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین عمل میں آئی۔

قادیان 2 شہادت (اپریل) یہ خبر خاص افسوس اور رنج کے ساتھ سنی جائے گی کہ محترم سید اختر احمد صاحب اورینوی (ڈی لٹ) لمبی علالت کے بعد 31 مارچ دو بجے رات کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اُسی روز بعد دوپہر قادیان میں بذریعہ ٹیلی گرام اطلاع موصول ہوئی۔ آل انڈیا ریڈیو پٹنہ سے دو تین مرتبہ وفات کا اعلان ہوا۔ چونکہ موصوف اپنی ملازمت اور ادبی خدمات کے سلسلہ میں پٹنہ یونیورسٹی سے متعلق رہے اس لئے آپ کی وفات پر اظہار افسوس کے طور پر اُس روز پٹنہ یونیورسٹی اور کالج بند کر دیئے گئے۔

مرحوم کا تابوت آپ کے چھوٹے بھائی سید فضل احمد صاحب ایڈیشنل آئی جی بہار پٹنہ سے بذریعہ ٹرین امرتسر لائے۔ جنازہ کے ساتھ مرحوم کے بھتیجے دہلی سے عزیز سید محمود صاحب، نیز عزیز سید مبارک احمد صاحب پہلے سے ہی قادیان میں موجود تھے ان کے علاوہ مرحوم کے تین دوست شری کمار جیسوال، مسٹر معراج خان صاحب ایس پی سیکریٹری آفیسر ریلوے پروٹکشن فورس فیروز پور، ڈی ایس پی و دیگر پولیس آفیسرز نے استقبال کیا اور امرتسر سے قادیان تک ساتھ آئے اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی۔ مقامی طور پر سردار ستنام سنگھ باجوہ اور بہت سے غیر مسلم معززین شہر بھی اس موقعہ پر اظہار تعزیت کے لئے موجود تھے۔

مرحوم کا جنازہ پولیس وین میں بڑی عزت و احترام کے ساتھ امرتسر سے قادیان ایک بجے کے قریب لایا گیا۔ نماز ظہر میں ہی اعلان کر دیا گیا کہ نماز جنازہ، سوا پانچ بجے جنازہ گاہ میں ہوگی۔ چنانچہ اس وقت تک تابوت مہمان خانہ میں رکھا گیا۔ وقتِ مقررہ پر مقامی احباب جماعت اور دیگر غیر احمدی و غیر مسلم معززین کی کثیر تعداد جنازہ کو کاندھا دیتے ہوئے مہمان خانہ سے جنازہ گاہ تک لے گئی، جہاں صفوں کی درستی کے بعد محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ امیر جماعت احمدیہ قادیان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرحوم چونکہ موصی تھے اس لئے آپ کو بہشتی مقبرہ کے قطعہ نمبر 9 میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ قبر تیار ہو جانے کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب نے ہی کثیر التعداد حاضرین سمیت دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتُہٗ فِی خِیْرٍ

اَلنَّعِيْم۔ مرحوم کی وفات کی اطلاع ملنے پر مرحوم کے برادر نسبتی مکرم پروفیسر عزیز احمد صاحب بھی قادیان پہنچ گئے۔ اسی طرح مکرم ڈاکٹر سید نعیم احمد صاحب ابن مکرم سید فضل احمد صاحب بھی کینیڈا سے پٹنہ پہنچ گئے۔

مرحوم پروفیسر سید اختر احمد صاحب اختر اورینوی (ڈی لٹ) حضرت مولوی سید وزارت حسین صاحبؓ (صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) بڑے صاحبزادے اور جماعت کے نامور مخلص وجود اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقبول دعاؤں کا زندہ نشان تھے۔ اردو ادب میں نہایت ہی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ہندوستان بھر میں جید عالم مانے جاتے تھے، صفِ اول کے ادیب، نثر نگار، نقاد اور صاحبِ سخن بھی تھے۔ آپ نے بیس سے زائد بلند پایہ علمی کتب لکھیں۔ جن میں مختصر افسانے، تنقید شاعری کا مجموعہ اور ادب لطیف شامل ہے۔ آپ کی تصانیف کا بڑا حصہ آنرز اور ایم۔اے کے نصاب میں شامل ہے۔

جیّد عالم اور مصنف ہونے کے علاوہ آپ مسحور کن فصیح البیان مقرر بھی تھے۔ اپنے مافی ضمیر کو بہترین پیرائے میں بلا جھجک بیان کرنے میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پر سیرت النبی ﷺ کے جلسوں میں خواہ جماعتی ہوں یا غیر احمدیوں کی طرف سے منعقد کئے گئے ہوں۔ ہمیشہ اسی موضوع پر اظہار خیال کو ترجیح دیتے اور بلانے والے بھی آپ کو اسی خصوصیت سے بلایا کرتے۔ جب تک صحت رہی جلسہ سالانہ قادیان کے موقعہ پر اکثر اسلام اور اقتصادیات کے موضوع پر تقریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مخلص صحابی کا بیٹا ہونے اور انہیں کی پاک صحبت میں تربیت پانے کے سبب آپ کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ساتھ نہایت درجہ روحانی تعلق تھا۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ سے بے انتہا محبت بلکہ والہانہ عشق تھا۔ اپنی تعلیم کے دوران 1934ء میں آپ کو ''سل'' کا حملہ ہوا ڈیڑھ سال اٹکی سینٹوریم میں داخل رہے۔ اس وقت اس مرض کا کوئی معین علاج دریافت نہیں ہوا تھا۔ لیکن سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معجزانہ دعا سے آپ اس مرض سے نہ صرف شفایاب ہو گئے بلکہ اس کے بعد آپ کو ایک لمبا عرصہ تک ملک وملت اور جماعت کی نمایاں خدمت بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ 1937ء میں پٹنہ کالج میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے اس جگہ ترقی کرتے ہوئے 1957ء میں یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر اور پھر ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اس کے بعد آخری وقت تک یونیورسٹی گرانٹس کمیشن

کے ریٹائرڈ شدہ مشہور پروفیسر کی خدمات والی اسکیم کے ماتحت کام کرتے رہے۔

جماعت کی جملہ مالی تحریکات میں حصہ لیتے رہے مرحوم حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجلس تحریک جدید و وقف جدید انجمن احمدیہ قادیان کے نامزد ممبر بھی رہے۔ 1972ء کے اوائل میں Parkinson کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ مرض میں کمی بیشی ہوتی ہوتی رہی۔ اس وجہ سے آپ کی تقریری صلاحیت پر بڑا اثر پڑا جس کی وجہ سے آپ پریشان رہتے علاج کے سلسلہ میں آپ کینیڈا بھی گئے تھے مگر مکمل شفا نہ ہو سکی۔

آپ کے جماعتی عظیم کاموں میں وہ عظیم القدر تصنیف ہے جو آپ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت مصلح موعودؓ کی سوانح ''مقام محمودؓ'' کے نام سے شروع کی جس کا نصف حصہ مکمل کر کے آپ ربوہ بھجوا چکے تھے۔ مگر افسوس کے بقیہ نصف مرحوم کی آخری علالت کے سبب مکمل نہ ہو سکا۔ آپ نہایت درجہ اوصاف حمیدہ کے مالک تھے اسلامی غیرت بہت نمایاں تھی۔

افسوس کہ آپ کی کوئی اولاد نہیں اپنے بھائی کے بیٹوں کو ہی اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ مرحوم اپنے پیچھے اپنی بہترین ادبی یادگاروں کے علاوہ ایک بیوہ چھوڑ گئے ہیں۔

ادارہ بدر آپ کی وفات پر آپ کی بیوہ، بھائی اور آپ کے جملہ لواحقین سے دلی تعزیت کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب خاص میں جگہ دے اور آپ کے درجات ہمیشہ ہی بلند ہوتے رہیں۔ آپ کی چھوڑی ہوئی تمام علمی اور روحانی یادگاریں سب احباب جماعت کے لئے روشن مشعل راہ بنتی رہیں۔ آمین۔ (بحوالہ اخبار بدر 7 اپریل 1977ء صفحہ 1)

آپ کی وفات پر اردو دنیا کے مشہور ادیبوں نے افسوس کا اظہار کیا۔ خصوصاً عطا کاکوی اور علامہ جمیل مظہری نے قطعات تاریخ کہے جن سے عیسوی اور ہجری تاریخیں برآمد ہوتی ہیں۔ جمیل مظہری کے قطعہ تاریخ کے آخری دو اشعار درج ذیل ہیں۔

چپ ہے جمیل خستہ حرماں، راہ عدم میں ست خراماں
کہہ اے نطق پشیماں آہ آہ چھپ گئے اختر خاک میں اب

(1977ء)

پوچھا مقام اختر ذیشان ازلب ہاتف بولا رضواں
دیکھو ہے وہ مکرم مہماں قصر شہہ لولاک میں اب

(1392+5=ھ1397)

مزار

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ موصی تھے اور آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی۔ آپ کی قبر قطعہ 9 میں موجود ہے۔آپ کی قبر پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

مزار

محترم پروفیسر ڈاکٹر سید اختر اورینوی صاحب

پسر

حضرت سید وزارت حسین صاحب صحابی ساکن اورین بہار

سلسلہ کے فدائی حضرت مصلح موعودؓ کے فدائی بلند پایہ ادیب، شاعر، نقاد، مصنف تھے۔اُردو کی خدمت میں ناموری حاصل کی۔بڑے غیور مسلمان تھے۔اچھے تعلیم یافتہ طبقہ میں بڑے موثر طریق پر احمدیت کی تبلیغ کرتے تھے۔مساکین کی خبر گیری اور اُن کی مدد کر کے راحت قلبی پاتے۔بڑے مہمان نواز سلسلہ کے علماء اور مبلغین کو اپنے ہاں بڑے شوق سے ٹھہراتے اور خدمت کرتے۔زمانہ طالب علمی میں ایک ناقابل علاج مرض میں مبتلاء ہوئے حضرت مصلح موعودؓ کی دعا سے شفا پا کر قبولیت دعا کا نشان بنے۔مصلح موعودؓ سے والہانہ عقیدت کے اظہار کے لئے کتاب مقام محمود لکھی جس کا تین چوتھائی حصہ مکمل کیا مگر آخری بیماری کے سبب بقیہ مکمل نہ کر سکے۔غیر احمدی بھی اپنے جلسوں میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تقریر کے لئے مدعو کرتے۔جلسہ سالانہ میں ٹھوس تقاریر کرنے کی سعادت پائی۔قادیان سے بے حد محبت رکھتے تھے۔31 مارچ 1977ء میں پٹنہ میں وفات پائی۔2 اپریل 1977ء کو بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

وصیت 13934 عمر 66 سال

مرزا وسیم احمد

مکرم سیّد فضل احمد صاحب

2۔سیدہ زینب بیگم صاحبہ

یہ سید وزارت حسین صاحبؓ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں اور اولاد میں ان کا دوسرا نمبر تھا۔آپ کا تفصیلی ذکر ان کے شوہر مکرم ڈاکٹر منصور احمد صاحب کے ساتھ آئے گا۔

3۔سیدہ رقیہ بیگم صاحبہ

یہ سید صاحب کی دوسری بیٹی تھیں اور اولاد میں ان کا نمبر تیسرا تھا۔آپ کی شادی مکرم سید غلام مصطفیٰ صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔آپ کے حالات آپ کے خاوند کے ذکر کے ساتھ موجود ہیں۔

4۔سید فضل احمد صاحب

سید فضل احمد صاحب اپنے سگے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے اور اولاد میں چوتھے نمبر پر تھے۔ آپ 1922ء میں اورین بہار میں پیدا ہوئے۔جب وہ صرف دو سال کے تھے تو والدہ محترمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔لیکن ان کے والد محترم اور دوسرے رشتہ داروں نے ان کی پرورش انتہائی محبت سے کی۔ آپ بہت ذہین طالب علم تھے۔ ہر امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔پہلے انگلش اور پھر عربی میں ایم اے کیا۔ پھر ہندوستان کے اعلیٰ امتحان انڈین پولیس سروس میں کامیابی حاصل کی اور Assistant Superin tendent(A.S.P) کے عہدہ پر کام شروع کیا۔اور پھر ترقی کرتے کرتے اعلیٰ ترین پوزیشن یعنی Inspector General (S.I.G) پر پہنچ کر ریٹائرڈ ہوئے۔دوران ملازمت وہ بہار کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی رہے لیکن زندگی کے آخری سالوں میں پٹنہ میں رہے اور وہیں سے ریٹائرڈ ہوئے انہوں نے اپنی ملازمت انتہائی ایمانداری اور محنت سے نبھائی۔جس کا خاکسار (شہاب احمد) عینی شاہد ہے آپ اپنی ملازمت میں ہر لحاظ سے کامیاب رہے۔بہار میں اکثر فرقہ وارانہ فسادات ہوتے تھے لیکن وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں اتنے چست تھے کہ ان کے علاقہ میں کبھی فساد نہ ہوا۔

وفات:

محترم سید فضل احمد صاحب کی وفات 20جون 1999ء کو پٹنہ میں ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔آپ کی وفات کے موقع پر محترم ناظر صاحب امور عامہ قادیان کی جانب سے اخبار بدر میں مندرجہ ذیل اطلاع دی گئی:

محترم سید فضل احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ بہار کی وفات۔

بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین پولیس افسران کا اظہار افسوس

قادیان 20 جون پٹنہ سے بذریعہ ٹیلی فون یہ افسوس ناک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ محترم جناب سید فضل احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ بہار اور سابق آئی۔جی بہار وفات پا گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔آپ کے تین فرزند مکرم سید نعیم احمد صاحب، مکرم سید محمود احمد صاحب، مکرم سید محمد طارق صاحب مورخہ 21 جون 1999 کو آٹھ بجے شب آپ کا تابوت لے کر پٹنہ سے قادیان پہنچے جب کہ سید مبارک احمد صاحب اپنی والدہ کے پاس رہنے کی وجہ سے آ نہ سکے۔

اس موقعہ پر جناب عبد الاحد صاحب ایڈیشنل ڈی۔جی۔پی۔ پنجاب جناب لوک ناتھ انگرا ایس۔ ایس۔ پی بٹالہ جناب راجیندر پرشاد ایس پی وی جیلینس جناب ہرجیندر سنگھ ایس۔ ایس۔ پی بٹالہ سردار بلدیو سنگھ۔ ڈی۔ ایس۔ پی قادیان جناب تلک راج ایس۔ایچ۔او۔قادیان اور بڑی تعداد میں دوسرے پولیس والے حاضر ہوئے اور محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر جماعت احمدیہ قادیان اور مرحوم کے صاحبزادگان سے تعزیت کا اظہار کیا۔اس موقع پر پولیس نے سلامی بھی دی۔

مقامی طور پر سردار پرتاپ سنگھ باجوہ صاحب سابق وزیر پنجاب، سردار ترپت سنگھ صاحب باجوہ سابق وزیر پنجاب، سردار حکیم سرون سنگھ جی سابق صدر میونسی پل کمیٹی قادیان اور علاقہ کے بہت سے معززین بھی شریک ہوئے اور اظہار تعزیت کیا۔

مغرب کی نماز کے بعد جنازہ گاہ بہشتی مقبرہ میں مرحوم کی نماز جنازہ مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلی و امیر مقامی قادیان نے پڑھائی۔جس میں قادیان کے احمدی کثرت سے شریک ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے نیز لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین۔

(ہفت روزہ اخبار بدر قادیان بتاریخ 18 جولائی 1999ء)

مزار

آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان قطعہ نمبر 11 میں ہوئی۔آپ کی قبر پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

مزار

محترم سید فضل احمد صاحب

ابن محترم حضرت سید وزارت حسین صاحب صحابیؓ ساکن اورین حال پٹنہ بہار

مرحوم موصوف کو مختلف رنگ میں جماعت کی خدمات کی توفیق ملی۔ پہلے آپ مصلح موعود کے زمانہ میں بطور لیکچرر تعلیم الاسلام کالج میں خدمت بجالاتے رہے۔ اس کے بعد حضرت مصلح موعود کی خواہش پر I.P.S میں خدمت کو ترجیح دی اور ترقی کرتے ہوئے ڈائرکٹر جنرل پولیس (بہار) کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ ممبر صدر انجمن احمدیہ قادیان اور صوبائی امیر بہار کے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نے تین خلفاء کا زمانہ پایا۔ اور اُن کی شفقت کے حامل رہے۔ مرحوم صوم صلوٰۃ کے پابند، نیک مزاج، خلافت احمدیہ کے فدائی اور خدمت خلق کے کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ آپ نے تازندگی دین کو دنیا پر ترجیح دی۔ اپنے حلقہ احباب میں اسلام کے خدمت گذار وفدائی تسلیم ہوتے رہے۔

وصیت نمبر 6805/1943/5/4

وفات 20 جون 1999ء عمر 75 سال

شادی

مکرم سید فضل احمد صاحب کی مکرمہ سیدہ صوفیہ صاحبہ بنت مکرم شاہ توحید احمد صاحب ساکن ارول سے ہوئی۔ یہ اپنے بھائی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھیں۔ آپ کی بڑی بہن شکیلہ اختر صاحبہ قبل ازیں سید فضل صاحب کے بڑے بھائی اختر اورینوی صاحب سے بیاہی گئی تھیں۔

آپ کے بارے میں آپ کے بیٹے مکرم سید محمود احمد صاحب نے ایک مضمون بعنوان ''میری والدہ محترمہ صوفیہ فضل کی محبت بھری یاد میں'' اخبار بدر قادیان میں شائع کیا ہے۔ احباب کے استفادہ کے لئے وہ درج کیا جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

''میری والدہ مرحومہ محترمہ جن کا نام صوفیہ فضل صاحبہ ہے آپ مکرم شاہ توحید احمد صاحب ساکن ارول (Arwal) بہار اور محترمہ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہ کی بیٹی تھیں۔ محترمہ نانی جان یعنی صالحہ بیگم صاحبہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی صحابیہ تھیں۔ نانی جان کو بڑی چھوٹی عمر میں اپنے

والد سید ارادت حسین صاحب کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ہی قادیان جانے کا موقع ملا۔

خاکسار کی والدہ صوفیہ فضل صاحبہ کی پیدائش 5 مارچ 1930 میں ارول (Arwal) بہار میں ہوئی آپ کی تعلیم چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی ساری کی ساری گھر پر ہی ہوئی۔ شادی سے قبل والدہ صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کرلیا تھا اور باقاعدگی سے مطالعہ کیا کرتی تھیں اسی طرح لجنہ اماء اللہ کی طرف سے مسیح موعودؑ کی کُتب کے امتحانات بھی دیا کرتی تھیں۔ آپ کو سلسلہ کی اور بالخصوص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب سے خاص شغف تھا۔ آپ کی شادی سید فضل احمد صاحب مرحوم ابن مکرم سید وزارت حسین صاحب صحابی ساکن اُرین بہار کے ساتھ 1945 میں ہوئی اور ان دونوں کا ساتھ 55 سال تک رہا۔ خاوند اور خصوصاً ڈاکٹر پروفیسر سید اختر احمد صاحب اُرینوی مرحوم جو آپ کے بڑے بہنوئی بھی تھے اُن کا آپ کے کردار پر گہرا اثر رہا۔

شادی کے بعد کی ابتدائی زندگی آپ نے والد صاحب کے ساتھ قادیان دارالامان میں گزاری اس وقت والد صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان میں لیکچرر ہوا کرتے تھے۔ آپ چھوٹی عمر کی تھیں اُس وقت آپ دارالمسیح بھی جایا کرتی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بہن امتہ الباسط صاحبہ آپ کی سہیلی تھیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو اکثر پیار سے صوفیہ بیٹی کہہ کر پکارا کرتے تھے اور پھر بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو صوفیہ آپا کہا کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے 1991ء کے تاریخی سفر ہندوستان کے موقع پر دہلی میں حضور انور کی Security کی ذمہ داری والد صاحب کے ذمہ تھی اسی طرح والدہ محترمہ کے سپرد طعام کی تمام تر ذمہ داریاں لگائی گئی تھیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم اور حضرت بیگم صاحبہ سے خصوصی اُنس اور محبت تھی۔ حضرت صاحبزادہ میاں کلیم احمد صاحب کئی سال پٹنہ میں والدہ صاحبہ کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ والدہ محترمہ شروع سے ہی لجنہ اماء اللہ کی فعال ممبر رہیں اور اِسی وجہ سے آپ کو مختلف خدمات کا بھی موقع ملتا رہا۔ 1991ء سے 2006ء تک صوبہ بہار کی صدر لجنہ اماء اللہ رہیں اور 1999ء یعنی والد صاحب کی وفات تک والد صاحب کے ساتھ جماعتی دوروں پر جاتی رہیں۔ 2006ء میں جب والدہ مرحومہ کی صحت زیادہ خراب رہنے لگی تو کئی بار آپ نے یہ ارادہ کیا کہ حضور انور سے اجازت لیکر

صدارت کے عہدہ سے معذرت کر دیں لیکن اخلاص اور خدمتِ دین کا ایسا جذبہ تھا کہ جرأت نہ ہو سکی۔ پھر کچھ عرصہ بعد جب صحت نے ساتھ نہ دیا نیز جماعتی کاموں میں بھی حرج ہونے لگا اور پڑھنا اور لکھنا بھی دشوار ہو گیا تو سارے بیٹوں سے مشورہ کر کے معذرت کی درخواست حضور کی خدمت میں بھجوائی۔

آپ دل کی مریضہ تھیں اور دو مرتبہ ہارٹ سرجری بھی ہو چکی تھی اِس کے باوجود صوبہ بہار کی لجنہ کی تنظیم کو فعال کرنے کے لئے والد صاحب کی وفات کے بعد بھی دور دراز علاقوں کا سفر کیا کرتی تھیں۔ صوبائی اجتماعات کی تیاری، لجنہ کی ممبرات سے ملاقات نیز چندوں کی بروقت ادائیگی کا خاص خیال رکھا کرتی تھیں۔ ایک طویل عرصہ قادیان میں رہنے کا موقع ملا اِس لئے قادیان دارالامان کی بستی سے آپ کو بے انتہا محبت تھی۔ ہر سال جلسہ سالانہ قادیان میں شوہر اور بچوں کے ساتھ شریک ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھیں اور عمر کے آخری حصہ تک آپ کا یہ معمول رہا۔

جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر ہمارے گھر پٹنہ میں عید جیسا ماحول ہوا کرتا تھا جیسے جلسہ سالانہ کا پروگرام دوستوں کو دکھانا، عالمی بیعت والے دن احباب جماعت کے لئے کھانے کا انتظام کرنا نیز مٹھائی تقسیم کرنا ہر سال کا معمول بن گیا تھا۔ والدہ موصیہ تھیں اور چندوں کی بروقت ادائیگی کی پابند تھیں۔ وفات سے قبل خاکسار سے حصہ جائداد کی ادائیگی کے تعلق سے بڑے اضطرار سے ذکر کیا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار کو یہ سعادت ملی کہ امی جان کی زندگی میں ہی مجھے قادیان جا کر امی کے حصہ جائداد کی ادائیگی کی توفیق ملی۔ قادیان سے حصہ جائداد کی ادائیگی کے بعد جب میں نے واپس جا کر امی جان کو اُنکے حصہ جائداد کی ادائیگی کا سرٹیفکیٹ دیا تو اُس وقت امی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اور اِس وجہ سے امی جان خاکسار کو ہمیشہ دعائیں دیا کرتی تھیں۔

شادی سے لیکر وفات تک نصف صدی کا عرصہ آپ اپنے شوہر سید فضل احمد صاحب کے ساتھ اُن کے سفر زندگی میں ایک رفیقہ اور اُنکی ہر خوشی و غم میں ان کی برابر کی شریک رہیں۔ محترم والد صاحب ایک اعلیٰ پولیس افسر تھے اس لئے ان کی زندگی بہت زیادہ مصروف رہتی تھی لیکن اس کے باوجود والدہ صاحبہ ان کی ہمیشہ خدمت کیا کرتی تھیں۔ اکثر صبح کے وقت جب والد صاحب باہر برآمدہ میں بیٹھ کر داڑھی بنایا کرتے تو اُسی دوران وہ والد صاحب کو اخبار بدر اور اردو اخبار پڑھ کر سنایا کرتی تھیں اور اخبار بدر کی خبروں کے ساتھ

ساتھ تمام اشتہار بھی پڑھ کر سنایا کرتی تھیں اُسی دوران بچوں کو بھی ساتھ جمع کر لیا کرتیں تاکہ ان کی بھی تربیت ہو جائے۔ ملازمت کے سلسلہ میں والد صاحب اکثر دورہ پر جاتے تو آپ بھی ان کے ہمراہ دورہ پر جاتی تھیں تا سفر میں والد صاحب کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔

ملازمت میں کئی ایسے مواقع آئے جب کہ والد صاحب کو بہت سی دشواریاں پیش آئیں۔ ان مشکلات کے وقت بھی آپ ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں اور ساتھ مل کر پوری پوری رات پریشانیوں کے ازالہ کیلئے دعا کیا کرتیں۔ والد صاحب کی زندگی کے آخری حصہ میں جبکہ آپ بہت زیادہ بیمار تھے موصوفہ والد محترم کی تیمارداری کرتی رہیں اور ان کے آرام کا ہر ممکن انتظام کیا جبکہ آپ خود دل کی مریضہ تھیں یہاں تک کہ دو مرتبہ دل کا بائی پاس آپریشن بھی ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود والد صاحب کی خدمت کا ہی خیال آپ کے ذہن میں ہوتا۔ والد صاحب دفتری کاموں میں بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ ہم سے بھی سینئر ہیں اور ان کو ہم سے بھی زیادہ پولیس کے محکمہ کی معلومات ہیں۔ والد صاحب آپکو آپکی خدمات اور خدا تعالیٰ سے گہرا لگاؤ رکھنے کی وجہ سے اکثر رابعہ بصری کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ موصوفہ کو Policemen's Wife Welfare Association کی چیئرمین ہونے کی وجہ سے خدمت کا بھی موقع ملا جس کے تحت موصوفہ نے پولیس افسران کی بیواؤں اور غرباء کی مدد بھی احسن رنگ میں کی۔ اسی طرح بہار کے گورنر کی اہلیہ کے ہمراہ مل کر کئی سالوں تک بہار کی خواتین امداد کمیٹی کی ممبر کی حیثیت سے خدمات بھی بجالاتی رہیں۔

موصوفہ اپنے بھائی اور بہنوں کی بھی بہت زیادہ خدمت کیا کرتی تھیں اور ہمیشہ ان کا ہر لحاظ سے خیال رکھا کرتی تھیں۔ آپکو کھانا پکانے نیز کھلانے کا بھی بڑا شوق تھا جب گھر میں کوئی مہمان آتا تو آپ کا یہ شوق دیکھنے لائق ہوا کرتا تھا۔ والدہ محترمہ میں مہمان نوازی کا وصف بڑا نمایاں تھا آپ بالخصوص واقفین زندگی اور مبلغین اور معلمین کی بہت زیادہ عزت کیا کرتی تھیں اور ان کی مہمان نوازی کیا کرتی تھیں نیز سلسلہ کے ہر فرد کی بے حد عزت کیا کرتی تھیں اور مرکز قادیان سے آنے والے تمام مہمانان کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں اور مہمان نوازی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی تھیں۔ پٹنہ میں اُس وقت صدر انجمن کا کوئی مشن ہاؤس نہیں تھا اس لئے ہمارے گھر پر ہی ایک کمرہ مبلغین اور بزرگان جماعت کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ نماز جمعہ اور دیگر اجتماعی نمازوں

کے لئے ایک بڑا ہال بھی الگ سے رکھا گیا تھا جس کی تعمیر میں والدہ صاحبہ نے انتھک محنت کی تھی۔والد صاحب کے سروس کے دوران اور سروس کے بعد بھی ہمارے گھر پر عیدملن کا پروگرام ہوا کرتا تھااور اس پروگرام میں آپ ہر طرح سے پیش پیش رہا کرتی تھیں۔اُس وقت عیدملن کے پروگرام میں جوشامل ہوا کرتے تھے آج بھی اگر وہ ملاقات کرتے ہیں تو والدہ محترمہ کی مہمان نوازی کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔

آپ کے تین (3) بچے بہت چھوٹی عمر میں وفات پا گئے لیکن آپ نے ان حالات میں بھی بڑے صبر اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار (4) لڑکوں کی نعمت سے نوازااور آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُن کی بے حد احسن رنگ میں تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور ہر ممکن کوشش بھی کی۔دینی و دنیوی تعلیمات کا آپ نے پورا پورا خیال رکھا۔خاکسار کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید نعیم احمد حال مقیم امریکہ یاد کرتے ہیں کہ امی جان ہمیشہ تربیت کے متعلق یہ کہا کرتی تھیں کہ میں تمہیں سونے کا نوالہ کھلاؤں گی لیکن تربیت کے لحاظ سے تم پر شیر کی نظر رکھا کروں گی۔اسی طرح والدہ محترمہ کی چھوٹی بہنوں کا کہنا ہے کہ آپ بے حد باوقار، پُر اثر اور شوہر اور بچوں سے محبت کرنے والی تھیں اور بھائی بہنوں سے بھی حد درجہ محبت کا سلوک کرتی تھیں نیز آپ ایک نہایت مضبوط عزم و ہمت رکھنے والی خاتون تھیں۔

والدہ محترمہ کی وفات مورخہ 1 جنوری 2009 کو پٹنہ بہار میں ہوئی۔وفات کے بعد آپ کا تابوت قادیان لایا گیا جہاں محترم محمد انعام غوری صاحب ناظر اعلیٰ قادیان نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔اللہ تعالیٰ والدہ محترمہ کو اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔آمین

(اخبار بدر قادیان 25 اگست 2016ء صفحہ 11)

اہل وعیال واولاد

مکرم فضل صاحب 20 جون 1999ء کے دن اور مکرمہ صوفیہ صاحبہ یکم جنوری 2009 کے دن پٹنہ میں وفات پا گئیں۔دونوں موصی تھے بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین عمل میں آئی۔آپ کے تین بچے کم سنی میں فوت ہو گئے۔چار بچے زندہ ہیں۔ان کے نام بالترتیب یوں ہیں۔

1۔مکرم سید نعیم احمد صاحب 1946ء میں پیدا ہوئے۔اس وقت امریکہ میں کامیاب سرجن ہیں۔اب

ریٹائرڈ ہیں۔

2۔مکرم سید محمود احمد صاحب 1953ء میں پیدا ہوئے اس وقت britsh tobaco میں ملازمت میں ہیں اس وقت دہلی میں مقیم ہیں۔قبل ازیں امیر جماعت احمدیہ کولکاتا کے طور پر خدمت کی توفیق مل چکی ہے۔

3۔مکرم سید طارق احمد صاحب ولادت 1955ء یہ ہندوستان کے کئی مرکزی محکمہ میں ملازم ہیں۔ سردست پٹنہ میں انکم ٹیکس کی انتہائی اعلیٰ پوسٹ پر فائز ہیں اور ایک بڑے علاقہ کے نگران ہیں۔

4۔مکرم سید مبارک احمد ولادت 1958ء یہ بھی کامیاب سرجن ہیں اس وقت امریکہ میں مقیم ہیں۔

حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ کی دوسری شادی

مکرم سید وزارت حسین صاحبؓ کی دوسری شادی جماعت احمدیہ کے معروف عالم دین مکرم مولانا عبد الماجد صاحب بھاگلپوری کی نواسی مکرمہ سیدہ صابرہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔مکرمہ صابرہ بیگم صاحبہ کی والدہ محترمہ کا نام مکرمہ رقیہ بیگم صاحبہ تھا۔جو مکرم مولانا عبد الماجد بھاگلپوری کی بیٹی تھیں۔اس طرح مکرمہ سیدہ سارہ بیگم صاحبہ حرم سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ مکرمہ سیدہ صابرہ بیگم صاحبہ کی سگی خالہ تھیں۔افسوس باوجود کوشش کہ میں سیدہ صابرہ بیگم صاحبہ کے والد محترم کا نام نہ معلوم کر سکا۔سیدہ صابرہ بیگم کی وفات کراچی میں ہوئی مورخ احمدیت مرحوم دوست محمد شاہد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔

اولاد:

محترم سیدہ وزارت حسین صاحبؓ کو مکرمہ صابرہ صاحبہ کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔

(1) مکرم ڈاکٹر سید محسن احمد صاحب۔

(2) مکرم سید منور احمد صاحب

(3) مکرم سید مبشر احمد صاحب

(4) مکرم سید انور احمد صاحب

مکرم ڈاکٹر سید محسن احمد صاحب

آپ کے بارے میں آپ کے بھائی سید منور احمد صاحب ساکن اورین بہار لکھتے ہیں کہ ”خاکسار کے
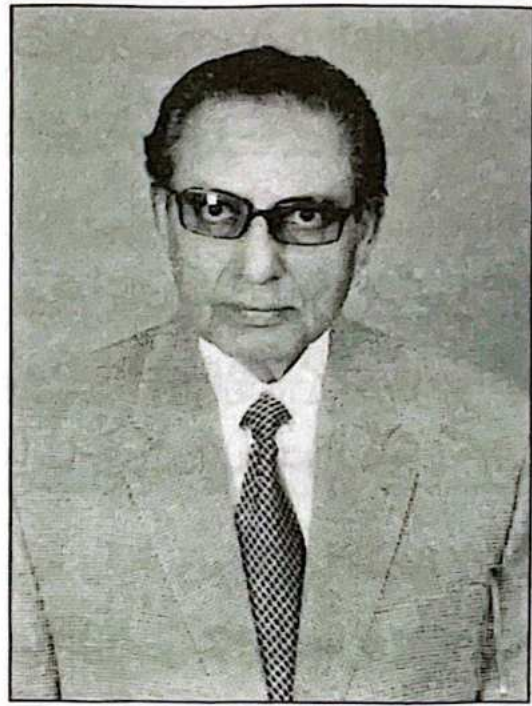
سیّد محسن احمد صاحب

سیّد مبشر احمد صاحب

سیّد انور احمد صاحب

سید منوّر احمد صاحب

بڑے بھائی ڈاکٹر سید محسن احمد صاحب کی پیدائش نومبر 1933ء کو بمقام بھاگلپور بہار میں ہوئی تھی، جہاں آپ کا ننہال تھا۔آپ نے قرآن مجید اور اردو کی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم گھر میں حاصل کی۔سیکنڈری اسکول کی تعلیم ضلع اسکول مظفر پور اور انٹر میڈیٹ کا ڈپلوما علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے حاصل کی۔بعدہ ڈھاکہ یونی ورسٹی سے ایم۔بی۔ایس کی ڈگری 1958ء میں حاصل کی۔بعدہ آپ نے بلفاسٹ انگلینڈ سے میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔اور 1986ء میں واپس پاکستان آکر سکونت اختیار کرلی۔کراچی میں آپ کو مختلف ہسپتالوں میں کام کا موقعہ ملا۔آپ کو اپنے کیریئر کے آغاز سے ہی مختلف رنگ میں جماعتی خدمات کا موقعہ ملا۔ آپ ایک عرصہ تک احمدیہ میڈیکل ایسوسئشن کراچی کے صدر رہے۔اسی طرح فضل عمر ویلفئر سوسائٹی کراچی کے چیئر مین کی حیثیت سے مختلف معالجاتی خدمات کی توفیق ملی۔اسی طرح ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر ہسپتال جس کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے رکھی تھی۔آپ اس ہسپتال میں شروع سے ہی جڑے رہے۔

آپ کی وفات 13 فروری 2014ء کو کراچی میں ہوئی۔آپ کی نماز جنازہ اُسی روز بعد نماز ظہر مربی سلسلہ مکرم مولانا عثمان صاحب نے پڑھائی۔سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کی نماز جنازہ غائب 27 فروری بعد نماز ظہر مسجد فضل لندن میں پڑھائی۔

آپ کی شادی 1963ء میں مکرم چوہدری سردار صاحب کی صاحبزادی ڈاکٹر رشیدہ احمد صاحبہ سے ہوئی۔آپ کے دو بیٹے مکرم سید حارث احمد ساکن شکاگو، اور مکرم سید رفیع احمد صاحب ساکن کراچی اور ایک بیٹی مکرمہ ڈاکٹر شیما احمد صاحبہ مقیم مانچیسٹر ہیں۔

مکرم سید منور احمد صاحب

آپ کا اپنے سگے بھائیوں میں دوسرا نمبر ہے۔آپ کی تاریخ پیدائش 1938ء کی ہے۔آپ نے B.Sc in agriculture science کیا ہے۔کئی سالوں تک بہار کے ایگریکلچر ڈیپارٹمنٹ میں کام کیا۔کسی وجہ سے ملازمت سے وقت سے قبل پینشن لے لی اور اپنے آبائی گاؤں میں سکونت اختیار کرلی۔ اپنے خاندانی پیشہ کاشت کاری کو سنبھالا اور اُس کے اردگرد کے علاقہ میں تبلیغ کا بہت اچھا کام کیا۔اور ین کے قریبی علاقہ مثلاً کجرہ وغیرہ میں جو بیعتیں ہوئی ہیں۔اس میں آپ کا انتہائی اہم کردار ہے۔مکرم سید وزارت حسین صاحبؓ کے بیٹوں میں سے صرف وہی اپنے گاؤں میں مقیم ہیں بقیہ اولاد یا تو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکی ہے یا دوسری جگہوں میں آباد ہے۔

مکرم سید مبشر احمد صاحب

آپ کا اپنے سگے بھائیوں میں تیسرا نمبر ہے۔آپ کی تاریخ پیدائش 1943ء ہے۔تعلیم .ایم .ایس سی ہے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد یہ ہندوستان میں ملازمت کرتے رہے پھر سعودی عربیہ میں ملازمت کی ۔ کچھ سالوں قبل معاندین احمدیت کی سازش کے تحت وہاں کی حکومت نے کچھ احمدیوں کو ملک بدر کر دیا جس میں مکرم سید مبشر احمد صاحب بھی شامل تھے۔اکثر احمدی تو پھر واپس عرب جانے میں کامیاب ہوئے لیکن مکرم سید مبشر احمد صاحب نہ جا سکے۔شاید اس وجہ سے کہ وہ وہاں پر جماعت کے صدر تھے۔

جماعتی خدمات: آپ ایک لمبا زمانہ تک سعودی عرب میں مقیم رہے۔ جہاں تین سال تک آپ کو سیکریٹری اصلاح ارشاد کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔بعدہ سعودی عرب میں ایک حصہ میں بحیثیت امیر کے طور پر خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔بعدہ آپ حیدر آباد آ گئے۔آپ کی اہلیہ مکرم عبداللہ صاحب ساکن حیدر آباد کی بیٹی ہیں۔حیدر آباد میں امیر جماعت مکرم عارف قریشی صاحب کی عاملہ میں آپ کو 2008 سے 2010ء تک سیکریٹری اشاعت کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔اس وقت آپ حیدر آباد کی مجلس عاملہ میں آڈیٹر کے طور پر خدمت بجالا رہے ہیں۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں مکرم سید فواز احمد اور مکرم سید طارق احمد سے نوازا ہے۔دونوں شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

مکرم سید انور احمد صاحب

آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔آپ کی تاریخ پیدائش 10 فروری 1947ء ہے۔ بہار یونیورسٹی سے طبیعات (فزکس) M.s. کیا۔آپ کو بارہ سال نائیجیریا میں ملازمت کا موقعہ ملا۔بعدہ صوبہ اُڑیسہ میں سرکاری ملازمت کی۔اب ملازمت سے پنشن یافتہ ہیں اُڑیسہ کے شہر بھونیشور میں مقیم ہیں اور جماعتی خدمات کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مل رہی ہے۔آپ کی شادی محترمہ حسنیٰ بیگم صاحبہ بنت مکرم ڈاکٹر علی بیگ صاحب ساکن نیا گڑھ اُڑیسہ کے ساتھ ہوئی۔آپ پیدائشی احمدی ہیں۔آپ کی خوشدامنہ کا نام رحمت النساء بیگم صاحبہ تھا۔آپ کے نانا مرحوم خان بہادر مصاحب خان صاحب آئی سی ایس کیرنگ تھے۔

اولاد:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا مکرم سید احسن احمد صاحب اور دو بیٹیاں مکرمہ ڈاکٹر سائرہ احمد صاحبہ ساکن امریکہ،اور مکرمہ ڈاکٹر سارباب احمد صاحب عطا کی ہیں۔

حضرت سیّد ارادت حسین صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت سید ارادت حسین صاحبؓ

پیدائش 1880ء   وفات 2 نومبر 1931ء

سید وزارت حسین صاحبؓ اور آپ کے خاندان کے ذکر کے بعد خاکسار آپ کے منجھلے بھائی سید ارادت حسین صاحبؓ اور ان کے اہل وعیال کا ذکر خیر کرنا چاہتا ہے۔ سید وزارت حسین صاحبؓ نے اپنے مضمون ''ذکر حبیب'' میں ذکر فرمایا ہے کہ جب وہ 1903ء میں دوسری دفعہ قادیان گئے تو ان کے بھائی سید ارادت حسین صاحبؓ ان کی اہلیہ سیدہ رؤوف النساء اور انکی تین بچیاں بھی ساتھ تھیں۔ ان بچیوں میں سب سے بڑی سیدہ میمونہ بیگم، دوسری سیدہ صالحہ بیگم اور تیسری بچی انتہائی صغرسنی میں فوت ہوگئی۔ جس کا نام مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ سید ارادت حسین صاحبؓ کے بیٹے سید ڈاکٹر منصور احمد صاحب اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔

سید ارادت حسین صاحبؓ راقم الحروف کے نانا تھے۔ خاکسار کی پیدائش 17 نومبر 1929ء کی ہے اور سید ارادت حسین صاحبؓ کی تاریخ وفات 2 نومبر 1931ء کی ہے چونکہ آپ کی وفات کے وقت خاکسار کی عمر صرف دو سال کی تھی اس لئے غالباً میں نے انہیں نہیں دیکھا اور اگر دیکھا تو ان کے متعلق کچھ یاد نہیں۔ ہمارے رشتہ داروں میں کیا احمدی اور کیا غیر احمدی سب سے ان کی تعریف ہی سنی۔ انہیں علم کے ساتھ ساتھ باغبانی کا بہت شوق تھا۔ اگرچہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت اپنے چھوٹے بھائی سید وزارت حسین صاحبؓ کے دو سال بعد یعنی 1903ء میں کی۔ لیکن اوپر کی تحریرات سے ظاہر ہے کہ وہ حضور کی صداقت کے قائل اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ 1901ء میں ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے چھوٹے بھائی سید وزارت حسین صاحبؓ قادیان جا کر بیعت کر چکے ہیں، تو انہوں نے اپنے بھائی کو مبارک باد کا خط لکھا۔

خلیفہ وقت سے محبت:

آپ کے خلوص اور خلیفہ وقت کے ساتھ محبت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب 1910ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ گھوڑے سے گر گئے تھے اور علاج کے علاوہ دعاؤں اور صدقات کا سلسلہ شروع ہوا تو سید ارادت حسین صاحبؓ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ یاالٰہی میری عمر دو سال کم ہو کر

حضرت صاحب خلیفۃ المسیح الاول ؓ کو مل جائے ۔الحمد للہ کہ انہیں دعاؤں اور صدقات کی بدولت حضور کو صحت عطا ہوئی ۔اس واقعہ کے متعلق تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 331 میں درج ہے

''سید ارادت حسین صاحب مونگھیری نے اپنی دعا میں جناب باری تعالیٰ سے التجا کی کہ میری عمر دو سال کم ہو کر حضرت صاحب کو مل جائے ان دعاؤں کے علاوہ دوستوں نے صدقہ خیرات بھی کثرت سے کیا۔''

ذی علم وجود:

حضرت سید ارادت حسین صاحب ؓ نہایت نیک اور ذی علم وجود تھے ۔آپ کے چند مفید اور علمی مضامین اخبار الحکم اور بدر میں شائع ہوئے ہیں۔

آپ دین اسلام اور بانئ اسلام کے لئے دل میں ایک غیرت اور جوش رکھتے تھے ،مونگھیر میں بعض پادریوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں کا آپ کو علم ہوا آپ نے دینی غیرت کی وجہ سے ان پادریوں کو بائبل دی اور جوابات دئے اس کی تفصیل میں آپ لکھتے ہیں کہ:

''یہاں کے بعض پادری مسلمانوں کو بہکایا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی پیشگوئیاں بائبل میں نہیں ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے ایک خط مشن میں بھجوایا کہ اگر وہ بشارت سننا چاہیں تو آئیں اور ہم سے بشارت سنیں اور اگر اس پر کچھ عذر ہو تو بحث کریں۔ چنانچہ ایک دن پادری جون پال صاحب آئے، میں نے استثناء 18 کی بشارتیں پیش کیں اور اس پر مختصر تقریر کر کے سمجھایا کہ وہ بشارت سوائے رسول مقبول ﷺ کے کسی کے لئے نہیں ہو سکتی ہے۔ پادری صاحب پہلے تو درمیان میں تقریر میں کچھ ٹوکتے ٹاکتے رہے لیکن میں نے جب تقریر ختم کر کے جواب طلب کیا تو بالکل خاموش ۔انہوں نے کہا ہم اس کا جواب کل پادری صاحب (یعنی بڑے پادری صاحب) سے اجازت لے کر دیں گے اور یہ مناظرہ عام جلسہ میں ہونا چاہیے۔ میں نے کہا اچھا۔'' (الحکم 17 اگست 1901 صفحہ 10 کالم 1)

اس کے بعد آپ کا ایک پادری مچل صاحب کا مشن اسکول مونگھیر میں مناظرہ ہوا جس کی روئیداد آپ نے اخبار الحکم میں چھپوائی ہے۔ یہ روئیداد اخبار الحکم اگست ستمبر اور اکتوبر 1901ء کے بعض پرچوں میں قسط وار شائع ہوئی ہے۔اس روئیداد سے آپ کے علمی معیار اور دینی علوم سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ گہرا علم رکھنے والے وجود تھے۔

اسی عرصہ میں کچھ لوگوں نے آپ کے بھائی سید وزارت حسین صاحبؓ سے چند سوالات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے متعلق دریافت کئے، آپ نے وہ سوالات فوراً حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کی خدمت میں بھجوادئے جس کے جوابات حضرت مولوی صاحب نے واپس ارسال کئے، اخبار الحکم میں بھی چھپوائے۔ اور حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں بھی سنائے جس پر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ وہ جوابات جو سید وزارت حسین صاحب کو پہنچے تھے تو انہوں نے ایڈیٹر الحکم کے نام لکھا:

''ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبراکاتہ

مولوی عبدالکریم صاحب کا خط میرے نام سے جو آپ کے اخبار 24 جولائی میں چھپا ہے۔ وہ ان سوالات کا پوار جواب ہے جو میں نے ان کے پاس بھیجے تھے اور میں اُس کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور خدا کا شکر بجالایا۔

ناظرین یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ سوالات میں نے خود بھیجے تھے بلکہ وہ سوالات یہاں کے لوگوں کی طرف سے تھے جو میرے ذریعہ سے لکھے گئے، میں تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کے امام ہونے پر دلی یقین کے ساتھ ایمان رکھتا ہوں اور ہمیشہ رکھوں گا اور میں ان سوالوں کا خود جواب دے سکتا تھا مگر یہاں کے لوگوں کی یہی خواہش ہوئی کہ جوابات قادیان ہی سے آویں۔ اس وجہ سے میں نے مولوی عبدالکریم صاحب کے پاس بھیج دئے تھے جس کا انہوں نے کافی وشافی جواب دیا۔ والسلام

راقم

عاجز وزارت حسین احمدی۔ مونگھیر۔ بنگال

(الحکم 31 اگست 1901ء صفحہ 10 کالم 2)

اسی طرح اخبار بدر 5 دسمبر 1912ء میں آپ کا یعنی سید ارادت حسین صاحب کا چار صفحاتی مضمون بعنوان ''وفات مسیح'' شائع ہوا ہے، جس سے آپ کے مطالعہ انجیل کی گہرائی کا علم ہوتا ہے کہ کس طرح تحقیق وترتیب سے آپ نے حوالاجات اکٹھے کر کے اس مضمون کو مدلل بنایا ہے۔

تصنیفات

سید ارادت حسین صاحب کا علمی ذوق بہت بلند تھا۔آپ کئی کتب کے مصنف تھے۔آپ کی کتابوں کے بارے میں علم ہمیں مکرم عبد العظیم صاحب درویش پروپرائٹر احمدیہ بک ڈپو کی جانب سے شائع شدہ کتابچہ ''وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ'' سے ہوا ہے۔اس کتابچہ کے صفحہ نمبر 8اور 9میں سید صاحب کی مندرجہ ذیل کتب کا نام درج ہے۔

(1)صحبت قاطعہ (2) شہاب ثاقب (3)النبوۃ فی الاسلام (4) قول حق (5) معیار نبوت (6) اثبات النبوۃ۔

آپ کی تصنیف النبوۃ فی الاسلام کی بارے میں اخبار الفضل میں ریویو شائع ہوا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔اخبار مذکورہ تحریر کرتا ہے کہ

'' النبوۃ فی السلام'' اس نام سے مولوی سید ارادت حسین صاحب احمدی رئیس موضع اورین ضلع مونگھیر صوبہ بہار نے ایک ساٹھ صفحہ کا رسالہ شائع فرمایا ہے۔جس میں آپ نے مسئلہ ختم نبوت پر نہایت عمدگی اور خوبی سے بحث کی ہے اور قرآن کی آیات احادیث اور صحیحہ اور اقوال صلحاء سے ثابت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد آپ کی اُمت کے لئے دروازہ نبوۃ بند نہیں بلکہ آپ کی کامل اتباع سے درجہ نبوۃ حاصل ہوسکتا ہے۔اس کے ساتھ ہی مصنف موصوف مولوی محمد علی صاحب مونگھیری جس نے اس نواح میں سلسلہ احمدیہ کے خلاف بہت فتنہ پھیلایا ہوا ہے کہ ان مضامین کا دندانشکن جواب دیا ہے۔ جو انہوں نے مسئلہ ختم نبوت پر لکھے ہیں۔ قیمت رسالہ پر درج نہیں احباب مندرجہ بالا پتہ سے منگوا کر ضرور ملاحظہ فرمائیں۔''

(الفضل 10 ستمبر 1918ء صفحہ 5)

میرے علم کے مطابق ''قول حق'' آپ کی آخری تصنیف تھی۔جو آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ ان کی یہی ایک کتاب خاکسار نے اسکول کے زمانہ میں پڑھی تھی۔جس پر 65سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔اس لئے اب اس کے مضمون کے بارے میں کچھ یاد نہیں۔

1903ء میں آپ اپنے بھائی سید وزارت حسین صاحب ؓ کے ساتھ قادیان میں حاضر ہوئے۔اخبار

بدر میں ''فہرست اصحاب جو کہ ان دنوں قادیان میں آئے'' کے تحت آپ دونوں بھائیوں کے نام بھی درج ہیں:

''میاں وزارت حسین صاحب از مونگھیر بنگال

میاں ارادت حسین۔''

(بدر 23/30 جنوری 1903ء صفحہ 8 کالم 3)

احمدیوں سے خصوصی محبت:

حضرت سید ارادت حسین صاحبؓ کے دل میں احمدیوں کے لئے بہت محبت تھی، 1911ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایک تبلیغی دورہ پر ضلع مونگھیر اور اس کے اردگرد کے بعض علاقوں میں تشریف لے گئے ۔ چنانچہ دورہ کے دوران ایک رات اورین بھی قیام فرمایا۔ مرکز سلسلہ سے آئے ہوئے مہمانوں کو دیکھ کر حضرت سید ارادت حسین صاحبؓ اور آپ کا سارخاندان بہت خوش تھا۔ حضرت مفتی صاحبؓ اپنے اس دورے کی رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''سورج گڑھ سے ہم اورین آئے اور وہاں کے رئیس جناب سید ہدایت حسین صاحب کے مکان پر شب باش ہو کر صبح بھاگلپور روانہ ہوئے۔ ہمارے اکثر احباب اُن دونوں بھائیوں سے واقف ہوں گے جو ابتدائے احمدیت میں اپنے بعض اہل اور اقرباء کے ہاتھوں تنگ آ کر قادیان چلے آئے تھے اور یہاں ایک لمبا عرصہ قیام پذیر رہے تھے۔ سید ارادت حسین صاحب جو کتب خانہ سید حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں کام کیا کرتے تھے اور سید وزارت حسین صاحب جو کہ دفتر میگزین میں کام کرتے تھے، سید ارادت حسین صاحب کے اہل بیت بھی یہاں ساتھ تھے۔ یہ قصبہ اورین انہیں بزرگوں کا اصل وطن ہے اور سید ہدایت حسین صاحب ان کے والد کا اسم شریف ہے۔ اب ان کا سارا خاندان سلسلہ حقہ میں شامل یا اُس کے ساتھ محبت رکھنے والا ہے.......... سید ہدایت حسین صاحب ایک نیک دل اور فہیم مقبول صورت پیر ومرد ہیں، بڑے شوق سے انہوں نے اپنے مکان پر وعظ کرائے اور مونگھیر میں بھی تمام وعظوں میں شریک رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور انکے اخلاص میں برکت نازل کرے۔ برادر وزارت حسین کی والدہ کو اس سلسلہ حقہ کے ساتھ خاص محبت اور الفت ہے، دعا کی قبولیت پر ان کا ایمان بہت سی عورتوں کے واسطے قابل رشک نمونہ ہے۔''

(بدر 5 جنوری 1911ء صفحہ 4.5)

اسی طرح 1912ء میں آپ اپنے بیٹے کو قادیان تعلیم دلانے کی غرض سے قادیان تشریف لائے لیکن چونکہ آپ نے ایک طویل سفر کر کے قادیان پہنچنا تھا اور راستے میں متعدد شہر تھے لہذا آپ نے ارادہ کیا کہ ان احمدی احباب سے بھی ملتا جاؤں تا کہ تعارف اور تعلق میں اضافہ ہو۔ چنانچہ آپ نے بذریعہ اخبار بدر اس خواہش کا اظہار کیا اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایڈیٹر اخبار بدر کو لکھا:

مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا ارادہ اسی ہفتہ میں قادیان آنے کا ہے تا کہ میں کچھ دنوں قیام کروں اور اپنے لڑکے کو بھی بورڈنگ میں داخل کر دوں۔ میری خواہش ہے کہ راستہ میں مقامات ذیل کے احباب سے از طرف انجمن احمدیہ مونگھیر ملتا جاؤں اور ان لوگوں کی دعاؤں سے بھی مستفیض ہوتا ہوا قادیان جاؤں۔ اس لئے امیدوار ہوں کہ اس عریضہ کو آپ ان مقامات کے احباب کی اطلاع کے لئے اپنے اخبار میں جگہ دے کر مشکور فرماویں گے۔

بنارس، الٰہ آباد، لکھنؤ، شاہجہانپور، چندوسی، امروہہ، دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور، انبالہ چھاونی، انبالہ شہر، جالندھر، امرتسر، بٹالہ۔

خاکسار

سید ارادت حسین احمد از مقام اورین

(بدر 27 جون 1912ء صفحہ 6 کالم 2,3)

اس خط سے آپ کی سیرت کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے بیٹے کو دینی تعلیم کی غرض سے قادیان لانا، راستے کے احمدی احباب سے محض احمدیت کے رشتہ کی وجہ سے اور دعا کی غرض سے ملاقات کی خواہش کرنا، نیز یہ کہ اطلاع دئے بغیر جانے کے بذریعہ اخبار بدر ان تک اطلاع پہنچا کر پھر جانا۔ بہرکیف اگلے مہینہ آپ قادیان حاضر ہوئے جس کے متعلق خبر دیتے ہوئے اخبار بدر لکھتا ہے کہ:

''سید ارادت حسین صاحب ساکن اورین ملک بہار اپنے فرزند اور مسکین لڑکے کے ساتھ یہاں تشریف لائے ہیں تا کہ ایک عرصہ یہاں رہ کر علوم دینیہ سے متمتع ہوں۔''

(بدر یکم اگست 1912ء صفحہ 2 کالم 2)

وفات

حضرت سید ارادت حسین صاحب نے 2 نومبر 1931ء کو وفات پائی۔

(الفضل 10 نومبر 1931ء صفحہ 2)

آپ کی وفات پر اخبار الفضل نے جو خبر دی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

''ہمیں یہ معلوم کر کے نہایت ہی رنج اور افسوس ہوا کہ مولوی سید ارادت حسین صاحبؓ اور ینوی کا ایک مختصر سے علالت کے بعد 2 نومبر کو پٹنہ میں انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے اور صوبہ بہار کے اولین احمدیوں میں سے تھے۔ آپ آخری عمر تک بڑے جوش کے ساتھ تبلیغ احمدیت اور مسلمانوں کی ملکی، سیاسی اور قومی مفاد کے لئے کوشاں رہے۔ آپ باوجود پیرانہ سالی کہ جہاں پراونشل احمدیہ ایسوسی ایشن کے سیکریٹری امور عامہ تھے اور ہر مفید ملی قومی تحریک سے اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو آگاہ کرتے اور ان سے عمل کراتے۔

غرض مسلمان صوبہ بہار کے لئے ان کا وجود بہت نافع اور فیض رساں تھا اس صوبہ کے معزز اخبار ''اتحاد'' نے ان کی وفات پر بہت رنج اور صدمہ کا اظہار کرتے ہوا لکھا ہے:

''آپ کے انتقال نے ایک زبردست کمی کردی خدا اسے پورا کرے''

ہمیں اس صدمہ میں مرحوم کے تمام خاندان سے دلی ہمدردی ہے اور ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں صبر عطا کرے اور مرحوم کی خوبیوں کا وارث بنائے۔ احمدی جماعتیں مرحوم کے لئے دعا مغفرت کریں۔ نیز یہ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ صوبہ بہار کے احمدیوں کو ان کا نعم البدل عطا کرے''

(اخبار الفضل 10 نومبر 1931 صفحہ 2)

آپ کی دینی خدمات کا ذکر آپ کے بھائی سید وزارت حسین صاحب کے ساتھ ہو چکا ہے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ صوبہ بہار کے اصحاب احمد میں سید ارادت حسین صاحب وہ واحد شخص ہیں جنہیں جملہ اہل وعیال سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں اس بات پر فخر کرتا ہوں۔ شہاب

حضرت سیدہ رؤوف النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سید ارادت حسین صاحبؓ کی اہلیہ کا نام مکرمہ سیدہ رؤوف النساء تھا۔ وہ کنڈہ ضلع مونگھیر کی رہنے والی تھیں۔ آپ کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ آپ 1903ء میں قادیان آئیں، آپ کے قادیان آنے کا ذکر مکرم سید وزارت حسین صاحبؓ کے حصہ مضمون میں ہو چکا ہے۔

مکرمہ رؤوف النساء صاحبہ نے 1912ء میں وفات پائی، جس پر ایک صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ اخبار بدر نے وفات کی خبر دیتے ہوئے لکھا:

مکرم سید ارادت حسین صاحبؓ اپنی زوجہ مرحومہ کے واسطے احباب سے دعائے مغفرت کرتے، جب 1903ء میں سید صاحب بہ سبب احمدیت دکھ دئے جانے پر وطن چھوڑ کر قادیان چلے آئے تھے۔ تو مرحومہ بھی ساتھ آئی تھی اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت نصیب کرے۔''

(بدر 18 جنوری 1912 صفحہ 2 کالم 2,3)

خاکسار شہاب احمد کے علم کے مطابق آپ کی تدفین اورین میں ہوئی۔

اہل وعیال

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے محترم سید ارادت حسین صاحبؓ کو محترمہ سیدہ رؤوف النساء صاحبہ کے بطن سے تین بیٹیاں اور دو بیٹے عطا فرمائے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی بچپن میں فوت ہو گئے۔ مندرجہ ذیل تین اولادوں نے لمبی عمر پائی۔

1۔ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ

2۔ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہؓ

3۔ ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب
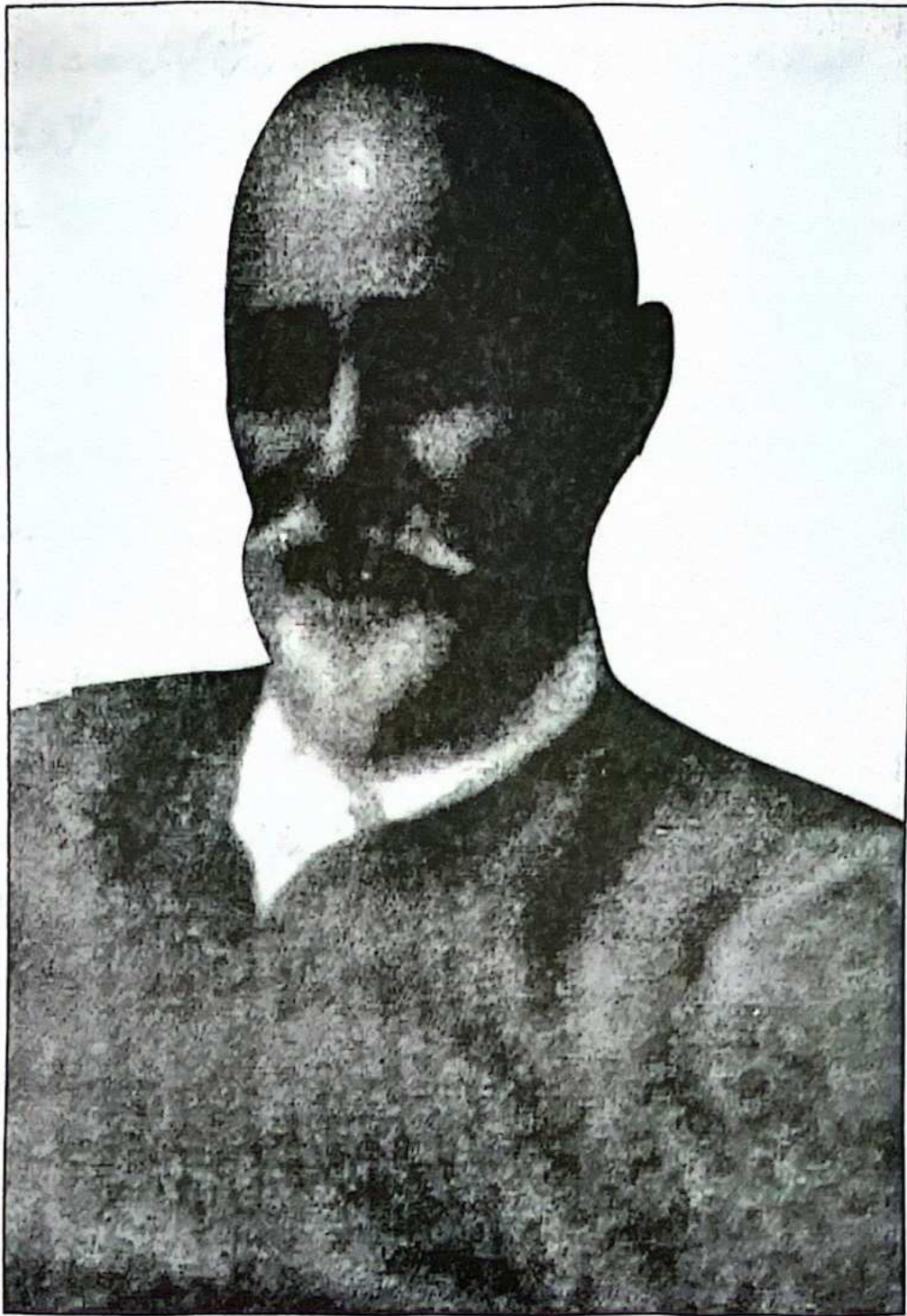
ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین صاحب

حضرت سیدہ میمونہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ اورین میں 1895ء میں پیدا ہوئیں۔ 1908 میں آپ کی شادی مکرم ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین صاحب پسر مکرم شاہ محمد وحید الدین صاحب سے ہوئی۔ ارول ضلع گیا میں سادات کا ایک مشہور خاندان آباد ہے۔ خاکسار کے والد مکرم ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین صاحب اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارا سلسلہ نسب ننہالی اور ددیہالی دونوں طرف سے حسینی سید ہے۔ سرور کائنات حضور ﷺ سے لے کر حضرت امام موسیٰ کاظم تک ننہالی اور ددیہالی دونوں نسب ایک ہیں۔ اس کے بعد شجرہ الگ ہوجاتا ہے۔

محترم والد صاحب کی جانب سے ہمارے سلسلہ نسب میں ایک بزرگ حضرت مخدوم سید شاہ شمس الدین احمد محمد کنٹوری (kanturi) ارولی ہوئے ہیں۔ آپ صدیوں قبل عرب سے ہندوستان تشریف لائے۔ مختلف شہروں میں عارضی رہائش اختیار کی لیکن مستقل رہائش ارول میں کی۔ عام طور سے علاقہ میں شاہ مخدوم کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے معتقدین میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی شامل ہیں۔ اس خاندان میں پیری مریدی کا سلسلہ آج بھی قائم ہے۔ رمضان کے مہینہ میں عرس ہوتا ہے۔ جس میں سوائے قوالی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اس خاندان میں ایک نام حضرت سید شاہ غلام امام علی عرف بدلو شاہ کا ہے۔ آپ اس عاجز سید شہاب احمد کے دادا کے دادا ہیں۔ اس سے آگے ہمارا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ شاہ نذیر حسین صاحب، شاہ محمد وحید الدین صاحب، شاہ محمد رشید الدین صاحب، خاکسار سید شہاب احمد۔

شاہ خاندان ارول ضلع گیا کے معزز باشندہ تھے اور ان کا خاندانی پیشہ زراعت تھا۔ ڈاکٹر صاحب یعنی خاکسار کے والد صاحب حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ پولیس کے ڈاکٹر تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں بہار کے مختلف مقامات میں مقیم رہے۔ غالباً 1920ء میں ملازمت سے استعفیٰ دے کر آرہ شہر میں ذاتی پریکٹس شروع کی اور پھر ہم لوگ وہیں کے ہو رہے۔ آپ 19 دسمبر 1953ء کے دن آرہ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

آپ شہر کے چوٹی کے ڈاکٹر تھے۔ ہمیشہ غریب مریضوں کا خاص خیال رکھتے والدہ محترمہ بھی آرہ میں فوت ہوئیں اور اسی قبرستان میں مدفون ہوئیں جس میں والد صاحب مدفون تھے۔ اگرچہ ہمارے والد

صاحب مرحوم حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن مسلک کے معاملہ میں روادار تھے۔ہم بھائیوں میں سے جتنے احمدی تھے انہوں نے اعلانیہ اپنے آپ کو احمدی کہا۔عیدین کی نماز بھی باجماعت گھر پر علیحدہ ادا کی جاتی لیکن انہوں نے کبھی مداخلت نہ کی۔قادیان سے جو مبلغین آتے ان کے ساتھ مہمان نوازی کا فرض ادا کیا۔یہی حال ہمارے غیر احمدی بھائیوں کا تھا۔عقیدہ کا اختلاف کبھی بھی ہماری رشتہ داری پر نہیں پڑا۔

حضرت مصلح موعودؓ عنہ کی تحریک پر 1929ء میں جب سارے ہندوستان میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلسہ منعقد کئے گئے تھے اُس میں شاہ محمد رشید صاحب نے آرہ میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلی مرتبہ شایان شان طریق پر جلسہ منعقد کروایا۔اخبار الفضل اس بارے میں تحریر کرتا ہے۔

''آرہ۔جناب ڈاکٹر رشید الدین صاحب کی مساعی حسنہ سے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ جس میں ہر عقیدہ ہر خیال، ہر مذہب، ہر ملت کے افراد بکثرت شامل تھے۔منعقد ہوا۔عالی جناب حافظ نور الحق صاحب سابق ممبر لیجیس لیٹیو کونسل صدر جلسہ قرار پائے۔حافظ صاحب موصوف نے پہلے جلسہ کی غرض و غایت بیان کی اور اس کے بعد ظہیر الدین حیدر صاحب ،مولانا ابراہیم صاحب، مولوی عبد الحلیم صاحب، مولوی محبوب عالم صاحب کی مختلف موضوعات پر تقریریں ہوئیں۔آرہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر اقوام کے افراد اس میں کثرت سے شامل ہوئے۔ظہیر الدین حیدر۔آرہ۔''

(الفضل 14 جون 1929ء صفحہ 6)

والد محترم کا ادبی ذوق بہت بلند تھا۔نگار لکھنو جو ایک انتہائی معیاری پرچہ تھا وہ باقاعدگی سے اس کا مطالعہ کرتے تھے۔اس کے علاوہ انقلاب لاہور جو ایک اعلیٰ اخبار تھا اس کے وہ مستقل خریدار تھے۔اس اخبار کا ادبی حصہ کافی معیاری تھا۔اسکے علاوہ آپ نے نہ جانے کتنی ادبی کتب کا مطالعہ کیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اک بڑی الماری ادبی کتب سے بھری ہوئی تھی۔منشی تیرتھ رام فیروز پوری کو آپ نے لکھ دیا تھا کہ جب وہ کوئی کتاب شائع کریں تو بغیر میرے خط کے اسے روانہ کردیں۔تیرتھ رام کا انتقال جنوری 1953ء میں ہوا۔اُس کی موت کے بعد اُس کے بیٹے نے والد محترم کو لکھا کہ آپ ہمارے پرانے کرم فرما ہیں۔ہمیں اپنی بہن کی شادی کے لئے کچھ رقم درکار ہے جس کے لئے میں آپ سے استدعا کرتا ہوں والد مرحوم نے فوراً ایک رقم روانہ کردی۔اس سے چند سال قبل ایک ضعیف اور معمر انسان اکیلا والد

صاحب کے پاس آیا لیکن قبل اس کے کہ والد صاحب اسے دیکھ سکے وہ فوت ہوگیا۔ اس کی تجہیز و تکفین کے سارے اخراجات والد صاحب نے اپنے پاس سے کئے۔ چند دنوں بعد جب اس کے لواحقین کو اس بات کی خبر ملی تو والد صاحب کے پاس آئے اور ان کا خرچ واپس کرنا چاہا لیکن والد صاحب نے لینے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ والد صاحب کو جزائے خیر دے۔

آپ کو شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ چنانچہ آفتاب تخلص فرماتے تھے۔ جناب سید ضمیر الدین عرش گیاوی تلمذ تسلیم لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

اے آفتاب کیوں نہ میرا دل جلا کرے — وہ شمع رو جو حق میں میرے بد دعا کرے
کہنے لگے تو جان تو نکلے خدا کرے — میں نے کہا جو اُن سے میری زیست ہے محال
کس کو غرض پڑی ہے جو وعدہ وفا کرے — ہے کچھ دنوں سے آہ یہ اُس ماہر کا قول
نا آشنا سے بات بھلا آشنا کرے — اے ہم دمو ہے خوبی قسمت مری مگر
کچھ اُس کے دل سے پوچھئے وارفگی کا حال
مانند آفتاب جو ہر دم پھرا کرے

خاکسار کو ان کی صرف یہ نظم ہی مل سکی۔ دیگر مصروفیات کی وجہ سے وہ اپنی شاعری کے ذوق کو جاری نہ رکھ سکے۔

والدہ محترمہ کا انتقال 24 جولائی 1984ء کو ہوا۔ محترمہ والدہ صاحبہ یعنی سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیہ تھیں اور تقسیم ہند کے بعد آپ آخری صحابیہ تھیں جو ہندوستان میں فوت ہوئیں۔ آپ کے انتقال پر میرے بھائی مکرم ڈاکٹر شمیم احمد آرہ بہار نے اخبار بدر 22 نومبر 1984ء میں ایک مضمون شائع کیا۔ افسوس مکرم بھائی صاحب کی وفات بھی مورخہ 9 فروری 2009ء کو ہو چکی ہے۔ آپ نے اپنے مضمون میں لکھا:

آخری صحابیہ محترمہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ مرحومہ

”جب سے ہم لوگوں نے ہوش سنبھالا خود کو احمدی کہتے پایا۔ مدرسہ کے ساتھی اپنے مولوی صاحبان سے شکایت کرتے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو احمدی لکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو فوت شدہ مانتے

ہیں۔مولوی صاحب کبھی خود خاموش رہتے کبھی بچوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کرتے کہ ابھی یہ لڑکے نادان ہیں کچھ دنوں میں سمجھ جائیں گے۔اصل وجہ یہ تھی کہ یہ مولوی (عبدالحلیم۔ناقل) صاحب ہمارے گھر میں رہ کر فارغ التحصیل ہوئے تھے۔وہ اب مدرس تھے پھر قیام وطعام بھی ہمارے ہی یہاں تھا۔ان کا ایک چھوٹا بھائی (عبدالخالق۔ناقل) بھی ہمارے ہی یہاں رہ کر تعلیم حاصل کر رہا تھا۔علاوہ ازیں وہ ہم بھائیوں کے خانگی ٹیچر بھی تھے۔بوجہ صغر سنی ہمیں یہ بھی پتہ نہ تھا کہ احمدیت کیا چیز ہے اور ہم اپنے آپ کو احمدی کیوں لکھتے ہیں صرف والدہ محترمہ کی محبت میں ہم سب چھوٹے بھائی ایسا کیا کرتے تھے۔کبھی کبھی والد محترم بھی پوچھتے تھے کہ احمدی کیا ہوتا ہے؟ ہمارے والد محترم غیر احمدی تھے اور سارے شہر آرہ میں صرف ہماری والدہ محترمہ ہی احمدی تھیں۔

اماں جان محترمہ میمونہ بیگم صاحبہؓ موضوع اورین ضلع مونگھیر کے ایک معروف اور مخلص احمدی گھرانے کی خاتون تھیں آپ کے والد محترم کا نام سید ارادت حسین صاحبؓ تھا۔

ہمارے نانا جان سید ارادت حسین صاحبؓ اور ان کے چھوٹے بھائی سید وزارت حسین صاحبؓ نے اپنے والد کے علم میں لائے بنا قادیان جا کر بیعت کی تھی۔یہ غالباً1900ء یا 1901ء کی بات ہے۔ ریاست بہار کے صرف بھاگلپور شہر کے ایک یا دو افراد احمدی تھے۔ان دنوں ہمارے چھوٹے نانا سید وزارت حسین صاحبؓ مرحوم والد بزرگوار محترم سید اختر اورینوی صاحب مرحوم تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے علی گڑھ بھیجے گئے تھے۔وہیں انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام سنا اور قادیان تشریف لے گئے اور کچھ دن رہ کر بیعت کی خواہش کی۔حضور علیہ السلام نے فرمایا اپنے والد محترم کی اجازت لے لو۔ان کو خبر کرو۔چنانچہ وہ اپنے گھر اورین واپس آئے اور اپنے بڑے بھائی محترم سید ارادت حسین صاحب اور تمام اہل عیال کو ساتھ لے کر دوبارہ قادیان چلے گئے اور ایک لمبا عرصہ وہیں گزارا۔اس طرح ہماری والدہ محترمہ بہت چھوٹی سی عمر میں قادیان جا کر وہاں قریباً چھ یا آٹھ ماہ تک رہیں اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔یوں ہمارے خاندان اور گھر میں احمدیت آئی اور حقیقی اسلام کی قبولیت کے لئے ذہن تیار ہونے شروع ہوئے۔میری والدہ کی شادی ارول کے ایک معروف غیر احمدی خاندان کے چشم و چراغ محترم ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین صاحب سے ہوئی۔محترم والد

صاحب مذہبی معاملہ میں کافی آزاد خیال آدمی تھے اور بزرگان سلسلہ کی ہمیشہ عزت کیا کرتے تھے۔ جب کبھی قادیان سے کوئی مبلغ آرہ آتے آپ تعظیم وتکریم سے پیش آتے۔ والدہ محترمہ دل وجان سے احمدیت پر قربان تھیں اور گھر میں ہمیشہ احمدیت کا ذکر اور تبلیغ کیا کرتیں تھیں اور دعاؤں کے لئے برابر بزرگان سلسلہ سے رابطہ رکھتیں تھیں۔ جب وہ قادیان جا کر رہیں۔ اس وقت ان کی عمر سات آٹھ برس کی ہوگی اس عمر میں ایمان تو جوش میں آجاتا ہے لیکن مذہبی تعلیم اور باریک نکات بہت کم ہی پلے پڑتے ہیں۔ جذبات اور ایمان تو اس زمانہ سے ہی پروان چڑھ رہے ہوں گے لیکن دینیات اور تعلیم اسلام کا علم آپ نے اپنے والد بزگوار سے حاصل کیا۔ ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم ابھی بچے ہی تھے کہ اسلام کی بنیادی باتیں والدہ محترمہ نے ہمارے ذہن نشین کروادیں تھیں۔ اکثر اپنے قیام قادیان کا ذکر کرتی رہتیں۔ خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا ذکر بڑے پیار سے کرتی تھیں۔ قادیان کی روح پرور ماحول کی منظر کشی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیگم اس شفقت اور اپنی چھوٹی بہن کی علالت کے سلسلہ میں حضرت خلیفۃ الاولؓ کی خدمت میں بار بار جانا اور آپؓ کا ہمیشہ شفقت اور پیار سے پیش آنا۔ ان تمام واقعات کو ہمیشہ یاد کرتیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری والدہ محترمہ کو یہ شرف بخشا کہ وہ امام وقت اور صدیق ثانی کا دیدار پاسکیں اور قادیان میں رہ کر ان کی برکات اور فیوض سے مستفیض ہوسکیں ان باتوں کا ذکر ایسی خوشی اور فخر کے انداز میں کیا کرتیں تھیں کہ اکثر ہم لوگ بھی جذباتی ہو جایا کرتے تھے۔ ہمیشہ خواہش کرتیں تھیں کہ قادیان جائیں گے قادیان جائیں گے لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر ان کی یہ خواہش بہت دنوں تک پوری نہ ہوسکی۔ آخر تقریباً 35 سال کے بعد خلافت ثانیہ کے سلور جوبلی کے موقعہ پر قادیان جاسکیں اور قریب دس دن وہاں قیام کیا (اس کے علاوہ 1941، 1946 اور 1952ء کے جلسوں میں بھی قادیان کے جلسوں میں شامل ہوئیں۔ شہاب) اور ایک بار غالباً 1957ء میں ربوہ گئیں۔ آخری بار قادیان 1975ء میں گئیں۔ تعلیم تو محض اپنے والدین کی گود میں پائی تھی لیکن ایک صحابی کی بیٹی اور خود بھی صحابیہ ہونے کی وجہ سے مذہبی رجحان نمایاں تھا۔ اسلام کی صحیح اور حقیقی تعلیمات سے بخوبی آشنا تھیں۔ بدعت اور پرانے رسم رواج سے کلیتاً عاری تمام زندگی انتہائی سادگی اور پرہیز گاری میں گزاری۔ مجھے یاد نہیں کہ زندگی میں آپ نے کسی چیز کے

لئے عرض وطمع کا اظہار کیا۔صبر وقناعت کی مکمل تصویر اور ہر حال میں خوش رہنے والی خاتون تھیں ۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا ہمیشہ دھیان رہتا تھا۔ گود سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک اپنے بچوں میں کافی دلچسپی لیا کرتیں تھیں اور ہر طرح ہمت بندھاتی رہتی تھیں ۔ ہمیشہ غریب طلباء اور رشتے دار ہمارے گھر میں رہ کر والدہ محترمہ کی معاونت سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔

الفضل میں جب کبھی کوئی خاص مضمون شائع ہوتا ہم بچوں کو پڑھ کر سناتیں اور ہمیں قادیان کے حالات سے آگاہ کرتیں ۔ بوقت وفات آپ ہندوستان میں آخری صحابیہ تھیں جیسا کہ حضرت مرزا وسیم احمد صاحب امیر جماعت قادیان نے تحریر فرمایا

’’واقعہ میں مرحومہ ہندوستان میں واحد صحابیہ تھیں اور اب ان کی وفات کے بعد ہندوستان میں کوئی صحابی یا صحابیہ نہیں رہ گئیں ہیں۔‘‘

اس لحاظ سے آپ کی وفات سے ہندوستان میں دور صحابہ کرام ختم ہوا اور دور تابعین شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ جماعت پر اپنا خاص فضل فرمائے اور تابعین کو مثل صحابہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کا سن پیدائش 1894ء ہے۔آپ کا ننھیال موضوع کونڈا ضلع مونگھیر تھا اور شادی اغلباً 1908ء یا 1909ء میں ارول ضلع گیا کہ شاہ خاندان میں ہوئی تھی والد محترم ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین صاحب مرحوم کی وفات دسمبر 1953ء کے بعد تادم واپس آپ اپنے بچوں کے پاس آرہ میں سکونت پذیر رہیں۔

اخبارات و رسائل کا مطالعہ روزانہ کا معمول تھا اردو زبان وادب اور حالات حاضرہ سے کافی دلچسپی تھی۔ ماہ نامہ ’’عصمت‘‘ دہلی ’’ساقی‘‘ دہلی ہفتہ وار پرچہ ’’تہذیب نسواں‘‘ اردو روزنامہ اخبار ’’انقلاب‘‘ لاہور وغیرہ پرچے آپ کو بہت پسند تھے۔ہم بچوں کے لئے ماہوار ’’غنچہ‘‘ اور ’’پھول‘‘ آیا کرتا تھا۔قریباً 35 یا 40 سال تک یہ پرچے آپ کے زیر مطالعہ رہے اور آپ ان کی مستقل خریدار رہیں۔ تقسیم ملک کے بعد یہ پرچے آنا بند ہو گئے پھر بھی کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ ضرور کیا کرتیں تھی۔علامہ راشد الخیری، امتیاز علی تاج، عبدالحلیم شرر، منشی پریم چند، منشی تیرتھ رام فیروز پوری وغیرہ معروف مصنفین کی بیشتر کتب پڑھ چکی تھیں ۔محترم اختر اورینوی صاحب آپ کے عم زاد بھائی تھے۔ ہمیشہ فخر اور محبت سے کہتیں کہ ہمارے بھائی کا نام سارے ہندوستان میں مشہور ہے۔اسی طرح اپنی بھانجی شکیلہ اختر صاحبہ کی تحریرات بھی بڑے پیار سے

پڑھتی تھیں۔اخبار ''انقلاب'' لاہور میں احمدی اور احمدیت کے متعلق خبریں چھپا کرتی تھیں بار بار گھر کے لوگوں کو سناتیں مولانا عبدالمجید سالک مرحوم کی بڑی عزت کرتی تھیں۔

صورت اچھی تھی لیکن 1950ء میں ذیابطیس کی تکلیف ہوگئی تھی اس لئے رفتہ رفتہ صحت روبہ انحطاط ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے 9 بچے تھے۔ ددیہال کے زیراثر صرف دو بچے احمدی نہ ہو سکے بقیہ سات بچے یعنی ایک بیٹی اور چھ بیٹے احمدی ہوئے اور ہمیشہ نظام خلافت سے منسلک رہے۔ خود آپ کو بھی ساری عمر خلافت سے جذباتی لگاؤ رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کو ہمیشہ دعا دے کر یاد فرماتی تھیں اور آپ ؓ اور جماعت کے دیگر بزرگوں سے بذریعہ خط و کتابت تعلق قائم رکھتی تھیں اور ہمیشہ دعاؤں کے لئے خطوط لکھتی رہتی تھیں۔ محترم مولانا قریشی محمد حنیف صاحب، مولانا عبد الرحیم صاحب نیر، محترم مولوی محمد سلیم صاحب، محترم ملک صلاح الدین صاحب اور محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی میزبانی کا شرف حاصل تھا۔ آخری بار 1975ء میں قادیان گئیں اس کے بعد بوجہ صحت اور کمزوری کے نہ جا سکیں۔ گو قادیان جانے کی حسرت ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ گذشتہ دو سال سے نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ کان اور آخرش 1983ء میں بینائی نے بھی جواب دے دیا پھر بھی وفات سے ایک ماہ پہلے تک چلتی پھرتی تھیں رفتہ رفتہ صحت گرتی چلی گئی اور آخرش 25 جولائی 1984ء کو بوقت ڈھائی بجے صبح اس دار فانی سے عالم جاودانی کا سفر کیا۔ خدا رحم کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام بخشے۔ اسی روز شام کو نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین ہوئی۔ قادیان دارالامان میں مورخہ 27 جولائی کو بعد نماز جمعہ مسجد اقصیٰ میں جنازہ غائب ادا کی گئی۔

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھا زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

ایک وضاحت

خاکسار سید شہاب احمد عرض کرتا ہے کہ ڈاکٹر شمیم صاحب نے اپنے مضمون ''آخری صحابیہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ مرحومہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ 1900 یا 1901ء میں سید وزارت حسین صاحبؓ اپنے والد کی لاعلمی میں قادیان گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیعت قبول کرنے کی درخواست کی لیکن حضور نے فرمایا اپنے والد کی اجازت لے لو۔ لیکن سید وزارت حسین صاحبؓ نے اپنے مضمون ''ذکر حبیب'' مطبوعہ الفضل (یہ مضمون کتاب ہذا میں سید وزارت حسین صاحب کے باب میں نقل ہو چکا ہے۔) میں بیان فرمایا کہ میں پہلی دفعہ 1901ء میں قادیان گیا تھا اور حضور نے ان کی بیعت اسی موقع پر قبول فرمالی تھی، والد صاحب سے اجازت کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی۔ پھر 1903ء میں وہ اور ان کے بھائی سید ارادت حسین صاحبؓ اپنے اہل وعیال سمیت قادیان گئے اور سید ارادت حسین صاحبؓ نے اپنی اہلیہ اور بچوں سمیت بیعت کی چونکہ سید وزارت حسین صاحبؓ کے ساتھ یہ مبارک واقعہ پیش آیا اس لئے خاکسار انہیں کے بیان کو مستند خیال کرتا ہے۔

مکرم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب کے مضمون ''آخری صحابیہ سیدہ میمونہ بیگمؓ صاحبہ مرحومہ'' کے بعد اب خاکسار آپ کے متعلق تین واقعات پیش کرتا ہے۔ جو آپ کی وسعت قلبی، رحم دلی اور غریب پروری پر دال ہیں۔

1۔ ایک بچہ جس کی عمر دس سال بھی نہیں تھی۔ اور اس کا نام نظام تھا، سڑک پر بے گھر مغموم اور پریشان گھوم رہا تھا۔ اس نے مسافروں میں سے بہتوں سے مدد کی درخواست کی۔ انہیں میں سے کوئی رحم دل انسان اسے والدہ مرحومہ کے پاس لے آیا۔ وہ کم سن بچہ کسی کام کے لائق نہ تھا پھر بھی والدہ مرحومہ نے نوکر کے بہانے اسے صرف اس لئے رکھ لیا کہ اس کے قیام وطعام کا انتظام ہو جائے۔

2۔ اس واقعہ کے 20 سال بعد ایک بچہ جس کی حالت بعینہ پہلے بچہ کی سی تھی۔ والدہ مرحومہ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اُسے صرف اس لئے رکھ لیا کہ اُسے رہنے کے لئے گھر اور کھانے کو کچھ مل جائے۔ اس بچہ کا نام مصطفٰی تھا۔

3۔ ہمارے گھر کے پاس ایک مسلمان کا بالکل معمولی سا ہوٹل تھا۔ ایک دن اس ہوٹل کی یہ نوبت آئی

کہ بند ہونے کے قریب ہو گیا۔ والدہ مرحومہ کی نیک فطرت سے واقف ہونے کی وجہ سے اس نے والدہ مرحومہ کو پیغام بھیجا کہ میرا ہوٹل اب بند ہونے کو ہے آپ سے مدد کا طلبگار ہوں۔ آپ اس وقت بیوہ ہو چکی تھیں اور خود آپ کو سخت مالی تنگی تھی اس وقت آپ کے پاس صرف پانچ روپے تھے جو آپ نے اس سائل کو دے دئے۔ یہ اللہ کا فضل تھا کہ وہ ہوٹل پھر سے چل پڑا۔ سچ ہے اخلاص و دعا سے دی گئی یہ معمولی رقم کثیر رقم سے زیادہ ہے۔

خاکسار شہاب احمد نے ڈاکٹر شمیم احمد صاحب کا مضمون اور والدہ محترمہ کے متعلق مندرجہ بالا واقعات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بغرض دعا ارسال کئے، اس پر سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا انتہائی پر شفقت جواب موصول پایا۔

سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مبارک چٹھی

لندن 18.02.2004

مکرم شہاب احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ اور آپ کی والدہ کی سیرت پر مکرم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب والا مضمون مل گیا ہے۔ ماشاء اللہ آپ نیک بزرگوں کی اولاد ہیں۔ اللہ آپ کو اپنے بزرگ آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلائے اور ان کی نیکیوں کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ آپ کا اپنی بیٹی کے پاس امریکہ جانا بابرکت فرمائے اور آپ کی بیٹی کو وہاں قیام وحقوق عطا فرمائے۔ دعاؤں پر زور دیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی بہترین برکات وحسانات کا وارث بنائے اور ہر آن آپ کی نصرت فرماتا چلا جائے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اپنے فضل ورحم سے نوازتا رہے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

خلیفۃ المسیح الخامس

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسی کا فیض اور اثر تھا کہ جو لوگ حضور کی صحبت میں صدق نیت اور پاک دل کے ساتھ کچھ عرصہ بھی رہے۔ان میں سے اکثر صاحب رؤیا اور صاحب کشف ہو گئے والدہ مرحومہ نے آٹھ سال کی عمر میں کئی مہینے حضور علیہ السلام کی صحبت میں گزارے لیکن اس کمسنی کے باوجود اس نعمت کی وارث بنیں۔آپ کے چند رؤیا اور کشوف از دیاد ایمان کے لئے پیش خدمت ہیں:

1۔ 1912ء یا 1913ء میں جب آپ اپنے مائیکا اورین میں مقیم تھیں آپ کا پہلا بیٹا محمود بیمار ہوا۔اس بیماری کے دوران ایک دن والدہ مرحومہ نے ایک آواز سنی ''محمود محمود، اچھا پرسوں'' پھر عین دو دنوں کے بعد محمود فوت ہو گیا۔گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچے کی وفات کی خبر دو دن قبل دے دی تھی۔

2۔ 1948ء کی بات ہے ہم لوگ اپنے والدین کے ساتھ آرہ میں مقیم تھے۔خاکسار ٹائفائیڈ کے مرض میں شدید طور پر مبتلاء ہو گیا۔ایک دن والدہ مرحومہ نے کشفاً دیکھا کہ میرے چارپائی کے بالکل نزدیک سفید کپڑوں میں ملبوث ایک شخص دست بدعا ہے۔اللہ کے فضل سے اسی دن سے خاکسار روبصحت ہو گیا۔یہ 70 سال قبل کا واقعہ ہے۔یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ آج 2018ء میں یہ عاجز دماغی اور جسمانی صحت کے ساتھ 88 سال کی عمر میں یہ مضمون سپرد قلم کر رہا ہے۔

3۔ میرے والد صاحب دسمبر 1953ء میں فوت ہوئے۔آپ کی وفات سے چند مہینہ بعد والدہ صاحبہ مرحومہ نے عین بیداری کی حالت میں والد مرحوم کو اسی مکان میں چلتے پھرتے دیکھا جس میں آپ کا انتقال بعد میں ہوا۔

یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی کے طفیل حاصل ہوا ورنہ ہم خادموں اور خادماؤں کی حیثیت کیا ہے۔

مکرمہ سیدہ میمونہؓ کی اولاد

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے محترمہ سیدہ میمونہ صاحبہؓ کو 11 اولاد عطا فرمائیں۔دو بچے بچپن میں فوت ہو گئے۔ان سب کا تفصیلی تذکرہ ممکن نہیں۔مختصراً ذکر یوں ہے:

1۔مکرمہ جمیلہ خاتون صاحبہ

آپ 1911ء میں اورین میں پیدا ہوئیں۔آپ نے کبھی کسی اسکول میں تعلیم حاصل نہیں کی لیکن علم کے حصول کا شوق تھا۔افسانہ نویسی کرتی تھیں۔آپ کی شادی مکرم شاہ محمد قمرالھدیٰ صاحب سے ہوئی۔جو آپ کے عم زاد تھے۔1939ء میں صرف 28 سال کی عمر میں تین کم سن بچے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئیں۔آرہ شہر میں مدفون ہیں۔مکرم ڈاکٹر قمرالھدیٰ صاحب بھی اب اس دنیا سے رحلت کر چکے ہیں۔

مکرمہ جمیلہ خاتون کی اولاد:

آپ کی پانچ اولادوں میں سے دو بیٹے مکرم سید احسن احمد صاحب اور مکرم سید قیصر احمد صاحب بچپن میں فوت ہوگئے۔بقیہ تین اولادوں نے لمبی عمر پائی۔ان کے مختصر کوئف درج ہیں۔

(1) مکرم سید شوکت احمد صاحب

آپ 1933ء میں آرہ میں پیدا ہوئے۔اور اسی شہر میں I.sc کا امتحان پاس کیا۔1952ء میں ڈھاکہ میڈیکل کالج میں داخلہ لیا اور 1958ء میں M.B.B.S کی ڈگری حاصل کی آپ ایک اچھے طالب علم تھے۔آپ نے پہلے ملازمت کی پھر ذاتی پریکٹس بھی کرتے رہے۔بہت باصول اور سادہ زندگی گزارنے والے انسان تھے۔فروری 2005ء میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔آپ کی اہلیہ مکرمہ آمنہ صاحبہ بھی وفات پاچکی ہیں۔آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔اس وقت وہ سب پاکستان میں مقیم ہیں۔اب مکرم شوکت صاحب کا بڑا بیٹا مکرم مبشر احمد صاحب بھی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکا ہے۔

(2) مکرم سید جاوید احمد صاحب

آپ 1936 یا 1937ء میں آرہ شہر میں پیدا ہوئے۔پیدائشی طور پر دماغ کمزور تھا۔بہت مشکل سے آرہ ہی میں I.A پاس کیا پھر پاکستان اپنے بھائی ڈاکٹر شوکت احمد صاحب کے پاس چلے گئے۔بقیہ زندگی انہیں کے ساتھ گزاری کبھی کوئی ملازمت نہیں ملی۔نہ شادی ہوسکی۔شاید اس کی وجہ ان کا کمزور ذہن ہو۔1995ء میں شدید گرمی یعنی لو لگنے کی وجہ سے انتقال ہوا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ٹھاٹھا

سندھ پاکستان میں مدفون ہیں۔

(3) مکرمہ سیدہ آصف جہاں نیلوفر صاحبہ

آپ 11 اگست 1939ء کے دن آرہ شہر میں پیدا ہوئیں۔ انہیں کی پیدائش کے موقعہ پر سیدہ جمیلہ صاحبہ یعنی ان کی والدہ بیمار ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں۔ مکرمہ آصف جہاں نے اسکول کی کچھ تعلیم حاصل کی۔ آپ کی شادی مکرم زکریا اسماعیل صاحب جو مکرم مولانا اختر علی صاحب کے پوتے، اور مکرم میجر محمد اسماعیل کے بیٹے تھے، سے ہوئی۔ چند سال قبل یہ میاں بیوی پاکستان سے ہجرت کر کے کینیڈا آ گئے اور اپنے چھوٹے بیٹے مکرم داؤد اسماعیل کے ساتھ ایڈمیٹن میں رہائش اختیار کی۔ 19 دسمبر 2012ء کے دن مکرم زکریا صاحب فوت ہوئے اور اسی شہر میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی اور دو بیٹوں سے نوازا۔ مکرمہ فوزیہ زکریا صاحبہ۔ مکرم یونس اسماعیل صاحب۔ مکرم داؤد اسماعیل صاحب۔ (مکرم یونس اسماعیل صاحب اور مکرم داؤد اسماعیل صاحب کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔ مکرمہ فوزیہ کا ذکر ان کے شوہر کے ساتھ ہوگا۔

2۔ مکرم پروفیسر شاہ شکیل احمد صاحب

آپ 1914ء میں پیدا ہوئے اور 1978ء میں فوت ہوئے۔ آپ نے اردو میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ مختلف سرکاری محکموں میں کام کیا اور آخری 30 سال گیا کالج میں لیکچرار اور ریڈر وغیرہ کے عہدہ پر مامور رہے۔ اور وہیں سے بطور ریڈر ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ کی ایک تصنیف ''معیار و مسائل'' میری نظر سے گزری ہے۔۔ اردو ادب کے علاوہ انگریزی ادب کا بھی کافی مطالعہ تھا۔ ان کے طلباء اور ساتھی پروفیسر آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ گیا شہر جہاں انہوں نے زندگی کے آخری 30 سال گزارے، وہاں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کی اہلیہ کا نام بھی مکرمہ جمیلہ صاحبہ تھا۔ آپ پابند صوم صلوٰۃ ہونے کے علاوہ موصیہ تھیں۔ 13 مئی 2007ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ بفضلہ تعالیٰ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

آپ کے بارے میں آپ کی بیٹی ڈاکٹر پروفیسر طلعت جہاں (ایس۔ ایم۔ کالج بھاگلپور) تحریر کرتی ہیں کہ:

میرے پیارے اباجان شاہ شکیل احمد صاحب (مرحوم) گیا

درد کہتا ہے بہا دو خون دل آنکھوں سے تم
عقل کہتی ہے نہیں آہ و فغاں بے سود ہے
خوف ہے مجھ کو کہ لگ جائے نہ اشکوں سے جھڑی
آج میرا مطلع دل پھر غبار آلود ہے

لانبا قد، گداز بدن اور گندمی رنگ کے ایک خوش اخلاق آدمی تھے میرے اباجان! وہ کسی کو ناامید کرنا جانتے ہی نہیں تھے۔ جس نے بھی ان سے کسی طرح کی مدد چاہی حتی الامکان وہ اس کو پورا کرتے تھے۔ ویسے تو وہ بے انتہا خوبیوں کے مالک تھے مگر ان میں ایک انفرادیت یہ تھی کہ وہ لوگوں کو نیکیوں کی طرف ترغیب کیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے غریب اور دولت مند میں امتیاز کرنا مشکل تھا۔ ہر ایک سے مساویانہ سلوک کیا کرتے تھے۔ اور ایک شخص کو دوسرے سے ضرور متعارف کرتے تھے۔

اباجان 13 راگست 1914ء کو اپنے ننہیال اورین ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے۔ 1932ء میں ضلع اسکول آرا سے انہوں نے میٹرک پاس کیا۔ 1936ء میں پٹنہ کالج سے بی۔ اے۔ اور 1943ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے اردو میں فرسٹ کلاس ایم اے پاس کیا۔ پھر اسی یونیورسٹی سے 1945ء میں فارسی میں ایم اے کیا۔ 1973ء میں ''قلی قطب شاہ'' کی شاعری پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

وہ چین سے بیٹھنے والے انسان نہ تھے۔ ہمیشہ متحرک رہتے تھے۔ تقسیم ہندوستان سے قبل 1939ء میں گیا میں قانون گو کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔ اس کے بعد دلی میں ایک ملیٹری کنٹین کے انچارج ہوئے۔ 1945ء میں سیوان کالج میں لیکچرر ہوئے۔ 1947ء میں اورنگ آباد کالج میں، 1948ء میں گیا کالج میں لیکچرر ہو کر آخر زندگی تک گیا میں مقیم رہے۔

آپ اروَل کے ڈاکٹر شاہ رشید الدین کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کا خاندان صدیوں پہلے نیشاپور سے برائے تبلیغ اسلام آیا اور یہیں کا ہو رہا۔ آپ کے خاندان میں ولی اور بزرگ گذرے ہیں، جن کے مزار آج بھی اروَل میں محفوظ ہیں۔ آپ کی اماں جان میمونہ خاتون صاحبہ اورین کے ایک زمیدار خاندان کی پرہیز گار عورت تھیں۔ آپ آٹھ بھائی اور ایک بہن تھے۔ منجھلے بھائی شاہ شرف
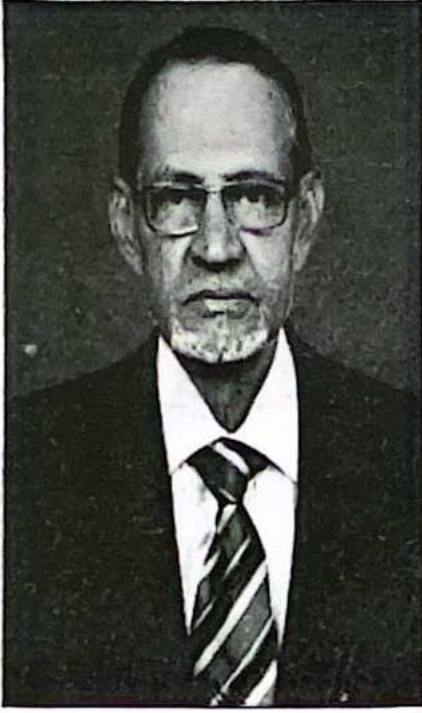
پروفیسر شاہ محمد شکیل صاحب

پروفیسر امتیاز احمد صاحب

شاہ محمد ناصر صاحب
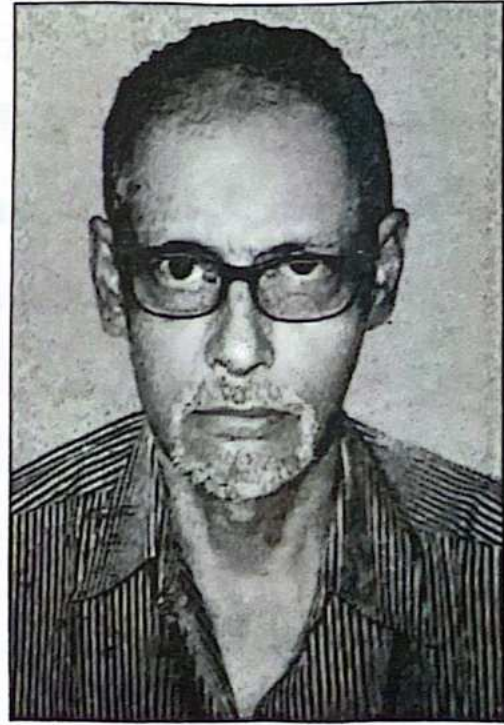
شاہ محمود احمد صاحب

الدین احمد مرحوم سپرنٹنڈنٹ کمرشیل ٹیکس ہو کر ریٹائر ہوئے۔ دوسرے بھائی نسیم احمد مرحوم رجسٹری دفتر میں کلرک تھے۔ شاہ وسیم احمد مرحوم کراچی میں ایگزیکوٹو انجینئر تھے۔ شاہ محمد شمیم احمد مرحوم آرہ میں ایک پرائیویٹ ڈاکٹر تھے۔ ان سے چھوٹے بھائی شاہ تسنیم احمد صاحب کی اپنی دواؤں کی دکان تھی۔ وہ بھی آرہ میں مکان بنا کر مقیم ہیں۔ اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کے بعد شاہ شہاب احمد کنیڈا میں کلینیکل سائیکلوجسٹ تھے۔ سب سے چھوٹے بھائی شاہ شاہد احمد کنیڈا میں پروفیسر ہو کر ریٹائر ہوئے۔ آپ کے تین بھائی ہندوستان سے باہر رہے۔ اب صرف دو چھوٹے بھائی حیات ہیں خدا ان لوگوں کی عمر دراز کرے ۔ آمین۔ سب کے سب صاحب اولاد اور خوشحال زندگی گذار رہے ہیں۔ آپ کے خاندان کی تعداد تقریباً 150 ہو چکی ہوگی۔

ابا جان ابتدا میں غیر احمدی والد صاحب کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے سنی تھے لیکن پھر احمدیت کی کتب اور احمدی رشتہ داروں خصوصاً والدہ محترمہ میمونہ خاتون صاحبہ اور ماموں مکرم پروفیسر اختر اورینوی کی تبلیغ سے آپ پر احمدیت کی سچائی کھل گئی اور آپ نے احمدیت قبول کر لی۔ گیا جیسے شہر میں جہاں ایک بھی احمدی نہیں تھا، آپ نوکری کے سلسلہ میں لمبا عرصہ رہے بعد میں وہیں گھر بنا کر رہے لیکن گھر کو ہمیشہ احمدیت کے نور سے منور رکھنے کی کوشش کی۔ ہمارے والدین نے اپنے عملی نمونہ سے ہمارے اندر بڑی خاموشی سے اسلام احمدیت کی پیاری تعلیم کی محبت اور غیرت کے بیج بو دئے۔ میں نے ابا جان کو کبھی طیش میں آتے نہیں دیکھا بلکہ ہماری غلطی پر بڑی نرمی اور محبت سے سمجھاتے۔

نمازیں پابندی سے پڑھتے اور بچوں کو بھی اس کی تاکید کرتے۔ اکثر جمعہ اور عیدین کی نمازیں گھر پر ادا کرتے۔ بیٹیوں کی شادی کے بعد جب داماد آتے تو گھر پر باجماعت نماز ادا کی جاتی چونکہ گیا شہر میں جماعت کی کوئی مسجد نہیں تھی اس لئے گھر پر نمازوں کی بروقت ادائیگی کرتے۔ خاص طور پر بڑے داماد خاکسارہ طلعت جہاں کے خاوند مکرم سید فیروز الدین صاحب کی آمد نے گھر کے ماحول میں نمایاں اثر ڈالا۔ چونکہ والد صاحب نے بڑے مضبوط اور طویل بحث و مباحثہ کے بعد احمدیت قبول کی تھی اس لئے اُن میں احمدیت کی سچائی اور احمدیت پر کامل یقین کی جڑیں کافی گہری تھیں۔ تبلیغ کا جوش اور شوق بھی نمایاں تھا کثرت سے روحانی خزائن، تاریخ احمدیت، انوار العلوم اور سلسلہ کی دیگر کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

آنے جانے والوں سے بھی احمدیت کا ذکر بڑے کھلے انداز میں کرتے۔ میری شادی برہ پور میں ہوئی ہے۔ چھوٹے بھائی بہنوں کا میرے پاس آنا جانا لگا رہتا۔ برہ پورہ میں احمدیہ مسجد ہونے کے باعث احمدیت کا ایک نمایاں رنگ نظر آتا جو غیر از جماعت سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں مخالفت بھی تھی جس کے باعث انفرادیت کا احساس ہوتا جس کی گیا میں کمی تھی۔ جس کے باعث آہستہ آہستہ سبھی بھائی بہنوں پر احمدیت کا رنگ گہرا ہوتا گیا۔

ابا جان کی احمدیت سے محبت اور پیار کی قدر خدا تعالیٰ نے اس صورت ظاہر فرمائی کہ اس کی برکت سے آپ کا بنایا ہوا چھوٹا سا گھر گیا میں گویا مشن ہاؤس میں تبدیل ہو چکا ہے۔ گھر کی اوپری منزل کے ایک حصہ میں سلسلہ کے معلم صاحب رہائش پذیر ہیں۔ اب وہاں گیا، بہار میں 30 افراد پر مشتمل جماعت قائم ہو چکی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ابا جان گیا میں احمدیت کی بنیادی اینٹ ثابت ہوئے تو غلط نہ ہوگا۔ ابا جان کے گھر میں پانچوں وقت کی نمازیں ادا ہو رہی ہیں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا ہو رہی ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے مکرم شاہ ناصر احمد صاحب کی سروس گیا کالج میں ہوگئی ہے اور گذشتہ 4 سالوں سے آپ کو ضلعی امیر کے طور پر خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔

ابا جان نہایت قلیل آمدنی اور کثیر العیال ہونے کے باوجود ہر ماہ بڑی پابندی کے ساتھ چندے قادیان بھجواتے۔ اور ہم بچوں کو بتاتے کے اس سے برکت ہوتی ہے۔ ہر تحریک پر حیثیت سے بڑھ کر حصہ لیتے۔ جس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی طرف سے صد سالہ خلافت جوبلی فنڈ کی تحریک ہوئی اس وقت اکثر بھائی بہنوں کی سروس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن سبھی نے پانچ پانچ ہزار روپے کا وعدہ لکھوایا۔ خدا کا فضل ایسا ہوا کہ سارے بھائی بہنوں کی نوکری لگ گئی اور سبھی نے برقت چندے کی ادائیگی کر دی۔ احمدیت سے وابستگی اور نظام جماعت سے محبت پیدا کرنے کے لئے اپنے چھوٹے بچوں کے ہاتھوں مرکز سے آئے نمائندوں کو چندہ بھجواتے۔ الحمد للہ۔ آج آپ کی اکثر اولاد موصی ہے اور وقت پر باشرح چندہ ادا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

ابا جان میں نظام جماعت کی انتہائی غیرت تھی۔ شہر کے عالی اور دولت مند خاندانوں سے چاروں بیٹوں کے لئے اچھے رشتے آنے کے باوجود آپ نے بڑی نرمی سے اس کا انکار کر دیا اور بیٹوں کی شادیاں

احمدی گھرانوں میں کیں۔ آج اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کو بھی نواز دیا ہے۔آپ نے اپنی زندگی میں احمدیت کی سچائی کے کئی نشان دیکھے جو آپ کے تقویٰ میں اضافہ کا باعث بنتے گئے۔ایک واقعہ کا ذکر آپ اکثر گھر میں کیا کرتے تھے کہ جب آپ پٹنہ کالج کے طالب علم تھے ایک مسلم پروفیسر نے سب کے سامنے کلاس میں یہ کہا کہ اُس نے خواب میں دیکھا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ بعد میں خدا تعالیٰ نے اُسے اس طرح پکڑا کے دوسروں کے لئے عبرت کا نشان بن گیا۔ وہ خود ایک ایسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوا کے اُس کے چہرے پر مکھیاں بھنبھنانے لگیں۔

آپ ایک تعلیم یافتہ گھرانے کے آدمی تھے اس لئے ان کے قریبی رشتہ دار بھی تعلیم یافتہ اور بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز رہے۔ مرحوم سید اختر اور ینوی (ماموں) پٹنہ یونیورسٹی کے نہ صرف ایک مشہور اردو ادب کے پروفیسر تھے بلکہ اردو دنیا کی ایک قدآور شخصیت بھی تھے۔ ان سے بہار کا ہی نہیں بلکہ سارا اردوداں طبقہ خوب واقف ہے۔ مرحوم سید فضل احمد (ماموں) آئی جی پولیس ہوکر سبک دوش ہوئے تھے اور شاہ مشتاق احمد چیئرمین اردو اکیڈمی (سابق) بہار ان کے چچازاد بھائی قابل ذکر ہیں۔ مشہور افسانہ نگار شکیلہ اختر آپ کی چچازاد بہن تھی۔

آپ کی شادی 1939ء میں بھاگلپور کے مشہور وکیل محبوب الحسن صاحب کی بڑی صاحبزادی جمیلہ خاتون صاحبہ مرحومہ سے ہوئی تھی۔ جو ایک دیندار اور مذہبی انسان تھیں۔ ہم سب اللہ کے فضل سے آٹھ بھائی بہن تھے۔ سب سے بڑے بھائی شاہ عباس احمد صرف چوبیس سال کی عمر میں بھاگلپور سے گیا جاتے وقت ٹرین سے گر پڑے اور شدید زخمی ہونے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ابا جان نے اس دُکھ کو بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ اللہ کے فضل سے کم آمدنی کے باوجود آپ نے اپنی سب اولاد کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ شاہ امتیاز احمد ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی کے بعد آرہ میں سائیکلوجی کے پروفیسر ہوکر ریٹائر ہوئے۔ کئی سالوں تک سکریٹری مال اور کئی سالوں تک زعیم انصار اللہ آرہ کے طور پر خدمت کا موقعہ ملا۔ خاکسارہ طلعت جہاں نے اردو میں ایم۔اے پی ایچ ڈی کیا۔ اور بھاگلپور یونیورسٹی کے ایس ایم کالج سے پروفیسر ہوکر فارغ ہوئی ہے۔ ایک بہن ناصرہ خاتون بی اے پاس ہیں اور بھونیشور کے اگیزیکیوٹو انجینئر مکرم محمد اطہر خان صاحب سے بیاہی گئی۔ دوسری بہن شائستہ احمد ایم۔اے مکرم شمیم احمد

صاحب بھاگلپور سے بیاہی گئی۔ رفعت جہاں بی اے مکرم محمد اشرف صاحب ایم اے پی ایچ ڈی، بھونیشور سے بیاہی گئی ہیں۔ یہ بھی پروفیسر ہیں۔ ایک بھائی مکرم شاہ ناصر احمد صاحب ایم اے کرنے کے بعد گیا کالج میں سروس کر رہے ہیں۔ سب سے چھوٹا بھائی مکرم شاہ محمود احمد ایم ایس سی کے بعد بینک میں چیف آفیسر کی پوسٹ پر سروس کر رہے ہیں اور فی الحال دہلی میں رہائش پذیر ہیں۔ ایک بہو مکرمہ ڈاکٹر یاسمین احمد اہلیہ مکرم امتیاز احمد صاحب، مکرمہ شاہدہ نسرین اہلیہ مکرم شاہ ناصر احمد ہائی اسکول گیا میں ٹیچر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ اسی طرح سارے نواسے نواسیاں پوتے پوتیاں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ بیشک یہ سب ابا جان کی نیکی اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ خدا آئندہ نسلوں کو بھی آپ کی دعاؤں سے نوازتا رہے۔ آمین۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ مگدھ یونیورسٹی کے ریسرچ جرنل "مگھی" سے وابستہ رہے۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان تمام مشاغل اور فرائض کے علاوہ وہ ایک زبردست مذہبی انسان تھے۔ اکثر مذہبی کاموں میں منہمک رہتے۔ اپنی آمدنی کا ایک خاصہ حصہ باقاعدگی سے ہر ماہ جماعت احمدیہ کو دینی ترقی و اشاعت اسلام کیلئے بھجواتے رہتے تھے۔ اور جب قرآن پاک کا ہندی ترجمہ شائع کرنے کے لئے جماعت نے فیصلہ کیا تو اس کے ترجمہ کی نگرانی ابا جان کو تفویض کی گئی اور اس کو بہ حسن خوبی انہوں نے انجام دیا۔ اگرچہ آپ جماعت احمدیہ گیا کے صدر تھے لیکن عام مسلمانوں سے ان کے گہرے اور دوستانہ تعلقات نمایاں طور پر نظر آتے۔ آپ سبھوں کی خوشی اور غمی میں برابر شریک ہوا کرتے۔ اقرباء پروری میں تو ان کا کوئی ہمسر ہی نہیں تھا جو زیادہ تر سنی مسلمان تھے۔ ایک طرف وہ مذہبی جماعت کے وفادار تھے تو دوسری طرف بہار کے مدارس اور یتیم خانوں کے بھی معاون تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ بھی ان کے مراسم دوستانہ رہے۔ بلا مذہب وملت سارے طالب علم ان کی محبت، شفقت، ہمدردی کے حقدار تھے۔ کوئی انجان انسان بھی ان کے پاس مدد کیلئے پہنچ جاتا تو وہ فوراً اُس کی مدد کرتے خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہو۔ حتی الامکان اسکی مشکلیں اور مسئلے حل کرنے کی کوشش کرتے اور اکثر خدا کے فضل سے حل ہو جاتے۔ بڑی سے بڑی شخصیت کے پاس بغیر کسی جھجھک کے چلے جاتے اور انجان لوگوں کی مشکلیں آسان کروا دیتے۔ یہ ان کی بے لوث شخصیت کا اثر ہی تو تھا جس سے غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے انتقال پر گیا کے کتنے ہی دل بے ساختہ پکار اُٹھے کہ اب کیا ہوگا۔

محلے کے غریب لڑکے سوچنے لگے کہ اب کالج میں کس طرح پڑھ سکوں گا۔غریب مائیں رو پڑیں کہ میرا بچہ کیسے تعلیم حاصل کرے گا۔بعض والدین کو فکر تھی کہ میرے بچوں کو نوکری کیسے ہوگی ۔ گویا ان کا مستقبل اندھیرے میں ڈوب گیا۔آپ کی موت نے محلے کے گداؤں کو ایک شاہ سے محروم کر دیا۔قوم کا رہبر،زبان کا رہبر آرام کی نیند سو گیا۔ گیا کی سڑکیں ویران ہوگئیں ۔ ہزاروں لوگ قبرستان کے پاس جمع ہوگئے ۔اسکول کالج بند کر دیئے گئے ۔وہائٹ ہاؤس کے جگمگاتے راستے اندھیرے ہوگئے ۔ایک مسکراتا ہوا خوبصورت چہرہ سبھوں کی آنکھوں میں آنسو دے کر موت کی وادی میں کھو گیا۔

آپ نہ صرف یہ کہ خود علم وادب کے ڈاکٹر تھے بلکہ وہ ڈاکٹر گر بھی تھے۔ان کی نگرانی میں ایک صاحب نے مگدھ یونیورسٹی سے امیر الدین وجد کی سوانح عمری اور ان کی اردو شاعری پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کیا اور مزید چار شاگرد آپ کی نگرانی میں کام کر رہے تھے۔افسوس کہ 9 جنوری 1978ء کو ایک ہفتہ بیمار رہ کر شرافت واخلاق کا پیکر،علم وادب کا خزانہ سبھوں کو غمزدہ کر کے کریم گنج، گیا کے قبرستان میں ابدی نیند سو گیا۔سب سے حیرت کرنے والی بات یہ ہے کہ باوجود آپ کے احمدی ہونے کے ہزاروں سینوں نے نم آنکھوں سے آپ کی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی۔ اور آپ پر اپنی دلی عقیدتیں محبت اور پرسوز دعاؤں کو نچھاور کیا اور جب یہ جسد مبارک آخری آرام گاہ میں جانے کیلئے تیار تھا تو ہزارہا اشکبار آنکھیں آخری زیارت کر رہی تھیں کیوں کہ گیا شہر کے عوام کا بہترین سرپرست اب ہمیشہ کیلئے روپوش ہونے والا تھا۔

کرب و تکلیف کی شدتیں مٹ گئیں
روح معصوم کو اب قرار آگیا
ہجر کی تلخیاں جو فزوں ہوگئیں
اس کو لینے بہشتی سوار آگیا

میری پیاری اماں جان (مرحومہ جمیلہ خاتون صاحبہ)

جیسا کے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ مکرم پروفیسر شاہ شکیل احمد صاحب کی شادی محترمہ جمیلہ خاتون صاحبہ بھاگلپور کے ساتھ ہوئی تھی۔اپنی والدہ کا مختصر خاندانی وتاریخی پس منظر اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی بیٹی ڈاکٹر پروفیسر طلعت جہاں صاحبہ بھاگلپور تحریر کرتی ہیں کہ

''والدہ محترمہ جمیلہ خاتون صاحبہ بھاگلپور میں 1920 یا 1921ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی والدہ مرحومہ اُم الورع صاحبہ اور والد محترم محبوب الحسن صاحب تھے۔ نانا بھاگلپور کے ایک مشہور وکیل تھے۔ نانی اماں شادی اور تین بچوں والدہ محترمہ جمیلہ خاتون، ماموں جان مرحوم ڈاکٹر فخر الحسن صاحب اور مرحومہ شکیلہ خاتون کی پیدائش کے بعد ذاتی مطالعہ اور محترمہ سیدہ آپا سارہ صاحبہ مرحومہ اہلیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی تحریک سے احمدی ہوئیں۔ افسوس کہ نانا ابا مولویوں کے زبردست اثر میں ہونے کے باعث احمدی نہیں ہوسکے۔ بلکہ آپ نے نانی اماں جان پر بھی سختی کی اور کچھ دنوں تک قطع تعلق رکھا لیکن خدا کے فضل سے نانی امان جان نے سب کچھ بڑے صبر اور دعاؤں کے ساتھ برداشت کیا اور آپ کے قدموں نے لغزش نہ کھائی۔ اپنے عقیدے پر قائم رہیں۔ نمازوں کی سختی سے پابندی کرتیں اور رو رو کر دعائیں کرتی۔ جب نانی اماں کے سلسلہ میں نانا ابا کو ناکامیابی ملی تو فتویٰ پھلواری شریف کے تحت تعلق تو قائم ہو گیا لیکن فخر الحسن صاحب کو آپ کی تربیت اور سایہ محبت سے جدا کر دیا گیا۔ انہیں اپنے زیر نگرانی کٹر مولویوں کی تربیت میں دے دیا۔ نتیجتاً انہوں نے بھی احمدیت تو قبول نہیں کی لیکن نانی اماں کی کبھی مخالفت نہ کی۔

نانی اماں نے خلیفہ وقت اور مرکز سے مضبوط تعلق قائم رکھا۔ ہر مالی تحریک میں حسب توفیق حصہ لیا۔ اپنی پانچ بیٹیوں کی بھی بڑی اچھی طرح تربیت کی۔ سبھی نے بیعت کی اور احمدیت قبول کی بلکہ ایک بیٹی محترمہ سُہیلہ محبوب صاحبہ واقف زندگی بنیں اور قادیان میں درویش سے بیاہی گئی۔ باقی چار بیٹیوں کی شادی بھی اچھے احمدی گھرانوں میں ہوئی۔ سب صاحب اولاد اور اپنے گھر میں خوش ہیں۔

والدہ محترمہ جمیلہ خاتون صاحبہ کی شادی 1939ء میں شاہ شکیل احمد پروفیسر گیا کالج بہار سے ہوئی جو محترمہ سیدہ میمونہ خاتون صاحبہ صحابیہ کے بڑے بیٹے تھے۔ دادی اماں جان صحابی حضرت سید ارادت حسین صاحبؓ کی بیٹی اور صحابی حضرت سید وزارت حسین صاحبؓ اور ین کی بھتیجی تھیں۔ محترمہ اماں جان کی شادی 18 سال کی عمر میں ابا جان کے ساتھ ہوئی تھی۔ شادی کے پہلے ہی سال دسمبر 1939ء میں خلافت کی سلور جوبلی کے جلسہ سالانہ میں شرکت کا پروگرام بنا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اماں جان کو ایک رشتہ دار محبوب الٰہی صاحب کے خاندان اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ قادیان کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ یہ نئی نویلی کم سن دلہن سفر میں کسی طرح بچھڑ گئی۔ قادیان میں ابا جان نے ان کے لئے دعاؤں کا اعلان کروایا۔ خدا کے فضل سے اماں جان

بخیریت قادیان پہنچ گئی۔ ابتدا سے ہی آپ کے دل میں اسلام احمدیت کے لئے جذبہ محبت اور استقامت وافر تھا۔ آپ پنج وقتہ نماز بلکہ نماز تہجد کی بھی پابند تھیں۔ پردہ کا بہت خیال رکھتیں تھیں اور بڑی سختی سے ہر حالت میں پردہ قائم رکھتیں۔ آخری عمر تک چہرے کا پردہ رکھتیں۔ خرابی صحت کے تحت پابندی سے روزہ تو نہیں رکھ سکتیں تھیں لیکن فدیہ ضرور ادا کرتیں۔ اکثر مالی تحریکوں میں شوق سے حصہ لیتیں۔

شادی کے دس سال بعد تک ابا جان کو مستقل سروس نہیں ملی تھی۔ اس درمیان چار بچوں کی پیدائش ہو چکی تھی۔ گزارا بہت مشکل سے ہوتا تھا مگر صبر کا دامن تھامے زندگی کا سفر چلتا رہا۔ خدا تعالیٰ نے کسی قسم کی ہوس، لالچ یا حسد والا نہیں بنایا تھا۔ طبیعت میں قناعت صبر وشکر اور سادگی تھی۔ کفایت شعار ہونے کے ساتھ ساتھ سلیقہ شعار تھیں، بچوں کی پرورش میں بڑی محنت کرتیں۔ بیمار بچوں کے لئے دن رات جاگ کر تیمارداری کرتیں رہتیں۔ ہر حال میں سچ بولنے والی تھیں۔ بچوں کی دیکھ بھال میں اپنی صحت یہاں تک کے اپنے زیوروں تک کی پرواہ نہ کرتی تھیں لیکن بچوں کے علاج میں کمی نہیں آنے دیتیں۔ گھر کو صاف رکھنا وقت پر کھانا تیار کرنا، کم پیسوں میں سفید پوشی نبھانے کا گُر آپ کو خوب آتا تھا۔ ایک سادہ مگر صفائی کی اہم بات کہ کھانا ہمیشہ تازہ پکاؤ۔ اگر بچ بھی گیا تو دوسرے دن خود بھی کھاتیں اور ہمیں بھی یہ عادت ڈالنے کے لئے کہ بچا ہوا پہلے ختم کرتیں پھر تازہ پکا ہوا خرچ ہوتا تا کہ کھانا ضائع نہ ہو۔ گھر، آنگن، کپڑوں کی صفائی پر خاص دھیان دیتیں اور اس پر کافی محنت صرف کرتیں۔ پانی پینے کے لئے پرانے مٹکے، سراہی چھوڑ کر ہر سال نئے خریدے جاتے اور گیا کی شدید گرمیوں میں فریج جیسا ٹھنڈا پانی ملتا۔ ریت پر رکھے ہوئے گھڑے کے پانی سے پڑوس والے بھی لطف اندوز ہوتے۔ اماں جان کی کئی خوبیوں کے علاوہ تقویٰ میں جو امتیاز تھا وہ اُن کا پردہ اور سچائی تھا۔ جنوری 1978ء میں ابا جان کے بے وقت انتقال کے بعد نہایت صبر اور شکر کے ساتھ زندگی کے دن گذارے۔

اماں جان کو احمدیت سے گہری اور دلی وابستگی تھی۔ موصیہ تھیں ہر مالی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتیں اور خوش ہوتیں۔ بینک میں جمع شدہ رقم کے سود کے پیسے تاکیدی طور پر اسلام کی اشاعت کے لئے نشر و اشاعت میں بھجواتیں۔ جب کبھی خلیفہ وقت کی طرف سے کسی قسم کے ذکر واذکار کی تحریک ہوتی تھی۔ ان سب کو آپ نے اپنی استعداد کے مطابق عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتیں اور بچوں میں بھی یہ عادت ڈالی۔

ایک غریب لاوارث کم سن بھائی بہن کو اپنے آنگن کے ایک کمرے میں برسوں رکھا۔ بھائی پیر سے مفلوج تھا۔ کچھ محنت مزدوری کر لیتا تھا ان دونوں کی حتی الامکان مدد کرتی تھیں۔ بچی کو اپنے زیر تربیت رکھا۔ اس کا اسکول میں داخلہ کروایا۔ لڑکی نے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی اور کمپیوٹر کی ٹریننگ حاصل کی۔ ایک اسکول میں سروس کر رہی ہے۔ لین دین میں نہایت صاف اور کھری تھیں۔ جب تک صحت نے اجازت دی اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے پاس برابر ملنے جاتیں۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری دو سال بھاگلپور میں اپنے چھوٹے بیٹے مکرم شاہ محمود کے گھر پر چھوٹی بیٹی رفعت جہاں کے ساتھ گذارے۔ سب بچوں سے نہایت مطمئن اور خوش تھیں۔ آپ کی وفات 13 مئی 2007ء بروز اتوار دو پہر ایک بج کر پینتیس منٹ پر ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ مسجد احمدیہ برہ پورہ بھاگلپور بہار کے احاطہ میں امانتاً رکھا گیا۔ اور 26 مئی 2008ء کو قادیان میں تدفین عمل میں آئی۔ الحمد للہ پیاری اماں جان کو خلافت احمدیہ کے ٹھیک سو سال پورے ہونے پر تاریخی جلسہ سے ایک دن قبل درویشان قادیان کی دعاؤں کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کیا گیا۔“

اولاد:

مکرم پروفیسر شاہ محمد شکیل صاحب اور مکرمہ جمیلہ خاتون صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے چار بیٹے اور چار بیٹیوں سے نوازا۔ حسب ترتیب ان کے نام اور مختصر ذکر مندرجہ ذیل ہے:

(1) مکرم شاہ عباس احمد صاحب (2) مکرم امتیاز احمد صاحب (3) مکرمہ طلعت جہاں صاحبہ (4) مکرمہ امتہ النصیر ناصرہ صاحبہ (5) مکرم شاہ ناصر احمد صاحب (6) مکرم شاہ محمود احمد صاحب (7) مکرمہ شائستہ احمد صبیحہ صاحبہ۔ (8) مکرمہ رفعت جہاں صاحبہ

مکرم شاہ عباس احمد بی۔ایس۔سی کرنے کے بعد گیا کالج میں demonstrator in physics کے عہدہ پر بحال ہو گئے۔ مگر زیادہ دنوں تک ملازمت نہ کر سکے۔ 11 نومبر 1964ء میں ریل حادثہ کا شکار ہو کر جاں بحق ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ بچپن سے نماز کے پابند تھے اور تبلیغ کا خصوصی شوق تھا۔

مکرم امتیاز احمد صاحب نے نفسیات میں ایم۔اے کیا اور لیکچرار بحال ہو گئے۔ بعد ازاں پی۔ایچ۔

ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ایک لمبا عرصہ ملازمت کے بعد سبکدوش ہوئے۔مگر درس وتدریس کا سلسلہ ہنوز برقرار ہے۔وہ ان دنوں پروفیسروں کو بھی پڑھاتے ہیں۔ان کی شادی عم زاد بہن مکرمہ ڈاکٹر یٰسمین شمیم صاحبہ سے ہوئی۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا مکرم طارق احمد حنظل صاحب اور ایک بیٹی سے نوازا ہے۔ بیٹی کی شادی خالہ زاد بھائی سے ہوئی اور اس وقت انگلینڈ میں مقیم ہے۔بیٹے مکرم طارق احمد صاحب نے علم طب میں ایم۔ڈی کرنے کے بعد عملی زندگی میں قدم ہی رکھا تھا کہ عالم شباب میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔مرحوم میں فطری ذہانت کے علاوہ ایک قابل ذکر خوبی یہ بھی تھی کہ اکثر خون کا عطیہ دیا کرتے تھے اور خصوصاً ضرورت مندوں کی مدد کی کرتے تھے۔مکرم امتیاز احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے صدر جماعت آرہ نیز گذشتہ 25 سالوں سے سیکریٹری مال جماعت احمدیہ آرہ کے طور پر خدمت کی توفیق ملی ہے۔اسی طرح درجن سے زائد آرٹیکل و مضامین لکھنے کی بھی توفیق ملی ہے۔آپ کے مضمون ہفت روزہ اخبار بدر قادیان میں بھی شائع ہوئے ہیں۔آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

مکرمہ طلعت جہاں کی شادی برہ پورہ کے مکرم پروفیسر فیروز الدین صاحب سے ہوئی۔آپ کی شادی بی اے کے بعد ہوئی بعدہ آپ نے ایم۔اے اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور بھاگلپور مہلا کالج میں لیکچرار اور ریڈر رہوئیں۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹیاں اور ایک بیٹے سے نوازا۔دین کا علم بھی شوہر کی صحبت میں معقول ہے۔ہفت روزہ بدر قادیان میں مختلف مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مکرمہ امۃ النصیر ناصرہ کی شادی بی۔اے کے بعد پنکال اُڑیسہ کے مشہور خاندان میں مکرم اطہر الحق صاحب سے ہوئی۔جو اُڑیسہ سرکار میں انجنیئر تھے۔لمبا عرصہ کی ملازمت کے بعد سبکدوش ہوئے۔اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو جماعتی خدمت کے لئے پیش کیا۔وقف قبول ہونے کے بعد 2004ء سے 2012ء تک قادیان میں ناظم تعمیرات کی حیثیت سے خدمت کی توفیق ملی۔ اس دوران بہت سی جماعتی عمارتوں کو بنانے اور از سرے رینوویشن کروانے کی توفیق ملی۔

مئی 2012ء سے مکرم اطہر الحق صاحب اور مکرمہ ناصرہ بیگم صاحبہ اپنے آبائی گاؤں پنکال میں رہ رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی سے نوازا ہے۔

مکرم شاہ ناصر احمد صاحب نے M.A نفسیات میں ڈگری حاصل کی اور اس وقت گیا کالج میں پروفیسر ہیں۔ ان دنوں صوبہ بہار گیا زون کے زونل امیر کے طور پر خدمت کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول کرے۔ ان کی اہلیہ مکرمہ شاہدہ نسرین صاحبہ پٹنہ زون کی صدر ہیں۔ مکرم شاہ ناصر صاحب کی تین بیٹیاں ہیں جن کی تعلیم پر میاں بیوی نے بہت دھیان دیا ہے۔ مکرم شاہ محمود احمد صاحب نے ایم۔ ایس۔ سی کیا ہوا ہے اور بینک میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو کر اب پینشن یافتہ ہیں۔ آپ کے اندر اپنے والد محترم کی بہت ساری خصوصیتیں میں پائی جاتی ہیں۔ گویا فطرتاً اپنے والد صاحب کے عکس ہیں۔ ان کی شادی اپنی خالہ زاد بہن مکرمہ امۃ العزیز یاسمین صاحبہ سے ہوئی۔ مکرم شاہ محمود احمد صاحب دینیات کا گہرا علم رکھتے ہیں۔

مکرمہ شائستہ احمد (صبیحہ) کی شادی بی۔ اے کرنے کے بعد برہ پورہ کے مکرم شمیم الدین صاحب سے ہوئی۔ شادی کے بعد ہوم سائنس میں ایم۔ اے کیا اور مہلا کالج بھاگلپور میں ڈیمونسٹیٹر ہیں۔ ان لوگوں کو ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ مکرم شمیم الدین صاحب کا 6 جنوری 2010ء میں انتقال ہو گیا۔ شمیم صاحب اپنے خاندان کے اکیلے احمدی تھے۔ آپ کے ذریعہ اس علاقہ میں بہت ساری بیعتیں ہوئیں۔

مکرمہ رفعت جہاں صاحبہ کی شادی بی۔ اے کرنے کے بعد مانیکا گوڑا اُڑیسہ کے مکرم اشرف علی بیگ صاحب سے ہوئی۔ جو اس وقت ایگری کلچر یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدہ سے پینشن یافتہ ہیں لیکن درس و تدریس پرائیویٹ کر رہی ہیں۔ آپ کا ایک بیٹا مکرم کریم بیگ صاحب ہے۔

مجموعی طور پر سارے بھائی بہن جماعت اور خلیفہ وقت سے گہرا تعلق رکھنے والے ہیں۔ جماعتی خدمات کا موقعہ ملنا خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مالی قربانی میں آگے رہنے والے ہیں۔

3۔ مکرم شاہ محمد شرف الدین صاحب

آپ 1917ء میں دربھنگہ میں پیدا ہوئے اور 1987ء میں آرہ میں وفات ہوئی۔ اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ نے فارسی میں ایم۔ اے کیا تھا۔ صوبہ بہار کے مالی محکمہ پر اچھے عہدہ پر فائز رہے۔ افسوس کہ احمدیت کے اتنے قریب ہونے کے باوجود وہ اس نعمت سے محروم رہے۔ پھر بھی ہم بھائیوں سے برادرانہ تعلق رکھا۔ عقیدہ کا اختلاف ہم لوگوں کی رشتہ داری میں نہیں پڑا۔ قادیان سے جو مہمان آتے ان سے بھی دوستانہ رنگ میں پیش آتے۔ ایک بار جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان بھی گئے تھے۔
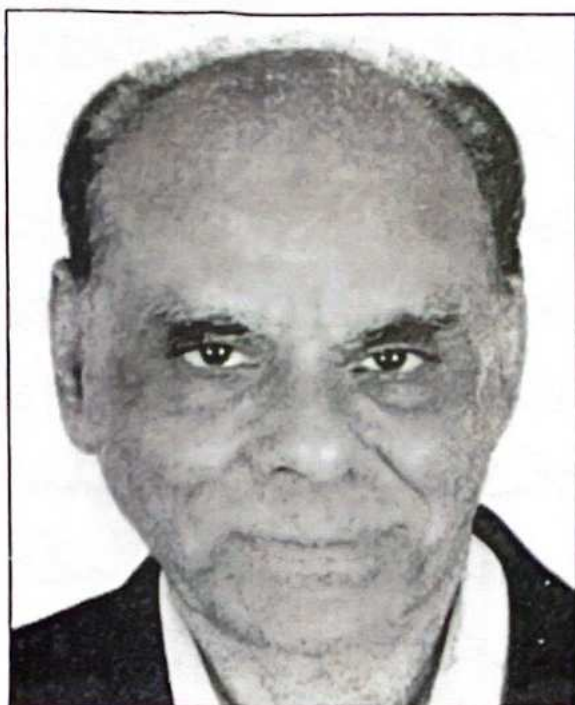
شاہ محمد شرف الدین

شاہ محمد اشرف احمد
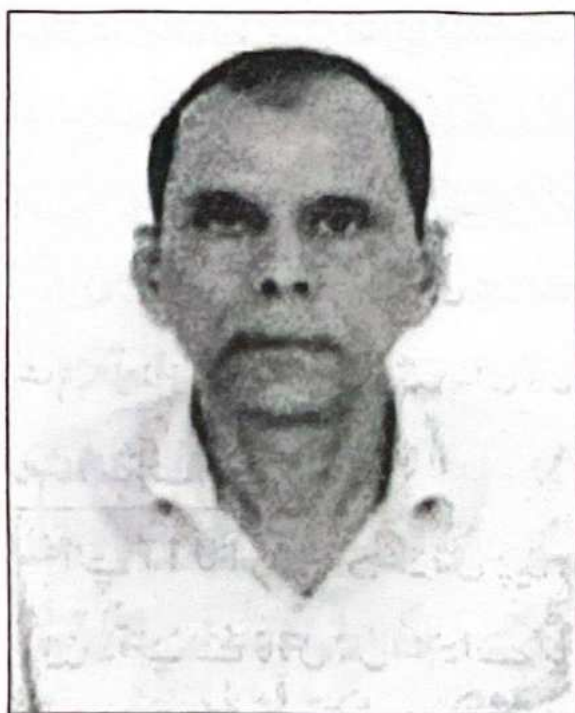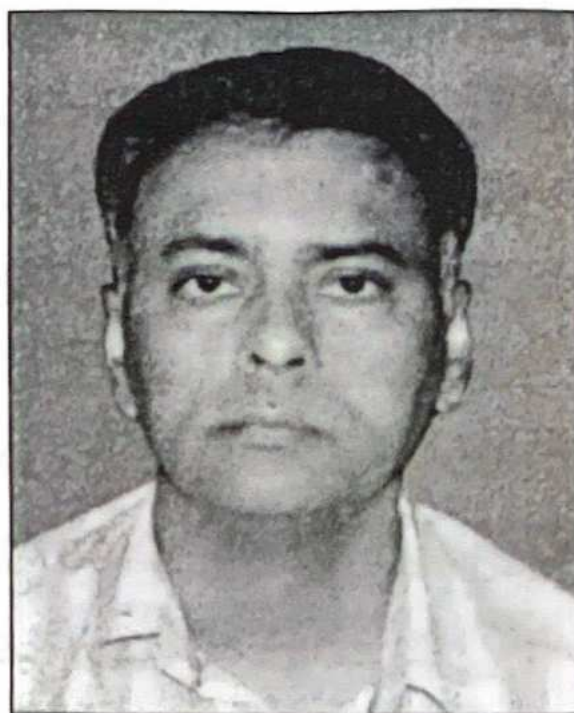
شاہ محمد اعجاز صاحب

ظہیر احمد

اللہ کی قدرت ان کے ایک پوتے کو بیعت کی توفیق ملی۔اس کا نام مکرم شاہ محمد سرور ہے۔والدہ کی مخالفت کے باوجود ایمان پر قائم ہے۔

4۔مکرم شاہ محمد نسیم صاحب

آپ 1920ء میں گیا میں پیدا ہوئے اور آپ کا انتقال 1991ء میں آرہ میں ہو۔وہیں مدفون ہیں۔افسوس کہ آپ بھی احمدیت کی نعمت سے محروم رہے۔لیکن بھائی شرف الدین کے اندر جو خصوصیت تھی وہ ان کے اندر بھی تھی۔دماغی کمزوری کی وجہ سے صرف اسکول کی تعلیم مکمل کر سکے۔صوبہ بہار کے رجسٹری محکمہ میں ملازم رہے اور وہیں سے پینشن لی۔آپ کی اہلیہ کا نام قیصر جہاں اور اولاد کا نام علی الترتیب مکرمہ نزہت صاحبہ،مکرم سمیع احمد صاحب،مکرم شفیع احمد صاحب اور مکرمہ شاہین ہے۔ایک بچی مسماۃ نصرت جہاں صاحبہ بعمر دس سال 1965ء میں فوت ہوگئی۔

الحمدللہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی اہلیہ اور ایک بیٹے کو بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔جس کا نام شفیع احمد صاحب ہے۔اس لڑکے نے بہت لوگوں کو احمدیت کا پیغام پہنچایا نیز خدمت خلق میں بھی پیش پیش رہتا ہے۔

5۔مکرم شاہ محمد وسیم صاحب

آپ 1922ء میں آرہ میں پیدا ہوئے اور 2003ء میں کراچی میں آپ کا انتقال ہوا۔اور وہیں مدفون ہیں۔الیکٹریکل انجینئر تھے۔اپنی لمبی ملازمت انتہائی امانت داری کے ساتھ گزاری۔اگرچہ وہ انجینئر تھے مگر آپ کا طبعی رجحان فزکس کی طرف تھا۔انہیں اس کا بہت وسیع علم تھا۔پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے۔میری نظر سے ان کی ایک تالیف PROFESSOR ABDUS SALAM AS I SEE HIM گزری ہے۔اس کتاب میں انہوں نے پروفیسر عبد السلام صاحب کے بارہ میں لکھے ہوئے مضامین کو جمع کیا ہے۔آپ کو کتابوں سے بہت پیار تھا۔آپ کا ذاتی کتب خانہ کافی معیاری کتب پر مشتمل تھا۔

اہل وعیال: آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اولاد کی نعمت سے نوازا۔آپ کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں

شاہ محمد نسیم صاحب

شاہ محمد سمیع احمد صاحب

مکرم شفیع احمد صاحب

مکرم طارق حنظل احمد صاحب

عبدالقیوم صاحب

وسیم احمد صاحب

مکرم شاہ سرور احمد صاحب

شاہ محمد احمد سلام صاحب

(1) مکرمہ کوثر احمد صاحبہ۔آپ کی پیدائش کراچی میں 1952ء میں ہوئی۔آپ نے لندن یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ پھر انگلستان کی کسی دوائیوں کی کمپنی میں ملازمت اختیار کی۔مکرمہ کوثر صاحبہ کی شادی حیدرآباد کی کسی شخص سے ہوئی تھی لیکن کسی وجہ سے ان دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ان کا ایک بیٹا ہے جس کا نام مکرم یوسف صاحب ہے۔وہ اس وقت کینیڈہ میں مقیم ہے۔

(2) مکرم اعجاز رشید صاحب۔آپ بھی کراچی میں پیدا ہوئے۔شائد 1954ء کی پیدائش ہے آپ نے کراچی یونیورسٹی سے الیکٹریکل انجینر نگ میں ایم۔اے کیا۔آپ کی دو بیٹیاں مکرمہ حنا صاحبہ اور مکرمہ صوفیہ صاحبہ ہیں۔

(3) مکرم طارق رشید صاحب۔آپ نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے کمپیوٹر سائنس میں ڈگری حاصل کی۔آپ کی اہلیہ کا نام مکرمہ نصرت مجید ہے۔دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔جن کے نام مکرمہ عاصمہ مریم صاحبہ اور مکرمہ آمنہ صاحبہ ہیں۔بیٹے کا نام مکرم علی احمد صاحب ہے۔اس قت یہ لوگ آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔آپ انتہائی مخلص احمدی ہیں اور جماعت کے کاموں میں بہت فعال ہیں۔

(4) مکرم احمد سلام صاحب آپ نے سول انجنئر ینگ میں کراچی یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی۔ آپ کی اہلیہ کا نام مکرمہ غزالہ صاحبہ ہے۔

(5) مکرمہ نیر رشید صاحب۔آپ کی شادی ان کے چچازاد غیر احمدی بھائی کی بیٹی سے ہوئی۔جن کا نام مکرمہ افروزا انجم صاحبہ ہے اور دو بچے فرح اور احسن ہیں۔اس وقت یہ لوگ کینڈہ میں مقیم ہیں۔

(6) مکرمہ سلمہ رشید صاحب۔اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔آپ کی شادی مکرم خورشید مجید صاحب سے ہوئی ہے۔اور دو بچے عمر اور عائشہ ہیں۔میرے علم کے مطابق ان سب بھای بہنوں کی پیدائش کراچی میں ہوئی ہے۔

6۔مکرم ڈاکٹر شاہ محمد شمیم صاحب

آپ 1924ء میں آرہ میں پیدا ہوئے اور 2009ء میں انتقال ہو۔چند سالوں کے سوا آپ نے ساری زندگی آبائی شہر آرہ میں گزاری اور وہیں مدفون ہوئے۔آپ کی شادی ان کی خالہ زاد اور چچازاد بہن عذرا احمد صاحبہ سے 1948ء میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے مکرم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب اور مکرمہ عذرا شمیم صاحبہ کو اپنے فضل سے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا عطا فرمایا۔ ان بچوں کے نام حسب ترتیب مندرجہ ذیل ہیں:

بیٹیاں: (1) مکرمہ یاسمین شمیم صاحبہ (2) مکرمہ نشاط شمیم صاحبہ (3) مکرمہ بشریٰ شمیم صاحبہ (4) مکرم نعیم احمد خالد صاحب۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرح اپنے چاروں بچوں کو اعلیٰ دنیاوی تعلیم دی۔ اللہ کے فضل سے یہ چاروں بچے ڈاکٹر ہیں اور جماعت کی بھی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ آپ کے بارے میں آپ کی بھتیجی عزیزہ ڈاکٹر طلعت جہاں صاحبہ کا ایک مضمون بعنوان ''ڈاکٹر شاہ محمد شمیم کا ذکر خیر'' مطبوعہ اخبار بدر قادیان 28 جنوری 2010ء بیان کرنا مناسب خیال کرتا ہے۔ موصوفہ لکھتی ہیں:

ڈاکٹر شاہ محمد شمیم احمد کا ذکر خیر

(ڈاکٹر طلعت جہاں، بھاگلپور)

مورخہ 10 فروری 2009ء کے دن میرے پیارے چچا جان ہم سب سے جدا ہو گئے۔ نو بجے شب کھانے کے بعد پانی پلایا گیا۔ پانی پیتے وقت سانس کی نلی میں تکلیف ہوگئی اور یہ تکلیف بتدریج بڑھتی گئی۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا اور مشینوں کے ذریعہ نلی کو صاف کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن تکلیف میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ حالت بگڑتی چلی گئی۔ آخر خدا کی تقدیر غالب آئی اور تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد ساڑھے گیارہ بجے روح قفس عنصری سے پرواز کر کے مالکِ حقیقی سے جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

چچا جان 8 دسمبر 1924ء کو بہار کے ایک شہر آرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد ڈاکٹر شاہ رشید الدین مرحوم جہان آباد کے ایک گاؤں ارول کے تھے۔ دادا جان شاہ رشید الدین کے آباؤ اجداد نیشا پور کے تھے۔ جو وہاں سے پہلے کنتور ضلع بارہ بنکی (یوپی) اور پھر تبلیغ اسلام کی غرض سے لگ بھگ آٹھ سو سال قبل ارول بہار میں آکر بس گئے۔ بعد میں ان کے ایک اور بھائی آئے۔ ان دونوں بزرگوں کی قبریں آج بھی ارول (بہار) میں موجود ہیں۔ اپنے وقت کے ولی اللہ مخدومؒ کے خاندان سے دادا جان کا تعلق ہے۔ اور اسی نسبت سے آگے چل کر ''شاہ'' ناموں کے ساتھ لگنے لگا۔ اُس دور کی حکومت مغلیہ نے آپ کو تبلیغ اسلام کیلئے جاگریں عطا کی تھیں۔ جس کا کچھ حصہ آج تک خاندان میں چلا آتا ہے۔ آپ

(حضرت مخدومؒ) کے بعد گدی نشینی کا دور شروع ہوا۔ اور پھر جب پیر پرستی کا دور شروع ہوا تو قبر پرستی کی بدعت بھی شروع ہوگئی۔ ارول میں ابھی بھی یہ بدعت جاری ہے۔

گدی نشینی اور درگاہی ماحول ہونے کے باوجود محترمہ دادی اماں سیدہ میمونہ خاتون صاحبہ جو صحابی کی بیٹی اور خود بھی صحابیہ تھیں کی وجہ سے ناموافق ماحول ہونے کے باوجود نہ صرف احمدیت پر قائم رہیں بلکہ محبت اور قربت میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ دادی اماں کا پورا خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مطالعہ کتب اور پھر مبشر خوابوں کے تحت بیسویں صدی کی ابتدا ہی میں احمدیت قبول کر چکا تھا۔ دادی اماں کے ابا تین بھائی مکرم سید ارادت حسین، مکرم سید خلافت حسین اور مکرم سید وزارت حسین تھے۔ آپ لوگوں کی والدہ سورج گڑھ کے ایک نیک صالح خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ خود آپ بھی ایک بزرگ پابند نماز روزہ، خدا ترس خاتون تھیں۔ آپ نے ایک مبشر خواب دیکھی تھی اور اسی کے تحت آپ کے خاندان میں سچائی کو جاننے کی تڑپ پیدا ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ آسماں سے ایک ہاتھ نکلا جو پٹرومیکس کی طرح تیز چمکتی ہوئی روشنی سے پچھم کی طرف اشارہ کرر ہا ہے۔ ایک خواب اور دیکھا کہ آسمان سے چاند کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر گر گیا ہے۔ ان دونوں خوابوں سے مسیح موعودؑ نبی اللہ کے آنے کی تعبیر نکلتی تھی جس کا انتظار پیشگوئیوں اور حالات زمانہ کے مطابق مسلمانوں کے اندر بڑی بے چینی سے کیا جا رہا تھا۔ آخر کار سب سے چھوٹے بھائی سید وزارت حسین کو حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی خبر اور مقام کا علم کتابوں کے ذریعہ ہونے پر اس کی تصدیق کا ایک جوش آپ کے دل میں پیدا ہوا۔ آپ اس وقت بہت کم عمر (18 سال) تھے۔ اس لئے گھر والے اتنی دور سفر اختیار کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن آپ کے دل میں صداقت جاننے کی اتنی بے چینی تھی کہ آپ نے خاموشی سے سفر اختیار کر ہی لیا اور قادیان پہنچ گئے۔ راستے میں کافی دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن طالبِ حق نے منزل پر پہنچ کر دیدار مسیح کر ہی لیا۔ بیعت کی، کچھ دن قیام کیا۔ واپس آئے اور پھر اپنے سارے افرادِ خاندان کے ساتھ 1903ء میں دوبارہ قادیان تشریف لے گئے۔ بڑے بھائی سید ارادت حسین صاحب اپنی بیوی اور تین بچیوں کے ساتھ تھے۔ (سب سے چھوٹی بچی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ شہاب) بیٹیاں محترمہ سیدہ میمونہ خاتون صاحبہ (دادی اماں کی عمر 8 سال تھی) چھوٹی بہن محترمہ صالحہ خاتون صاحبہ مرحومہ کی عمر چار پانچ سال تھی آپ سب نے وہاں تقریباً چھ مہینے قیام کیا۔ دادی اماں کو اپنے

شاہ شمیم احمد صاحب

شاہ محمد نعیم احمد خالد صاحب

مکرم ناصر احمد صاحب

سیّد رفیع احمد صاحب

دوران قیام کے چند واقعات اچھی طرح یاد تھے جسے آپ اکثر ہم بچوں کو بڑی لذت لیکر سناتی تھیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعودؑ کی شکل و شباہت، ہمیشہ نظریں نیچی رکھنا، حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کی صورت و شکل، ان کا کبھی کبھی حضرت مسیح موعودؑ سے باتیں کرنا، کسی امر کے متعلق دریافت کرنا خاص طور پر تعمیرات کے سلسلہ میں، حضرت مسیح موعودؑ کا محفل میں رونق افروز ہونا۔ بچوں کو پیار کرنا، وغیرہ آپ کو اچھی طرح یاد تھے۔ جسے سن کر ہم سب بھی بیحد لطف اندوز ہوتے۔

آپ کی شادی پندرہ سال کی عمر میں دادا جان ڈاکٹر رشید صاحب سے ہوگئی تھی۔ آپ سرکاری ڈاکٹر تھے۔ بعد میں سروس چھوڑ کر آرہ شہر میں سکونت اختیار کی اور وہاں پر ہی اپنی پرائیویٹ پریکٹس شروع کی۔ آپ اپنے وقت کے نہایت ہر دلعزیز کامیاب ڈاکٹر تھے۔ خدا نے آپ کے ہاتھ میں شفا بخشی تھی۔ غریب مریضوں کی مدد کرنی، یتیموں کی خیر گیری، اور نادار و کمزور رشتہ داروں کا خیال رکھنا آپ کی نمایاں خوبیوں میں سے تھا۔ آپ بناوٹ و تصنع سے پاک شخصیت کے مالک تھے۔

خدا نے اس جوڑے کو آٹھ بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ دادی اماں کا مرکز سے بہت گہرا تعلق تھا۔ آپ کا مائیکہ احمدی تھا اسلئے آپ میں بھی احمدیت کی تعلیم اس کے عقائد بہت گہرے طور سے پیوست تھے۔ ''الفضل'' اور پھر ''بدر'' کا پابندی سے مطالعہ کرتیں۔ بزرگ صحابیوں اور خلیفۂ وقت سے برابر خط و کتابت رکھتیں، دعاؤں کی درخواست کرتیں، خود بھی نماز روزہ اور تلاوت قرآن کی پابند تھیں۔ دادا جان نیک اور شریف انسان تھے۔ طبیعت میں رواداری تھی۔ احمدی تو نہیں ہوئے لیکن کبھی احمدیت کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی بیوی بچوں کے احمدی ہونے پر کوئی اعتراض یا رکاوٹ ڈالی۔ دادی اماں کو اپنے مذہبی امور و عقائد میں پوری آزادی حاصل تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماں کی تعلیم و تربیت رنگ لائی اور ایک بیٹی چھ بیٹے اور آپ کے زیر سایہ پرورش پانے والے دونواسے اور ایک نواسی احمدی ہوئے۔ الحمدللہ۔ سسرال میں گدی نشینی کا ماحول تھا۔ اس کے باوجود دادی اماں اپنے بچوں میں احمدیت داخل کرنے میں کامیاب رہیں۔ اور بچوں پر ددیہال کا اثر نہ پڑنے دیا۔ آپ نے نہ صرف احمدیت قائم رکھی بلکہ محبت اور قربت میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔

میرے چچا اپنے والدین کی چھٹی اولاد تھے۔ آپ بچپن سے ہی تعلیم کے شوقین اور تیز تھے۔ دادا جان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے آپ نے میڈیکل کی تعلیم بہت کم عمری میں مکمل کر لی۔

آپ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار دادا جان اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ گفتگو کے دوران آپ نے بچوں سے دریافت کیا ''تم لوگوں میں سے کون احمدی ہے'' دوسرے بچے تو خاموش رہے لیکن چچا جان نے نہایت دلیری سے جواب دیا ''میں احمدی ہوں'' اس پر دادا جان نے مذاقاً کہا کہ ''پھر ٹھیک ہے تو تمہیں میں کچھ نہیں دوں گا'' اس کم عمری کے باوجود آپ کا جواب تھا...... ''مجھے میرا خدا دے گا'' پیارے خدا نے اس کو اتنے احسن رنگ میں پورا کیا کہ دل شکر سے بھر جاتا ہے۔ خدا کی مصلحت ایسی ہوئی کہ اور دیگر بچوں میں سے کوئی ڈاکٹر نہیں بن سکا۔ آپ ڈاکٹر بنے۔ سب بھائیوں سے زیادہ خوش حال رہے۔ 1953ء میں دادا جان کے انتقال کے بعد آپ کی جگہ مطب میں پریکٹس شروع کی۔ کم عمری میں گھر اور چھوٹے بھائیوں کی ذمہ داری آپ پر آ گئی۔ آپ نے اسے بڑی خندہ پیشانی اور خوش اسلوبی سے نبھایا۔ دادی اماں نے لمبی عمر پائی۔ تاعمر ان کی خدمت بڑی محبت سے کرتے رہے۔ آپ ان کا بہت خیال رکھتے۔ گھنٹوں ان کے پاس وقت گذارتے، ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے اور پورا کرتے۔ خدا آپ کو اس کا بڑھ چڑھ کر بدلہ دے۔ آمین۔

ماں کی دعائیں ہمیشہ آپ کے شامل حال رہیں۔ خدا نے آپ کو دادا جان سے کہیں زیادہ شہرت، عزت اور فراغت بخشی، آرہ میں دوسرا بڑا مکان بنوایا۔ اپنے چار بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ آپ کی شادی محترمہ صالحہ خاتون صاحبہ کی بیٹی عذرا جمال مرحومہ سے 1948ء میں ہوئی تھی۔ ان سے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ خدا کے فضل سے چاروں بچے ڈاکٹر ہیں۔ سب خوش حال اور صاحبِ اولاد ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی محترمہ یاسمین شمیم صاحبہ میرے بڑے بھائی شاہ امتیاز احمد ولد پروفیسر شاہ شکیل احمد مرحوم (گیا) سے بیاہی ہوئی ہیں۔ خدا نے انہیں اپنے والدین کے پاس رہنے اور خدمت کرنے کا بھرپور موقع دیا۔ خدا آپ کو اس کی جزائے خیر عطا کرے۔

چچا جان نے ساری زندگی عزت وعروج دیکھا لیکن ہمیشہ خاکساری اور عاجزی رہی۔ نام کو بھی غرور نہ تھا۔ بہت بھرپور کامیاب زندگی گذاری، سارے بچے انہیں ڈاکٹر ابی کہتے۔ آپ محبت کرنے والے انسان تھے۔ بچوں سے بہت دوستانہ رویہ رکھتے۔ خاندان کا ہر چھوٹا بچہ ان کی خاص توجہ اور پیار کا مستحق ہوتا۔ بڑے پیار سے اپنے پاس بٹھاتے اور محبت بھری بے تکلفانہ باتیں کرتے۔ چھٹیوں میں جب ہم سب آرہ میں جمع ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔ ہم سب کا خیال رکھتے۔ ہر معاملے میں ہماری حوصلہ افزائی کرتے،

تعلیمی حالات دریافت کرتے۔ ہمیشہ آگے پڑھتے رہنے کی تاکید ہوتی۔ضرورت محسوس کرنے پر بڑی خاموشی سے مالی مدد بھی کرتے تاکہ پیسوں کی کمی تعلیمی ترقی میں رکاوٹ کا باعث نہ بن سکے۔ بھائیوں کے بچوں کا وہ اپنے بچوں کی طرح خیال رکھتے اور سب بچوں کو بہتر سے بہتر دیکھنا چاہتے تھے۔ میں خود بھی ان کی خاص شفقت، محبت اور توجہ حاصل کرتی رہی ہوں۔ وہ مجھ سے بہت خوش رہتے۔

ہمارے خاندان میں اللہ کے فضل سے بہت بچے ہیں لیکن لڑکوں کو لڑکیوں پر ذرا بھی فوقیت نہیں دی۔ کبھی لڑکیوں کو کمتر نہیں سمجھا بلکہ لڑکیوں سے وہ زیادہ محبت اور شفقت کا اظہار کرتے۔ ان کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ ہر بچی یہ سمجھتی ہے کہ ڈاکٹر ابی اس سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ چچا جان نے بہت مصروف اور باقاعدہ زندگی گذاری۔ ہر کام وقت کرتے۔ تین سال قبل تک آپ نہایت صحت مند رہے جس کا راز کم کھانا، وقت کی پابندی اور ہمیشہ ہر حال میں خوش رہنے کی عادت میں پوشیدہ تھا۔ میں نے کبھی انہیں کسی کا شکوہ کرتے یا ناشکری کے کلمات بولتے نہیں سنا۔ ہر چھوٹے بڑے امیر غریب، اعلیٰ ادنیٰ نے نہایت خوش دلی سے ملتے۔

نظامِ سلسلہ اور نظامِ خلافت سے گہری وابستگی تھی۔ مرکز اور خلیفۂ وقت سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کے بٹوارہ کے وقت جب چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی، قتل وخون کا بازار گرم تھا اپنے ماموں سید اختر اور ینوی مرحوم کے کہنے پر جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دہلی چلے گئے تاکہ وہاں سے خلیفہ وقت اور خاندانِ مسیح موعودؑ نیز قادیان کی تفصیلی خبر لاسکیں۔ خدا کے فضل سے تفصیل حاصل کر کے بخیریت واپس آئے۔ چچا جان ہر چندے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ لازمی چندہ جات کے علاوہ جو تحریک خلیفۂ وقت کی طرف سے ہوتی اس میں بھی حتی الوسع بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور وقت پر پابندی سے ادا کرتے۔

چچا جان رشتہ داری، دوستی اور تعلقات نباہنا خوب جانتے تھے۔ غریب مریضوں سے فیس نہ لیتے۔ بوقت ضرورت دوائیاں بھی مفت دیتے۔ اکثر رقم سے بھی مدد کرتے۔ آپ کو خدا پر بہت بھروسہ تھا۔ طبیعت میں لالچ بالکل نہیں تھی۔ قناعت بھی ان میں بہت تھی۔ ان کی شخصیت کا ایک پہلو جسے میں نے خاص طور پر محسوس کیا ہے جو آخری بیماری سے قبل تک ان کے ساتھ تھا کہ ان میں کبھی کسل اور سستی نہیں دیکھی۔ انہیں جب بھی دیکھا چست، درست، ہمہ ہوش۔ ہمہ گوش اور زندگی سے بھرپور پایا۔ آنکھوں کی چمک، حاضر دماغی اور چمکتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ سجی رہتی۔ اچھا صاف ستھرا لباس پہنتے۔ آپ ایک باوثوق

انسان تھے۔ اچھا کھانا پسند کرتے لیکن یہ کبھی گوارہ نہیں تھا کہ گھر کی عورتیں سارا دن باورچی خانہ میں لگی رہیں۔ اکثر موقعوں پر دوستوں کی دعوتیں کرتے رہتے۔ مطالعے کا گہرا شوق تھا۔ اپنے گھر میں مختصر لائبریری بنالی تھی جس میں ہر قسم کی کتابیں تھیں۔ میڈیکل سائنس کے علاوہ روحانی خزائن، تاریخ اسلام، اردو انگلش، صنف ادب کی مختلف کتابیں اکثر زیر مطالعہ رہتیں۔

میری آنکھوں میں ابھی تک ڈاکٹر ابی کا وہ پیارا مسکراتا ہوا، خوشی ومسرت سے بھرپور، بناوٹ سے پاک خوبصورت چہرہ بسا ہوا ہے۔ دل میں دکھ کی لہر اٹھتی ہے کہ اب میں اپنے پیارے ڈاکٹر ابی کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گی۔ وہ پر شفیق محبت بھرا وجود جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کی، ہمیں بے انتہا محبت وشفقت دی، اس کے لئے آج خاندان کے افراد کے ساتھ سارا شہر بھی سوگوار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور اپنی قربت میں جگہ دے۔ آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(بحوالہ اخبار بدر قادیان 28 جنوری 2010)

ایک ایمان افروز واقعہ

عزیزہ طلعت نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کے ڈاکٹر شمیم صاحب نے (جو 1947ء میں میڈیکل کے طالب علم تھے) اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خلیفہ وقت اور مرکز احمدیت قادیان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے انتہائی نازک وقت میں پٹنہ سے دہلی گئے لیکن عزیزہ ایک انتہائی ایمان افروز واقعہ لکھنا بھول گئیں یا ان کے علم میں نہ ہو کیوں کہ عزیزہ اس وقت صرف دو سال کی تھیں لیکن اس عاجز کو یہ معجزانہ واقعہ اچھی طرح یاد ہے کیونکہ میں اس وقت 18 سال کا تھا۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب ہمارے بھائی شمیم احمد صاحب دہلی سے واپس آرہے تھے تو جس گاڑی سے وہ واپس آرہے تھے۔ تخریب کاروں کے ایک گروہ نے ایک اچھی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق سکندر پورہ اسٹیشن پر جو اتر پردیش میں واقع ہے گاڑی کا چین کھینچ دیا، جہاں بلوائیوں کا ہجوم جو گاڑی رکنے کا منتظر تھا، بلوائیوں نے گاڑی پر حملہ کر دیا اور 100 سے زائد مسلمانوں کو ٹرین سے باہر نکال کر شہید کر دیا۔ بمشکل 10 یا 12 مسلمان زندہ بچ سکے۔ جس میں

ہمارے بھائی شمیم احمد صاحب بھی تھے۔ الحمد للہ۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ٹرین کی ہندو مسافر مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کررہے تھے۔

شمیم صاحب کے زندہ بچ جانے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہوں نے یہ سفرالٰہی جماعت، جماعت احمدیہ کی خاطر اٹھایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی معجزانہ حفاظت فرمائی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عالم الغیب خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کہ چند سالوں بعد شمیم صاحب پر کتنی ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں ۔ اس کا اختصاراًذکر اس طرح ہے۔ اس وقت یعنی 1947ء میں ہمارے والد صاحب (ڈاکٹر رشید الدین صاحب) زندہ موجود تھے۔ اورایک بڑے خاندان کے واحد کفیل تھے اس وقت ہم پانچ بھائی زیر تعلیم تھے اور والدصاحب پر صد فیصد منحصر تھے۔ بھائی شمیم ابھی طالب علم تھے۔اس واقعہ کے چھ سال بعد یعنی 1953ء میں ہمارے والدصاحب کا انتقال ہوگیا۔قربان جاؤں اس پروردگار پر کہ 1947ء کے طالب علم شمیم اب ڈاکٹر شمیم بن چکے تھے۔ جنھوں نے پورے خاندان کی ذمہ داری اٹھائی۔ اگر خدانخواستہ اس وقت بھائی شمیم شہید ہوجاتے تو ان کی لاش کا پتہ بھی نہ چلتا اس صورۃ حال پر والدہ صاحب مرحومہ پر کیا گزرتی اس کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے۔ انہیں اس واقعہ کا علم ہو چکا تھا اور وہ اس وقت تک سجدہ ریز تھیں جب تک ان کا بیٹا صحیح سلامت آرہ پہنچ نہ گیا۔ اس کے علاوہ یہ ہوتا کہ تسنیم احمد جن کا دواخانہ والدصاحب کے نسخوں پر منحصر تھا بند ہوجاتا، خاکسار اور شاہد احمد جو زیر تعلیم تھے اپنی تعلیم مکمل نہ کرسکتے غرض تفصیل کہاں تک لکھوں مختصراً ہم لوگوں کے لئے فاقہ کشی کی نوبت آجاتی لیکن ارحم الراحمین خدا نے ایک احمدی خاندان پر رحم کرتے ہوئے، شمیم صاحب کو اس حادثہ سے بچالیا، اور بعد میں آپ نے والدصاحب کی جگہ حاصل کی۔

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور
تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

ذاتی تاثر

بھائی شمیم احمد صاحب کے متعلق میرے ذاتی تاثرات جو تقریباً 70 سال پر محیط ہیں وہ اس طرح ہیں۔آپ بچپن سے ہی اپنی عمر کے لحاظ سے زیادہ سنجیدہ تھے شروع سے انہوں نے اسلامی تعلیم کہ ''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے'' کے متعلق عمل کیا۔آپ اپنی جماعت میں برابر اوّل پوزیشن لیتے

رہے اس لئے باوجود اس کے کہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر راما سرے لال ہندو تھا آپ اُس کے نور نظر تھے۔آپ کے بہترین طالب علم ہونے کا مزید ثبوت یہ ہے کہ آپ کا داخلہ پٹنہ میڈیکل کالج میں ہوا۔ جہاں صوبہ بہار کے چوٹی کے طلباء کا داخلہ ہوتا ہے۔ آپ ٹینس کے کھلاڑی تھے۔آپ کی سنجیدگی اور متانت کو دیکھ کر والد صاحب کے دوستوں نے والد صاحب کو کئی بار کہا کہ آپ کے اس بچہ میں آپ کے اوصاف نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ہم بھائیوں میں آپ کا نمبر پانچواں تھا۔ آئندہ کے واقعات نے اسے سچ ثابت کر دکھایا۔آپ اپنا لازمی چندہ ہر مہینہ بروقت صد فی صد ادا کیا کرتے تھے۔ جب ایک بار انسپکٹر بیت المال نے بتایا کہ آپ اپنا پیشہ ورخرچ منہا کر سکتے ہیں۔تو انہوں نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں اتنا دے رہا ہے تو پھر اس سے کیسا حساب وکتاب۔ لازمی چندہ کے علاوہ دیگر چندہ جات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔اپنی والدہ اور بھائیوں کے اخراجات برداشت کرنے کے علاوہ کنبہ پروری اور غریب پروری کی مثال تھے۔ ان نیکیوں میں ان کی اہلیہ عزرا کا بھی ہاتھ تھا۔ان نیکیوں کی وجہ سے انہیں اگر آٹھ بھائیوں میں بہترین کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا بلکہ برحق بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی نیکیوں کا بہترین صلہ دیا بلکہ اپنی صفت رحیمیت اور رحمانیت کے تحت ان کی چاروں اولاد کو ڈاکٹر بننے کی توفیق دی جو کہ شاذ و نادر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ چاروں بچے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کنبہ پرور اور غریب پرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھائی شمیم احمد صاحب کو غریق رحمت کرے اور اپنی جنتوں کا وارث بنائے۔

ڈاکٹر شاہ محمد شمیم صاحب کی اولاد

ڈاکٹر صاحب کی اولاد کا مختصر تعارف پیش ہے۔

(1) مکرم یاسمین شمیم صاحبہ

آپ 1949ء میں پیدا ہوئیں۔آپ کی شادی آپ کے چچازاد بھائی پروفیسر امتیاز احمد صاحب سے ہوئی۔ یہ دونوں میاں بیوی آرہ بہار میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹا اور ایک بیٹی سے نوازا ہے۔ بیٹی عزیزہ سمیر ہے جو ان دنوں انگلستان میں مقیم ہے۔ بیٹا عزیز طارق احمد حنذل تھا۔اس نے ڈاکٹری کا امتحان پاس کرلیا تھا مگر افسوس کہ کم عمر میں خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکا ہے۔اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرے۔ والدین نے اس صدمہ کو

مومنانہ شان سے برداشت کیا۔

(2) مکرم نشاط شمیم احمد صاحبہ

آپ 1952ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی شادی آپ کے خالہ زاد بھائی ڈاکٹر ممتاز احمد صاحب سے ہوئی۔ نشاط شمیم صاحب خود بھی ڈاکٹر ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں سے نوازا ہے۔ عزیزم عبدالسلام احمد صاحب اور صیف احمد صاحب۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دونوں ڈاکٹر ہیں۔ یہ پورا خاندان انگلستان میں مقیم ہے۔

(3) مکرمہ بشریٰ شمیم صاحبہ

آپ 1954ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی شادی مکرم فارق احمد وانی صاحب ساکن کشمیر سے ہوئی۔ مکرم فاروق صاحب پروفیسر ہیں۔ اب پینشن یافتہ ہیں۔ اپنے مضمون میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو بیٹوں سے نوازا ہے۔ بڑی بیٹی کا نام عزیزہ نائلہ فاروق صاحبہ ہے۔ اس نے ڈاکٹری کا کورس مکمل کر لیا ہے۔ چھوٹی بیٹی سارہ فاروق صاحبہ میڈیکل کی آخری سال کی طالبہ ہے۔ یہ سارا خاندان سری نگر بھارت میں مقیم ہے۔

(4) مکرم نعیم احمد صاحب

آپ ڈاکٹر شام شمیم احمد صاحب کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ آپ کی پیدائش 1955ء کی ہے۔ آپ نے ڈاکٹری میں پاس ہونے کے بعد بچوں کی بیماریوں کے علاج میں تخصص کیا ہے۔ ان دنوں انگلستان میں کام کر رہے ہیں۔ آپ کی شادی آپ کی ماموں زاد بہن مکرمہ شاہینہ نازین صاحبہ سے ہوئی۔ دونوں میاں بیوی نمازوں کے پابند ہیں۔ ان کے ایک بیٹا عزیزم ندیم احمد صاحب ہے جو میڈیکل کا کورس مکمل کر چکا ہے۔ اسی طرح ایک بیٹی عزیزہ سارہ قدسیہ صاحبہ میڈکل کی طالبہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شمیم احمد صاحب کے سارے خاندان کو ہر طرح سے نوازے۔

7۔ مکرم شاہ تسنیم احمد صاحب

آپ 1927ء میں آرہ پیدا ہوئے۔ کسی وجہ سے آپ کی تعلیم صرف اسکول تک محدود رہی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کند ذہن تھے۔ آپ ایک اچھے کھلاڑی نیز اپنے محلہ میں ہر دل عزیز تھے۔ آپ کی زندگی انتہائی سادہ اور تصنع سے پاک تھی۔ خوراک اور پوشاک انتہائی سادہ تھی۔ آپ کو اپنی والدہ محترمہ

شاہ محمد تسنیم صاحب

شاہ محمد حبیب احمد زاہد صاحب

شاہ محمد رضی صاحب

شاہ محمد فیض احمد صاحب

سے شدید محبت تھی۔ والدہ محترمہ کی ذرہ سی تکلیف برداشت نہ تھی۔ والدہ محترمہ کو پریشانی میں دیکھ کر رونے لگ جاتے تھے۔ آپ میں غرباء پروری انتہائی تھی۔ میں ذاتی طور پر شاہد ہوں کہ آپ نے دو غریب اور مجبور مسلمانوں کی زندگی سنواردی اور میں اس امر کا بھی گواہ ہوں کہ اگر کوئی مقروض قرض ادا نہ کر سکا تو وہ اسے بھول گئے۔ آپ پر اللہ کا مزید احسان یہ ہوا کہ ہم چھ احمدی بھائیوں کی اولاد میں سے صرف آپ کا بیٹا مکرم حسیب احمد صاحب نظامت جائیداد میں اور داماد مکرم پرویز افضل صاحب قادیان میں سلسلہ کی خدمت سے فارغ ہوئے ہیں۔ آپ کی شادی مکرمہ ازرہ خاتون صاحبہ ساکن جم گاؤں، بہار سے ہوئی تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کی اہلیہ کو عمرہ کی سعادت عطا فرمائی۔ آپ اللہ کے فضل سے آپ موصی تھے۔ آپ کی وفات 6اکتوبر 2012ء کے دن پٹنہ میں ہوئی۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے۔ آپ کی اہلیہ بھی موصیہ ہیں۔

آپ کے بارہ میں آپ کے داماد محترم سید پرویز افضل صاحب ریٹائرڈ نائب ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ قادیان رقم طراز ہیں:

محترم شاہ محمد تسنیم احمد صاحب آف آرہ (بہار) کی یاد میں

خاکسار کے خُسر محترم شاہ محمد تسنیم صاحب آف آرہ بتاریخ 6/اکتوبر 2012 الٰہی تقدیر کے مطابق 85 سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ موصوف کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں عمل میں آئی۔ مرحوم بہت خوبیوں اور پاکیزہ خصائل وشمائل کے مالک تھے۔ موصوف کو بحیثیت صدر جماعت احمدیہ آرہ 1984ء تا 1990ء خدمت دین کی توفیق حاصل ہوئی۔ آپ دارالمسیح اور سرزمین قادیان سے والہانہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور قادیان بار بار آنے کو نہ صرف پسند فرماتے تھے بلکہ اس پر شدومد کے ساتھ عمل پیرا بھی تھے۔ موصوف تمام تر جوش اور جذبہ سے سرشار ہوکر اپنی زندگی کے ایام میں متعدد مرتبہ جلسہ سالانہ قادیان میں شرکت کرتے رہے۔ موصوف نہ صرف خود جلسہ سالانہ میں آنے کو پسند فرماتے بلکہ یہی ترغیب اور تلقین دیگر اقرباء اور احمدی بھائیوں کو بھی بیدار مغزی کے ساتھ کرتے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا یہ عاشق قادیان کسی نہ کسی زیر تبلیغ دوست یا مالی حالت سے کمزور احمدی بھائی کو بھی کرایہ وغیرہ کا انتظام کروا کر قادیان لاتا اور خوش ہوتا۔

مرحوم کے اقرباء کہتے ہیں 1984ء میں ماہِ دسمبر کے اواخر میں خاص کر وزیر اعظم اندرا گاندھی کی ناگہانی موت کی وجہ سے پورے ملک کی حالت خوفناک صورت حال اختیار کر گئی۔ مگر ان حالات میں بھی وہ احمدیت کا فدائی کسی طرح سفر اختیار کر کے آرہ سے قادیان جلسہ پر حاضر ہوا۔ ایک مرتبہ بعض سنگین قسم کی صورت حال ماہ دسمبر میں ہوگئی۔ خاص کر حصولِ سواری کیلئے کافی دقت طلب مراحل تھے۔ تب مرحوم شاہ صاحب مناسب سواری نہ ملنے کے باوجود آرہ سے ایک سڑک پر سواری اختیار کر کے کشاں کشاں جلسہ سالانہ قادیان میں شریک ہوئے۔

محترم شاہ صاحب کی ان عادات اور بے پناہ قادیان کی محبت کے اظہار سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ مبارک فرمان ذہن میں آجاتا ہے کہ ''جولوگ قادیان بار بار نہیں آتے ان کے ایمان کے بارہ میں مجھے شک ہے'' یہی قادیان کی محبت ہی ہے کہ موصوف کی تین بہوئیں ماشاءاللہ قادیان کی بیٹیاں ہیں۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ جلسہ سالانہ قادیان سے جب وطن آرہ واپس ہوتے تب موصوف قادیان سے کمبل اور سویٹر وغیرہ خرید کر لے جاتے اور آرہ میں مستحق یتامٰی مساکین میں تقسیم فرما کر راحت محسوس کرتے۔

مرحوم کئی اور صفات کے مالک تھے جن میں نمایاں اوصاف مندرجہ ذیل تھے۔ غریب لڑکیوں کی شادی کے موقع پر دل کھول کر ہمدردی کرتے۔ خود بھی تعاون کرتے اور اپنی اولاد کو بھی تلقین کر کے اس کارِ خیر میں حصہ ڈلواتے۔ موصوف میں ہمدردی کا غلبہ اس قدر تھا کہ اگر کسی رکشا پر آپ سوار ہیں اور چڑھائی آگئی تو فوراً رکشا سے اُتر جاتے اور خود رکشا والے کے ساتھ رکشا کو دھکا دیکر اُوپر کو اُٹھاتے تھے۔ آرہ میں محض للہ دو یتیم بچوں کیلئے باقاعدہ پڑھائی، تعلیم اور تربیت کا مکمل انتظام کیا۔ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں ایک غریب عورت موصوف کے گھر پر آئی اور ایک کمبل مانگا موصوف نے اپنے فرزند کو تاکید کی کہ اس عورت کو کمبل دے دو فرزند کے لاپروائی اور غفلت برتنے پر موصوف ناراض ہوگئے اور ردِّعمل کے طور پر فرزند کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور نہ صرف اس غریب عورت کو کمبل مہیا کروایا بلکہ اس غریب اور لاچار عورت کو کمبل کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اُس کی رہائش کا انتظام بھی کیا۔ آرہ میں موصوف کا یہ طریق کار رہا کہ جمعہ کے دن جتنے بھی حضرات نماز میں شرکت کرتے آپ ان کی بصد شوق تواضع اور ضیافت کرتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرف مصافحہ اور معانقہ کی توفیق ملی اس کے علاوہ موصوف کو گفتگو کرنے کا بھی

موقع میسر آیا ان حسین لمحات کی یاد کو مرحوم خوب مزہ لے لے کر بیان کیا کرتے تھے۔

2011ء میں اللہ پاک کے خاص فضل سے مرحوم کو اپنے دو فرزندان کے ہمراہ خانہ کعبہ میں حاضری اور عمرہ کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔ موصوف ہمیشہ مواعظ حسنہ کے ذریعہ اپنی تمام اولاد کو جہاں نیکیوں کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ وہاں پر دامن خلافت سے وابستہ رہنے کی خصوصی پند و نصائح کرتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پاک تربیت کے نتیجہ میں آج مرحوم کی تمام اولاد در اولاد نظام خلافت نظام جماعت کے ساتھ ایک فدائیت کا نمونہ رکھے ہوئے ہیں۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار بیٹے اور پانچ بیٹیوں سے نوازا۔ بچوں کے نام اس طرح ہیں۔

1۔ مکرم حبیب احمد صاحب انجینئر قادیان۔ 2۔ مکرم رضی احمد صاحب آرہ صدر جماعت آرہ۔ 3۔ مکرم فیض احمد صاحب 4۔ مکرم شاہ محمد عبد السلام صاحب۔

بیٹیاں: (1) مکرمہ کشور جہاں صاحبہ اہلیہ مکرم منیر احمد صاحب آرہ (2) مکرمہ تاجورہ رشید صاحبہ اہلیہ مکرم عبد الحکیم غلام احمد صاحب مونگھیر (3) مکرمہ بشریٰ رشید صاحبہ اہلیہ خاکسار پرویز احمد افضل قادیان (4)۔ مکرمہ عشرت رشید صاحبہ اہلیہ مکرم ابرار احمد صاحب راٹھ (5)۔ مکرمہ شگفتہ رشید صاحبہ اہلیہ مکرم طاہر محمود صاحب کولکاتا۔

قادیان کے جناب مکرم شیراز احمد صاحب نائب ناظر اعلیٰ صاحب کا موصوف مرحوم کے ساتھ بہت قریبی تعلق تھا آپ مرحوم کے متعلق اپنے تاثر میں لکھتے ہیں ''مرحوم جناب شاہ محمد تسنیم احمد صاحب کے منجملہ شیریں اوصاف میں سے ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ برتاؤ کے اعتبار سے سنتِ رسولؐ کے مطابق ایک نہایت درجہ شفقت اور رافت والا برتاؤ رکھتے تھے بلکہ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ایک گہرے مراسم کے ساتھ دوستانہ رابطہ پر ہمیشہ تا حیات قائم رہے''۔ اسی طرح لکھتے ہیں کہ مرحوم شاہ صاحب کے اندر ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ وہ کیسے بھی پیش آمدہ حالات ہوں پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات کا حل خندہ پیشانی کے ساتھ نکال لیا کرتے تھے۔''

حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو یہ پیارا وصف ایک مرد مومن کی نمایاں شان ہے اللہ پاک سے دُعا ہے

شاہ محمد عبدالسلام

شاہ محمد حبیب احمد

شاہ محمد فیصل

شاہ محمد فوضان احمد صاحب
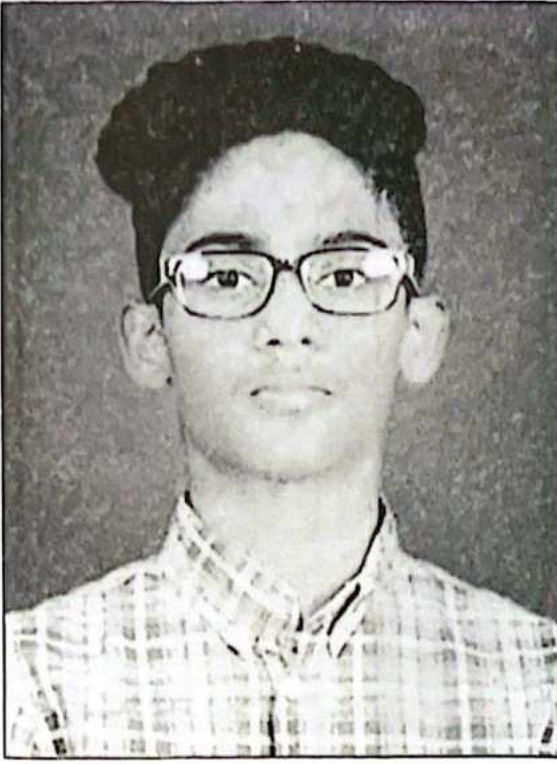
شاہ محمد کامل احمد صاحب

شاہ محمد عبدالباسط

شاہ محمد زید
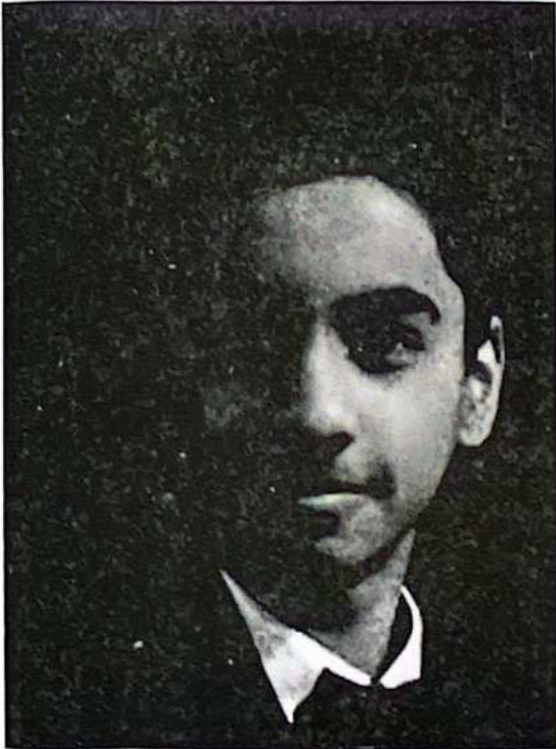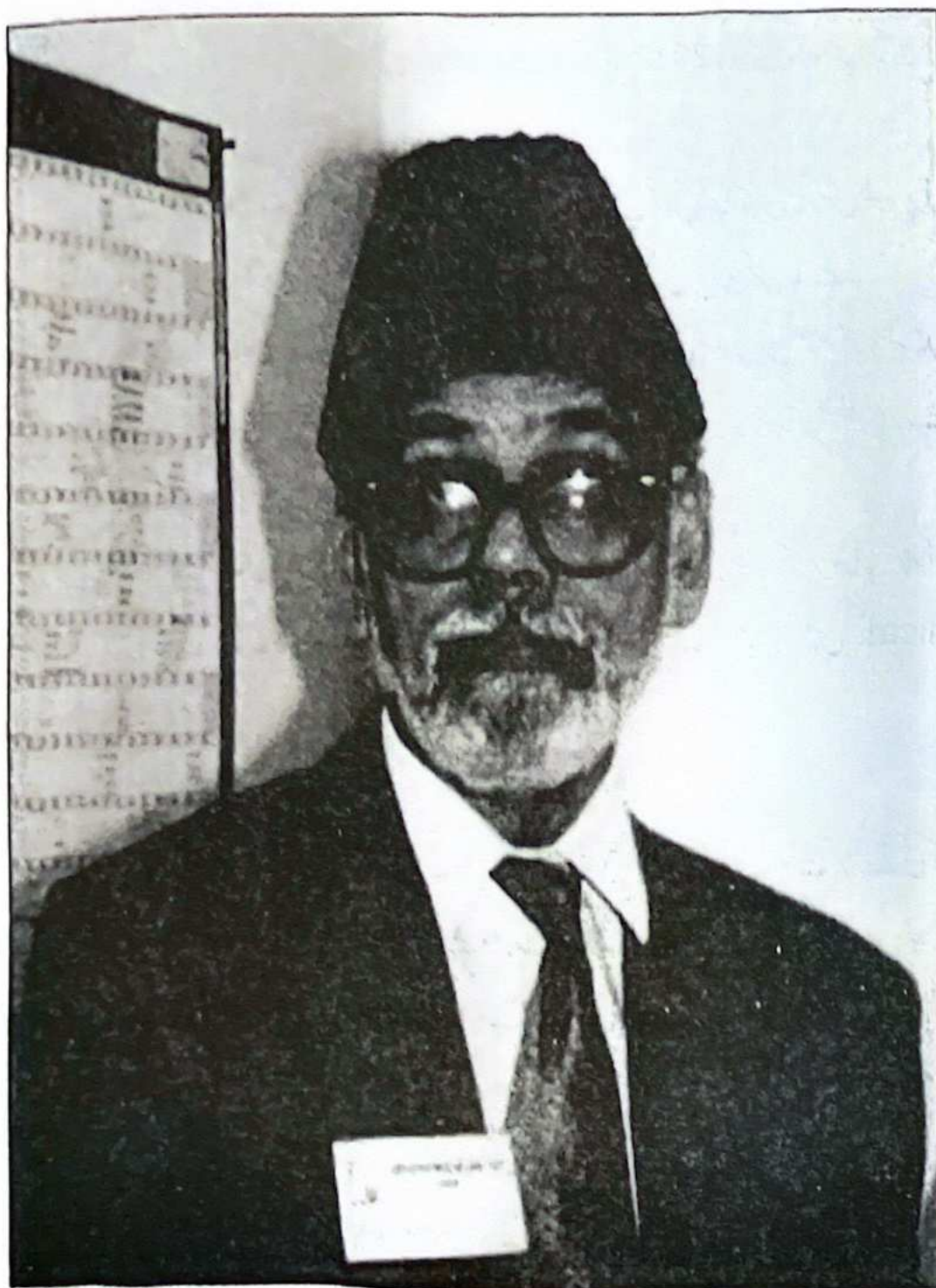
سید شہاب احمد

کہ وہ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ دے آپ کے جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

(بحوالہ 7 مارچ 2013ء ہفت روزہ اخبار بدر قادیان)

8۔ سید شہاب احمد صاحب

خاکسار مؤلف کتاب ہذا کے نزدیک اپنے متعلق کچھ لکھنا مناسب نہیں تھا لیکن تاریخی طور پر آئندہ آنے والی نسلوں کو خاندان کے بزرگوں کا علم ہو سکے، اس غرض سے چند باتیں بیان کر رہا ہے۔

خاکسار کی پیدائش آرہ بہار میں 17 نومبر 1929ء کو ہوئی۔ ابتدائی اسکول کی تعلیم آرہ شہر میں ہی حاصل کی۔ پھر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے نفسیات میں ایم۔ ایس۔ سی کیا پھر بہار یونیورسٹی مظفر پور سے اسی مضمون میں ایم۔ اے کیا۔ پھر انگلینڈ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

ملازمت: ہندوستان کے ایک کالج میں چار سال سے زائد عرصہ B.A کے طلباء کو پڑھایا۔ پھر کینیڈہ کی یونیورسٹی میں پانچ سال تک پڑھایا۔ نیز تقریباً 9سال تک کینیڈہ میں clinical. psychologist کام کیا۔

جماعتی خدمات:

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ اُس نے خاکسار کو وقتاً فوقتاً جماعت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور مجھے اپنے فضل سے 1/6 کی شرح سے وصیت کی توفیق عطا فرمائی۔ سسکاٹون کینیڈا میں 11 دفعہ inter faith symposium منعقد کرانے کی توفیق ملی۔ اس طرح وہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ تک جماعت کا پیغام پہنچانے کا موقعہ ملا۔ مختلف اداروں میں اسلام احمدیت پر تقاریر کرنے کا موقعہ ملا۔ مختلف لائبریریوں میں جماعت کی کتابیں رکھنے کی سعادت ملی۔ خاکسار کے مختلف مضامین جماعتی اخبارات اور غیر احمدی اخبارات میں اسلام احمدیت کی تائید میں مضمون انگریزی اور اردو زبان میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

1988ء میں جماعت نے بطور مبلغ panama میں بھیجا جہاں کئی مہینوں تک خدمت کا موقعہ ملا۔ سسکاٹون اور ایڈمینٹن میں برسوں کئی حیثیت سے عاملہ میں مختلف خدمات کی توفیق ملی۔ سسکاٹون میں سات سال تک وہاں کی مسجد کا خادم رہا اور یہی میری زندگی کی سب سے بڑی خوش نصیبی اور سرمایا

ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

2008ء سے قاضی اول ہوں نیز ریسرچ سیل کا ممبر ہوں۔ ان دنوں جماعت احمدیہ کی تاریخ انگریزی زبان میں لکھی جارہی ہے اس کی ایک حد تک اصلاح کی توفیق ملی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے ورنہ میں کیا اور میری حیثیت کیا۔اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس عاجز کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے چار خلفاء کرام سے دستی بیعت کا اعزاز حاصل ہے۔ حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے 29 دسمبر 1941ء کو قادیان میں ملاقات کا اور بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ عیدالاضحیٰ کا دن تھا۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سے 1967ء میں گلاسکو یونائٹڈ کنگڈم میں ملاقات اور بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے 1985ء میں لندن میں ملاقات اور بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے لندن میں 2003ء میں اور جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقعہ پر عالمی بیعت میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ذالك۔ اس موقعہ پر خاکسار کی اہلیہ محترمہ سیدہ شاہدہ احمد صاحبہ مرحومہ بھی شامل تھیں۔ اس کے علاوہ بھی ہمیں ان مقربین سے کئی دفعہ ملاقات اور ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

شادی:

میری شادی محترمہ شاہدہ احمد صاحبہ (پیدائش 1936ء) سے 1957ء میں ہوئی۔ یہ میرے سگے ماموں محترم ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب (متوفی 1984ء) کی بڑی بیٹی ہیں۔ اللہ کے فضل سے ہم دونوں نے اپنی آمد کے چھٹے حصہ کی وصیت کی ہوئی ہے۔ تقریباً سارے دیگر چندوں میں حصہ لیتے ہیں۔ محترمہ شاہدہ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ یہ تحریک جدید کے دفتر اول میں شامل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پیدائش کے بعد ان کے مخلص والدین نے انہیں تحریک جدید دفتر اول میں شامل کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ہم لوگ بچپن سے ہی نماز روزہ کے پابند ہیں لیکن اب ضعیفی کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہیں اس لئے فدیۃ الصیام بروقت ادا کر دیتے ہیں۔ شاہدہ فطرتاً خاموش طبع اور سادہ زندگی کی عادی اور

قناعت پسند تھیں۔آپ کی وفات مورخہ 14 ستمبر 2014ء میں ہوئی۔اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں تین بیٹیاں (بشریٰ احمد، مبشرہ احمد اور عفت احمد) اور ایک بیٹا (مبارک احمد) عطا فرمایا ہے۔ان کے مختصر کوائف درج ہیں:

(1) مکرمہ بشریٰ احمد صاحبہ

یہ 20 دسمبر 1960ء کے دن مظفر پور بہار میں پیدا ہوئیں۔ وہ دسمبر 1960ء سے 1969ء تک اپنے نانا مکرم ڈاکٹر سید منصور صاحب اور نانی مکرمہ سیدہ زینب بیگم صاحبہ کے زیر تربیت رہی۔مظفر پور میں ہی اپنی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ابتدائی تعلیم حاصل کی۔جون 1969ء میں 8 سال کی عمر میں کینیڈا آ گئی۔تقریباً ساری تعلیم کینیڈا میں حاصل کی۔بی ایس سی اور بی ایڈ کے بعد کیلگری کے ایک اسکول میں 1989ء سے آج تک یعنی 2018ء تک کل 29 سالوں سے ایک کامیاب استاد کی حیثیت سے کام کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے کام میں کامیاب ہے۔نماز اور چندوں کی پابند ہیں۔انتہائی صابرہ اور محنتی ہیں مصائب برداشت کرتے ہوئے کبھی بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔انتہائی محنتی، ذمہ دار خاموش طبع، بہترین بیٹی اور بہترین ماں ہے۔

آپ کی شادی مکرم ناصر صاحب سے ہوئی۔افسوس کہ یہ رشتہ چل نہ سکا۔مکرمہ بشریٰ احمد کو ایک بیٹا عزیزم جمال احمد اور ایک بیٹی عزیزم زینب احمد ہے۔بیٹا جمال احمد 30 دسمبر 1993ء کے دن کیلگری کینیڈہ میں پیدا ہوا۔جو یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے۔ساتھ ہی کام بھی کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے لازمی چندوں کی بر وقت ادائیگی کرتا ہے۔خدام الاحمدیہ کی تنظیم کا فعال ممبر ہے۔بیٹی زینب احمد 19 ستمبر 1995ء کے دن کیلگری میں پیدا ہوئی۔اس وقت اسکول کے آخری سال کی طالبہ ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو دین کا خادم بنائے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنے والا بنائے۔آمین

(2) مکرم مبارک احمد صاحب

یہ 17 جولائی 1963ء کے دن مظفر پور بہار میں پیدا ہوا۔چھ سال کی عمر میں کینڈہ آ گیا۔ اس نے

سید مبارک احمد

شاہ محمد خالد احمد

شاہ حارث محمود احمد

جمال احمد

کینیڈا میں M.SC انجینیر نگ کی تعلیم حاصل کی۔ایک لمبا عرصہ سے پرائیویٹ اداروں میں کام کر رہا ہےاور اپنے کام میں کامیاب ہے۔الحمدللہ نمازوں اور روزہ کا پابند ہے۔نظام وصیت میں شامل ہے۔ اسے کئی سالوں سے جماعت احمدیہ ایڈمنٹن میں سیکریٹری عمومی کے فرائض ادا کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اس کی شادی میری بھانجی آصف جہاں صاحبہ کی بیٹی مکرمہ فوزیہ زکریا سے 1991ء میں ہوئی۔کینیڈا آنے کے بعد فوزیہ ذکریہ نے کئی تعلیمی اسناد حاصل کئے ہیں اور ایک کلینک میں کام کر رہی ہے۔الحمدللہ نظام وصیت میں شامل ہے۔کئی سالوں سے لجنہ اماءاللہ کے ایک حلقہ کی صدر کے طور پر خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔خاکسار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے ہمیں ایسی اطاعت شعار بہو عطا فرمائی۔اس پورے خاندان کو 2014ء میں عمرہ کی توفیق ملی۔اس موقعہ پر انہوں نے میری اور میری اہلیہ جو اُس وقت بقید حیات تھیں کی جانب سے عمرہ بدل کیا۔جزاکم اللہ۔پھر 2015ء میں عزیز مبارک احمد اور عزیزہ فوزیہ نے حج کی سعادت حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ نے مبارک احمد اور فوزیہ کو تین بچوں سے نوازا ہے۔

(1) عزیزم خالد احمد صاحب (2) عزیزم حارث احمد (3) عزیزم سدرہ احمد

عزیزم خالد احمد کی پیدائش 15 نومبر 1992ء میں بمقام سسکاٹون میں ہوئی۔یونیورسٹی آف البرٹا انجینر نگ کا کورس کیا اب ملازمت کر رہا ہے خدام الاحمدیہ اور جماعت کے دیگر کاموں میں فعال ہے۔

عزیزم حارث احمد بھی سسکاٹون میں 15 ستمبر 1996ء میں پیدا ہوا۔یونیورسٹی کا ایک سال مکمل کر لیا ہے۔پڑھائی میں انتہائی ذہین ہے۔چندوں کی بروقت ادائیگی کرتا ہے۔

عزیزہ سدرہ احمد: یہ 23 جون 1999ء میں ایڈمینٹن میں پیدا ہوئی۔اس وقت گیارہویں جماعت کی طالب علم ہے اسکول کے امتحانات میں اعلیٰ نمبر حاصل کئے ہیں۔ناصرات کی طرف سے جو مقالہ جات لکھنے کے لئے ملتے ہیں اُس میں حصہ لیتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس کم سنی میں وہ نظام وصیت میں شامل ہوگئ ہے۔

(3) مکرمہ مبشرہ احمد صاحبہ

یہ 20 فروری 1965ء کے دن مظفر پور بہار میں پیدا ہوئی۔بشریٰ،مبارک اور مبشرہ کے مظفر پور
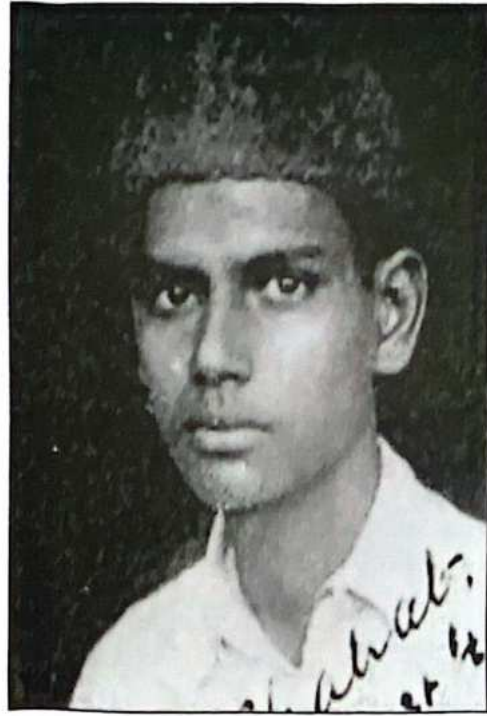
سید شہاب احمد
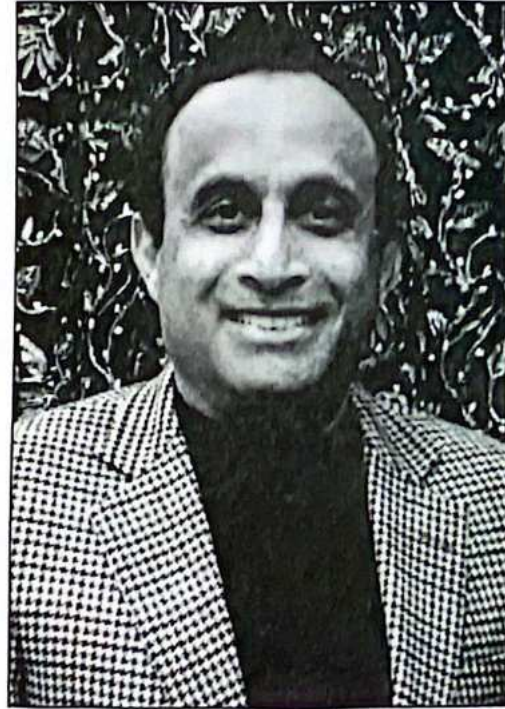
ولی شیخ

نثار شیخ

میں پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میری اہلیہ اپنے والدین کے ساتھ مظفر پور میں مقیم تھیں۔ مبشرہ کی شادی مکرم شیخ محمد ولی صاحب سے 1997ء میں ہوئی۔ یہ لاہور کے باشندہ ہیں لیکن شادی کے پہلے امریکہ میں منتقل ہو چکے تھے۔ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح تجارت کرتے ہیں اور اپنے کاروبار میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہیں۔ جماعتی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں غیر معمولی برکت عطا فرمائے۔

مبشرہ اور مکرم ولی احمد صاحب کو ایک بیٹا عزیزم شیخ نثار احمد ہے۔ یہ امریکہ کے شہر سان فرانسسکو میں 28 اگست 1998ء میں پیدا ہوا۔ اس وقت بارہویں کلاس کا طالب علم ہے۔ عمر کے لحاظ سے مذہبی واقفیت کافی اچھی ہے۔

(4) مکرمہ عفت احمد صاحبہ

آپ 16 ستمبر 1971ء کے ہیلی فیٹ کینیڈہ میں پیدا ہوئیں۔ اس نے لائبریری سائنس کا کورس کیا ہوا ہے اور اس وقت ایک یونیورسٹی میں لائبریرین کا کام کر رہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو خادم دین اور نیک قسمت بنائے۔ آمین۔

9۔ مکرم شاہد احمد صاحب

آپ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں 1931ء میں پیدا ہوئے۔ اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ گلاسکو یونیورسٹی سے نفسیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ دوران تعلیم ان کے پروفیسر نے ان کی صلاحیت دیکھ کر انہیں assistant lecturer بحال کر دیا جو شاذ ہی ہوتا ہے۔ اپنی ڈگری حاصل کرنے کے بعد لکچرار کے طور پر کینڈا میں کام کیا۔ اب ریٹائرڈ ہیں اور کینڈا میں مقیم ہیں۔ بہت ہنس مکھ انسان ہیں۔ آپ کی اہلیہ مبارکہ بیگم صاحبہ بہار کے اوّل احمدی نیز از تین سو تیرہ اصحاب صدق وصفا حضرت مولانا حسن علی صاحب ؓ کے خاندان سے ہیں۔ ان دونوں کی دو بیٹیاں نجمہ احمد صاحبہ اور سبینا احمد صاحبہ ہیں اور ایک بیٹا ندیم احمد صاحب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تینوں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچوں کو خدمت دین والی لمبی عمر عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص فضل سے آپ کو اور آپ کی اہلیہ محترمہ کو عمرہ کی سعادت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور انجام بخیر فرمائے۔
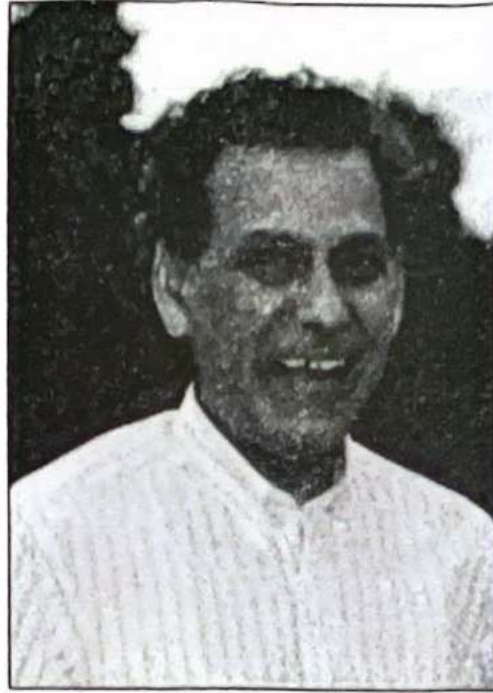
مکرم سیّد شاہد احمد صاحب

سیّد خالد احمد صاحب

سیّد سہیل احمد صاحب

شاہ محمد توحید صاحب

حضرت سیدہ صالحہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مکرم سید ارادت حسین صاحبؓ کی دوسری بیٹی کا نام سیدہ صالحہ بیگمؓ تھا۔آپ 1899ء میں اورین میں پیدا ہوئیں۔ 1908ء میں جب آپ صرف 9 سال کی تھیں، آپ کی شادی مکرم شاہ محمد توحید صاحب کے ساتھ ہوئی جو ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین صاحب (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) کے چھوٹے بھائی تھے۔ نیز اپنے پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ وہ ساری زندگی اپنے آبائی گاؤں ارول میں مقیم رہے اور اپنے خاندانی پیشہ زراعت کو بڑے احسن رنگ میں نبھایا۔ آپ رفاہی کاموں میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ارول میں زمانہ دراز سے ایک مڈل اسکول تھا۔ جن دنوں وہ اس اسکول کے معتمد رہے تو انہوں نے کوشش کر کے اس اسکول کو مڈل سے بڑھا کر ہائی اسکول کر دیا۔ وہ اپنے ضلع گیا کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے بھی رکن تھے۔ اس کے علاوہ آپ بہار اور اوڑیسہ کارپوریٹو بورڈ کے بھی رکن تھے جو بڑے اعزاز کی بات ہے۔ انہیں بہار حکومت کی طرف سے ''خان صاحب'' کا لقب ملا تھا۔ 1946ء میں مسلم لیگ نے اپنے کارکنان کو ہدایت کی کہ لیگ کے سارے ممبران اپنے القاب واپس کر دیں انہوں نے بھی واپس کر دیا۔ وہ اپنے بھائی مکرم شاہ محمد رشید الدین صاحب کی طرح مذہبی معاملہ میں پورے روادار تھے۔ ان کی اہلیہ اور نو بیٹے بیٹیاں ہمیشہ اعلانیہ احمدی رہے۔ عیدین کی نمازیں بھی اپنے گھر پر پڑھتے رہے لیکن انہوں نے کبھی مداخلت نہیں کی۔ چونکہ وہ ایک بارسوخ انسان تھے اس لئے کبھی کسی مخالف احمدیت کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان کی احمدی اولاد کو تنگ کر سکے۔ اس کے علاوہ قادیان سے جو نمائندگان آتے ان کی پوری مہمان نوازی کرتے تھے۔

میری والدہ سیدہ میمونہ بیگمؓ صاحبہ جن کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی، نے ایک بار ہم لوگوں سے ذکر کیا کہ وہ اور صالحہ ایسے وقت میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئیں جب حضور طعام فرما رہے تھے۔ حضور علیہ اسلام نے اپنے دست مبارک سے ایک لقمہ عزیزہ صالحہ کے منہ میں ڈالا۔ اللہ اللہ اس سے بڑھ کر کسی کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ خدا کا مسیح اسے اپنے مبارک ہاتھ سے کسی بچی کے منہ میں لقمہ ڈالے۔ یقیناً یہ سعادت قابل رشک ہے اسی لقمہ کا اثر تھا کہ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہ کا دسترخوان ہمیشہ وسیع رہا

اس عاجز نے ایک لمبے عرصہ تک دیکھا ہے کہ مہمانوں کی تعداد کتنی ہی ہو جائے جو عام طور پر بغیر کسی اطلاع کے آتے تھے، ان کی اور ان کے شوہر کی خندہ پیشانی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

محترمہ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہؓ انتہائی ٹھنڈے مزاج کی تھیں اگر کوئی ان سے غصہ سے بات کرتا تو وہ خاموشی اختیار کر لیتیں تھیں اس لئے بحث مباحثہ کی نوبت ہی نہ آتی تھی 1945ء سے 1950ء تک وہ دل کی مریضہ رہیں 1950ء میں وہ اپنے بھائی ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب سے ملنے مظفر پور گئیں اور وہیں 6فروری 1950ء کے دن مولیٰ کریم کے حضور حاضر ہو گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ مظفر پور میں ہی مدفون ہوئیں۔

آپ کی سب سے بڑی بیٹی شکیلہ اختر صاحبہ اہلیہ سید اختر اوربنوی صاحب پٹنہ بہار نے مضمون ''تربیت اولاد کا فریضہ اور بہار کی چار خواتین'' مصنفہ مکرم عبدالکریم رضی احمد حسینپوری مونگھیری بہار کا مضمون مطبوعہ اخبار بدر 4مارچ 1976ء پڑھ کر ایک مضمون بعنوان ''تربیت اولاد کا اہم فریضہ اور بہار کی چار خواتین ایک ضمیمہ'' مطبوعہ اخبار بدر قادیان 22اپریل 1976ء تحریر کیا۔ اس مضمون میں آپ نے اپنی والدہ محترمہ اور دیگر خاندان کے کوائف تحریر کئے ہیں۔ جو ان بزرگان کی سیرت پر کافی جامع روشنی ڈالتے ہیں۔ اس مضمون کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ آپ لکھتی ہیں۔

''' 4مارچ 1976ء کے بدر میں مکرم عبدالکریم رضی احمد حسینپوری مونگھیری بہار کا مضمون ''تربیت اولاد کا فریضہ اور بہار کی چار خواتین'' پڑھا۔ مضمون بڑا اچھا ہے مگر میری والدہ صاحبہ سیدہ صالحہ خاتون صحابیہ کے متعلق حالات کچھ نامکمل ہیں۔ میرے نانا سید ارادت حسین صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ اپنے چھوٹے بھائی سید وزارت حسین صاحب کے ساتھ اپنے بال بچوں اور بیوی کے ساتھ قادیان ہجرت کی تھی۔ محترم خسر محترم سید وزارت حسین صاحب اور نانا جان کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قربت میں رہنے اور سلسلہ کا کام کرنے نیز صحابی ہونے کی عزت بخشی تھی۔ میری نانی محترمہ سیدہ رؤف النساء خاتون صاحبہ نے قادیان میں بیعت کی تھی۔ میری خالہ اماں محترمہ میمونہ خاتون صاحبہ 9سال کی تھیں اور میری والدہ محترمہ سیدہ صالحہ خاتون صاحبہ کی عمر اس وقت 5سال کی تھی۔ اماں جان مرحومہ ہمیشہ اپنے بچوں کو بتایا کرتی تھیں اور خاص طور پر مجھے چونکہ میں سب

سے بڑی اولاد ہوں۔ کہا کرتی تھیں کہ ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دن پلنگ پر بیٹھے کھانہ کھا رہے تھے میں حضور کے قریب کھڑی ہوگئی اور آپ کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھتی رہی، حضور نے مجھ کو دیکھا اور اپنے کھانے میں نوالہ بنا کر اپنے مبارک ہاتھ سے میرے منہ میں نوالہ کھلا دیا تھا۔'' اماں جان کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ مبارک ہاتھ نے اُن کے منہ میں نوالہ کھلایا۔ یہ مبارک نوالہ تھا جس نے ایک کمزور لڑکی کو احمدیت پر سختی سے قائم رکھا۔ اماں جان کی شادی صرف دس سال کی عمر میں ایسے گھر میں ہوئی جہاں خاندان حضرت مخدوم صاحب کے مزار پر شرک و بدعت کے چڑھاوے ہر گھر پر چڑھائے جاتے تھے۔ اماں جان بفضلہٖ تعالیٰ ہر قسم کے شرک و بدعتوں سے بچی رہیں۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو مجھے بڑی حسرت ہوتی کہ ہماری چچیاں، پھوپھیاں اور رشتہ دار بہنیں گاتی ہوئیں چڑھاوے کی چیزیں لئے درگاہ پر جارہی ہیں مگر اماں جان نہ تو خود جاتیں اور نہ ہم بہنوں کو ہی جانے کی اجازت دیا کرتی تھیں، دوسرے دن چڑھاوے کی چیزیں مالکانہ حق کی وجہ سے ہمارے گھر بھی آتیں، ہم ان چیزوں کو ذرا سا بھی منہ میں رکھ لیتے تو اماں جان کبھی نرمی اور کبھی سختی کے ساتھ منہ میں انگلیاں ڈال کر نکال پھینکتی تھیں۔ اماں جان سُنایا کرتی تھیں کہ ابا جان شروع میں بڑے مخالف تھے۔ مولویوں نے انہیں بہکا رکھا تھا اور وہ کچھ دنوں تک یہ سمجھتے رہے کہ اُن کا نکاح جائز نہیں ہوا۔ ابا جان اپنے پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ابا جان سے بڑے بھائی ڈاکٹر شاہ رشید الدین صاحب تھے جن سے محترمہ خالہ اماں سیدہ میمونہ خاتون کی شادی ہوئی تھی چونکہ چچا جان جو کہ ہمارے سگے خالو بھی تھے نوکری کے سلسلہ میں ہمیشہ باہر ہی رہا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اماں جان کو اپنے سسرالی لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے شرک و بدعت کے خلاف جس قدر جد جہد کرنی پڑی خالہ اماں جان ان پریشانیوں سے محفوظ رہیں۔ محترم چچا جان ڈاکٹر رشید الدین صاحب بہت ہی کھلے دل کے آدمی تھے۔ انہوں نے ہمیشہ احمدیت کی تعریف اور عزت کی۔ میرے والد محترم شاہ توحید کی نگاہوں میں بھی رفتہ رفتہ احمدیت کی عزت بڑھتی چلی گئی۔ اماں جان کی نیکی، شرافت، شوہر کی خدمت اور فرمانبرداری نے ابا جان کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ جب اُن کے بچے بیمار ہوتے تو دعاؤں کے لئے (قادیان) تار بھجواتے۔ 1942ء یا 1943ء میں حضرت عبد الرحیم صاحب نیر اور محترم مولانا سلیم احمد صاحب چند مہینوں کے لئے تبلیغ کی خاطر پٹنہ تشریف لائے تھے اور

مجھ ناچیز کے گھر قیام فرما ہوئے تھے۔ حضرت نیر صاحب خاص طور پر ابا جان سے ملے۔ ارول تشریف لے گئے آپ کو دیکھتے ہی ابا جان بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ فرمایا کہ جس کا غلام حضور جیسا ہو اُس کا آقا کیسا ہوگا؟....

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک ہاتھ سے جس بچی نے مبارک نوالہ کھایا تھا، الحمدللہ اس کی 9 کی 9 یعنی ساری اولاد احمدی ہے۔

نانا جان سید ارادت حسین صاحب نے محترمہ نانی جان اور اپنی دونوں بچیوں یعنی محترمہ خالہ اماں سیدہ میمونہ خاتون اور والدہ محترمہ سیدہ صالحہ خاتون کی بیعت کروادی تھی۔ محترم ماموں جان ڈاکٹر سید منصور احمد مظفر پور کے متعلق مجھے یاد نہیں کہ وہ پیدا ہو چکے تھے یا نہیں۔ یا اُس وقت بہت ہی چھوٹے تھے۔''

نوٹ: سید برادران 1903ء کے ابتدائی مہینوں میں قادیان میں مقیم تھے۔ ڈاکٹر منصور احمد صاحب کی تاریخ پیدائش 4 نومبر 1903ء ہے۔ اس لئے وہ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔ شہاب

(ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 22 اپریل 1976ء صفحہ 9)

مکرمہ صالحہ بیگم صاحبہؓ کے شوہر مکرم شاہ محمد توحید صاحب 18 اکتوبر 1961ء کے دن پٹنہ جنرل ہسپتال میں فوت ہوئے۔ آپ کی اولاد اپنے والد محترم کی لاش ان کے آبائی گاؤں ارول لے گئی جہاں پر آپ کی تدفین ہوئی۔

آپ کے انتقال پر اخبار بدر قادیان 26 اکتوبر 1961 صفحہ 9 میں محترم مولانا عبدالحق صاحب مرحوم نے بعنوان ''محترم شاہ محمد توحید صاحب کی وفات'' ایک مضمون شائع کیا تھا۔ جس میں آپ کی زندگی کے مختلف واقعات اور حالات نمایاں ہوتے ہیں اُس مضمون کے بعض اہم حصص پیش ہیں:

''بتاریخ 18 اکتوبر 1961ء صبح ساڑھے چھ بجے شاہ محمد توحید صاحب تہتر سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ آپ جناب ڈاکٹر سید اختر احمد صاحب اور ینوی کے خسر محترم اور ارول ضلع گیا کے ہر دلعزیز اور نادر شخصیت تھے۔ آپ نے متعدد مرتبہ اپنی خدا داد عقل و ذہانت اور قربانی سے فرقہ وارانہ فسادات کو فرو کیا اور ہمیشہ اس علاقہ میں امن و توازن قائم رکھا۔ آپ نہات مخیر، غرباء پرور اور اچھے مہمان خانہ انسان تھے۔ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر یہ ہوا کہ اس

علاقہ میں احمدیت کے شجرہ طیبہ کی تخم ریزی کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر کو ہی انتخاب فرمایا وہ اس طرح کہ آپ کی بیگم صاحبہ مرحومہ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہؓ بنت سید ارادت حسین صاحبؓ اوربنوی (صحابی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کے تقویٰ اور اخلاق فاضلہ نیز حضرت سید ارادت حسین صاحب کی دعاؤں کے نتیجہ میں آپ کی ساری کی ساری اولاد احمدیت کی آغوش میں آگئی۔اور شاہ صاحب مرحوم نے کبھی مخالفت نہ کی۔

چار بجے دوپہر 8اکتوبر کو آپ کی نماز جنازہ خاکسار نے آپ کے آبائی گاؤں اردل میں پڑھائی''

مکرمہ سیدہ صالحہ بیگمؓ و شاہ محمد توحید صاحب کی اولاد

اللہ تعالیٰ نے سیدہ صالحہ بیگم صاحبہؓ اور شاہ محمد توحید صاحب کو اپنے فضل سے اولاد کی نعمت سے نوازا۔آپ کے تین بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ یہ سب علی اعلان احمدی تھے۔ان میں چھ کا انتقال ہو گیا ہے۔اب صرف تین زندہ ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں صحت و سلامتی والی عمر عطا فرمائے۔

بیٹے:

(1) مکرم پروفیسر شاہ عزیز صاحب مرحوم

(2) مکرم ڈاکٹر شاہ خورشید احمد صاحب مرحوم

(3) مکرم سید آفتاب احمد صاحب۔حال مقیم امریکہ

بیٹیاں:

(1) مکرمہ شکیلہ اختر صاحبہ مرحومہ زوجہ مکرم اختر اوربنوی صاحب

(2) مکرمہ رضیا رعنا صاحبہ مرحومہ زوجہ مکرم سید عبدالقیوم صاحب

(3) مکرمہ صوفیہ فضل صاحبہ مرحومہ زوجہ مکرم سید فضل احمد صاحب

(4) مکرمہ عزرہ صاحبہ مرحومہ زوجہ مکرم ڈاکٹر شاہ محمد شمیم صاحب

(5) مکرمہ شہلا صاحبہ زوجہ مکرم سہیل احمد صاحب ابن مکرم سید محی الدین صاحب رانچی

(6) مکرمہ روحی صاحبہ زوجہ مکرم زبیر صاحب

آپ کی اولاد کا اختصاراً ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

پروفیسر عزیز احمد صاحب

ڈاکٹر خورشید احمد صاحب

ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب

سیّد خلیل احمد صاحب

زبیر احمد صاحب

تنویر احمد صاحب

1۔مکرمہ شکیلہ اختر صاحبہ

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں ۔آپ بھی اپنے والدین کی طرح مہمان نواز نیز دوسروں سے محبت کرنے والی تھیں اور یہ محبت نہ صرف آپ کی زبان سے ظاہر ہوتی تھی بلکہ ان کی آنکھوں سے بھی عیاں ہوتی تھی ۔ان کا ذکران کے شوہر اختر اورینوی صاحب کے ساتھ ہو چکا ہے۔آپ کی وفات پر آپ کی بہن محترمہ صوفیہ فضل صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ بہار نے جو مضمون لکھا۔ وہ قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔آپ تحریر کرتی ہیں:

میری آپا

میری آپا شکیلہ اختر صاحبہ 10 فروری 1994ءکو اپنے مولیٰ حقیقی کے پاس صرف ایک دودن کی بیماری میں چلی گئیں ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ افسوس کہ مَیں ان دنوں اپنے ہارٹ کے دوبارہ آپریشن کے لئے امریکہ گئی ہوئی تھی۔ جب میں جارہی تھی تو مجھے انہوں نے اس طرح رخصت کیا جیسے اب ہم نہیں مل سکیں گے۔ہم بہن بھائیوں اوران کے بچوں کے ساتھ ماں کی طرح سلوک کرتی رہیں۔ان کا گھر بچوں سے بھرا رہتا تھا۔ہم سب کے بچے آپا کے پاس ہی تعلیم کے سلسلہ میں رہتے تھے۔اس سے پہلے ان بچوں کے والد بھی اپنی کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے لئے انہیں کے پاس رہتے تھے۔ جب حضرت عبدالرحیم نیرؓ صاحب صحابی مرحوم مبلغ سلسلہ پٹنہ تشریف لائے تو وہیں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہے اوراکثر یہ دعا کرتے خدا تعالیٰ شکیلہ اور اختر کے ہوسٹل کو قائم رکھنا۔(اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشی۔شہاب)

میری آپا خاندان حضرت مسیح موعودعلیہ السلام سے گہری محبت ووابستگی رکھتی تھیں۔علم قرآن،احادیث اوردینی کتب کا گہرائی سے مطالعہ کیا کرتی تھیں۔خدا تعالیٰ نے آپ کواردوزبان وادب میں بہت مہارت دی تھی اورانہوں نے اردو علمی دنیا سے بہت سارے ایوارڈ حاصل کئے تھے۔کئی کتابوں کی مصنفہ تھیں۔

میری آپا ایک صحابیہ حضرت صالحہ خاتون صاحبہؓ کی بیٹی،حضرت مولوی سید ارادت حسین صاحبؓ کی نواسی اور سید مولوی وزارت حسین صاحبؓ کی بہو تھیں۔ان کی شادی ڈاکٹر پروفیسر اختر احمد صاحب اورینوی سے ہوئی تھی۔دونوں ہی اسلام کے فدائی تھے۔خدا تعالیٰ نے انہیں بچے نہیں دئے تھے۔(ان کی بہنوں اور بھائیوں کے بچے ان کے مکان میں بغرض تعلیم رہتے تھے۔شہاب) لیکن ہمارے پیارے

بہنوئی جو کہ میری امی کے چچازاد بھائی بھی تھے اور میرے جیٹھ تھے۔ ایسی پُر شفقت ہستی پیار ومحبت سے چمکتا ہوا چہرہ۔ کبھی بھی اعتراض نہیں کرتے تھے کہ بچے مجھے ڈسٹرب کرتے ہیں۔ انتہائی قابل ہستی اور مجمع میں چھا جانے والے مقرر سیرت النبی ﷺ کے غیر از جماعت مجلسوں میں مسحور کن تقریر کرتے تھے۔ اسلام کے اقتصادی نظام پر گہری نظر رکھتے تھے اور ہمیشہ اس نظام کی فضیلت بیان کرتے رہتے تھے اور اسلام ورسول کریم کی شان کے لئے بڑی غیرت رکھتے تھے۔

میری آپا جب پٹنہ میں لجنہ اماء اللہ قائم ہوئی (اُس وقت سے) وہ تا حیات صدر لجنہ اماء اللہ پٹنہ رہیں۔ بے حد قابل تھیں اور محبت وخلوص کے ساتھ مرکزی نمائندگوں کی مہمان نوازی کرتی رہتی تھیں۔

جب ہم سب بھائی بہن چھوٹے تھے تو اسلام واحمدیت کے متعلق قرآن کریم سے ساری پیشگوئیاں ہم کو سمجھاتیں، نماز، دعائیں اور علم قرآن ہم سب کو آپا نے سکھایا۔

تبلیغ کا دلی جوش تھا۔ ولولہ اور محبت کے ساتھ سبھی کو تبلیغ کرتیں۔ وہ موصیہ تھیں۔ پیار ومحبت کی مجسمہ میری آپا اب ہمارے ساتھ نہیں ہیں لیکن ان کی کمی ہم سب ہر لحہ محسوس کرتے ہیں۔ لجنہ اماء اللہ پٹنہ کی روح رواں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی وصیت کی ساری ادائیگی اپنی زندگی میں ادا کر چکی تھیں اور خدا تعالیٰ نے ہاتھوں ہاتھ بہشتی مقبرہ پہنچا دیا اور اب اپنے شوہر کے بازو میں مدفون ہیں۔

بلانے وال ہے سب سے پیارا
اُسی پے اے دل تو جاں نثار کر

(ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 23 فروری 1995ء)

مکرمہ شکیلہ اختر صاحبہ کے بارے میں مکرم اعجاز علی ارشد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

شکیلہ بنت شاہ محمد توحید قصبہ ارول ضلع گیا (موجودہ ضلع جہان آباد) میں پیدا ہوئیں۔ ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق متضاد بیانات ملتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حامد علی خاں سال ولادت 1914ء (مقالہ مطبوعہ زبان وادب، پٹنہ مئی 2005ء) سلطان آزاد اور سید شاہ اقبال 1916ء، ڈاکٹر اختر اور پروفیسر وہاب اشرف 1919ء بتاتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے باضابطہ طور پر کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی، اس لئے تعلیمی سند کے اعتبار سے بھی کچھ طے کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ ڈاکٹر اختر نے اپنی کتاب ''شناخت'' (مطبوعہ 1981ء، تصنیف شدہ 1965)

کی ابتداء میں ''مطالعہ کا طریقہ'' کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے اس کی روشنی میں تاریخ پیدائش 25ر اگست 1919ء تسلیم کی جاسکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

جن افسانہ نگار خواتین کا میں نے اس مقالہ میں ذکر کیا ہے ان میں رضیہ آپا کو چھوڑ کر تقریباً سبھوں نے جوابات ارسال کئے۔ جن کی روشنی میں ان کی پیدائش، تعلیم اور نجی زندگی کی بعض مصروفیتوں کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔ کیوں کہ لکھنے والوں نے خود معلومات بھیجی ہیں اس لئے یہ سب سے زیادہ معتبر ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر اختر اورینوی کی 'پام ویلا' میں پہلی بار آمد (1932ء) اور شکیلہ اختر کے ساتھ ان کی شادی کی تاریخ یعنی 24ر مئی 1933ء (جس پر اتفاق رائے ہے) کو ذہن میں رکھا جائے تو صرف چودہ برس کی عمر میں شادی کی روایت قدرے مشکوک معلوم دیتی ہے مگر یہ بھی ہے کہ وہ اختر اورینوی کی چچازاد بہن صالحہ بیگم (منکوحہ شاہ محمد توحید رئیس ارول) کی بیٹی تھیں اس لئے ممکن ہے کہ فریقین کی رضامندی کے سبب کم عمری میں یہ شادی ہوگئی ہو۔ بہر حال کسی حتمی تردید کی غیر موجودگی میں مصنفہ کے بیان پر بھروسہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

خود ان ہی کے بیان کے مطابق ان کی ابتدائی تعلیم خالص اسلامی طریقے کے مطابق مولوی عبد الغفور صاحب کی نگرانی میں ہوئی جو ان کے قرابت داروں میں تھے اور گاؤں میں ایک مدرسہ چلاتے تھے ویسے وہ خود بھی ایک ذی علم گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ جہاں ہمہ وقت علم وادب کا چرچا رہتا تھا اور اپنے زمانے کے مشہور ادبی رسائل مثلاً نیرنگ خیال، ساقی، عصمت، ادبی دنیا اور کلیم وغیرہ زیر مطالعہ رہتے تھے۔ مگران کے ادبی ذوق کی تعمیر وتشکیل میں میر، مومن، غالب اور اقبال کی شاعری کے ساتھ انگریزی، جغرافیہ اور تاریخ کی بھی تعلیم دی (ملاحظہ رسالہ فن اور شخصیت بمبئی، آپ بیتی نمبر مارچ 1980ء ص 221) یہ بھی طے شدہ ہے کہ اختر اورینوی سے عقد کے بعد ہی انہوں نے شکیلہ اختر کے قلمی نام سے لکھنا اور چھپنا شروع کیا۔

شادی کے بعد شکیلہ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ پٹنہ میں اختر اورینوی صاحب کی سرکاری رہائش گاہ واقع چھجو باغ میں گذرا۔ یہاں ملک کے مشاہیر اہل قلم کی برابری اور آمد ورفت رہتی تھی۔ جن کی میز بانی ان کے فرائض میں داخل تھی۔ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی تادم تحریر مرگ اختر صاحب اسی کوٹھی میں مقیم رہے اور شکیلہ ان کی تیمارداری میں مشغول رہیں۔ بظاہر زندگی خاصی آسودہ حال تھیں مگر بے اولادی کا غم ہمیشہ انہیں افسردہ کرتا رہا۔ اختر صاحب کی وفات (مارچ 1977ء) کے بعد وہ سری کرشنا پوری پٹنہ کے ایک فلیٹ میں رہنے لگیں اور جب

تک صحت نے ساتھ دیا پٹنہ کی ادبی محفلوں اور سمیناروں کو اپنی موجودگی سے وقار بخشتی رہیں۔ بالآخر 10 فروری 1994ء کو وفات پائی۔ لاش قادیان لے جائی گئی جہاں مقبرہ بہشتی میں اختر اورینوی کے قریب ہی مدفون ہوئیں۔

شکیلہ اختر کی ادبی زندگی کا آغاز کب ہوا یہ کہنا بھی دشوار ہے۔ اس سلسلے میں خود ان کے بیانات بھی خاصا کنفیوژن پیدا کرتے رہے ہیں۔ مختلف بیانات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ابتداء میں انہوں نے کچھ غزلیں یا تفریحی مضامین لکھے ہوں مگر ان کا پہلا افسانہ 1940ء کے آس پاس ہی شائع ہوا ہوگا۔ ان کے افسانوں کے پہلے مجموعہ ''درپن'' کی اشاعت مکتبہ اردو لاہور سے کم وبیش اسی زمانے میں ہوئی ہوگی۔ اس مجموعے میں کل چودہ افسانے ہیں۔ اس کے بعد شکیلہ اختر کی درج ذیل تصانیف منظر عام پر آئیں۔

1۔ آنکھ مچولی (افسانوی مجموعہ جس میں کل گیارہ افسانے ہیں) مطبوعہ ممبئی۔ 1948ء)

2۔ ڈائن (افسانوی مجموعہ جس میں کل بارہ افسانے ہیں (مطبوعہ پٹنہ۔ 1952)

3۔ آگ اور پتھر (افسانوی مجموعہ جس میں کل تیرہ افسانے ہیں (مطبوعہ الہ آباد۔ 1967ء)

4۔ تنکے کا سہارا (تین ناولٹ بشمول تنکے کا سہارا) مطبوعہ۔ لکھنو۔ 1975ء)

5۔ لہو کے مول (افسانوی مجموعہ جس میں کل بارہ افسانے ہیں) مطبوعہ پٹنہ۔ 1978ء)

6۔ آخری سلام (افسانوی مجموعہ جس میں کل پندرہ افسانے ہیں) مطبوعہ لکھنو۔ 1986ء)

انہوں نے اختر اورینوی کے اداریوں کا ایک مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔ ان پر کئی تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں اور ان کی مختلف کتابوں پر بہار، بنگال اور اتر پردیش اردو اکادمی نے انعامات دیئے ہیں۔ وہ ایک عرصہ تک بہار اردو اکادمی کی مجلس عاملہ اور سب کمیٹیوں کی رکن رہی ہیں۔

اردو کی خواتین افسانہ نگاروں میں شکیلہ اختر کا اپنا ایک انداز اور مقام ہے۔ گرچہ ان کا دائرہ کار محدود اور طرز بیان سادہ ہے مگر افسانوں میں تاثیر کی کمی نہیں۔ اردو کے اہم ناقدوں نے ان کی انفرادیت تسلیم کی ہے۔ یہاں صرف ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر عبدالمغنی لکھتے ہیں:

''یہ مطالعہ حیات بہت صاف، سیدھا اور فطری ہے اس مطالعہ کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں نہ تو عصمت چغتائی کی طرح جنسی انحراف کا تعاقب ہے نہ حجاب امتیاز علی کی طرح مافوق الفطری تخیلات کی جلوہ گری نہ قرۃ العین حیدر کی طرح صوفیانہ فلسفہ طرزی اور نہ ہاجرہ سرور کی طرح اشتراکی پیچ وخم۔ شکیلہ اختر براہ راست اور خالص اردو

معاشرت کے احوال وکوائف کا نقشہ پوری وفاداری اور یکسوئی کے ساتھ کھینچ دیتی ہیں۔

(بشکریہ: بہار کی بہار عظیم آباد بیسویں صدی میں، تحریر: اعجاز علی ارشد، ناشر: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ)

آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی۔ آپ کی قبر قطعہ نمبر 9 میں اپنے خاوند محترم ڈاکٹر سید اختر اورینوی صاحب کے ساتھ موجود ہے۔ آپ کی قبر پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے؛

مزار

محترمہ شکیلہ اختر صاحبہ زوجہ محترم پروفیسر ڈاکٹر سید اختر اورینوی صاحب ساکن اورین بہار

تاریخ پیدائش 1917ء تاریخ وفات 10 فروری 1994ء وصیت نمبر 13672 عمر 77 سال

مرحومہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گہری محبت ووابستگی رکھتی تھیں۔ قرآن احادیث اور دینی کتب کا گہرائی سے مطالعہ کرتی رہتی تھیں۔ خدا تعالیٰ نے اُنہیں اردو زبان وادب میں بلندی عطا کی تھی اور انہوں نے اُردو علمی دنیا میں بہت سارے ایوارڈ حاصل کئے تھے۔

محترم سید ارادت حسین صاحبؓ صحابی کی نواسی اور محترم مولوی وزارت حسین صاحبؓ صحابی کی بہو تھیں۔ جب سے پٹنہ میں لجنہ اماء اللہ قائم ہوئی تھی۔ تاحیات صدر رہیں۔ محبت وخلوص کے ساتھ مرکزی نمائندگان کی مہمان نوازی کرتی رہتی تھیں۔ مرحومہ ایک بے حد محبت کرنے والی ہستی تھیں۔ بھائی بہنوں کے ساتھ ماں جیسا مشفقانہ سلوک کرتی تھی۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

2۔ مکرمہ رضیہ رعنا صاحبہ

آپ دوسرے نمبر پر تھیں۔ مکرمہ شکیلہ اختر صاحبہ اگر کامیاب افسانہ نویس تھیں تو آپ کامیاب شاعرہ تھیں۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ ’خاک آشیاں‘‘ کتابی شکل میں بہار اردو اکاڈمی کے مالی تعاون سے جولائی 1980ء میں شائع ہوا ہے۔ اپنی بہن کی طرح آپ افسانہ نگاری بھی کرتی تھیں۔ ندیم، اور، سہیل، میں ان کے بہت سے افسانے شائع ہوئے تھے۔ محبت پریم کا بندھن، طلسم خیال، شریمتی جی، اور احساس ان کی اچھی کہانیاں ہیں۔ آپ 1999ء میں فوت ہوئیں اور تدفین ارول میں ہوئی۔ انتہائی نفاست پسند

تھیں۔ان کے مزاحیہ جملے اب بھی یاد آتے ہیں۔

شادی اور اولاد:

مکرمہ رضیہ رعنا صاحبہ کی شادی مکرم سید عبد القیوم صاحب سے ہوئی تھی۔ جو بہار کے مشہور صحابی حضرت مولانا عبد الماجد صاحب ؓ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔خود انتہائی نیک اور عاجز انسان تھے۔ 1963ء میں دل کے عارضہ سے پٹنہ ہسپتال میں فوت ہوئے اور اردل میں مدفون ہیں۔آپ کے تین بچے ہیں جن کے مختصر کوائف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مکرمہ شیریں پروین صاحبہ: 1941ء میں پیدا ہوئیں۔ پٹنہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا پھر پٹنہ کے شیلا والا ویمن کالج میں 1972 سے 2005ء تک درس وتدریس کا کام کیا۔اب وہ اور ان کے شوہر پینشن یافتہ قادیان میں مقیم ہیں۔

(2) مکرم سید ممتاز احمد صاحب: آپ پٹنہ میں 1947ء میں پیدا ہوئے۔ہندوستان میں ہی ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ برسوں سے انگلینڈ کے شہر کنگلن Kinglyn میں کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ان کی شادی مکرم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب کی دوسری بیٹی مکرمہ نشاط احمد صاحبہ سے ہوئی۔وہ بھی کامیاب ڈاکٹر ہیں۔ان کے دو بیٹے ہیں اور دونوں ڈاکٹر ہیں۔مکرم ممتاز احمد صاحب اور مکرم نشاط احمد صاحبہ مخلص احمدی ہیں شریعت کے پابند ہیں چندوں کی بروقت ادائیگی کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ دونوں کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔اور پورے خاندان کو صدق وصفا میں بڑھائے۔آمین

(3) مکرمہ زریں احمد صاحبہ: یہ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں 1950ء میں پیدا ہوئیں ان دنوں جے پور راجستھان میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہیں۔ یہاں یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ ان بچوں کے والد محترم عبد القیوم صاحب 1963ء میں انتقال کر گئے تھے اس وقت ان کے تینوں بچے کم سن تھے لیکن قابل تعریف ہیں مکرمہ رضیا رعنا صاحبہ جنہوں نے انتہائی محنت اور توجہ سے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی اور سلسلہ سے منسلک رکھا۔

3۔مکرم پروفیسر شاہ عزیز احمد صاحب

آپ تیسرے نمبر پر تھے اردو کے لیکچرار تھے۔ بہت ہنس مکھ انسان تھے۔ 1993ء میں فوت

ہوئے۔ اروِل میں مدفون ہیں۔ آپ کی شادی جماعت احمدیہ بھارت کے مشہور خادم سلسلہ مکرم سید محی الدین صاحب ایڈوکیٹ آف رانچی مرحوم کی بیٹی مکرمہ شمیم صاحبہ سے ہوئی تھی۔ افسوس اب مکرمہ شمیم صاحبہ بھی دنیا میں نہیں رہیں۔ آپ کی مندرجہ ذیل اولاد ہے۔

(1) مکرمہ نسرین احمد صاحبہ مرحومہ (2) مکرم نیر احمد صاحب مرحوم (3) مکرمہ کوثر احمد صاحبہ۔ (4) مکرم ڈاکٹر پرویز احمد صاحب۔ یہ ان دنوں امریکہ میں مقیم ہیں۔

4۔ مکرمہ صوفیہ فضل صاحبہ

یہ اپنے بھائی بہنوں میں چوتھے نمبر پر تھیں۔ ان کی شادی مکرم سید فضل احمد صاحب سے، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، کے ساتھ ہوئی۔ آپ بہت نیک تھیں۔ مجھ میں اور ان میں عمر میں بہت کم فرق تھا۔ اس لئے ہم سے بے تکلف تھیں۔ یکم جنوری 2009ء کے دن پٹنہ میں فوت ہوئیں۔ موصیہ تھیں بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین عمل میں آئی۔ ادبی ذوق بھی رکھتی تھیں۔ آپ کا ذکر آپ کے خاوند کے ذکر کے ساتھ ہو چکا ہے۔

5۔ مکرم شاہ ڈاکٹر خورشید احمد صاحب

آپ بھی ڈاکٹر تھے، تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے گاؤں اروِل میں بود و باش اختیار کی وہیں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ کی شادی بھی مکرم سید محی الدین صاحب آف رانچی کی بیٹی مکرمہ بشریٰ صاحبہ سے ہوئی تھی۔ اب بشریٰ صاحبہ بیوگی کے ایام گزار رہی ہیں۔

آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم تنویر احمد صاحب۔ آپ ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں، ان دنوں کولکاتا مغربی بنگال بھارت میں مقیم ہیں (2) مکرم خلیل احمد صاحب I.A.S آپ نے انڈین ایڈمسٹریشن کا امتحان پاس کیا ہوا ہے۔ ان دنوں کولکاتا میں کمیشنر کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔ جماعت احمدیہ کولکاتا کے لئے بے حد مفید وجود ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے ممبر ہیں۔ جماعتی خدمات میں بہت نمایاں ہیں۔ (3) مکرم ڈاکٹر نصیر احمد صاحب۔ آپ اپنے گاؤں اروِل میں پریکٹس کرتے ہیں۔ ان کی اہلیہ آنکھوں کے امراض کی ماہر ہیں وہ بھی اروِل میں اپنا کام کرتی ہیں۔ (4) مکرمہ کشور احمد صاحبہ۔ ان کی شادی مکرم سید فضل احمد صاحب کے دوسرے بیٹے مکرم سید محمود احمد صاحب سے ہوئی ہے۔ مکرم محمود احمد صاحب برٹش ٹوباگو میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

(5) مکرمہ شیریں تزین صاحبہ۔ ان کی شادی مکرم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب کے بیٹے مکرم ڈاکٹر ندیم احمد سے ہوئی ہے۔ یہ دونوں نوٹنگھم انگلستان میں رہتے ہیں۔

6۔ مکرمہ عزرا صاحبہ

یہ اپنے بھائی بہنوں میں چھٹے نمبر پر تھیں 1931ء میں ارول میں پیدا ہوئیں۔ اسکول کی تعلیم بہت کم تھی لیکن پھر بھی گھر میں ہی پڑھ کر معقول صلاحیت پیدا کر لی تھی۔ ان کی شادی میرے بڑے بھائی ڈاکٹر شمیم احمد صاحب سے 1948ء میں ہوئی۔ جو اس وقت طالب علم تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اپنے شوہر کے ساتھ آرہ میں گزارہ۔ خلیق اور غریب نواز تھیں۔ ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کے بعد جولائی 2004ء میں آرہ میں فوت ہوئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔

7۔ مکرم سید آفتاب احمد صاحب

آپ ارول میں 1934ء میں پیدا ہوئے۔ شروع سے آخر تک انتہائی کامیاب طالب علم رہے۔ HEART SURGERY کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ اس وقت پورٹ لینڈ اوریگن امریکہ میں بود باش ہے۔ چوٹی کے سرجن شمار ہوتے تھے۔ اس وقت ملازمت سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ربوہ پاکستان میں بھی اعزازی خدمات کا موقع نصیب ہوا۔ کنبہ پرور اور غریب پرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر صحت میں برکت عطا فرمائے اور انجام بخیر فرمائے۔

آپ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرمہ سحر صالحہ صاحبہ 1998ء میں ایک حادثہ میں وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (2) مکرمہ عائشہ احمد صاحبہ (3) مکرم عمران احمد صاحب آپ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ اللہ کے فضل سے وکالت کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ ذاتی پریکٹس کر رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے عزیزان کو خادم دین بنائے اور خلافت سے وابستہ رکھے۔

8۔ مکرمہ شہلا صاحبہ

ارول میں 1937 میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی شادی مکرم سید سہیل احمد صاحب ابن مکرم سید محی الدین

صاحب کے ساتھ ہوئی۔ سید سہیل احمد صاحب سول سروس آف پاکستان میں کامیاب ہوئے۔ شروع سے اچھے عہدے پر فائز رہے۔ پینشن کے وقت جائنٹ سکریٹری کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ کئی سالوں تک اسلام آباد کے صدر حلقہ بھی رہے۔ چند سال قبل ان کا انتقال ہوا ہے۔ مکرمہ شہلا صاحبہ اب بیوگی کے ایام اسلام آباد میں گزار رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائے۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دو بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا ہے جس کی تفصیل یوں ہے۔

بڑے بیٹے کا نام مکرم سید رضوان احمد صاحب ہے۔ ان کی پیدائش 1958ء میں ہوئی۔ انگلستان کی کسی یونیورسٹی سے M.B.A کیا۔ ان دنوں اپنی والدہ کے ساتھ اسلام آباد پاکستان میں مقیم ہیں۔

دوسرے بیٹے کا نام مکرم سید محمود احمد صاحب ہے۔ انہوں نے کنسٹرکشن مینجمنٹ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان دنوں ایک یونیورسٹی میں ہیڈ آف ڈیپارٹ منٹ ہیں۔ جن دنوں میں وہ میامی امریکہ میں تھے تو وہاں کی جماعت کے کئی سالوں تک صدر رہے ہیں۔ ان کے بیٹے کا نام مکرم سید مبارک احمد ہے۔ انہوں نے کمپیوٹر سائنس میں M.sc کیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کو ہیومینٹی فرسٹ کے تحت لائبیریا بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔

مکرم سہیل صاحب کی بیٹی کا نام مکرمہ نصرت صاحبہ ہے۔ ان دنوں اپنے شوہر مکرم مبارک احمد صاحب ابن مکرم سید فضل احمد صاحب کے ساتھ لاس ویگاس میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان بھائی بہنوں کا جماعت سے گہرا لگاؤ ہے۔

9۔ مکرمہ روحی صاحبہ

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔ 1939ء میں ارول میں پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی مکرم زبیر احمد صاحب ولد مکرم ظہور احمد صاحب سے 1964ء میں ہوئی۔ زبیر صاحب غریب پور ضلع بھاگلپور کے باشندے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں ملازمت شروع کی۔ اس سلسلہ میں 1971ء تک ڈھاکہ سابق پاکستان میں مقیم رہے۔ 1971ء میں بنگلہ دیش کے قیام کے بعد کراچی پاکستان آ گئے۔ 1997ء میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ 1999ء میں سرطان کا مرض

لاحق ہو گیا اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مکرمہ روحی صاحبہ آج کل کراچی میں اپنے بچوں کے ساتھ مقیم ہیں۔ اپنے نو بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ نیک اور اپنی نیک ماں مکرمہ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہؓ کی صحیح تصویر ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے اور انجام بخیر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل سے ایک بیٹا اور پانچ بیٹیوں سے نوازا ہے جن کے اسماء اس طرح ہیں۔ بیٹا مکرم سید عطاء المنان صاحب۔ بیٹیاں مکرمہ مریم صدیقہ صاحبہ، مکرمہ عائشہ صدیقہ صاحبہ، مکرمہ بشریٰ رابعہ صاحبہ، مکرمہ مہر خدیجہ صاحبہ، مکرمہ ناصرہ زبیر صاحبہ۔

تربیت اولاد کا اہم فریضہ اور بہار کی چار احمدی مائیں

مکرمہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ ،مکرمہ سیدہ صالحہ بیگم صاحبہؓ ،نیز دو اور عورتوں کا ذکر خیر تربیت اولاد کے حوالہ سے ہفت روزہ بدر قادیان 4 مارچ 1976 میں مندرجہ بالا سرخی کے ساتھ مکرم عبدالکریم رضی احمد صاحب حسینپوری مونگھیری بہار نے کیا ہے۔ اس مضمون سے جہاں ان بزرگ خواتین کی تربیت کے دلنشین طریقے و اسلوب کا علم ہوتا ہے وہیں یہ طریقے نئی نسل کی تربیت کے لئے بھی انتہائی اہم اور کارگر ہیں۔ مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس مضمون کو قارئین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ مکرم عبدالکریم رضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

’’میں کچھ عرصہ سے بہار کے چند اولین ایمان لانے والے بزرگوں کے متعلق مواد اکٹھا کر رہا ہوں اسی ضمن میں میری توجہ چند متبرک اور واجب التعظیم خواتین کی طرف مبذول ہوئی، جن کا ذکر برمحل ہوگا۔ اُمید ہے ہماری بہنوں کی توجہ اس طرف منعطف ہوکر اُن کے مذہبی کردار کی تعمیر میں معاون ہوگی۔

آج سے اسی سال قبل پنجاب کے ایک گمنام گوشہ سے ایک آواز اٹھی وہ صداقت اور ایمان کی حامل آواز، ایسی پُراثر تھی کہ دور و نزدیک کے بسنے والی سعید و مضطرب روحوں میں اس طرح پیوسط ہوگئی کہ اُن کے پورے وجود نے اس پکارنے والے کے وجود میں خود کو گم کر دیا۔ بہار کی وہ متبرک ہستیاں جنہوں نے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنے آقا کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیا۔ اُن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری، حضرت علی احمد صاحبؓ بھاگلپوری، حضرت مولوی سید وزارت حسین صاحبؓ مونگھیری، حضرت ماسٹر محبوب صاحب مونگھیری، حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری، اور حضرت عبدالمجید صاحب مونگھیری وغیرہ ہم۔ یہ ہستیاں اپنے زمانہ کے جید عالم فاضل اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ علوم عربی فارسی و علوم قدیمہ و مروجہ اور عقلی و نقلی میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے تحقیق و تفتیش کے بعد ادراک فہم کے ساتھ ایمان لانے کی سعادت حاصل کی اور مسیح محمد علیہ السلام کی اطاعت کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالا۔ اُس زمانے کے ہندوستان میں بہار علمی، عملی، لسانی، ادبی، اور مذہبی لحاظ سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا۔ دینی جذبہ اور حمیت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ کچھ عرصہ قبل ہی سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی آواز پر بہار نے (آرہ سے صادق پور پٹنہ سے ہوتے ہوئے مونگھیر اور بھاگلپور

تک) نہایت پُرزور طریق پر لبیک کہہ کر داروزسن کو دعوت سنی تھی۔ضرورت ہے کہ ان بزرگان کے متعلق اُن کے خاندان کے افراد توجہ کر کے اُن کی زندگی کے مخفی گوشوں کو منظر عام پر لائیں۔جن چار خواتین کا ذکر کیا جائے گا وہ ان ہی کے فیض تربیت کی بنا پر اس مضمون کے لئے محرک بنیں۔

ان خواتین کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کے ان کی شادی غیر احمدی حضرات سے ہوئی۔اُن کے شوہر تاحیات غیر احمدی رہے مگر وہ خواتین خود احمدی رہیں۔اور اپنے بچوں کو احمدی بنایا۔صرف نام لیوا احمدی نہیں بلکہ مخلص سچے اور جاں نثار احمدی بنایا۔بادی النظر یہ ایک چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر ہمارے یہاں کے سماجی پس منظر سے واقف حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ متوسط زمیندار (بہار میں دوامی بندوبست تھا اور تحصیل مالگزاری بھی زمیندار کے تحت تھا۔) خاندان میں عورت کی حیثیت نہیں کے برابر تھی۔شوہر کی رضا ہی اُس کا فرض اولیں سمجھا جاتا تھا اور جس کی تربیت بچپن سے ہی غریب لڑکی کو خود میکے میں ہی دی جاتی تھی۔اس کے برخلاف اس کے جگ ہنسائی ہوگی اور میکے کی ناک کٹ جائے گی۔عورت مثل جانور کے بے زبان سمجھی جاتی تھی کیونکہ مروجہ سماجی اقتدار کے تحت عورت کو ہر حالت میں اپنی زبان کو بند رکھنا ہوتا تھا۔شوہر کو مجازی خدا سمجھنا اس کے ہر حکم کو بے چون و چرا تسلیم کرنا اُس کا فرض منصبی تھا۔اُس دور میں اقبال جیسے مفکر بھی اس عقد مشکل کی کشود میں عاجز رہے۔

میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غم ناک بہت
نہیں لیکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشود

ایسے جابر اور قاہر سماج میں عورت کا اپنے شوہر سے مختلف عقیدہ قائم رہنا خود ایک بڑی بات ہے۔کجا اپنے بچوں کو ان کے باپ کے عقائد کے برخلاف تعلیم وتربیت دے کر احمدی بنانا پھر اُن کی شادی احمدیوں سے کرنا بالخصوص لڑکیوں اور بچیوں میں ایسا اخلاص پیدا کرنا کہ وہ بھی اپنے عقیدہ سے متزلزل نہ ہو سکیں۔ ان خواتین کی جرائت ان کا جذبہ ایمانی اور بے پناہ عزمیت ہی خود اُن کی عظمت کا درخشاں ثبوت ہے۔

چند سوال قارئین کے ذہن میں اٹھیں گے کہ اُن خواتین کے ایسے کردار کا باعث کیا تھا؟ کون سی وہ مخصوص بات تھی جس نے اُن کو ایسا اٹل، ثابت قدم اور آہنی عزم بخشا۔یہی وہ مقام تدبر ہے جس پر آج کے والدین کو سوچنا ہے۔یہ اُن خواتین کے محترم والدین کی تعلیم وتربیت کا پرتو اور نقش تھا جس نے ان کو یہ مقام

تخصیص عطا کیا۔ یہ اُن کے والدین کے ذریعہ بنایا گیا گھر کا ماحول تھا اور خود اُن کے والدین کا ذاتی نمونہ تھا جس نے ان کے بچوں کے کردار میں عمل میں ثبات اور ایمان میں استحکام بخشا۔

اس مقام پر مستحسن ہوگا کہ ہم خود اپنا جائزہ ایک نظر میں لیں کہ آج ہماری موجوہ حالت کیا ہے۔ ایک پُشت یا دو پُشت قبل گزرنے والے بزرگوں کے مقام پر کھڑے ہیں یا نہیں؟ دیکھا جاتا ہے کہ احمدیوں کے خوش حال گھرانے یا اعلیٰ عہدہ پر فائز خاندان میں اسلامی ماحول سے دوری ہوتی جارہی ہے۔ چند مخصوص گھرانے ایسے بھی ہیں جو پردے کی قید سے آزاد ہیں جب کہ المصلح الموعودؓ نے تو ترک اسلام کا اس ضمن میں حکم دے رکھا ہے۔

الحمدللہ ہمارا معاشرہ گناہ کبیرہ سے پاک ہے ہم میں شراب اور جوُا مطلق نہیں۔ سنیما بینی کی لعنت اگر چہ احمدیوں میں بہت کم ہے **پھر بھی** خدانہ خوانستہ جہاں کہیں بھی ہے سارے احمدی سماج کے لئے نفرت سے کم نہیں۔ یہ امور تو نہیں کے ضمن میں ہوئے۔ جہاں تک وہ احکام وافعال جوامر کے ضمن میں آتے ہیں۔ اس ضمن میں محاسبی غرض سے چند سوال درج ہیں جو ایک باپ سے تعلق رکھتے ہیں اور اُمید کی جاتی ہے کہ وہ خود ان کی روشنی میں اپنا تجزیہ کریں گے۔

(1) کیا آپ خود امامت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور بچوں کو فرداً فرداً نماز کے لئے پکارتے ہیں۔؟

(2) کیا آپ کے گھر میں 18 سال کے اوپر کے تین فرد ہیں۔؟ اگر ہیں تو کیا پانچوں وقت نماز جماعت سے قائم کرتے ہیں۔ (فجر مغرب اور عشا میں کام کا کوئی عذر پیش نہیں آتا۔)

(3) کیا آپ کے گھر میں تفسیر صغیر ہے؟ کیا آپ خود بامعنی تلاوت کے عادی ہیں۔؟

(4) کیا آپ کے بچے روزانہ کم سے کم قرآن کریم کی دس آیات اپنی اہلیت کے مطابق سادہ یا بامعنی پابندی کے ساتھ تلاوت کرے ہیں۔؟

(5) کیا آپ اپنی اہلیہ اور بچوں کو تلاوت کی تاکید کرتے ہیں۔؟

(6) کیا آپ نے آپ کی اہلیہ اور بچوں نے اسلام کی پہلی دوسری تیسری اور چوتھی اور پانچویں کتاب کا مطالعہ کرلیا ہے۔؟

(7) آپ خود بدر کا مطالعہ کرتے ہیں؟ اُس میں شائع شدہ خطبات پڑھ کر سناتے ہیں۔؟

اگر ان ساتوں سوالات کے جوابات ہاں میں ہیں تو اللہ آپ کو مبارک کرے۔ آپ کے گھر میں اسلامی معاشرہ قائم ہے اور انشاء اللہ رحمت خداوندی کی آپ اور آپ کی اولاد وارث ہوگی۔ اسلام نے دنیا کی تحصیل سے منع نہیں کیا مگر ہم نے اپنے پیارے مسیح موعود سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔ شرائط بیعت کی اس شق کی عملی تعلیم کیا والدین اپنے بچوں کو نماز قرآن کریم کی تعلیم دے کر اور اُن پر عمل کرا کر پوری کرتے ہیں۔؟ یہ ایک واضح بات ہے کہ جب تک کلام پاک بامعنی نہ پڑھا جائے (خاص کر تفسیر صغیر سے) اسلام سے نزدیکی کبھی نہیں ہو سکتی۔ جب تک خدا اور اسلام کا قرب ہم اور ہماری اولاد حاصل نہیں کرتے باوجود ہمارے زبانی دعویٰ احمدیت کے ہم اُس برگزیدہ جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے جس کی پیشگوئی سورۃ الجمعہ میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ میں کی گئی ہے۔

اگر ہم ذرا بھی تدبر اور تفکر سے کام لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کے آج کی دنیا میں ہمارا کوئی مثیل نہیں۔ ہم ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں ہمارا خلیفہ ہمارا روحانی مشفق باپ ہے۔ جو ہر لمحہ ہماری فلاح کے لئے بارگاہ رب العٰلمین میں دست بہ دعا ہے ہماری جیسی چھوٹی جماعت کی مالی قربانیاں جس طرح ثمر آور بہ حکم خداوندی ہو رہی ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم ایک واضح مقصد کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور ہم نے اس مقصد کے حصول کے لئے ہی تو کبھی افغانستان میں سر کٹوائے اور کبھی روس میں سلاسل وطوق دی اور اب پاکستان میں اس مقصد کے استحکام کے لئے اموال اور اپنی گردنیں نذرانہ میں پیش کر رہے ہیں۔ پھر کیا یہ مقام تفکر نہیں کہ ہمارے بعد ہماری اولاد کیا ہمارے نقش قدم پر چلنے کی اہل بن رہی ہے۔ کیا اس انقلاب عظیم کے ثمر کی حقدار ہماری ذرّیت ہو پائے گی۔ ہماری آج کی قربانی سے کل وہ فائدہ اٹھا پائیں گے۔ یہ بات ہمیشہ واضح رہے کہ سیاہ کبھی سفید ہو نہیں سکتا۔ حق کا راستہ ایک ہے اور صرف ایک قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ہمارے لئے تو سر مو انحراف کی گنجائش نہیں۔ اس کی تعلیم بھی تو بچوں کو دینی ہے۔ اگر بنیاد میں کجی رہ گئی تو دیوار کبھی سیدھی نہیں ہوگی۔ اگر تخم کڑوا بویا گیا تو شیریں پھل پانے کی اُمید کوئی مجذوب ہی کر سکتا ہے۔ اسلئے بچوں کی تربیت اور ان کی مذہبی تعلیم ہمارے دینی معاشرے کا سنگِ بنیاد ہے۔ صالح اولاد ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اور اجر عظیم کا موجب بھی۔ باقیات الصالحات میں صالح اولاد کو اولیت حاصل

ہے۔موجودہ زمانہ میں سائنس نے ثابت کر دیا کہ تربیت یعنی ٹریننگ ہر چیز کو تکمیل کی طرف لے جاتی ہے۔بچوں کو ماں سے بڑھ کر کون اور اچھی تربیت دے سکتا ہے۔اچھی اور دین دار ماں سے بڑھ کر بچوں کے لئے اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں ہماری آج کی مائیں آج کے دور میں آگے بڑھتی نظر نہیں آتیں اور اس میں ان کا کیا قصور ہم نے اپنے بچوں اور بچیوں کو اس سانچے میں ڈھالا ہی نہیں جن کی توقع ہم ان سے کرتے ہیں مرد چونکہ باہر کی دنیا سے سروکار رکھتے ہیں اس لئے اُن کی طبیعت تغیر پذیر ہوتی ہے مگر عورتیں ایک مستحکم قلعہ کی مانند ہر برے اثر کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اردو ادب میں دہلی کی بیگماتی زبان کو فصاحت کا اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے۔پس اگر ماں کی دینی تعلیم اور تربیت پختہ ہے تو آئندہ نسل کے صالح ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

اُمید ہے کہ ذیل کی بزرگ خواتین نے بحیثیت ماں کے ایک مثال پیش کی ہے، ہمارے لئے اچھا نمونہ ثابت ہوگا اور ازدیادِ ایمان کا باعث بھی۔

بہار کی احمدی خواتین میں سرفہرست حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ مرحومہ حرم محترم حضرت مصلح موعودؓ کا نام نامی ہے۔آپ مولانا عبدالماجد صاحبؓ کی دختر تھیں اور دیگر خواتین کے ذکر سے پہلے آپ کا ذکر مقام ادب ہے۔بے شمار رحمت ہو آپ پر آپ بھی تو بہار کی تھیں اور کیسا برگزیدہ مقام پایا۔یہ بھی ان کے والدین کی تعلیم اور تربیت کا مظہر ہے۔(آپ کا تفصیلی ذکر آپ کے والد محترم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری صاحب کے ساتھ ہوگا۔شہاب)

(1) حضرت بی بی میمونہ خاتون صاحبہ

گذشتہ ڈھائی سو برس سے اورین ضلع مونگھیر میں سادات کا ایک خاندان آباد ہے۔ان کے مورث شاہان دہلی کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔اور وہیں اُن کو جاگیر دے کر بود و باش کا حکم ملا اس خاندان میں سید عنایت حسین صاحب کے فرزند سید ہدایت حسین کو تین فرزند ہوئے۔سید خلافت حسین دوسرے سید ارادت حسین صاحبؓ صحابی اور تیسرے سید وزارت حسین صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔سید ارادت حسین صاحبؓ کی دختر حضرت میمونہ خاتون صاحبہ ہیں۔اُن کی شادی سید شاہ ڈاکٹر عبد

الرشید جن کا وطن ارول (ضلع گیا) کا مردم خیز خطہ تھا اور جو آرہ (ضلع شاہ باد) میں متوطن ہو گئے تھے، سے ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف خود اسلام کے مبلغین کے خاندان سے تھے اور حضرت شاہ شرف الدین صاحب منیری رحمہ اللہ بہار کے خلیفہ شمس الدین وزین الدین کی اولاد سے ہیں، جو مشہور تختی لکھنے کی تحریر ''برادرم شمس الدین اور زین الدین ظاہراً و باطناً از جانب شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری بعد دعائے خیر مطالعہ نمائند'' کے مخاطب ہیں۔ آفریں ہے بی بی میمونہ پر کہ آپ کے آٹھ فرزند میں سے چھ فرزند نہایت مخلص احمدی ہیں اُن کی تفصیل درج ہے۔

(1) سید شاہ شکیل احمد ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر گیا کالج

(2) سید شاہ وسیم احمد مکینیکل انجینیر۔ پاکستان

(3) ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد۔ آرہ

(4) ڈاکٹر شاہ تسنیم احمد۔ آرہ

(5) ڈاکٹر سید شہاب احمد۔ کینیڈا

(6) سید شاہ شاہد احمد ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر۔ کینیڈا

موصوفہ صحابیہ ہیں اپنے والد اور چچا کے ساتھ آٹھ سال کی عمر میں چھ ماہ تک قادیان میں اقامت اختیار کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی آپ دعا گو ہستی ہیں مبلغین کرام کا خاص خیال رکھتی ہیں اور مسئلہ مسائل سے اچھی واقفیت رکھتی ہیں۔

(خاکسار سید شہاب احمد عرض کرتا ہے کہ سیدہ میمونہ صاحبہؓ یعنی میری والدہ محترمہ کے آٹھ بیٹوں کے علاوہ ایک بیٹی بھی تھی۔ ان کا نام سیدہ جمیلہ تھا وہ عمر میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کا انتقال صرف 28 سال کی عمر میں 1939ء میں ہوا تھا۔ وہ بھی احمدی تھیں یعنی ہم سات بھائی بہن احمدی ہوئے۔ مکرمہ سیدہ جمیلہ صاحبہ کے انتقال پر عرصہ گزر چکا ہے اسلئے ممکن ہے مکرم عبدالکریم صاحب کو ان کے متعلق کوئی علم نہ ہو۔ ان کی شادی بھی غیر احمدی سے ہوئی لیکن ان کی تین اولاد ہمیشہ احمدیت سے وابستہ رہیں۔)

(2) محترمہ صالحہ خاتون صاحبہ

آپ انہی خانوادے سے سید ارادت حسین صاحبؓ کی دوسری دختر ہیں۔ آپ کی شادی ارول

(ضلع گیا) میں جناب شاہ توحید صاحب سے ہوئی تھی۔ شاہ توحید صاحب تازندگی غیر احمدی رہے۔ سبحان اللہ آفریں ہے محترمہ صالحہ خاتون صاحبہ پر کہ آپ کی سب کی سب اولاد احمدی ہے اور مخلص بھی۔ اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے

(1) محترمہ شکیلہ اختر صاحبہ زوجہ محترم اختر احمد صاحب اورینوی (مشہور ادیب شاعر اور نقاد)

(2) محترمہ رضیہ رعنا صاحبہ زوجہ محترم عبدالقیوم صاحب جمگاؤں بھاگلپور

(3) مکرم عزیز احمد صاحب پروفیسر

(4) محترمہ صوفیہ خاتون صاحبہ زوجہ محترم سید فضل احمد صاحب آئی پی ایس (اللہ تعالیٰ نے فضل صاحب کے سینہ میں دین کا درد بخشا ہے۔ سراپا عجز، حلم اور سراپا خیر ہیں۔)

(5) مکرم خورشید احمد صاحب ارول میں ڈاکٹری کرتے ہیں۔

(6) مکرمہ عذرہ صاحبہ زوجہ مکرم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب

(7) مکرم آفتاب احمد صاحب۔ امریکہ

(8) محترمہ شہلا خاتون صاحبہ زوجہ مکرم سہیل احمد صاحب پاکستان ابن مکرم جناب محی الدین صاحب وکیل مرحوم

(9) روحی خاتون صاحبہ زوجہ زبیر احمد صاحب ابن سید ظہور احمد صاحب غریب پور بھاگلپور

دونوں بزرگ خواتین سید وزارت حسین صاحبؓ کی بھتیجی ڈاکٹر منصور صاحب مظفر پور کی سگی ہمشیرہ اور ڈاکٹر اختر اورینی صاحب کی اپنی چچیری بہن ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر ان بزرگان نے خود اپنی ذات سے اعلیٰ مثال پیش کرتے ہوئے تربیت میں سعیہ جمیلہ نہ کی ہوتی تو یہ نتائج پیش نظر کیسے آتے۔ چمن کی آبیاری ہی چمن کی بقا اور زینت کا سبب ہوتی ہے۔

(3) محترمہ عائشہ خاتون صاحبہ

آپ جمگاؤں (بھاگلپور) کے مقتدر احمدی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ مولوی وزیر الدین صاحب جمگاؤں کے چار فرزند عبدالباری، عبدالباقی، عبدالقدیر، عبدالمجید تھے۔ یہی مولوی عبدالباقی صاحب مرحوم ہیں جو سندھ میں احمدیہ اسٹیٹ کی ناظم اعلیٰ تھے اور جن کی دختر بی بی آسما کی شادی میاں خلیل صاحب ابن

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ہوئی۔ مولوی وزیر الدین کے چھوٹے بھائی علی احمد صاحب ممتاز ماہر تعلیم، اصول میں مرد آہن اور صاحب فعل و کمال ہستی تھے۔ مولوی علی احمد صاحب کے فرزند میاں عبد الرحیم احمد صاحب کو حضرت مصلح موعودؓ کے شرف فرزندی سے نوازے جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور اس طرح اس خاندان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دو رشتہ کا شرف ملا۔ محترمہ عائشہ مولوی وزیر الدین صاحب کی دختر مولوی علی احمد صاحب کی سگی بھتیجی اور مولوی عبد الباقی صاحب مرحوم کی سگی بہن تھیں۔ ان بزرگوں کی تعلیم تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ اگرچہ آپ کے شوہر جناب عبد القادر صاحب تا حیات دائرہ احمدیت سے باہر رہے محترمہ موصوفہ نے اپنے سبھی بچوں کو مخلص احمدی بنایا۔ سب کا رشتہ احمدی گھرانے میں کیا۔ بچوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) محترمہ زینب خاتون صاحبہ زوجہ مکرم منظور احمد صاحب بیتھولی ضلع بیگوسرائے

(2) جناب عبد الوہاب صاحب مرحوم

(3) محترمہ شبانہ خاتون صاحبہ زوجہ مولوی سمیع صاحب ابن عبد الباری صاحب جمگاؤں (ساکن بنگلہ دیش ہیں۔)

(4) محترمہ ریحانہ خاتون صاحبہ۔ آپ کی منظور صاحب کے چھوٹے بھائی سے شادی ہوئی۔ پاکستان میں ہیں۔

(5) محترمہ عائشہ خاتون صاحبہ کی بڑی ہمشیرہ صالحہ خاتون کی شادی مولوی نعیم احمد صاحب مونگھیر سے ہوئی اور جو راقم الحروف کی خوش دامنہ ہوئیں۔

(4) محترمہ اُم الورع صاحبہ

آپ جناب نظیر مختار صاحب بھاگلپور کی دختر تھیں۔ جناب محبوب الحسن صاحب وکیل بھاگلپور سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ جناب نظیر مختار صاحب بڑے پُر جوش کٹر اور اعلیٰ درجہ کے مخلص تھے تبلیغ کے جوش میں ہمیشہ سرشار رہتے۔ معترض کو دندان شکن جواب دینے میں واقعی بے نظیر تھے۔ ہر معرکہ اور مہم میں پیش پیش رہتے۔ سلسلے کے لٹریچر اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباسات نکالنے اور جواب دینے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ محترمہ امۃ الورع صاحبہ کے شوہر تا حیات احمدیت سے گریزاں رہے۔ آفریں

ہے موصوفہ پر کہ بھاگلپور کی معاندفضا کے باوجود اپنی سبھی پانچ بیٹیوں کو انہوں نے نہ صرف مخلص احمدی بنایا بلکہ سبھی کا رشتہ مخلص احمدی گھرانوں میں کرایا۔ یہ سعادت موصوفہ کو اُنکے والد کی تربیت اور تعلیم کی بدولت نصیب ہوئی۔ بچوں کی تفصیل اس طرح ہے۔

(1) محترمہ جمیلہ صاحبہ اہلیہ پروفیسر سید شاہ شکیل احمد صاحب

(2) محترمہ سُہیلہ صاحبہ اہلیہ مکرم چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی ناظر بیت المال آمد

(3) محترمہ نجمہ صاحبہ اہلیہ پروفیسر مبارک احمد صاحب کشمیر یونیورسٹی

(4) محترمہ نعیمہ صاحبہ اہلیہ سعد بن ظریف مونگھیری حال مقیم پاکستان

(5) محترمہ نسیمہ صاحبہ اہلیہ مکرم سید لئیق احمد صاحب ابن محترم سید محی الدین صاحب مرحوم رانچی

(بحوالہ ہفت روزہ اخبار بدر 4 مارچ 1976ء)

منصور احمد

سید داؤد احمد

ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب

(پیدائش 4 نومبر 1903ء اورین مونگھیر تاریخ وفات 10 مارچ 1984 مظفر پور)

مکرم سید ارادت حسین صاحب ؓ کا ایک بیٹا تو بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔ صرف ایک بیٹے سید منصور احمد صاحب نے عمر پائی۔ آپ 4 نومبر 1903ء کے دن اورین مونگھیر میں پیدا ہوئے اور 10 مارچ 1984ء کے دن مظفر پور میں فوت ہوئے۔ سید صاحب کی جن اولادوں نے عمر پائی اس میں مکرم سید منصور احمد صاحب سب سے چھوٹے تھے۔ آپ صرف نو سال کی عمر میں ہی والدہ کے سایہ شفقت اور رحمت سے محروم ہو گئے تھے۔ کئی سالوں تک آپ کو بڑی ہمشیرہ مکرمہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہ نے پالا پوسا اور دیکھ بھال کی۔ آپ بڑے سنجیدہ اور محنتی طالب علم تھے۔ غالباً 1927ء میں ڈاکٹر کی سند حاصل کی۔ آپ نے کبھی سرکاری ملازمت نہیں کی۔ 1932ء میں مظفر پور میں پریکٹس شروع کی جہاں وہ بالکل نووارد تھے لیکن بہت جلد کامیابی حاصل کی اور شہر کے نمایاں ڈاکٹروں میں شمار ہونے لگا۔ اکثر ڈاکٹر صاحبان بسا اوقات جھوٹے سرٹیفکیٹ لکھتے ہیں لیکن آپ نے اپنی پریکٹس 1932 تا 1984 تک 52 سال کے لمبے عرصہ میں ایک بھی جھوٹا سرٹیفکیٹ نہیں لکھا۔ یہ امر شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ کامیاب ڈاکٹر ہونے کے علاوہ آپ شہر کے انتہائی معزز شہری بھی تھے۔ مظفر پور کے علاوہ گرد و نواح کے لوگ بھی آپ کو بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل رہا کہ 50 سال سے بھی زائد عرصہ آپ کا مکان احمدیت کا مرکز رہا۔ جہاں مبلغین اور مرکزی نمائندگان قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی شادی سید وزارت حسین صاحب ؓ کی بڑی بیٹی سیدہ زینب بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ آپ بھی اپنے شوہر کی طرح بہت خوبیوں کی مالکہ تھیں۔ دونوں میاں بیوی خاموش طبع اور با اصول زندگی گزارنے والے تھے۔ میں نے ان دونوں کو ایک لمبا عرصہ تک بہت قریب سے دیکھا ہے۔ انہیں کبھی کسی کا شکوہ شکایت کرتے یا فضول گفتگو کرتے نہیں سنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے انہیں ایک برتری اس طرح عطا کی تھی کہ انہوں نے ہمیشہ دوسروں کی مدد کی گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کا ہاتھ دوسروں کے اوپر رکھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے حج کی سعادت حاصل کی تھی۔ اسی طرح دونوں حضرات موصی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا انتقال اسی شہر مظفر پور میں 10 مارچ 1984ء کو ہوا۔ اور سیدہ زینب بیگم صاحب 30 ستمبر 1989ء کو فوت ہوئیں۔ دونوں کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند فرمائے۔

اولاد: ان کی ایک بچی بچپن میں فوت ہوگئی تھی ایک بیٹے مکرم سید داؤد احمد اور دو بیٹیاں مکرمہ سیدہ شاہدہ احمد صاحبہ اور مکرمہ سیدہ قیصر احمد صاحبہ نے عمر پائی۔ مکرم سید داؤد احمد صاحب کا 2006ء میں انتقال ہو چکا ہے۔ دوسری بیٹی مکرمہ شاہدہ صاحبہ اہلیہ خاکسار سید شہاب احمد کا انتقال 14 ستمبر 2014 کو ایڈمنٹن کینیڈا میں ہوا چکا ہے۔ ان کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو چکا ہے۔ مکرمہ سیدہ قیصرہ احمد صاحبہ کی شادی محمد احمد صاحب آف مدراس سے ہوئی تھی۔ ان کا انتقال 2016ء میں ہوا اور وہ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 23 رجنوری 2016 بروز ہفتہ نماز ظہر سے قبل مسجد فضل لندن کے باہر تشریف لاکر نماز جناہ حاضر کے ساتھ آپ کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔ آپ کے کوائف اخبار بدر قادیان میں 31 مارچ 2016ء میں مندرجہ ذیل شائع ہوئے ہیں۔

''مکرمہ قیصر احمد صاحبہ (اہلیہ محترم محمد احمد صاحب مرحوم، سابق صوبائی امیر تامل ناڈو وچنئی) 15 رجنوری 2016 کو 76 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو صحابہ سید ارادت حسین صاحبؓ کی پوتی اور سید وزرات حسین صاحبؓ کی نواسی تھیں۔ مرحومہ کی شادی محترم محمد احمد صاحب آف چنئی سے ہوئی تھی جن کی وفات 2002 میں ہوئی۔ آپ صوم وصلوٰۃ کی پابند، مہمان نواز، خوش مزاج، نرم زبان اور ہر ایک سے پیار اور محبت سے ملنے والی خاتون تھیں۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ پسماندگان میں ایک بیٹی اور دو بیٹے یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کے بڑے بیٹے مکرم شیراز احمد صاحب کو قادیان میں بطور ناظر تعلیم ونائب ناظر اعلیٰ خدمت بجالانے کی توفیق مل رہی ہے اور آپ کی بیٹی لجنہ اماء اللہ نارتھ لنڈن کی جنرل سیکریٹری اور لجنہ اماء اللہ East Region کی نائب صدر کے طور خدمت کی توفیق پا رہی ہیں۔''

آپ کے چھوٹے بیٹے مکرم سرفراز احمد صاحب چنئی سابق مدراس میں مقیم ہیں۔

سید برادران رض کی انجمن احمدیہ مونگیر 1903ء میں شمولیت

حضرت سید وزارت حسین صاحب رض اور حضرت سید ارادت حسین صاحب رض کی بیعت کے نتیجہ میں بہار کے مردم خیز خطہ بھاگلپور مونگیر میں اور بھی کئی سعید روحوں کو امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ ان کے بارے حتمی علم نہیں کہ ان لوگوں نے امام الزمان کی دستی بیعت کی تھی یا تحریری لیکن یہ بات طئے ہے کہ یہ سب کے سب مخلص احمدی اور تبلیغ کے فدائی تھے۔ جن کی اولین کوشش امام الزمان کا پیغام بہار کی سرزمین میں پہنچانا تھی۔ ان جانثاروں میں منشی محبوب علی صاحب، منشی امانت علی صاحب، منشی محمد سعید الحسن صاحب، اور منشی حاتم علی صاحب وغیرہ شامل تھے۔ انکے علاوہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو صحابی حضرت وزارت حسین صاحب رض اور حضرت ارادت حسین صاحب رض بھی اس اجلاس میں شامل تھے۔ ان دوستوں نے مل کر انجمن احمدیہ منگیر کی بنیاد رکھی اور اس انجمن کے پہلے پریذ ڈنٹ منشی امانت علی صاحب مقرر ہوئے۔

اس انجمن کی ایک رپورٹ اخبار الحکم میں بعنوان ''انجمن احمدیہ مونگیر بابت ماہ ستمبر و اکتوبر 1903ء'' شائع ہوئی ہے۔ احباب کے علم کے لئے یہاں درج کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بعالی خدمت حضرت امام ہمام مسیح موعود علیہ السلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور کی برکت اور فیض سے خدا کے اُس وعدے کے مطابق جو اُس نے اسلام اور احمد موعود انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال کے لئے آپ سے کیا ہوا ہے کہ تیری جماعت کو دن دوگنی چوگنی ترقی عطا فرماؤں گا اور تیرے ذکر و فکر کو دور دور تک پھیلاؤں گا اس شہر مونگیر میں بھی حضور کے پاک سلسلہ کی ترقی ہونی شروع ہوئی اور بہت جلد باوجود شدید مخالفت اور سخت سے سخت روکوں کے بھی یہ انجمن احمدیہ قائم ہوگئی حالانکہ اس کے ممبروں پر بڑے بڑے زلزلے آئے اور اُن کو بہت دھمکیاں دی گئیں۔ عجیب عجیب طرح سے انہیں پریشان کیا گیا غرض کوئی دقیقہ اُن کا بہکانے میں باقی نہ رکھا گیا۔

اس انجمن کے قائم ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ کہ ہرایک شخص جو اس سلسلہ عالیہ میں داخل ہوتا اُس کو داخل ہوتے ہی ہر ایک عالم، جاہل، نیک بخت، بد بخت، شریر، بدمعاش، عیسائی، آریہ، مسلمان سب سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور پھر تبلیغ بھی اُن کی ذاتی کوششوں تک محدود رہتی تھی۔ اس لئے حسب مشورہ کل احباب ایک انجمن قائم کرنے کی رائے قرار پائی تا کہ متفقہ قوت سے ہر ایک مخالف کا مقابلہ کیا جائے۔ اور اس انجمن کے وسیلے سے احمدی سلسلہ میں ہوکر اسلام کی تبلیغ بھی ہوتی رہی۔ اور ایک وجہ اس انجمن کے قائم کرنے کی یہ بھی ہوئی کہ کہ بہت سے احمدی بھائی اپنے دوسرے بھائیوں کو نہیں جانتے تھے اور یہ بعد انجمن کے قائم ہونے کے بعد نہیں رہی الغرض کئی وجہوں سے اشد ضرورت انجمن کے قائم کرنے کی سمجھی گئی۔ چنانچہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اس انجمن کا پہلا اجلاس 30 ستمبر 1903ء کو مکان منشی محبوب علی صاحب منعقد ہوا۔ اور حسب اتفاق کل ممبروں کے منشی امانت علی صاحب پریزڈنٹ جلسہ مقرر کئے گئے۔ اور اس انجمن کا نام انجمن احمدیہ مونگیر رکھا گیا۔ پریذیڈنٹ صاحب نے اغراض مقاصد کو مختصراً بیان کیا۔ ان کے بعد منشی وزارت حسین صاحب احمدی نے سورۃ مومنون کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ اور اُن سے مامور من اللہ کی بعثت کی غرض اور اُن کی تعلیم اور اُس وقت زمانہ کو اُن کی ضرورت اور مخالفوں کا انکار اور اُن کے اعتراضات اور اُن کی سخت سے سخت مخالفتیں پھر خدا کی طرف سے اُن کی کامیابی اُن کی صداقت پر مہر غرض حضرت اقدس علیہ السلام کے رنگ میں ان کل باتوں کا بیان بڑی وضاحت سے کیا۔ بعدہ اسی معیار پر حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود مہدی معہود کی صداقت کی شرح و بسط کے ساتھ بیان کی۔ اُن کے بعد منشی محمد سعید الحسن صاحب مختار نے مسیح ناصری علیہ السلام کی موت پر اور اس بات پر تقریر کی کہ مسیح موعود علیہ السلام کے نزول کے بارے میں جو حدیثیں ہیں وہ قابل تاویل ہیں۔ پھر منشی اردت حسین صاحب احمدی نے تقریر کی کہ مامور من اللہ کا ایک بہت بڑا نشان یہ ہے کہ جب اُس کے پاس مادی اسباب نہ ہو اُس وقت نبی کامیابی کی پیشگوئی کرے۔ اور اُس کو تحدی کے ساتھ اپنی صداقت کا نشان ٹھہرائے اور باوجود سخت سے سخت مخالفت کے کامیاب ہوجائے اور پھر جناب سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کی قرآنی پیشگوئیاں اور مادی اسباب کے مانع ہوتے ہوئے بھی آپ کے عجیب طور سے کامیاب ہونے کا بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کیا اور ٹھیک اپنے آقا کے قدم بقدم مسیح موعود کے براہین کی پیشگوئیوں کو جو باوجود انتہائی درجہ کی مخالفت اور روکوں کے اُس کی ہرایک رنگ میں کامیابی کو ایک بہت بڑا نشان ثابت کیا۔ اسکے بعد جلسہ ختم ہوا۔

پھر کیا تھا سارے شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ مخالفوں نے مخالفت کمریں کس لیں اور جس کسی سے جو بنا کیا پنجاب اور ہندوستان کے مخالف مولویوں کی طرف اُن کا ہاتھ لپکا اور وہاں گالیوں اور افتراؤں کے بھرے ہوئے اشتہارات اور رسالے اُن کے پاس آئے۔ منجملہ اُن کے اخبار ''وفادار'' اور ''دہلی پنچ'' کے بہت سارے افترا تھے جس کی وجہ سے مخالفوں میں بڑے سورش ہوئی اور انجمن نے بھی ضروری سمجھا کہ آئندہ ماہ کے جلسہ میں جواب دیا جائے۔

2اکتوبر کو منشی سعید الحسن صاحب مختار نے دسہرے کے میلہ میں انجمن کی طرف سے مسیح کی موت پر تقریر کی اور ثابت کیا کہ مسیح کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی بلکہ بہت عرصے کے بعد کشمیر میں مدفون ہوئے اور اسی روز پادری دوم مسیح کو جو شملہ سے یہاں کے مشن کے طرف اس میلہ کے موقعہ پر بلایا گیا تھا حسب منظوری اُس کے مباحثہ ہذا ''مسیح صلیب پر نہیں مرا'' کے بھیجا گیا لیکن اُس نے نامنظور کیا۔

پھر دوسرا اجلاس اس انجمن کا 15اکتوبر کو ہوا اور اُس میں حسب اتفاق کل ممبران منشی حاتم علی صاحب کو پریذیڈینٹ انجمن ہمیشہ کے لئے مقرر کیا گیا۔ اور اغراض وقواعد قلم بند کئے گئے اور ایک ماہواری جلسہ ہونے کی تجویز ہوئی اور انجمن کے متعلق ایک کتب خانہ کھولا گیا۔ جس میں اکثر احباب نے کتابیں بھی دیں۔ اور یہ بھی قرار پایا کہ ایک اشتہار شائع کیا جائے جس میں انجمن کی طرف سے مسلمان مونگیر کو دعوت ہو اُس کے بعد اخبار ''وفادار'' کے افتراؤں کا جو اُس نے بحوالہ کتب کئے تھے جواب دیا گیا اور ہر ایک کتاب کو جس کا اُس نے حوالہ دیا تھا کھول کھول کر لوگوں کو دکھایا گیا۔ جن کو اس سلسلہ سے کوئی سروکار نہیں ہے جس پر اُن لوگوں نے کہا کہ بے شک یہ شخص کافر ہے اور مرزا صاحب ان افتراؤں سے پاک ہیں اُس کے بعد جلسہ برخواست کیا گیا۔

یہ کل حالتیں انجمن ہذا کی غرض کی گئیں اور انجمن ملتجی ہے کہ اُس کی بقاء اور رسوخ کے لئے دعا کی جائے اور کچھ ارشادات اور نصائح اس انجمن کے لئے تحریر فرمائے جائیں تا کہ اس کو رشد اور ہدایت نصیب ہو اور اگر حضور کی رائے ہو تو کچھ کتابیں بھی تقسیم کے لئے عنایت کی جائیں۔

حاتم علی

پریزیڈنٹ انجمن

محبوب علی سیکریٹری 13نومبر 1903ء

(بحوالہ اخبار الحکم نمبر 40-41 اکتوبر نومبر 1903 جلد نمبر 7 صفحہ 16)

سید برادران ؓ کے بارے میں حضرت میر صاحب ؓ کے تاثر

حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت جماعت احمدیہ میں تعارف کی محتاج نہیں ہے۔آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خسر محترم اور سلسلہ کے فدائی بزرگ صحابی تھے۔آپ نے جماعت کی ضروریات کے پیش نظر قادیان میں مختلف عمارتیں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں اور بعد خلیفہ اول ؓ وخلیفہ ثانی ؓ کے زمانہ میں تعمیر کیں۔خصوصاً قادیان میں ہسپتال، مسجد اور دار الضعفاء کی تعمیر کے لئے آپ نے 1910ء اور 1911ء میں سارے ہندوستان میں خلیفہ اول ؓ کی اجازت سے دورہ کیا۔ بعدہ اس سفر کی روئیداد آپ نے سفر نامہ ناصر حصہ اول اور دوئم کے تحت شائع فرمائیں۔سفر نامہ ناصر نمبر 2 آپ نے قادیان سے انبالہ شملہ لکھنؤ، بنارس، الہ آباد، آرہ، مونگھیر، اورین، کلکتہ سے اُڑیسہ حیدر آباد بمبئی تک کا سفر کیا۔اس سفر کو آپ نے منظوم شائع فرمایا۔

صوبہ بہار میں آپ نے چندہ کے حصول کے لئے آرہ، مونگھیر، اورین اور بھاگلپور کا سفر کیا۔آپ نے جو کچھ صوبہ احباب جماعت کا اخلاص اور صوبہ بہار کو دیکھا اور محسوس کیا اُسے سہل زبان میں بصورت نظم درج کیا۔آپ بنارس سے آرہ ہوتے ہوئے مونگھیر اور پھر اورین بھاگلپور سے کلکتہ روانہ ہوئے تھے۔یہ سفر نامہ جہاں حضرت میر صاحب کی قربانیوں اور جماعتی خدمت کے لئے رات دن کوشش کی نشان دہی کرتا ہے وہاں ہندوستان کے احباب کے اخلاص اور قربانیوں کا بھی پتہ دیتا ہے۔

بنارس سے نکلنے کے بعد کی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے، آپ تحریر فرماتے ہیں

تیسرے روز میں وہاں سے چلا
تیسرے پہر آرہ جا پہنچا
میرے والد کا ہے مزار وہاں
اور کوئی نہیں ہے یار وہاں
دیکھنے کا تھا اس کا شوق مجھے
یہی وہاں لے گیا تھا ذوق مجھے

پر نہ بر آئی یہ میری اُمید
غلطی کر گئی میری فہمید
آخرش میں منگیر آ پہنچا
اپنے احباب کو تلاش کیا
ان کے ڈیرہ پے جا کہ کیا آرام
کر کے آرام میں نے کھایا طعام
بڑی الفت سے اور ادب سے ملے
مجھ کو خوش آیا ایسے ڈھب سے ملے
شام کو سیر مجھ کو کروائی
گنگا مائی بھی مجھ کو دکھلائی
ہے بہت خوش نماں وہاں کا گھاٹ
اس پے آکر اترتے ہیں کل لاٹ
آج کل احمدی وہاں کم ہیں
بس غنیمت ہے جو وہاں دم ہے
کار پرداز ہیں خلیل احمد
کی انہوں نے میری بہت مدد
اک برادر ہیں وہاں وازرت حسین
رہے خدمت میں وہ میری دن رین
بڑے آداب سے وہ پیش آئے
مجھ کو آخر وہ اپنے گھر لائے
اک اسٹیشن ہے اس جگہ کجرا
وہاں سے اک کوس ہے گھر اُن کا

ریل پر جب چڑھے منگیر سے ہم
پیش آیا نہ کوئی رنج والم
ان کے والد ملے بصد اعزاز
پھر تو ہم چار ہوگئے دم ساز
شام کے وقت ریل سے اترا
اور ڈولی میں میں سوار ہوا
ایک گھنٹے میں میں اُنکے گھر آیا
کھانا پکا ہوا وہاں پایا
کھا کے کھانا وہاں کیا آرام
گذری آرام سے وہ رات تمام
بدھ نے اس جگہ جا کہ کھنچا تھا چلہ
چین و جاپان جس کا ہے شیدا
باپ اُس کا وہاں کا راجہ تھا
لوگ مشہور کرتے ہیں ایسا
وہاں ارادت حسین مجھے ملے
وہ بھی ہیں احمدی بہت پکے
قادیاں میں رہے ہیں مدت تک
بڑے اخلاص مند ہیں بےشک
ایک بستی ہے اس جگہ سے قریب
اس میں بھی رہتے ہیں ہمارے حبیب
چار اشخاص وہاں سے ملنے آئے
کچھ مجھے دینے کو وہ چندہ لائے

تھے وہیں کہ میاں نذیر حسین
ہاتھ سے جنکے ہم ہوئے بے چین

اس کے بعد حضرت میر صاحب نے نذیر حسین دہلوی کی مخالفت اور انجام کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے بعدہ تحریر کرتے ہیں

چھوڑ ناصر ان کے قصہ کو
پھر سنا ہم کو اپنا قصہ کو
چند ملے دے کہ میں وہاں سے چلا
چھوڑا میں نے اریں اور کجرا
چل کے اس جا سے آیا بھاگلپور
کرے اس شہر کو خدا پُر نور
احمدی اس میں ہیں فقط دو چار
غفلت اور کہر کے ہیں وہاں آثار
ہیں فقط ایک مولوی ماجد
ان کے ڈیرے پہ میں ہوا وارد
ان سے مل کر ہوا میرا دل شاد
خوب رکھتے ہیں علمی استعداد
ایک دن ان کے پاس میں ٹھہرا
میں ہوں ممنون ہر طرح اُن کا
کچھ انہوں نے میرے اعانت کی
چلنے سے پہلے ایک رقم دے دی
اور ہیں اس جگہ ہمارے عزیز
انکو دارین کی عطا ہو تمیز

نوجواں وہ پولیس میں افسر ہیں
اس اسٹیشن پر انسپکٹر ہیں
ان کے والد بھی آگئے اس روز
وہاں سے چلنے کو ہوا میں جس روز
اک رقم کی انہوں نے مجھے عطا
ان پے ہوں ہمیشہ فضل خدا
رات کو وہاں سے میں روانہ ہوا
شہر کلکتہ میں جا پہنچا

(بحوالہ سفرنامہ ناصر نمبر 2 صفحہ 41 تا 44 یعقوب علی تراب صاحب نے مطبع انوار احمدیہ قادیان میں مارچ 1911ء کو شائع کیا۔)

سیّد خلافت حسین صاحب

سید شمس الدین

سیّد غلام مصطفیٰ صاحب

سید خلافت حسین صاحب

سید برادران میں سب سے بڑے بھائی مکرم سید خلافت حسین صاحب تھے۔آپ بیرسٹر تھے اور اسی حیثیت سے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بھاگلپور میں گزارا۔یہیں آپ 1941ء میں فوت ہوئے۔خاکسار کو یہ علم نہیں ہے کہ آپ کس جگہ مدفون ہیں۔افسوس کہ احمدیت کے اس قدر قریب ہونے کے باوجود آپ اس نعمت سے محروم رہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ احمدیت آپ کے خاندان میں داخل ہوئی۔جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

شادیاں:

مکرم سید وزارت حسین صاحب نے اپنے مضمون ذکر حبیب میں فرماتے ہیں کہ مولوی نذیر حسین دہلوی میرے نانا تھے اور مولوی صاحب کی بھتیجی سے میرے بڑے بھائی سید خلافت حسین صاحب کی شادی ہوئی تھی لیکن سید یوسف صاحب فرماتے ہیں کہ میرے دادی یعنی سید خلافت حسین صاحب کی اہلیہ بہار شریف کی رہنے والی تھیں۔خاکسار شہاب احمد کسی کے بیان کو غلط نہیں کہتا غالباً قرینہ یہی ہے کہ سید خلافت حسین صاحب کی تین شادیاں ہوئی تھیں۔

ایک مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب کی بھتیجی تھی۔دوسری بہار شریف کی رہنے والی تھی تیسری ایک انگریز تھی۔دوسری اہلیہ جو بہار شریف کی رہنے والی تھیں۔اُن کے بطن سے مکرم سید خلافت حسین صاحب کو دو بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔دونوں بیٹے مکرم شمس الدین صاحب اور مکرم سید غلام مصطفٰی صاحب بڑے مخلص اور نیک احمدی ہوئے لیکن بیٹیاں اس نعمت سے محروم رہیں۔دونوں بیٹوں اور اُن کے خاندان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

مکرم سید شمس الدین صاحب

آپ مکرم سید خلافت حسین صاحب کے بڑے بیٹے تھے نہ صرف وہ بلکہ ان کی اہلیہ اور پانچ بیٹے اور ایک بیٹی برضا ورغبت احمدیت کی گود میں آگئے۔مکرم سید شمس الدین صاحب کی تعلیم صرف ہائی اسکول تک تھی لیکن انگریزی زبان میں غیر معمولی عبور تھا۔زراعت ان کا پیشہ تھا اور اسی حیثیت سے اپنی ساری زندگی

اپنے آبائی گاؤں اورین میں گزاردی۔ عملی طور پر وہ اپنے گاؤں کے نمائندہ تھے۔ جب سرکاری حکام وہاں کسی کام کے لئے آتے تو وہی گاؤں کی نمائندگی میں ان سے بات کرتے تھے۔ آج اورین میں جو ریلوے اسٹیشن ہے اس کے بننے میں بھی آپ کا بہت بڑا دخل ہے۔ خاکسار، سادہ مزاج اور ملنسار انسان تھے۔ 70 سال کی عمر میں دربھنگہ کے ایک ہسپتال میں فوت ہوئے اپنے گاؤں اورین میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ان کے چند سال بعد ان کی اہلیہ سعودی عرب میں جہاں وہ اپنے بیٹوں کے پاس مقیم تھیں فوت ہوئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔

اولاد:

سید شمس الدین صاحب کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ انکے حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) سید سہیل احمد صاحب

آپ نے ڈھاکہ میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ بحیثیت ڈاکٹر زندگی کا پیشتر حصہ سعودی عرب میں گزارا۔ شاہی خاندان یعنی سعودی خاندان کے معالج رہے۔ نیز ROYAL SUADIA کے محکمہ میں بھی ڈاکٹری کے فرائض انجام دئے۔ یہ دونوں عہدے انتہائی معزز ہیں۔ اب پینشن یافتہ زندگی Ontario کینیڈہ میں گزار رہے ہیں۔

(2) مکرم سید عبدالحیٔ صاحب عرف لال بابو

آپ نے B.A کی سند حاصل کی اور سعودی عرب کے بینک میں ملازمت کی۔ اسی ملک کی وزارت حفاظت میں کام کیا۔ 1987ء میں کینیڈہ آگئے۔ کچھ تجارت بھی کی۔ یہاں ٹورینٹو میں اپنے اہل وعیال سمیت ریٹائرمنٹ زندگی گزار رہے ہیں۔

(3) مکرم سید محمود احمد صاحب

آپ نے قانون کی سند حاصل کی لیکن وکالت کا پیشہ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے آبائی گاؤں اورین بہار میں اپنی زراعتی زمین جائداد کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں کبھی اورین اور کبھی بھاگلپور میں مقیم رہے۔ آپ کی شادی احمدی خاندان میں مگر احمدیت سے رشتہ نہیں کے برابر تھا۔ 2012ء میں فوت ہوئے اور پٹنہ کے قریب ایک گاؤں پھلواری شریف میں مدفون ہیں۔

(4) مکرمہ عشرت جہاں صاحبہ

انہوں نے بی اے پاس کیا ان کی شادی ان کے ننہالی رشتہ داروں میں ہوئی جو غیر احمدی تھے۔ان کے شوہر کا نام مکرم امجد صاحب ہے جو چھپرا کے باشندے ہیں۔اب یہ لوگ امریکہ میں مقیم ہیں۔

(5) مکرم سید ریاض الدین صاحب

آپ نے بھی ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی۔سعودی عربیہ کے محکمہ ڈیفینس میں لمبا عرصہ کام کیا۔کئی تمغے حاصل کئے اس وقت Tornto کینڈہ میں مقیم ہیں۔

(6) مکرم سید مبشر احمد صاحب

یہ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔بھاگلپور یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا۔پاکستان میں کسی کالج میں درس وتدریس کا کام کیا۔پھر سعودی عرب منتقل ہو گئے اور وہاں کسی گزٹ کا کام کیا۔اب مسی ساگا میں مقیم ہیں۔

مکرم سید غلام مصطفیٰ صاحب

آپ اپنے سگے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔آپ اکتوبر 1907 میں پیدا ہوئے۔بحیثیت تاجر اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مظفر پور میں گزارا۔ظاہری تعلیم صرف ہائی اسکول تک تھی۔کسی دینی مدرسہ کی کوئی سند حاصل نہ تھی لیکن ذاتی مطالعہ سے عربی اور دین کا ٹھوس اور وسیع مطالعہ کیا تھا۔ٹھوس مضامین لکھتے تھے جن میں سے اکثر ہفت روزہ بدر قادیان میں شائع بھی ہوئے۔فن مناظرہ پر دسترس رکھتے تھے۔جس غیر احمدی مولوی نے ان سے ایک دفعہ بحث کی راہ فرار کے علاوہ اس کے پاس کوئی راستہ نہ رہا۔

شادی

آپ کی شادی مکرم سید وزارت حسین صاحب رضی اللہ عنہ کی دوسری بیٹی سیدہ رقیہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔آپ انتہائی صابرہ، شاکرہ اور اپنے خاوند کی مطیع وفرمانبردار تھیں۔آپ کی وفات 22 جنوری 2005ء میں بعمر 86 ہوئی اور تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی۔آپ کی قبر آپ کے خاوند مکرم سید غلام مصطفی صاحب کی

قبر کے ساتھ ہی قطعہ نمبر 9 میں موجود ہے۔آپ کی قبر پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

مزار

محترمہ سیدہ رقیہ بیگم صاحبہ زوجہ محترم سید غلام مصطفیٰ صاحب مظفر پور بہار

مرحومہ پیدائشی احمدی اور سید وزارت حسین صاحب صحابیؓ کی بیٹی تھیں۔نہایت صابرہ، شاکرہ، صوم وصلوۃ کی پابند تھیں۔ ہر مالی تحریک میں حصہ لیتی تھیں۔اپنا حصہ آمد سال کے شروع میں باقاعدگی سے ادا کر دیتیں۔مرحومہ دعا گو، ملنسار بچوں کے لئے بے حد دعائیں کرنے والی تھیں اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بھی اسلام احمدیت کا فدائی رکھے اور مرحومہ کی نیک دعاؤں کا فیضان کو پہنچتا رہے اور اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین

وصیت نمبر 5520 عمر 87 سال وفات 22 جنوری 2005ء

مکرم سید غلام مصطفیٰ صاحب کی وفات اگست 1971ء میں ہوئی۔بفضلہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی۔اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند فرمائے۔

آپ کی قبر بہشتی مقبرہ قادیان میں قطعہ نمبر 9 میں موجود ہے۔آپ کی قبر پر مندرد ذیل کتبہ درج ہے۔

مزار

مکرم سید غلام مصطفیٰ صاحب مظفر پور (بہار) ولد مکرم سید خلافت حسین صاحب

تاریخ پیدائش اکتوبر 1907ء تاریخ بیعت دسمبر 1925ء

تاریخ وصیت یکم جنوری 1940ء تاریخ وفات 9 اگست 1971ء

عمر 64 سال تدفین بہشتی مقبرہ 21 فروری 1972ء وصیت نمبر 5521ء

مرحوم اسلام واحمدیت کے فدائی اور صاحب رؤیا وکشوف بزرگ تھے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی سید وزارت حسین صاحبؓ (بہار) کے بھتیجہ و داماد تھے۔قرآن و حدیث کی خاص معلومات تھیں اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتوں و برکتوں کا نزول ان کی تربت پر ہوتا رہے۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ہمارے چھوٹے بھیاؔ

آپ کے بارے میں مکرم سید فضل احمد صاحب مرحوم ڈی۔ آئی۔ جی نے ایک مضمون ہفت روزہ اخبار بدر قادیان میں میں بعنوان ''ہمارے چھوٹے بھیاؔ۔ سید غلام مصطفٰی صاحب مرحوم'' شائع کیا تھا۔ قارئین کے استفاذہ کے لئے وہ مضمون شامل ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''میں جب تقریباً دو سال کا تھا ہماری والدہ کا انتقال ہوگیا اور میری بہت محبت کرنے والی دادی اماں اور نہایت ہی شفیق تایا جان سید ارادت حسین صاحبؓ مرحوم، جنھے ہم منجھلے ابا کہا کرتے تھے، نے میری پرورش کی۔ ہمارے ابا جان سید مولوی وزارت حسین صاحبؓ ملازمت کے سلسلہ میں زیادہ تر باہر ہی رہتے تھے۔ دادی اماں منجھلے ابا اور ابا جان خدا کے فضل سے تینوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابیوں میں سے تھے۔ والد صاحب خدا کے فضل وکرم سے حیات ہیں اور ان کی عمر تقریباً 93 سال ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ لمبی سے لمبی عمر عطا کرے۔ آمین۔ (افسوس کہ مئی 1975ء میں وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ شہاب)

1931ء میں دو ماہ کے اندر ہی ہماری دای اماں اور ہمارے تایا جان مرحوم ہمیں مغموم چھوڑ کر رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

میں ابھی چھوٹا ہی تھا اور گاؤں میں ہی رہتا تھا وہاں ہمارے چھوٹے بھیاؔ سید غلام مصطفٰی صاحب مرحوم اسکول اور کالج کی چھٹیوں میں جب گھر آتے تھے تو گاؤں کی فضا بڑی دلچسپ ہوجاتی تھی اور ہم بچے بھی ان کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتے تھے اور ان کے گرد اکٹھا رہتے تھے۔

1931ء میں پہلی بار ہم سب چند مہینوں کے لئے پٹنہ میں اکٹھا رہے ہیں۔ میں ہمیشہ اپنے چھوٹے بھیا کے ساتھ ہی بازار جایا کرتا تھا اور ہمیشہ ان سے بڑی قربت محسوس کیا کرتا تھا۔

1932ء میں ہمارے منجھلے بھیاؔ ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب جو ہمارے شفیق تایا محترم سید ارادت حسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے اور میری بڑی بہن کی ان سے شادی ہوئی تھی، انہوں نے اور ہمارے چھوٹے بھیاؔ (جو ہمارے سب سے بڑے تایا محترم سید خلافت حسین صاحب کے صاحبزادے تھے) دونوں نے مل کر مظفر پور میں ڈسپنسری قائم کی اور منجھلے بھیاؔ نے پریکٹس بھی شروع کی۔

میں اپنی بڑی بہن اور ان دونوں بھائیوں کے ساتھ رہنے لگا۔ ہماری دوسری بہن کی شادی 1933ء

میں ہمارے چھوٹے بھیا کے ساتھ ہوگئی وہ کشش اور وہ قربت جو میں بچپن سے اپنے چھوٹے بھیاؔ سے محسوس کرتا تھااس میں اور بھی زیادتی اور گہرائی پیدا ہوگئی۔

بڑا بھائی ہونے کے علاوہ میں اپنے چھوٹے بھیاؔ کو ہمیشہ اپنا ایک دوست اور غمخوار بھی سمجھتا تھااور ایک حد تک ان سے بے تکلف بھی تھا۔ وہ بھی مجھ سے بے انتہا محبت اور شفقت رکھتے تھے۔ ان کی گفتگو کا موضوع زیادہ تر اسلام احمدیت اخلاق اور کردار کے بارے میں ہی ہوا کرتا تھا۔ اور وہ بھی بڑے انوکھےاور بڑی محبت کرنے والے انداز میں کہ دل میں وہ باتیں گھر کر جائیں۔

احمدیت کی کتابوں کا بڑاوسیع اور گہرا مطالعہ تھا۔انہیں ایام میں شیعوں کے ایک مشہور عالم سے چندروز تک ان کے مباحثے بھی ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نمایاں کامیابی اور فوقیت بھی عطا فرمائی۔ چار سال تک ہم سب مظفر پور میں ساتھ رہے۔ میں 1936ء میں بورڈنگ تحریک جدید قادیان چلا گیا اور 1938ء میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول سے میں نے میٹرک پاس کر کے پٹنہ کالج میں داخلہ لیا۔کالج کی چھٹیوں کی ایام میں،ہی مظفر پور جانے کا موقع ملتا تھااور میں ان موقعوں کا بڑی بے قراری سے انتظار کیا کرتا تھا۔

ہمارے چھوٹے بھیا ہر ملاقات اور ہر نشست میں اسلام احمدیت، تفسیر قرآن، احادیث اور اخلاق فاضلہ کی باتیں بڑی محبت اور دل میں گھر کر جانے والے اندز میں مجھے بتاتے رہتے تھے دینی علم میں نے بہت زیادہ اپنے محبت کرنے والے بھائی سے ہی حاصل کیا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ 1934ء میں جب ہمارے بڑے بھائی پروفیسر سید اختر احمد صاحب اور ینوی علیل ہوئے تو بہت لمبے عرصہ تک ہم اور وہ پٹنہ کے ہسپتال میں ان کی تیارداری کرتے رہے۔اور بعد میں وہ بھی تقریباً ہر سال آدی باسیوں میں تبلیغ کے خیال سے اور بھیاؔ کا ساتھ دینے کے لئے وقف ایام کر کے انکی سینی ٹوریم (انکی رانچی سے چودہ کلومیٹر دور ایک گاؤں ہے۔شہاب) کے علاقہ میں جا کر رہا کرتے تھے۔جنوری 1934ء کے شدید زلزلہ میں ہمارے گاؤں کے آبائی مکان کو سخت نقصان پہنچا تھااور وہ بری طرح نقصان زدہ اور قابل مرمت ہوگیا تھا۔ابا جان کی خواہش پر ایک لمبے عرصہ تک اپنے کاروبار کو چھوڑ کر گاؤں میں رہ کر مکانات کو ایک انجینئیر کی مہارت کے ساتھ نہایت محنت اور بہت ہی کم خرچ پر مرمت کروایا۔

1942ء کی گرمیوں میں ہم اور ہمارے چھوٹے بھیاؔ پھر چند مہینوں کے لئے اپنے گاؤں اورین میں

رہے۔ والد صاحب نے اُن کے ذمہ زمینداری اور کاشت کی زمینوں کا حساب اور انتظامات کی درستی کا بوجھ کیا تھا اور میں جانتا ہوں کہ ہمارے چھوٹے بھیاؔ نے کس محنت جانفشانی سے کام کیا۔ مجھے کام سکھایا اور کس محبت سے مجھ سے کام لیتے رہے ان کی اس محنت اور جانفشانی سے ہمارے خاندان کی زمینیں اور جائدا محفوظ رہیں۔

ہمارے چھوٹے بھیا پر بڑے مشکلات اور آزمائش کے دن بھی آتے رہے لیکن وہ ہمیشہ صابر وشاکر ہی رہے۔ کاروبار میں نقصان ہوا اور دیگر مشکلات سے بھی دو چار ہوئے پر میں نے ان کی زبان سے ہمیشہ شکر کے کلمات ہی سنے۔ ان کو اپنا دواخانہ بند کرنا پڑا اور آمدنی کا جو بڑا ذریعہ تھا وہ بالکل بند ہو گیا پر ان کے چہرہ سے گھبراہٹ اور زبان سے شکایت میں نے نہیں سنی۔ اپنے اصولوں کے بڑے پکےؔ اور قانع انسان تھے۔

68.1967ء میں میری تقرری مظفر پور میں ہو گئی اور پھر مجھے اپنے چھوٹے بھیاؔ کی صحبت کے زیادہ مواقع ملتے رہے۔ ذہنی کوفت اور پریشانیوں کے ایام بھی آئے۔ اغیار کی ریشہ دوانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا اور جب بھی میں پریشانی اور انقباض محسوس کرتا تو اپنے اس بھائی کے پاس جا کر ایمان، ایثار، قربانی، صبر و شکر، اخلاق فاضلہ اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے حالات سن کر اور ان کی دعاؤں سے سکون حاصل کرتا تھا۔ اس سے قبل جب میری تقرری پٹنہ میں تھی اور اغیار اور احباب اپنے انسانی خداؤں کو خوش کرنے کے لئے قوم اور ملت کو بیچ رہے تھے اور میرے خلاف بھی ایک محاذ بنا رکھا تھا۔ میں ذہنی طور پر سخت کوفت میں تھا۔ میری یہ خواہش تھی کہ میرا یہ بھائی میرے ساتھ ہوتا اور میں تار دے کر ان کو بلانے ہی والا تھا کہ وہ خود اچانک آ گئے اور ہر وقت میرے ساتھ رہے۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے کہا کہ غم زدہ اور پریشان مت رہو۔ اغیار تمہیں اس حالت میں دیکھ کر اور بھی خوش ہوں گے۔ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی سے سبق حاصل کرو اور اس نمونہ پر عمل کرو۔ جس کا مظاہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے جنگ خندق کے دوران دکھایا۔ بڑی تقویت حاصل ہوئی تھی اور بڑا سکون ملا تھا۔ اپنے چھوٹے بھیاؔ کی صحبت اور ان کی نصیحتوں سے ان کا پیار اور ان کی شفقت اور سب سے بڑھ کر ان کی دعاؤں سے۔

اس صابر، شاکر شخص اور انسانیت کے لئے درد رکھنے والے انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بھی نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صالح اور نیک اولاد عطا کی جو انگلستان اور کینیڈا کی مسموم اور مادی فضا میں رہ

کر بھی اسلام اور احمدیت کی تبلیغ بڑے جوش سے کرتی رہی ہے۔ اور اپنے والدین کی بڑی سعادت کے ساتھ خدمت اور مدد کرتی رہی ہے۔ خدا تعالیٰ ان کا ہمیشہ اور ہر لحاظ سے حافظ و ناصر رہے اور انہیں دینی اور دنیاوی ترقیات سے مزید نوازتا رہے۔ آمین

ہمارے چھوٹے بھیاؔ بڑے غیور انسان تھے۔ ذاتی وقار کے علاوہ وہ ہمیشہ ہی اسلام اور احمدیت کے لئے بیحد غیرت اور جوش اور محبت رکھتے تھے۔ عیسائیوں کے بڑے سے بڑے مناد کا جواب اخبار بدر اور دیگر انگریزی اور اردو اخبارات کے ذریعہ بڑے ہی عالمانہ اور محققانہ رنگ میں دیا کرتے تھے۔ وہ انگریزی میں ایک کتاب ''دنیا کی علمی اور ذہنی ترقی میں مسلمانوں کا نمایاں حصہ'' لکھ رہے تھے اور شاید مکمل بھی ہو گئی تھی۔ ان کی اولاد انشاء اللہ اسے شائع کرنے کا ارادہ کر رہی ہے۔

9 ظہور 1351 ہجری شمسی (9 اگست 1971ء) آٹھ بجے رات کو یک بیک دل کے شدید دورہ کے بعد کسی طبی امداد کے پہنچنے سے قبل ہی ہمارے چھوٹے بھیاؔ ہمیں مغموم افسردہ اور اشکبار چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ میں اس وقت ان سے بہت دور تھا۔ دوری اور موسم کی خرابی کی وجہ سے میں اپنے چھوٹے بھیاؔ کی تجہیز و تکفین میں شامل نہ ہو سکا اور ان کے آخری دیدار سے بھی محروم رہا۔ ان کے دو بڑے لڑکے بھی اس وقت کینیڈا میں تھے۔

خدا کے فضل سے ہمارے چھوٹے بھیاؔ موصی تھے۔ اس لئے وفات کے بعد امانتاً مظفر پور میں مدفون ہوئے اور گزشتہ جلسہ سالانہ جو ماہ تبلیغ 1351 ہجری شمسی (فروری 1972ء) میں ہوا۔ ان کا تابوت بہشتی مقبرہ میں دوبارہ نماز جنازہ اور دعاؤں کے ساتھ مدفون ہوا۔ الحمد للہ۔ خوش قسمت تھے ہمارے بڑے بھیاؔ اور اللہ کا خاص فضل اور احسان تھا ان پر کہ انہیں آخری آرام گاہ حضرت مسیح الزماں کے بہشتی مقبرہ میں حاصل ہوئی۔ دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ محض ایک اللہ کی ذات ہی قائم و دائم ہے۔

میرے چھوٹے بھیاؔ ایک بے انتہا نیک اور شریف اور محبت کرنے والے شوہر ایک مشفق اور دعائیں کرنے والے باپ اور نہایت ہی چاہنے والے بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو اپنے قرب میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کرے اور میری بہن کو اور میرے بھانجے بھانجیوں کو اور ہم سب کو صبر و سکون عطا کرے اور ہم سب کا حافظ و

ناصر ہو۔آمین۔

ہمارے چھوٹے بھیاؒ کی وفات ہمارے لئے ایک خاندانی سانحہ کے علاوہ ایک ذاتی المیہ بھی ہے۔وہ میری بہن اور بچوں کو کہتے تھے کہ میں فضل کو اپنے بیٹوں کی طرح چاہتا ہوں اور ان کے لئے ہمیشہ دعائیں کرتا ہوں اور ان کی بعض کمزوریوں سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے اور پھر ہمارے لئے ہمارے چھوٹے بھیاؒ لگا تار اور بڑی محبت کے ساتھ دعاؤں میں لگ جاتے۔جزاک اللہ میرے چھوٹے بھیا۔اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ (بحوالہ اخبار بدر قادیان یکم مارچ 1973ء صفحہ 9)

شادی و اولاد

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مکرم سید غلام مصطفیٰ صاحب کو تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔(1) مکرم سید یوسف احمد صاحب (2) مکرمہ سیدہ رشیدہ احمد صاحبہ (3) مکرم سید خالد احمد صاحب (4) مکرمہ سیدہ حمیدہ بیگم صاحبہ (5) مکرم سید رفیع احمد صاحب

(1) مکرم ڈاکٹر سید یوسف احمد صاحب

بڑے بیٹے مکرم سید یوسف احمد نے گلاسگو یونیورسٹی میں طالب علم رہ کر بی ایس سی انجینئرنگ آنرس کے ساتھ پاس کیا۔اس کے بعد گلاسگو سے پی ایچ ڈی انجینئرنگ میں کی۔کینیڈا میں 22 سال تک ایٹامک انرجی میں کام کیا اور وہاں اچھے عہدوں پر فائز رہے اور اب ریٹائرڈ ہیں اور اپنی اہلیہ کے ساتھ اڈمنٹن کینڈہ میں رہتے ہیں۔

جب مکرم سید یوسف صاحب ایٹا نامک انرجی میں کام کرتے تھے تو ایک بہت ہی ایمان افروز واقعہ پیش آیا۔جو تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے۔وہ ایڈوانس انجینئرنگ کے صدر تھے اور تبدیل حرارت کے ماہر تھے اونٹیرو ہایڈرو Ontario Hydro کے افسران نے ایٹامک انرجی کہ اعلیٰ افسران سے مل کر مکرم یوسف احمد پر زور دیا کے وہ ایک سائنس کی رپورٹ کو جو اُن کے تحویل میں تھی بدل دو۔اور یہ دھمکی بھی دی کہ اگر رپورٹ میں ترمیم نہ کروگے تو تمہیں عہدے سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔کیونکہ رپورٹ میں تبدیلی کرنے کی وجہ سے اُن کا یعنی اونٹیرو ہایڈرو کا کروڑوں ڈالر کا فائدہ ہونے کا امکان تھا۔ مکرم سید یوسف احمد نے قطعی انکار کر دیا کہ اس قسم کی غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکت کرنے کو وہ تیار نہیں
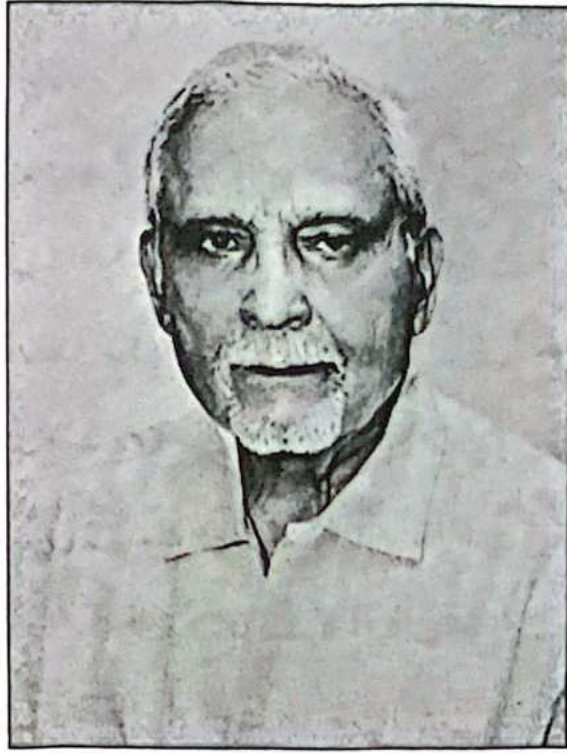
سیّد یوسف احمد صاحب
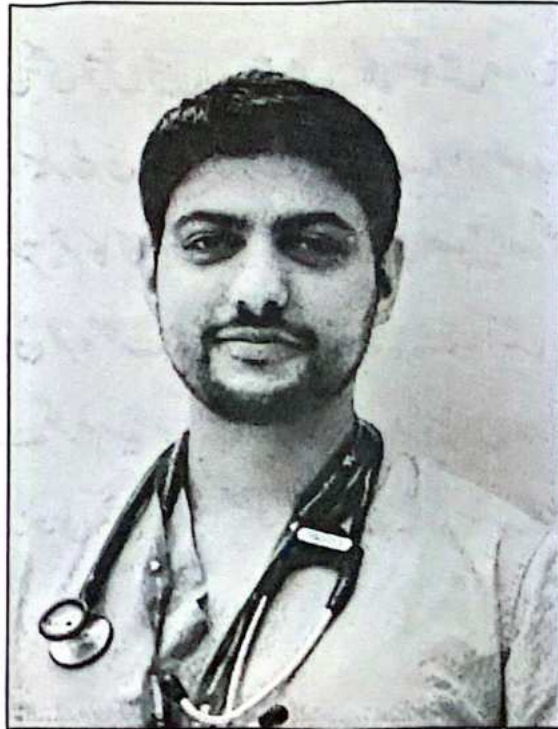
کاشف احمد

ہیں خواہ کچھ بھی ہو۔ ایٹامک انرجی نے فوراً انہیں عہدہ سے معطل کر دیا۔ یہ معاملہ عدالت میں گیا اور پھر وہاں سے گیارہ سال بعد فیصلہ آیا۔

اس پریشانی کے دوران مکرم سید یوسف احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے لندن میں ملے اور حضور کو اپنی پریشانی بتائی۔ اور دعا کی درخواست کی۔ حضور نے فرمایا کہ آپ نے ایک احمدی کی حیثیت سے بہت اچھا کام کیا اور خدا تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا کرے۔ حضور انور کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اللہ کے فضل سے مکرم سید یوسف صاحب کو مقدمہ میں کامیابی ملی۔ فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مکرم سید یوسف اپنے موقف میں صحیح تھے اور ان کے ساتھ مداخلت کی گئی اور زیادتی کی گئی صرف اس لئے کہ آنٹیرو ہاڈر کو کروڑوں ڈالر کا فائدہ ہونے کا امکان تھا البرٹا کے ایک جج نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ سید یوسف کو نقصان تو بہت ہوا لیکن انہوں نے اعلیٰ اخلاقی جرائت دکھائی۔ اس سارے واقعہ کی روئیداد آنٹیرو کی عدالت میں موجو ہے۔ خدا تعالیٰ اس واقعہ کو دوسروں کہ لئے ایمان کا باعث بنائے۔ آمین

آپ سلسلہ کے کاموں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ گلاسگو میں صدر جماعت کے فرائض بھی ادا کئے اور ایڈمنٹن میں زعیم انصاراللہ، سیکرٹیری امور خارجہ، نائب صدر اور صدر کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ جلسوں کے موقع پر اکثر مترجم کا کام کرتے ہیں بہت بااصول اور محنتی انسان ہیں۔ چندہ ہمیشہ باقاعدگی سے دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مکرم سید یوسف صاحب کو چار بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا ہے۔ سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی پر اپنا فضل فرمائے۔ اور سلسلہ کا مفید وجود بنائے اور ہمیشہ اپنے فضل و امان میں رکھے۔ آمین

(2) مکرمہ سیدہ رشیدہ احمد صاحبہ

یہ اپنے بھائی بہنوں میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ ایک لمبی بیماری کے بعد جون 2012ء میں مظفر پور بہار میں وفات پائی۔ اپنے آبائی گاؤں اورین میں مدفن ہوئیں۔

(3) مکرم سید خالد احمد صاحب

آپ نے اوٹاوایونیورسٹی سے کرمنالوجی میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔اونٹریو حکومت میں ایک معزز عہدہ میں فائز تھے لیکن کسی بیماری کی وجہ سے پینشن لینی پڑی پھر اسی بیماری کی وجہ سے مارچ 2005ء میں لنڈن اور یٹو میں فوت ہوئے۔موصی تھے اور تدفین احمدیہ قبرستان میپل اونٹیریو میں ہوئی۔ آپ کی شادی قادیان کے ایک انتہائی مخلص خاندان میں ہوئی تھی۔اہلیہ کا نام کشور ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ دونوں کو دو بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا ہے۔بیٹے کا نام ڈاکٹر کاشف احمد صاحب ہے۔جماعت کی بہت خدمت کرنے والا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبھی کو خادم دین بنائے۔

(4) مکرمہ سیدہ حمیدہ احمد صاحبہ

آپ چوتھے نمبر پر ہیں بیوہ اور لاولد ہیں۔آپ نے ایجوکیشن میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔ایک لمبا عرصہ مظفر پور بہار میں اسکول ٹیچر رہنے کے بعد پنشن یافتہ ہیں۔عمرہ کی سعادت بھی پائی موصیہ ہیں۔

(5) مکرم سید رفیع احمد صاحب

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے ہیں محنتی اور اچھے طالب علم ہیں۔آپ نے کمپیوٹر سائنس میں امریکہ کی یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کیا۔آپ اس وقت اوریکل کمپنی میں کنسلٹنٹ ممبر ہیں۔ آپ نے 25 ریسرچ پیپر سائنس کے مضمون پر لکھے اور اس وقت اُن کے 21 پیٹنٹ امریکہ میں شائع ہو چکے ہیں۔دنیا میں وہ ڈاٹا بیس سائنس کے ماہروں میں شمار ہوتے ہیں۔جماعتی رسالوں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔جماعت کے کاموں میں ہمیشہ آگے رہتے ہیں۔بفضلہٖ تعالیٰ موصی ہیں۔ آپ کی ایک بیٹی ہے جس کا نام آفرین ہے اور ماشاءاللہ بہت ذہین ہے۔

اگرچہ سید خلافت حسین صاحب احمدیت کی نعمت سے محروم رہے لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ ان کے دو بیٹے سید شمس الدین صاحب اور سید غلام مصطفیٰ صاحب کے علاوہ مکرم سید خلافت حسین صاحب کی اہلیہ اول نے بھی بیعت کی۔آپ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اپنے چھوٹے بیٹے مکرم سید غلام مصطفیٰ صاحب کے ساتھ مظفر پور میں رہتی تھیں۔1947ء میں وہیں فوت ہوئیں اور وہیں مدفون ہیں۔سید خلافت حسین صاحب کی دوسری اہلیہ انگریز خاتون تھیں۔ان کے بطن سے سید صاحب کو ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوئیں۔بیٹے نے ہمیشہ اپنے آپ کو مسلمان کہا اور مسلمان خاتون سے شادی کی ان کا اسلامی

نام عنایت حسین تھا۔لیکن وہ adolfos کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے اور سیکرٹیری ٹی بورڈ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔بیٹیوں کے اسلامی نام حسنیٰ اور نور جہاں تھے لیکن ان میں سے کسی کو مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ان دونوں نے شادیاں بھی غیر مسلموں سے کی۔یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ سید خلافت حسین صاحب، سید ارادت حسین صاحبؓ، سید وزارت حسین صاحبؓ کی والدہ محترمہ جو مکرم سید ہدایت حسین صاحب کی اہلیہ تھیں ایک خواب کی بنا پر جس کا ذکر عزیزہ طلعت نے مضمون ''ڈاکٹر شاہ محمد شمیم کا ذکر خیر'' میں بھی کیا ہے، احمدیت قبول کی۔الحمدللہ۔ثم الحمدللہ۔افسوس کہ مکرم سید خلافت حسین صاحب اس نعمت سے محروم رہے لیکن ان کے اندر مکرم ڈاکٹر رشید الدین صاحب اور مکرم شاہ محمد توحید صاحب کی طرح یہ نیکی موجود تھی کہ ان کے دو بیٹوں اور اہلیہ نے اعلانیہ احمدیت کو قبول کیا اور انہوں نے کوئی مخالفت نہ کی یہی حال ان کے والد مکرم سید ہدایت حسین صاحب کا بھی تھا۔مکرم سید ہدایت حسین صاحب کی تعریف حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ جیسے بزرگ صحابی نے بھی کی ہے۔

فیض احمدیت

اپنے خاندان کے صحابہ کرام اور بزرگان کے ذکر خیر اور تاریخی کوائف بیان کرنے کے بعد خاکسار یہ بتانا چاہتا ہے کہ احمدیت کی نعمت کے طفیل ہمارے خاندان کو کون کون سے فیوض حاصل ہوئے۔ پہلا دینی فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ امام وقت پر ایمان لانے کی وجہ سے ہم میں سے جو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں انہیں جاہلیت کی موت کا داغ نہیں لگا اور وہ بھی جو اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونگے جاہلیت کی موت سے مبرا ہوں گے۔ انشا اللہ۔ انبیاء کرام وہ مقدس وجود ہوتے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا اذن ظاہر کرتا ہے اور ہر نبی اپنے متبعین کو اسی اذن کے تحت لے کر روحانی اور اخلاقی ترقیات کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ الٰہی جماعتوں کو ایک ایسی روشنی عطا کرتا ہے جس کی بدولت وہ تاریکی میں بھٹکنے کی بجائے صراط مستقیم پر چلتے ہیں۔ الحمد اللہ مسیح موعود اور مہدی معہود پر ایمان لانے کی وجہ سے ہمیں یہ نعمت نصیب ہوئی۔ اگر خدانخواستہ ہم غیر احمدی ہوتے تو دیگر مسلمانوں کی طرح قبر پرستی اور سب سے بڑے شرک عیسیٰ پرستی اور نہ جانے کتنی بدعتوں میں ملوث ہوتے۔ ہمارے غیر احمدی بھائی دعویٰ تو امت محمدیہ کا کرتے ہیں لیکن برتری حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً آپ کے چھونے سے بیمار شفا پاتے تھے۔ آپ نے جسمانی اندھوں کو بینائی عطا کی اور جسمانی مردے زندہ کئے اور دو ہزار سال سے جسم عنصری کے ساتھ چوتھے آسمان میں زندہ موجودہ ہیں اور افضل الرسول خاتم النبیین ﷺ ان صفات سے محروم ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ وہ صرف منہ سے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے مگر متذکرہ بالا صفات ان کی طرف منسوب کر کے عیسائیوں کو اسلام پر حملہ کرنے کا موقعہ مہیا کراتے ہیں لیکن کاسر صلیب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے ان مشرکانہ اور سراسر غیر قرآنی عقائد کا قلع قمع کر کے مذہبی جنگ کا رخ پلٹ دیا ہے۔ اپنے غیر قرآنی عقائد کی وجہ سے غیر احمدی حضرات احمدیوں کے سامنے آنے کی ہمت نہیں کرتے۔ ہم اس نعمت پر جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ ہمارے شیعہ بھائی سُنی بھائیوں کی طرح ان عقائد میں ملوث ہونے کے ساتھ ساتھ نہ جانے کتنے غلط اور خلاف سنت رسول اعمال پر عمل پیراء ہیں مزید یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جن کی تعریف قرآن مجید اور رسول کریم ﷺ کرتے ہیں آپ کو

گالی دینا کارِ خیر خیال کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ مسیح پاک کی غلامی کے طفیل ہم ان سارے گناہوں اور غلط عقائد سے پاک ہو گئے۔

اگر خدانخواستہ ہم عیسائی ہوتے تو ہر نبی کی طرف کئی گناہ منسوب کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نقص منسوب کرتے کہ اس میں بخشش کی طاقت نہیں ہے اس لئے مجبوراً اسے اپنے بیٹے سے مدد حاصل کرنی پڑی اور اسے صلیب پر لعنتی موت کا پیالہ پینا پڑا اور بنی نوع انسانوں کے گناہ اپنے اوپر اٹھا لئے۔ کفارہ کا عقیدہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا نجات دہندہ مان لو پھر جو چاہو کرو۔ کفارہ گناہ کے لئے اجازت نامہ ہے اگر ہم موجودہ عیسائی عقائد (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہیں) پر غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو کچھ نہیں سمجھتے اصلی طاقت ایک انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خیال کرتے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے اور خدا کی مدد نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ بالکل معذور اور بے بس ہو جاتا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

اگر ہم نعوذ باللہ ہندو عقائد رکھتے تو عیسائیوں سے بڑھ کر تین خداؤں کی بجائے تینتیس کروڑ خداؤں پر ایمان لاتے۔ حضرت کرشن اور حضرت رام چندر کی خدائی پر ایمان رکھنے کے ساتھ بندر اور چوہے کو بھی اپنا معبود خیال کرتے اللہ تعالیٰ کی طرح مادہ اور روح کو بھی ازلی اور ابدی مانتے گویا وہ فی ذاتہ خدا ہیں اللہ تعالیٰ کا کام صرف انہیں جوڑنا جاڑنا ہے۔ گویا اصل اور اعلیٰ جوہر تو روحوں میں موجود ہے اور ادنیٰ کام صرف جوڑنا جاڑنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ عیسائیوں کی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کو بخشش کی صفت سے محروم رکھتے ہیں اسی لئے وہ ارواح کو تناسخ میں مبتلاء کرتے ہیں۔ اللہ کسی رشی منی کو بھی دائمی نجات نہیں دیتا۔ اگر سارے ارواح نجات پا جائیں تو اس کی حکومت کیسے چلے گی تخلیق کی تو اس میں طاقت ہے ہی نہیں۔ اکثر ہندو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ارواح اور مادہ لاتعداد ہیں جن کا علم اللہ کو بھی نہیں یہی حال دیگر مذاہب کا ہے۔

دہریوں نے تو حد کر دی کہ خدا تعالیٰ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا تصور انسانی ذہن کی سوچ کی پیداوار ہے۔ اللہ تو وہ ہستی ہے کہ ایک ان پڑھ انسان بھی اسے اپنے اندر دیکھتا ہے۔ اگر وہ غور کرے تو آفاق میں ہر جگہ اللہ ہی نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے

ہے عجب جلوہ تیری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے تیرے دیدار کا

مگران روز روشن اور کھلے حقائق کے منکرین کا کیا علاج؟

الغرض امام وقت کی غلامی کے طفیل احمدیہ جماعت بشمولیت ہمارا خاندان ہر طرح کے کفر شرک اور بدعت وضلالت اور رضائے باری کے خلاف عقائد اور عملوں سے محفوظ ہے۔ الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ

میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر ہمارے بزرگوار سید وزارت حسین صاحبؓ اور سید ارادت حسینؓ صاحب، آج سے ایک صدی قبل، جب کہ احمدیت ایک ننھا سا پودا تھا اور مخالفین اسے نیست نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنے میں مشغول تھے، نیز صوبہ بہار جو قادیان پنجاب سے کافی دور ہے، جہاں کوئی احمدی نہ تھا، (واضح ہو کہ حضرت مولانا حسن علی صاحبؓ جو اس صوبہ کے پہلے احمدی تھے 1896ء میں وفات پا چکے تھے۔) وہاں سے قادیان جا کر حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت نہ کرتے تو، کیا میرا ایمان اس قدر زیادہ مضبوط تھا کہ خدا کی خاطر سارے رشتہ داروں اور دوستوں کی ناراضگی مول لیتا اور بیعت کرتا؟ تو ہمارا جواب نفی میں ہے۔ کیا ہم میں اتنی صلاحیت ہے کہ احمدی اور غیر احمدی عقائد کا فیصلہ قرآن کی روشنی میں کرتے؟ تو میرا ایماندارانہ جواب یہی ہے کہ نہ ہمارا ایمان اتنا مضبوط ہے اور نہ ہم میں صداقت اور کذب میں امتیاز کرنے کی اتنی صلاحیت ہے۔ ہم بھی غیر احمدیوں کی طرح غیر قرآنی عقائد میں ملوث ہوتے اس لئے ہم اپنے بزرگوں کے جتنے مشکور ہوں اُتنا کم ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ خلافت ثانیہ کے انتخاب کے وقت مولوی محمد علی صاحب نے جو فتنہ اٹھایا وہ کم نہ تھا۔ افسوس صد افسوس کہ انہوں نے آیت استخلاف نیز حضرت مسیح موعودؑ کے واضح ارشادات کے خلاف خلافت جیسی نعمت کا ہی انکار کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ لیکن یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ ہمارے بزرگوں سید وزارت حسین صاحبؓ سید ارادت حسین صاحبؓ نے اس وقت بھی صحیح فیصلہ کیا اور نعمت خلافت کی اہمیت کو سمجھے اور حضرت مسیح موعودؑ کے صحیح جانشین خلیفہ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کی غلامی میں آ گئے۔ یہ ہمارے خاندان کی دوسری خوش قسمتی ہے پھر میں غور کرتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ ہمارے بزرگ غلط فیصلہ کر کے مولوی محمد علی صاحب کے چکر میں آ جاتے تو نہ جانے ہم لوگ کہاں ہوتے ہم اور ہمارے رشتہ دار جب غور کرتے

ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہمیں نبوت اور اس کے بعد خلافت کی نعمت انہیں بزرگوں کے طفیل ملی ہے۔ ہمارے بزرگوں کا ہم پر وہ احسان ہے کہ اگر ہماری جلدوں سے ان کے جوتے بنیں تو وہ بھی کم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر عظیم احسان ہے کہ ہمارے خاندان نے رضائے باری تعالیٰ کو مقصود رکھا اور اس کے مقابل پر دنیاوی حیثیت واقتدار کو اہمیت نہ دی۔ ارحم الراحمین خدا تعالیٰ نے اپنے غلاموں پر رحم اور فضل کرتے ہوئے انہیں دنیاوی ترقیات سے نوازا اور آگے بڑھایا۔ جب ہم سید خاندان کے احمدی اور غیر احمدی افراد کا موازنہ کرتے ہیں۔ تو صاف واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم احمدیوں کو تعلیم کے میدان میں غیر احمدیوں سے آگے کر دیا ہے۔ ہم میں سے کئی احباب نے ڈاکٹریٹ۔ ڈی لٹ، ایف آر سی، ایم آر سی پی کی اسناد حاصل کیں اور ہمارے غیر احمدی رشتہ داروں کو یہ اعزاز حاصل نہ ہوسکا۔ ظاہر ہے جس کی تعلیم جتنی اعلیٰ ہوگی اسے ملازمت بھی اتنی اعلیٰ حاصل ہوگی جس کا نتیجہ خوش حالی ہے۔ جو ہمیں نصیب ہے۔ میں نے شروع میں لکھا ہے کہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ کے آٹھ بیٹوں میں سے چھ احمدی ہوئے میں یہ نہیں لکھتا کہ ہم چھ احمدی بھائی رئیس اور امیر و کبیر ہیں لیکن باسط خدا تعالیٰ نے مسیح پاک کے نان کے طفیل ہمیں اتنا عطا کیا کہ ہم نے اپنی ضروریات خود پوری کیں۔ کسی انسان کے محتاج نہیں رہے لیکن ہمارے دو غیر احمدی بھائیوں جن میں سے ایک M.A تھے۔ اُن کے گھروں میں فاقہ کی نوبت آئی لیکن ہم احمدیوں نے انسانی ہمدردی اور بھائی ہونے کے ناطے انہیں فاقہ سے بچایا۔

اپنے خاندان کا تذکرہ ختم کرنے سے قبل یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہمارے والد صاحب پانچ بھائی تھے۔ ان میں سے تین بھائی اور ان کا خاندان احمدیت کی نعمت سے محروم رہے۔ دو بھائی مکرم ڈاکٹر رشید الدین صاحب اور مکرم شاہ محمد توحید صاحب خود تو احمدی نہ تھے لیکن ان کی بیویاں اور بچے (دو بچوں کو چھوڑ کر) احمدی تھے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نان کا کرشمہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بھائیوں کو دوسرے بھائیوں سے ہر لحاظ سے برتر رکھا۔ ان کی آمدنی زیادہ تھی ان کا دستر خوان وسیع تھا اور انہیں اپنے علاقوں میں جو اعزت اور شہرت حاصل ہوئی دوسرے بھائیوں کو نہ تھی۔ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ دونوں احمدیوں کے کفیل اور سرپرست تھے اور ہمارے عقائد میں کبھی مخل نہ ہوئے نیز یہ کہ ان کے اثر اور رسوخ کی وجہ سے مخالفین احمدیت ہم میں سے کسی کو گزند پہنچانے کی ہمت نہ کر سکتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور آپ کے خاندان

کا ذکرِ خیر

حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صوبہ بہار کے خوش نصیب صحابہ کرام میں مکرم حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحبؓ بھی شامل ہیں۔آپ کے متعلق مضمون آپ کے پوتے مکرم ملک صلاح الدین صاحب کے غیر مطبوعہ تفصیلی مضمون اور آپ کے متعلق مکرم غلام مصباح بلوچ صاحب کے تحریر کردہ مضمون ماہنامہ ''خالد'' ربوہ نومبر 2006ء کے شمارے اور الفضل انٹرنیشنل 22 دسمبر 2006 صفحہ 11 میں شائع شدہ مضمون کی روشنی میں، آپ کا تعارف سوانح و خدمات پیش ہیں۔ مضمون پہلی مرتبہ ماہنامہ خالد ربوہ میں شائع ہوا بعدہ اس مضمون کو الفضل نے شائع کیا ہے۔

صالح، غریب پرور، صاف گو، نماز باجماعت کے پابند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عاشق اور خلافت کے دلدادہ حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحبؓ 1902ء میں سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہوئے اور تادم حیات آخر اسے وابستگی کو نبھایا۔ دستی بیعت کے لحاظ سے صوبہ بہار کے صحابہ کرام میں آپ کا نمبر تیسرا ہے۔ آپ موضع آڑھا ضلع مونگھیر صوبہ بہار بھارت کے رہنے والے تھے لیکن اپنی ملازمت کے سلسلہ میں راولپنڈی مقیم تھے اور یہیں سے بیعت کی توفیق پائی۔

ابتدائی حالات

آپ کا نام الٰہی بخش۔ والد کا نام پیغمبر بخش اور والدہ کا نام قصیدہ بی بی تھا۔ آپ کا ددھیال موضع استھانواں ضلع مونگھیر بہار اور ننہال موضع آڑھا ضلع مونگھیر تھا۔ آپ دو بھائی تھے۔ دوسرے بھائی کا نام عبدالسبحان تھا۔ بچپن میں ہی والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا آپ کی والدہ اپنی بیوگی کے بعد اپنے دونوں بچوں کو لے کر اپنے میکے آڑھا آ گئیں۔ بچپن میں آپ کے ساتھ ایک بہت خطرناک حادثہ پیش آیا، ہوا یوں کہ محرم کا جلوس دیکھتے ہوئے اچانک ایک دیوار گر گئی جس کے نیچے کئی بچے دب گئے، سب بچوں کو نکالا گیا مگر آپ پر ملبہ اتنا زیادہ تھا کہ نظر میں نہیں آتے تھے کسی نے آپ کا خیال نہ کیا۔ بہت دیر بعد کسی نے شور مچایا کہ کوئی بچہ اس کے نیچے ہے۔ مٹی ہٹا کر نکالا گیا آپ کی پیشانی کی ہڈی کچھ دب گئی جو عمر بھر معلوم ہوتا رہا۔

آپ کے ماموں ڈاکٹر دیدار بخش صاحب صوبہ سرحد میں ڈاکٹر تھے، وہ فرصت میں گھر آئے

ہوئے تھے۔ واپس جاتے ہوئے آپ کو اپنے ساتھ لیتے گئے، آپ نے اپنی محنت اور ذہانت اور کچھ ذرائع آمد و رفت کی کمی کی وجہ سے پہلے ہی سفر میں اپنی تعلیم پوری کر کے سروس میں آجانے کے بعد اپنے وطن واپس تشریف لائے۔

عادات وخصائل:

آپ میں صلہ رحمی کا مادہ بہت تھا۔ چنانچہ رشتہ داروں کو پنجاب پڑھوانے کی غرض سے لے گئے۔ ان میں سے ایک ماموں زاد بھائی کو ڈاکٹری تک پڑھوایا (ڈاکٹر عبدالرحیم مرحوم ابن ڈاکٹر دیدار بخش مرحوم)۔ آپ جب بھی اپنے وطن تشریف لاتے اپنے رشتہ داروں خواہ دور ہی کے کیوں نہ ہوں اور دوستوں کے مکان پر تشریف لے جاتے اور ساتھ کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور ہوتا خالی ہاتھ نہیں جاتے۔ جب تک اپنے گاؤں آڑہا میں رہتے۔ کھانا بیٹھک میں باہر ہی کھاتے اور دوست واحباب کو شریک کرتے۔ آپ کی طبیعت میں بخل نام کا بھی نہ تھا۔

آپ کا حلیہ

پکا سانولہ رنگ، میانہ قد، چوڑا سینہ، مظبوط جسم پورے چہرے پر چھوٹی داڑھی، بال سیاہ تھے۔ جس سے لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ خضاب استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ قدرتی بال جو آخر عمر تک ایسے ہی رہے۔

حلقہ احباب:

آپ کی سروس کی ابتداء راولپنڈی سے ہوئی۔ جہاں آپ ڈسپنسری کے انچارج تھے۔ پھر کہوٹہ تبدیلی ہوئی اور وہاں کافی عرصہ تک رہے۔ شروع میں ایک دفعہ آپکی ڈیوٹی جیل خانہ راولپنڈی میں لگی۔ اُسی زمانہ میں وہاں ایک خاص قسم کے بخار کی وباء بھوٹ پڑی تھی جس سے کافی قیدی مر گئے تھے۔ آپ ان کی دیکھ بھال پر متعین تھے آپ کو بھی بخار آ گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو شفا دی۔ آپ اپنی نیک اور ملنسار طبیعت کی وجہ سے راولپنڈی میں ہر دلعزیز تھے۔ بعض بنا بریں آپ اکثر بڑے بڑے گھرانوں کے فیملی ڈاکٹر تھے۔ مثلاً سردار سوجان سنگھ رئیس راولپنڈی، سردار بوٹا سنگھ وغیرہ۔ سردار بوٹا سنگھ کروڑوں کی جائداد کے مالک تھے۔ کابل کے سابق بادشاہ یعقوب خان اور ان کے بھائی ایوب خان تھے۔ مگر یہ لوگ

انگریزوں کے خلاف تھے اس لئے ان کو انگریزوں نے نظر بند کر دیا تھا۔ اور انکی جگہ عبدالرحمن خان کو ان کا بادشاہ تسلیم کیا تھا۔ یعقوب خان مصوری میں اور ایوب خان راولپنڈی میں نظر بند تھے۔ جبکہ ان کے اکثر رشتہ دار راولپنڈی آتے تھے۔ ایوب خان کے خسر سے آپ کے بہت تعلقات تھے۔ آپ راولپنڈی میں بہت مقبول و مشہور تھے۔ صرف ڈاکٹر الٰہی بخش راولپنڈی لکھ دینے سے خط مل جاتا تھا۔ آپ کا حلقہ احباب و دوست بہت وسیع تھا۔ آپ کے بہت جگری دوستوں میں مکرم احمد شیر خاں مرحوم والد نواب اکبر یار جنگ یاور مرحوم قابل ذکر ہیں۔ منشی فرزند علی خان صاحب سے بھی آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ گرچہ ان میں سے کوئی بھی اس وقت احمدی نہیں تھے۔ حضرت مرزا سلطان احمد مرحوم سے بھی اکثر ملاقات رہتی تھی اسوقت مرزا صاحب افسر مال تھے۔ راجہ خداداد خاں صاحب سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم تھے۔

چترال کا سفر

1892ء کے اوائل میں آپ کو چترال جانے کا حکم ہوا۔ چند لوگوں کے ساتھ چترال جانے کے لئے راولپنڈی ریلوے اسٹیشن پر تشریف لائے۔ وہاں ایک ہاکر چلا چلا کر مرزا صاحب اور لیکھرام میں مباہلہ کا اخبار بیچ رہا تھا۔ (یعنی چوہدویں صدی میں مباہلہ کی خبر شائع ہوئی تھی۔ ناقل) آپ نے اخبار خریدا اور پڑھ کر رکھ لیا۔ اخبار چودھویں صدی جسکی ادارت سراج الدین صاحب بیرسٹر کرتے تھے۔ اُس وقت کوئی خاص بات رونما نہیں ہوئی اور آپ کشمیر کے رستے گلگٹ پہنچے۔ کشمیر کا وہ حصہ اس وقت برف سے ڈھکا رہتا تھا۔ اسسٹنٹ ریزیڈنٹ برٹش اجنٹ نے برجستہ کہا کہ اس وقت کیوں آئے۔ سردی کے موسم میں اس علاقے میں سفر کرنا خطروں سے خالی نہیں۔ آپ نے کہا کہ آڈر جو ملا میں آگیا۔ دوران سفر آپ کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض جگہ برف پر کمبل بچھائی جاتی تھی آپ اس پر بیٹھ جاتے اور دھکا دیا جاتا اس طرح آپ کچھ دور چلے جاتے۔ ان حالات میں آپ گلگت پہنچے اور پھر وہاں سے آپ چترال بھیج دئے گئے۔ وہاں آپ نے ڈسپنسری انچارج کا کام سرانجام دیا۔ سب سے پہلا مریض جو مہتر چترال کی طرف سے آیا وہ پتھری کا مریض تھا۔ (چترال میں مہتر کا لفظ نواب کی جگہ استعمال ہوتا ہے) پتھری کی وجہ سے پیشاب بند ہو گیا تھا۔ پہلے تو آپ کو گھبراہٹ ہوئی کیونکہ اس سے قبل پتھری کا اپریشن نہیں کیا تھا۔ مریض کی عمر ساٹھ سال سے اوپر تھی۔ ڈسپنسری میں اُوزاروں کی کمی تھی۔ خیر پہلے آپ نے نماز پڑھی اور دعا کی۔

اسکے بعد سرجری کی کتاب کھول کر رکھی ۔ بسم اللہ پڑھ کر آپریشن شروع کیا۔ کتاب دیکھ دیکھ کر اس کے مطابق آپریشن کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کامیابی سے پتھر نکال دی۔ جس کا وزن قریباً ایک پاؤ تھا۔ آپ اس کو بہت دنوں تک دکھایا کرتے تھے اور قادیان میں بھی ہمراہ لائے تھے۔ زخم مندمل ہو کر اچھا ہونے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ مہتر چترال اسکے اچھا ہونے کی وجہ کر بہت خوش ہوا۔ اور بلوا کر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا نے ہم پر بہت فضل کیا کہ آپ جیسا ڈاکٹر ہمارے پاس بھجوایا۔ گویا آپ کو رحمت کا فرشتہ بنا کر ہمارے لئے بھیجا۔ آپ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھایا کریں۔ دن کے لئے کافی سے زیادہ راشن مقرر کر دیا جو ایک اچھے خاصے کنبے کے لئے کافی تھا۔ حکومت برطانیہ نے بھی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ مہتر آپ کا بہت خیال اور عزت کرتے تھے ۔ چترال سے واپسی پر پھر کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں پوسٹنگ ہوئی۔

قبولیت احمدیت

آپ کے بیٹے حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ آپ کے قبول احمدیت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

''میرے والد ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب مرحوم کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں ڈاکٹر تھے۔ وہاں سے ان کی تبدیلی چترال ہوئی وہاں جانے کے لئے میرے والد راولپنڈی آئے۔ یہاں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لیکھرام کے مباہلہ والا اشتہار پڑھا اور چترال سے ان کی واپسی پر جب لیکھرام قتل ہو گیا تو ان کے دل نے گواہی دی کہ حضور سچے مہدی ہیں اور اخبار و کتب قادیان سے منگوانے لگے اور دوسروں کو بھی سنانے لگے اور بعض کمزوریوں کی وجہ سے بیعت سے ہچکچاتے تھے۔ آخر ایک احمدی سے ملاقات ہوئی اُس نے کہا آپ بیعت کر لیں انشاء اللہ کمزوریاں دور ہو جائیں گی۔ اسی لئے تو حضرت آئے ہیں۔ میں اس وقت اپر پرائمری میں پڑھتا تھا اور دل ہی دل میں ایک رغبت پیدا ہو گئی۔ آخر 1902ء میں والد صاحب رخصت لے کر مکان آتے وقت قادیان شریف لے گئے اور میں نے اور انہوں نے اکٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک''

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 14 صفحہ 253)

آپ کے پوتے ملک صلاح الدین صاحب آپ کی بیعت اور قبول احمدیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن حکیم شاہ نواز صاحب نے دادا مرحوم سے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب اب آپ بیعت کرلیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیعت تو میں کرلوں مگر جو شرائط ہیں اگر پورا نہ کرسکا تو خواہ مخواہ گناہ گار ہوجاؤں گا۔ مگر حکیم صاحب نے کہا کہ آپ بیعت کرلیں سب باتیں دور ہوجائیں گی۔ آپ نے کہا کہ اچھا مکان جاتے وقت قادیان ہوتے جاؤں گا۔ چنانچہ 1902ء میں مع اپنے دو بچوں عبدالعزیز اور بشیر احمد قادیان تشریف لے گئے۔ قادیان پہنچ کر سب سے پہلے آپ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے مطب تشریف لے گئے۔ ان کو دیکھتے ہی فرمایا میں نے آپ کو پہچان لیا۔ دادا مرحوم نے بھی فرمایا میں نے بھی آپ کو پہچان لیا۔ آپ کی پہلی ملاقات اٹھارہ سال قبل کہوٹہ میں کشمیر جاتے ہوئی تھی۔ اُس وقت حضور مہاراجہ کشمیر کے بھی مشیر تھے۔ مزاج پرسی کے بعد آپ کا سامان مہمان خانہ میں گیا۔ حضرت مسیح موعود سے ملاقات ہوئی۔ نماز عشاء کے بعد بیعت کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ نماز عشاء کے بعد آپ اور آپ کے بیٹے عبدالعزیز نے بیعت کی۔''

اخبار البدر 26 جون 1903 صفحہ 184 پر باپ بیٹا دونوں کی بیعت کا اندراج موجود ہے۔

''ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب۔ رالپنڈی۔

عبدالعزیز صاحب۔ روالپنڈی۔''

بیعت کے بعد اپنے گاؤں آڑھا تشریف لائے اور باقی گھر والوں کی بیعت کا خط لکھ دیا۔ کچھ دن گاؤں رہ کر پھر راولپنڈی چلے گئے اور وہاں جا کر آپ نے خادم حسین صاحب سے قرآن شریف پڑھنا شروع کردیا پھر ترجمہ بھی پڑھا، آپکا اخلاص اور روحانیت ترقی کرتی گئی اور باقاعدہ تہجد کی ادائیگی کی توفیق پائی۔ قبول احمدیت کے بعد آپ سلسلہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے اور جماعتی ضرورت کو اپنی سعی کے مطابق پورا کرتے۔ ایڈیٹر صاحب اخبار البدر ایک جگہ لکھتے ہیں:

''البدر کی توسیع اشاعت کے لئے۔۔۔ ان احباب کا خصوصی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے نومبر 1903ء سے لے کر اب تک اس کی اشاعت میں سعی فرمائی اور خریدار پیدا کئے خدا تعالیٰ ان کو جزا دیوے۔۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب۔ راولپنڈی۔''

(البدر 8 مارچ 1904 صفحہ 2 کالم 2)

اسی طرح ایڈیٹر الحکم لکھتے ہیں:

''میں نہایت شکر گزاری کے ساتھ ان احباب کی فرستادہ رقم کی رسید دیتا ہوں جنھوں نے قیام کالج فنڈ میں ایک آنہ چندہ بھیج دیا ہے۔ یہ ایک آنہ ماہوار جو دوسال تک ہر احمدی دے گا ایک صدقہ جاریہ ہوگا۔ ۔جناب الٰہی بخش صاحب راولپنڈی۔'' (الحکم 17 جولائی 1905ء صفحہ 12 کالم 4)

ایران جانے سے قبل حضور سے ملاقات

1905ء میں آپ کو ایران جانے کا آڈر ہوا۔ جانے سے قبل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کی زیارت کی غرض سے قادیان تشریف لائے۔ حضور نے آپ کو اُس ہال میں میں ٹھہرایا جو اس وقت نئے مہمان خانہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ہال اُس کمرے سے ملحق تھا جس میں مولوی احسن امروہی صاحب رہا کرتے تھے۔ تین چار دن قادیان میں آپ نے قیام کیا۔ دریں اثنا حضور نے کئی بار ملاقات کا شرف بخشا۔ آپ جماعت کی ترقی کے دل سے خواہاں تھے، تبلیغ کا بھی شوق تھا۔ اپنے گاؤں میں متعدد احباب کو سلسلہ احمدیہ سے وابستہ کروایا اور کئی افراد کو اپنے خرچ پر قادیان لے گئے۔

قادیان میں سکونت

آپ بطور ڈاکٹر راولپنڈی میں کام کر رہے تھے جہاں سے 1910ء میں سب اسسٹنٹ سرجن کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور پینشن لینے کے بعد قادیان چلے آئے اور محلہ دارلعلوم میں سکونت اختیار کی۔ آپ کو خلفیہ اوّل ؓ سے خصوصی محبت تھی۔ اکثر اوقات قادیان میں آپ کے پاس گزرتا۔ اکثر آپ کو خلیفہ اول ؓ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے۔

ایک بار آپ نے گھر میں خلیفہ اول ؓ کے بارے میں ایک بات بیان فرمائی۔ اس واقعہ کو آپ کے پوتے مکرم ملک صلاح الدین صاحب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''ایک دن دادا مرحوم گھر میں بیان کر رہے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ کی مجلس میں مردوں کے علاوہ کچھ بچے بھی تھے۔ آپ پر کشفی کیفیت طاری ہوگئی۔ کشفی حالت کے ختم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ اس وقت جتنے بچے اس مجلس میں حاضر ہیں سب بڑے عہدوں پر فائز ہوں گے۔ عموی صاحب کو صرف دو نام یاد رہے ہیں۔ تقی الدین ابن ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین دوسرے عموی محمد اسماعیل ابن ڈاکٹر الٰہی بخش مرحوم۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دونوں صاحبان بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔''

(مکرم تقی الدین صاحب کے متعلق تو ہمیں کوئی علم نہیں لیکن مکرم محمد اسماعیل صاحب صوبہ بہار کے محکمہ ویٹرنی کے ڈائریکٹر تھے اوراس عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ یہ عہدہ اس محکمہ کا اعلیٰ ترین عہدہ سمجھا جاتا ہے۔شہاب)

قادیان میں اُس وقت دو شفا خانے تھے۔ایک شفا خانہ دارالعلوم اور دوسرا شفا خانہ اندرون شہر۔ آپ شفاخانہ دارالعلوم کے انچارج مقرر ہوئے اور آخری عمر میں یہیں خدمت بجالاتے رہے۔ یہاں تک کہ مولیٰ کے حضور سے بلاوا آ گیا۔12 اپریل 1914ء خلافت ثانیہ کے انتخاب کے بعد قادیان میں مجلس وکلاء وقائم مقامانِ جماعت ہائے مختلفہ کا اجلاس ہوا۔جس میں آپ نے بھی شرکت کی،شاملین اجلاس کے اسماء میں آپ کا نام 168 نمبر پر ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب سب اسسٹینٹ سرجن انچارج شفا خانہ قادیان موجود ہے۔ (الفضل 20اپریل 1914ء)

<u>حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی خدمت کی توفیق</u>

18 نومبر 1910ء بعد نماز جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ گھوڑے پر سے گر پڑے اور آپ کی پیشانی پر شدید چوٹیں آئیں،حضور کی اس حالت میں دیگر ڈاکٹران کے علاوہ،ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کو بھی عظیم خدمت کی توفیق ملی۔ جب حضور گھوڑے سے گرے تو آپ کو اٹھا کر زخموں پر پانی بہایا گیا۔حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب اور شیخ عبداللہ صاحب نے زخموں کو درست کیا اور کلوروفارم کے بغیر زخموں کو سی دیا۔اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک حضور کی خدمت کی توفیق ملتی رہی۔اخبار بدر میں حضور کی صحت کے متعلق رپورٹ باقاعدگی سے چھپتی رہی:

''زیادہ تر الٰہی بخش صاحب ہی اس خدمت میں مصروف ہیں۔''(بدر 15 دسمبر 1910 صفحہ کالم 3)

''اس ہفتہ زیادہ تر معالجہ کی خدمت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کے سپرد رہی۔''

(اخبار بدر 12 جنوری 1911ء صفحہ 1)

''ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب جنہوں نے بیماری کے دوران نہ صرف طبی خدمت کی بلکہ رات دن ہر طرح خدمت میں جوش کے ساتھ مصروف رہے ہیں۔دوروز سے ایک ضروری کام کے واسطے راولپنڈی تشریف لے گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کا حافظ وناصر ہو۔''(بدر 2 فروری 1911 صفحہ کالم 1)

''ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب بھی راولپنڈی سے واپس آ گئے ہیں اور بدستور حضور کی خدمت میں مصروف ہیں۔'' (بدر 9 فروری 1911 صفحہ 1 کالم 1)

حضور کی صحت کے متعلق آپ کی ایک رپورٹ یوں درج ہے:

''خدا کے فضل سے حضرت صاحب کا زخم اب بہت اچھا ہے بلکہ عنقریب بھرنے کو ہے اور اُمید ہے کہ ہفتہ عشرہ کے اندر زخم بالکل خشک ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پرسوں بباعث سوہضم کے چند اسہال ہو کر طبیعت ضعیف ہو گئی تھی اب آرام ہے۔ درس بخاری شریف کا دیتے ہیں ممکن ہے سوہضم کی وجہ یہی دماغی محنت ہو جو شاید ان دنوں میں زیادہ ہوئی۔ بندہ (ڈاکٹر) الٰہی بخش بقلم خود''۔

غرض یہ کہ حضور کی اس حالت میں آپ کو حضور کے بہت قریب رہنے کا موقعہ ملا، آخری عمر میں حضور نے ایک موقعہ پر اپنی اس بیماری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''جب میں بیمار ہو گیا تھا تو ان ایام میں ہمارے ڈاکٹروں نے میری بڑی خدمت کی۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب رات کو بھی دباتے رہے انہوں نے بہت ہی خدمت کی میرا رونگٹا رونگٹا اُن کا احسان مند ہے۔۔۔'' (اخبار بدر 11 دسمبر 1913ء صفحہ 2)

جون 1909ء میں نظام وصیت کے ساتھ منسلک ہوئے۔ آپ نے اپنی جائیداد کا تیسرا حصہ اشاعت اسلام کے لئے سپرد صدر انجمن کیا۔ اخبار بدر 24 جون 1909ء صفحہ 2 کالم 3 پر ایڈیٹر صاحب نے غلط فہمی سے یہ شائع کر دیا کہ آپ کا ارادہ 1/3 حصہ وصیت کا نہ تھا لیکن آپ کے بیٹے کی تحریک سے آپ نے یہ وصیت کی لیکن جب آپ نے یہ خبر پڑھی تو فوراً اس کا ازالہ کرتے ہوئے آپ نے اخبار میں اعلان شائع کرایا کہ یہ وصیت میں نے بخوشی اپنے ارادے اور مرضی سے کی ہے۔ (بدر یکم جولائی 1909ء صفحہ 11 کالم 3)

ایڈیٹر الحکم کی قلم سے آپ کی قابلیت کا تذکرہ

حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری زندگی ڈاکٹری کے مقدس اور اہم شعبے کے تحت خدمت انسانیت سرانجام دی، مختلف علاقوں میں خدمات انجام دینے پر خوشنودی کی متعدد سندات آپ کو دی گئی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب آپ ہجرت کر کے قادیان آ گئے تو ایک مرتبہ ایڈیٹر ''الحکم'' حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''ایک لائق ڈاکٹر کی قابل قدر خدمات'' کے تحت

حکام کو مخاطب کرتے ہوئے ایک کالم تحریر فرمایا:

''ڈاکٹر الٰہی بخش جن کا ذکر میں اس مضمون میں کرنا چاہتا ہوں، میڈیکل کالج زمانہ سے پینشن لینے کے وقت تک ہمیشہ ایک لائق اور معتمد علیہ ڈاکٹر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، یہ امر ان کی کثیر التعداد سندات سے ظاہر ہے جو وقتاً فوقتاً انہیں ملے۔ ان کی قابلیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ جب اسکول سے کامیاب ہو کر نکلے تو سب سے اول رہے جس پر اس زمانہ کے دستور کے مطابق انہیں انعام دیا گیا۔ دوران ملازمت میں بعض نہایت مشکل اور خطرہ کے مقامات پر ان کی ڈیوٹی رہی مگر انہوں نے ایک جفا کش اور مستقل مزاج انسان کی طرح اپنے فرائض ادا کئے، جہاں جہاں اُنہوں نے کام کیا ہمیشہ وہاں کی پبلک اور اعلیٰ افسران کے کام اور اخلاق سے خوش رہے۔ اس وقت موقعہ نہیں کہ میں ان مقامات کا ذکر کروں جہاں انہوں نے بطور میڈیکل آفیسر کے کام کیا، میں صرف ایک دو خاص موقعوں کا ذکر کروں گا۔

ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کی قابلیت، مستعدی اور مسلمہ دیانتداری اور کونفیڈنس کی وجہ سے انہیں چترال کی مہتری کے دربار کے لئے منتخب کیا گیا، مہتر چترال کے دربار میں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے جو صفات ہونی چاہییں وہ ڈاکٹر الٰہی بخش میں تسلیم کر لی گئیں تھیں اور یہ انتخاب افسران بالا دست کا سرسری نہ تھا۔ واقعات نے بتا دیا کہ یہی بہترین انتخاب ہے۔ کچھ عرصہ بعد چترال میں سردار نظام الملک مہتر چترال کا قتل ہو گیا اور وہاں خطرناک غدر ہو گیا، ایسے موقعوں پر ہوش و ہواس کو قائم رکھنا اور فتنہ برخاستہ میں دلیری اور مستعدی کے ساتھ کام کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہوسکتا مگر ڈاکٹر صاحب نے جو خدمات سرکار انگریزی کی اس موقعہ پر کیں وہ بے نظیر ہیں۔ اس غدر کو فرو کرنے کے لئے سر جارج رابٹرسن صاحب بہادر برٹس ایجنٹ گلگت متعین ہوئے اور ایک خطرناک جنگ پیش آگئی، دوسرا سب اسسٹنٹ سرجن جو ساتھ تھا وہ مارا گیا اور ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کو کام کرنا پڑا، کام کی کثرت، جنگ کے حالات، کئی سو مریضوں اور زخمیان کی نگرانی، یہ آسان کام نہیں۔ یہ تو وہ تعداد تھی جو گویا مریضان اندرونی تھے اور بیرونی مریضوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی اور جب تک محاصرہ رہا کام کرتے رہے۔

لفٹننٹ کرنل سر جارج رابٹرسن صاحب کے۔ سی، ایس آئی نے نہایت حوصلہ افزا الفاظ میں ان کے کام کی تعریف کی اور کہا کہ تمام محاصرہ میں اول سے آخر تک ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کی کاروائی

نہایت ہی قابل تحسین تھی ۔جس سے میڈیکل ڈیپارٹمنٹ بھی قابل تعریف ٹھہرتا ہے جس میں اس نے تربیت حاصل کی۔

میرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کی خدمات نے نہ صرف اپنے ڈیپارمنٹ کی عزت کو قائم رکھا بلکہ اپنے کالج کی عزت کو شہرت دی۔ایسے خطرہ اور خوف کے موقع پر جو خدمات وفاداری اور محنت سے کی جائیں کچھ شک نہیں کہ وہ خاص قدر کو چاہتی ہیں۔

کرنل ایس ٹل سول سرجن راولپنڈی نے جن کے ماتحت انہوں نے سالہا سال تک کام کیا ہے ہمیشہ ان کے کام سے مطمئن رہے اور انہوں نے صاحب ڈپٹی کمیشنر راولپنڈی کو ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کے کام کے بارے میں سفارشی رپورٹ کرتے ہوئے لکھا کہ

''یہ سفارش میں ہاسپیٹل اسسٹنٹ الٰہی بخش کی طرف سے گورنمنٹ میں کر رہا ہوں اس کے متعلق جو خط و کتابت ہے اس کو پڑھ کر میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس امر میں میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ تھوڑے ہی میڈیکل سب اروینٹ ایسے ہوں گے جنکو لمبی اور قابل تحسین ملازمت کی وجہ سے خاص پرسنل الاؤنس حاصل کرنے کا اس قدر حق حاصل ہو جس قدر ڈاکٹر الٰہی بخش کو ہے۔خصوصاً جب کہ ان کی ملازمت کے وقت میں ایسا واقعہ ہوا جو تاریخ ہند میں یادرہے گا۔اور اُس وقت انہوں نے میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کی عزت کو نہایت ہی قابلیت سے قائم رکھا۔''

ان الفاظ پر مجھے کچھ بھی اضافہ کرنے کی حاجت نہیں،ڈاکٹر صاحب کی خدمات کا جن قابل یادگار الفاظ میں ایک ذمہ دار آفیسر نے اعتراف کیا ہے،وہ کافی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ان خدمات کا لحاظ کرکے ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کے ساتھ کیا خاص مراعات کی گئیں؟ یہی ایک امر ہے جو میں سرلوئی ڈین کی نہایت بیدار مغز گورمنٹ کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں۔

چھوٹی چھوٹی خدمات کی قدر دانی ہو کر آج لوگ گورنمنٹ سے خان بہادر اور رائے بہادر کی خطابات حاصل کر رہے ہیں مگر الٰہی بخش صاحب نے جو خدمات مہم چترال میں کی ہیں وہ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کی عزت کو قائم رکھنے والی قرار پا کر بھی ایسے کسی خطاب سے سرفراز نہ رہ جائے اور نہ نہری آبادی پر کوئی رقبہ عطا فرما کر ان کی قدر دانی ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے چترال کی مہم پر ہی خدمات نہیں کیں بلکہ ان کی قابلیت، مستعدی اور کونفیڈنس کے لحاظ سے انہیں 1905ء کے آخر میں ایران بھیجا گیا اور بمقام اہوز وہ کام کرتے رہے۔قریباً تین سال تک ایران میں کام کیا اور پھر واپس ضلع راولپنڈی میں آگئے۔ ان تمام خدمات کو پیش کرکے میڈیکل ڈیپارمنٹ کے ڈائرکٹر جنرل کو توجہ دلانا بے موقع نہیں کہ وہ اپنے اس قیمتی رتن کی عزت افزائی اور قدر دانی کے لئے خاص سفارش فرمائیں۔ اور جب کے وہ پینشن لے کر رفاہ عام کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کی خدمات کا لحاظ کیا جاوے، یہ امید کرنا بے محل نہیں کہ کم از کم انہیں خان بہادر کا خطاب دیا جاوے اور جدید نہر پر چند مربے عطا فرما کران کو بیش از بیش پبلک خدمت کا موقعہ دیا جائے۔سر جان لوئی کی گورمنٹ سے آخر میں اُمید کی جاتی ہے کہ وہ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کے معاملہ پر غور فرمائے گی۔

(الحکم 21 مئی 1912ء صفحہ 5،6)

نظام خلافت کا احترام

حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کی تیسری شادی ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی پھوپھی زاد بہن سے ہوئی تھی اور مولوی محمد علی صاحب کی شادی ڈاکٹر بشارت صاحب کی لڑکی سے ہوئی تھی۔جس کی وجہ سے آپ کے تعلقات مولوی محمد علی صاحب سے گہرے تھے آپ روزانہ مولوی صاحب کی کوٹھی پر ملاقات کی غرض سے تشریف لے جاتے تھے لیکن جس وقت مولوی صاحب کے فتنہ نے سر اٹھایا آپ کسی پس و پیش کے فرمانے لگے کہ مولوی صاحب غلطی پر ہیں اپنا ذاتی تعلق خلافت سے ہی وابستہ کیا تا زیست اپنے ثبات قدم میں کسی قسم کی لغزش نہ آنے دی۔

آپ کی وفات پر اخبار الفضل نے جو خبر دی اس میں اس بات کو نمایاں طور پر بیان کیا کہ

''قیام خلافۃ ثانیہ کے دن اور اس کے بعد ان کے لئے بہت امتحان کا وقت تھا کیونکہ مولوی محمد علی صاحب سے رشتہ داری بھی تھی اور احسانات کے علاوہ باہم تعلقات بھی گہرے تھے مگر ڈاکٹر صاحب بالکل ان سے الگ ہو گئے اور جب کبھی مجھے ملے، ان پیغام والوں کے حال پر رنج اور غضب ظاہر کیا۔

(الفضل 12 فروری 1916ء صفحہ 1)

وفات

حضرت ڈاکٹر صاحب نے 9 فروری 1916ء بعارضہ نمونیا وفات پائی، حضرت سید سرور شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ پڑھایا اور بوجہ موصی ہونے کے بہشتی مقبرہ قادیان قطعہ نمبر 3 میں دفن ہوئے۔ آپ کی وفات پر اخبار الفضل نے لکھا:

''ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب سب اسسٹنٹ سرجن جو ہائی بورڈنگ کی ڈسپینسری میں کام کیا کرتے تھے۔ شب درمیان 9-10 فروری کو تین بجے سحری کے وقت بعارضہ نمونیہ و فالج فوت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم خوب آدمی تھے۔ صالح غریب پرور، صاف گو، نماز باجماعت کے نہایت پابند، دار العلوم میں رہتے تھے مگر میں نے سخت جاڑے میں ہمیشہ اذانِ فجر سے پہلے انہیں مسجد مبارک میں دیکھا ہے۔ حضرت خلیفہ اول کی جو خدمت انہوں نے کی اکثر رات کا حصہ وہ جاگتے گزار دیتے تھے۔ پھر ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت بجالانے کو وہ موجب فخر سمجھتے تھے وہ بھی مقیمان قادیان کو معلوم ہے۔ قیام خلافۃ ثانیہ کے دن اور اس کے بعد ان کے لئے بہت امتحان کا وقت تھا کیونکہ مولوی محمد علی صاحب سے رشتہ داری بھی تھی اور احسانات کے علاوہ باہم تعلقات بھی گہرے تھے مگر ڈاکٹر صاحب بالکل ان سے الگ ہو گئے اور جب کبھی مجھے ملے، ان پیغام والوں کے حال پر رنج اور غضب ظاہر کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی عمر غالباً 72 سال تھی مگر بال ابھی تک زیادہ تک سیاہ تھے آپ کی اولاد بہت سی ہے جس میں سے پچھلی مرحومہ بیوی کے بچے چھوٹے ہیں۔ ایک لڑکا اسماعیل نام اور بابو بشیر وفات کے وقت موجود تھے مرحوم کا جنازہ گیارہ بجے مولانا سرور شاہ صاحب نے بہ جماعت کثیر پڑھا اور مقبرہ بہشتی میں دفن کیا گیا۔ الّٰھم اغفرلھم۔

(الفضل 12 فروری 1916 صفحہ 1)

اہلی زندگی

حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی میں تین شادیاں کیں کی۔ پہلی بیوی کا نام مکرمہ حیات بی بی تھا۔ جوان کے اپنے گاؤں آڑہا کی تھیں، جب ڈاکٹر صاحب کہوٹہ متعین ہوئے تھے تو آپ کی اہلیہ بھی کچھ عرصہ بعد وہاں گئیں۔ سفر بہت مشکل تھا۔ پھر وہاں کا ماحول اور زبان الگ ہونے کی وجہ سے دل نہ لگا۔ واپس

اپنے وطن بہار آئیں تو دوبارہ جانے کا نام نہ لیا اور ڈاکٹر صاحب کو دوسری شادی کی اجازت دی۔ وہاں مہتر آف چترال نے آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے اور آپ کی عزت افزائی کی خاطر آپ کا رشتہ اپنی ایک رشتہ دار خاتون سے کر دیا۔ چنانچہ آپ کی دوسری بیوی چترال سے تھیں۔ آپ کی تیسری اہلیہ کا نام محترمہ فاطمہ سکینہ تھا۔ جو یکم ستمبر 1915ء کو بعمر 30 سال قادیان میں فوت ہوئیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جنازہ پڑھایا بوجہ موصیہ ہونے کے بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین ہوئی۔

(الفضل 7 ستمبر 1915 صفحہ 1 کالم 1)

آپ کی اولاد میں: پہلی بیوی مکرمہ حیات بی بی سے

(ا) حضرت ملک محمد رفیق صاحب بی۔اے (صحابی) آپ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ وفات 1936ء

آپ کے حالات آگے درج ہیں۔

(2) محترمہ یعقو بائی بی صاحبہ زوجہ ابونصر صاحب

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں عطا کیں۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں

مکرم محمد خالق صاحب۔ مکرمہ نور جہاں صاحبہ، مکرمہ حبیب النساء صاحبہ۔

یہ تینوں فوت ہو چکے ہیں۔

(3) حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ۔ آپ کو حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی داخل احمدیت ہونے کی توفیق ملی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی روایات رجسٹر صحابہ میں محفوظ ہیں۔ آپ کے تفصیلی حالات آگے درج ہیں۔ آپ تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل ہیں۔ (وفات 29 جنوری 1951ء)

(4) محترمہ امۃ النساء بیگم صاحبہ (چھوٹی عمر میں فوت ہوئیں)

(5) حضرت بابو بشیر احمد ملک صاحبؓ (صحابی) وفات 14 فروری 1967ء۔ آپ کے تفصیلی حالات آگے درج ہیں۔

(6) محترم ملک نذیر احمد صاحب۔ ان کی شادی نہیں ہوئی۔ (وفات 12 جنوری 1957ء)

دوسری بیوی سے (نام معلوم نہ ہو سکا):

(1) حضرت ڈاکٹر ملک محمد اسماعیل صاحبؓ (صحابی) آف پٹنہ صوبہ بہار بھارت۔آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔آپ کی وفات 18 جون 1972ء میں ہوئی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی۔آپ کے تفصیلی حالات آگے درج ہیں۔

(2) محترمہ جنت بی بی صاحبہ جن کا نکاح حضرت خلیفہ اول نے مکرم خلیل الرحمان ابن مکرم منشی عبد الرزاق صاحب بنارس چھاؤنی کے ساتھ پڑھایا۔(بدر یکم مئی 1913 صفحہ 9)

تیسری بیوی (فاطمہ سکینہ) سے:

(۱) مکرم میجر ڈاکٹر اسحاق صاحب۔

(2) محترمہ زینب بی بی صاحبہ

(3) محترمہ امۃ الحیٔ صاحبہ

نوٹ: حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کے مختصر سوانح اُن کے پوتے مکرم ملک صلاح الدین صاحب بن عبد العزیزؓ نے اپنے چاچا مکرم ملک اسماعیل صاحب کے توجہ دلانے پر آپ اور چاچا مکرم بشیر صاحبؓ کی مدد سے قلم بند کرنے کی توفیق پائی۔ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کی تحریر کردہ سوانح کی فوٹو کاپی آپ کے پوتے مکرم ملک ضیاء الدین صاحب بن عبد العزیز صاحبؓ حال کینیڈا نے فراہم کئے۔جن باتوں کا حوالہ نہیں دیا گیا وہ اسی سوانحی مسودہ سے ماخوذ ہے۔

حضرت محمد رفیق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی۔اے

ملفوظات جلد 4 صفحہ 187 میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا 8 نومبر 1902ء بروز شنبہ کا ارشاد درج ہے:

''مونگھیر سے محمد رفیق بی۔اے اور محمد کریم صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔دونوں نے فجر کے وقت حضرت اقدس سے بیعت کی۔ بیعت کر چکے،تو حضور نے فرمایا کہ ہماری کتابوں کو خوب پڑھتے رہو تا کہ واقفیت ہو اور کشتی نوح کی تعلیم پر ہمیشہ عمل کرتے رہا کرو اور ہمیشہ خط بھیجتے رہا کرو۔''

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 187)

حضرت محمد رفیق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ؓ عنہ کے بڑے بیٹے تھے۔ڈاکٹر الٰہی بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین شادیاں تھیں۔آپ بڑی بیوی مکرمہ حیات بی بی صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔حضرت عبدالعزیز صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے سگے دوسرے بھائی تھے۔آپ کا اپنا مکان موضع آڑھا میں تھا اور سرال موضع آڈسار میں تھی۔

آپ انتہائی نیک اور سادہ طبیعت کے آدمی تھے۔پینشن کے بعد آپ اپنے سسرال موضع آڈسار میں آباد ہونے کے لئے گئے لیکن نوبت نہیں آئی۔قریبی رشتہ داروں کی دھوکہ دہی اور منافقت کی وجہ سے سخت مذہبی مخالفت کی گئی۔ مذہبی مخالفت کا سرغنہ ایک رشتہ دار مصطفٰی نامی ایک شخص تھا۔اس مخالفت کا ذکر مکرم محمود احمد صاحب آڑھوی کی خودنوشت کتاب ''سفر حیات'' کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ملتا ہے۔

آپ اپنی کتاب سفر حیات میں صفحہ 42 مطبوعہ رقیم پریس یوکے میں تحریر کرتے ہیں کہ آڑھا میں 1936ء میں احمدیوں کا دوسرا بائیکاٹ ہوا۔اس بائیکاٹ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

''ایک دفعہ آڑھا میں بائیکاٹ مناظرہ کے بعد ہوا تھا جو ایک سال کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ یہ دوسرا بائیکاٹ سخت قسم کا تھا اور یہ دوسرے گاؤں کے ایما پر ہوا تھا۔قصہ یہ ہوا کہ آڑھا کے ایک احمدی صحابی محمد رفیق ملک صاحب پولیس انسپکٹر ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے سسرال موضع آڈسار میں بسنے کے لئے آ گئے۔

ان کا وہاں ہی آباد ہونے کا خیال تھا لیکن ان کے گاؤں (آڑھا سار) کے باشندے اور خود ان کے رشتہ دار مخالف ہو گئے ۔ ریٹائرمنٹ کے چند ماہ بعد ہی اُن کا وہاں انتقال ہو گیا۔ وہاں کے لوگوں نے اپنے قبرستان میں دفن ہونے نہیں دیا۔ بعد میں اُن کے بچوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا چونکہ اُن کا گھر آڑھا میں بھی تھا۔ اس لئے اُن کے بچے اپنے گھر آ گئے ۔ اُس پر گاؤں کے چند شر پسندوں نے آڑھا آ کر وہاں کے عوام کو ورغلایا کہ تم لوگ بے غیرت ہو چند احمدی گھرانوں کو نہیں نکال سکتے ۔ ہم نے تمہارے ایک خاندان کو وہاں سے نکال دیا۔ اب وہ تمہارے پاس آ گئے ہیں ۔ تم لوگ ان کا ایسا بائیکاٹ کرو کہ یا تو یہاں سے چلیں جائیں یا توبہ کر لیں ۔ ''

(کتاب سفر حیات صفحہ 42)

مکرم ضیاء الدین صاحب کینڈا اس مخالف مصطفٰی کے انجام کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ

'' خاکسار کو 1946ء میں کسی رشتہ دار خاتون کو پہنچانے کی غرض سے موضع آڑھا سار جانے کا موقعہ ملا۔ اسی گاؤں میں میرے پھوپھی زاد بہن کی شادی اسی متفنی شخص سے ہوئی تھی ۔ جس کا نام مصطفٰی تھا۔ اس وقت میری پھوپھی زاد بہن حیات تھیں ۔ جب اُن کو میری آمد کا علم ہوا تو مجھے گھر آنے کی دعوت دی اس طرح ایک رات ان کے یہاں ٹھہرنے کا موقعہ ملا۔ مقدمہ بازی کے چکر میں یہ شخص کنگال ہو چکا تھا۔ نوبت یہاں تک آ چکی تھی کہ بغیر بستر یا چارپائی کے یہ شخص سوتا تھا۔ گھر خستہ حال ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان لوگوں کو اپنی زندگی میں ہی دیکھنی نصیب ہو گئی تھی ۔ ''

حضرت محمد رفیق صاحب ایم اے کی وفات ریٹائرمنٹ کے بعد جلد ہی 1936ء میں ہوئی تھی ۔
آپ کی 8 بیٹیاں تھیں ۔ ریٹائرمنٹ تک آپ اپنی پانچ بیٹیوں کی شادی کروا چکے تھے ۔

آپ کے ایک داماد مکرم تبارک حسین صاحب ریلوے میں ٹکٹ چیکر یا ٹکٹ کلکٹر تھے ۔ انکے بارے میں مکرم محمود احمد صاحب اپنی کتاب میں اپنی نوکری کے حصول کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

'' آڑھا کے بائیکاٹ 1936ء میں خاکسار بے رزوگار تھا۔ گاؤں میں بائیکاٹ ہونے کی وجہ سے آمدنی بند ہو گئی تھی ۔ میرے باہر جانے کے لئے کرایہ اور زاد راہ نہیں تھا۔ اسی سوچ میں تھا کہ ایک ریلوے ٹکٹ چیکر جو مرحوم محمد رفیق صاحب پولیس انسپکٹر کے داماد (مکرم تبارک حسین صاحب ۔ ناقل) تھے ۔

گاؤں کے حالات دیکھنے آئے۔ مولوی محمد سلیمان صاحب نے اُن کو کہا آپ جاتے ہوئے ان کو ساتھ لے جائیں اوران کوروزگاردلانے کی کوشش کریں۔''(کتاب مذکورہ صفحہ 48)

شادی اوراولاد:

آپ کی شادی مکرمہ حبیبہ خاتوں صاحبہ سے ہوئی تھی۔جن کے بطن سے آپ کی آٹھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔جن کے اسماءمندرجہ ذیل ہیں۔

مکرمہ امۃ الرحیمہ صاحبہ۔مکرمہ صفیہ خاتون صاحبہ،مکرمہ عائشہ خاتون صاحبہ،مکرمہ رضیہ خاتون صاحبہ،مکرمہ حلیمہ خاتون صاحبہ،مکرمہ سلیمہ خاتون صاحبہ،مکرمہ نعیمہ خاتون صاحبہ،اور مکرمہ فہیمہ خاتون صاحبہ۔

آپ کی بیٹیوں میں سے ایک مکرمہ نعیمہ خاتون صاحبہ کراچی میں اللہ کے فضل سے زندہ ہیں۔

حضرت محمد کریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ملفوظات جلد چہارم حوالہ سابق میں درج نام (حضرت) محمد کریم صاحبؓ کے بارے میں مکرم ضیاء الدین صاحب کینڈا تحریر کرتے ہیں کہ مکرم محمد کریم صاحب میرے نانا کا نام ہے۔ جو قادیان شریف تایا جان یعنی حضرت محمد رفیق صاحبؓ کے ساتھ دادا جان یعنی حضرت الٰہی بخش صاحب سے ملاقات کرنے اور بیٹی یعنی خاکسار کی والدہ کا رشتہ خاکسار کے والد یعنی حضرت عبد العزیز صاحب سے طے کرنے گئے تھے۔

مکرم ضیاء الدین صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خاکسار کے نانا حضرت محمد کریم صاحبؓ زمینداری کا کام کیا کرتے تھے۔ آڑھا نواب حُسینہ کی ملکیت تھا۔ نواب شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے، جن دنوں آڑھا میں نواب مسجد بنوا رہا تھا۔ نواب نے مکرم محمد کریم صاحب کو دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا تھا۔ یعنی آپ مسجد بنوانے کے انچارج تھے۔ آپ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ میری والدہ یعنی مکرمہ سلمیٰ صاحبہ آپ کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں۔ جن کی پیدائش 1901ء کے قریب تھی۔

حضرت ملک عبدالعزیز صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیدائش:

آپ حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ؓ عنہ کے دوسرے بیٹے تھے۔آپ کی پیدائش کا سال اندازاً 1888ء ہے۔آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کا کلاس فیلو تھا۔اور تقریباً ہم عمر یا شاید میں بڑا ہوں۔چونکہ حضرت خلیفہ ثانی ؓ کی پیداش 1889ء کی ہے اس لحاظ سے آپ کی پیدائش کا سال تخمینہ 1888ء ہے۔آپ کو اپنے والد حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ؓ کے ساتھ 1902ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔اس وقت آپ کی عمر قریباً 14 سال کی تھی اور آپ راولپنڈی میں ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔چنانچہ آپ کی بیعت کا نام درج اخبار ''البدر'' میں موجود ہے:

''ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب۔رالپنڈی۔

عبدالعزیز صاحب روالپنڈی۔''

(البدر 26 جون 1903ء صفحہ 184)

قبول احمدیت:

حضرت ملک عبدالعزیز صاحب ؓ قبولیت احمدیت اور قادیان میں آمد کے متعلق اپنی روایات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میرے والد ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب مرحوم کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں ڈاکٹر تھے۔وہاں سے ان کی تبدیلی چترال ہوئی وہاں جانے کے لئے میرے والد راولپنڈی آئے۔یہاں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لیکھرام کا مباہلہ والا اشتہار پڑھا اور چترال سے ان کی واپسی پر جب لیکھرام قتل ہو گیا تو ان کے دل نے گواہی دی کہ حضور سچے مہدی ہیں اور اخبار و کتب قادیان سے منگوانے لگے اور دوسروں کو بھی سنانے لگے مگر بعض کمزوریوں کی وجہ سے بیعت سے ہچکچاتے تھے۔آخر ایک احمدی سے ملاقات ہوئی اُس نے کہا آپ بیعت کر لیں انشاء اللہ کمزوریاں دور ہو جائیں گی۔اسی لئے تو حضرت آئے ہیں۔میں اس
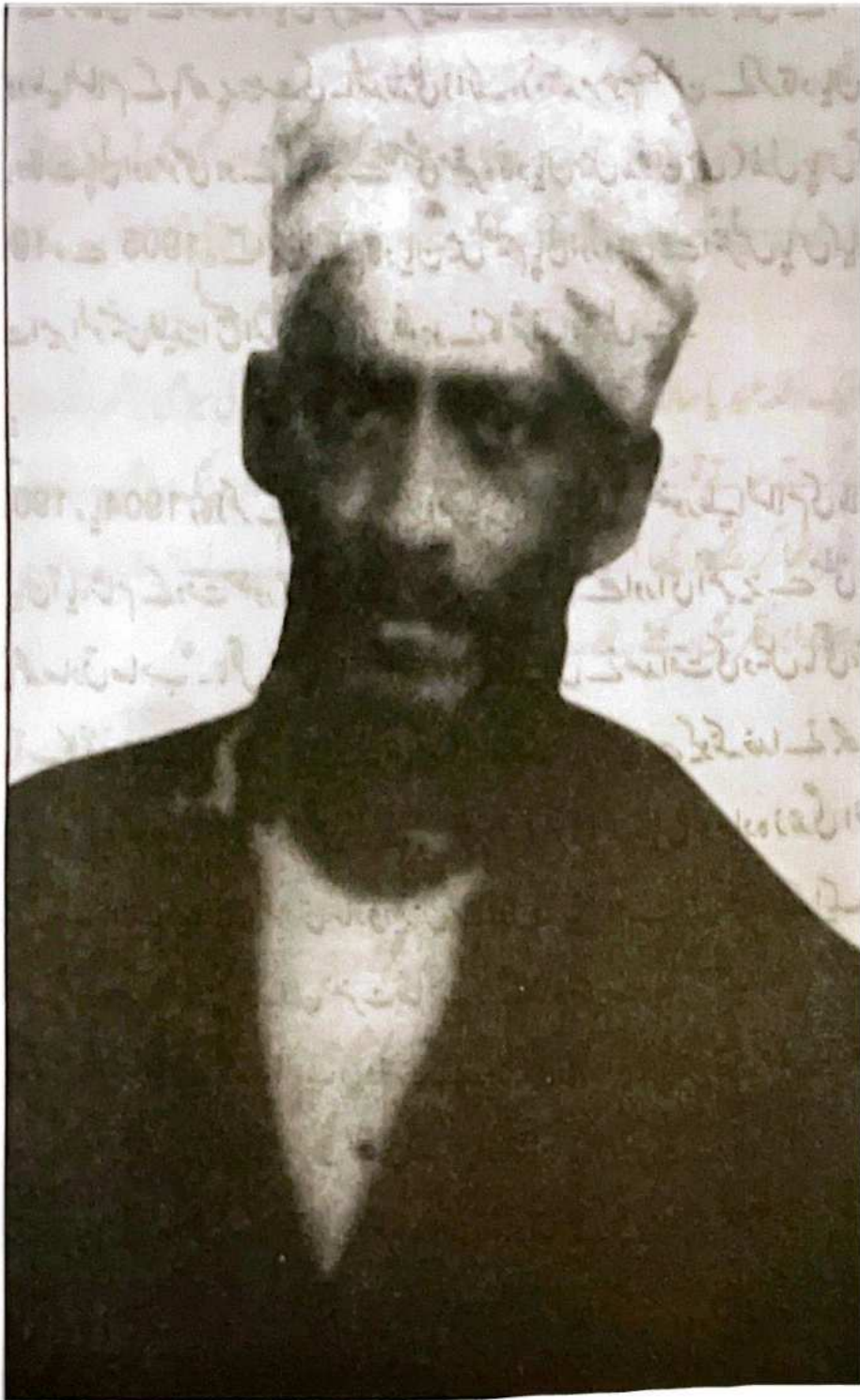
حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ

وقت اپر پرائمری میں پڑھتا تھا اور دل ہی دل میں ایک رغبت پیدا ہوگئی۔ آخر 1902ء میں والد صاحب رخصت لے کر مکان آتے وقت قادیان شریف لے گئے اور میں نے اور انہوں نے اکٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک، (والد مرحوم پینشن لے کر قادیان ہی رہ گئے اور وہیں وفات پائی اور موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں) مڈل پاس کر کے میں نے 1903ء سے 1905ء کے اپریل تک قادیان میں تعلیم پائی اور وہیں سے انٹرنس پاس کیا۔ اس عاجز کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا کلاس فلو ہونے کا شرف حاصل ہے۔

روایات:

1903ء یا 1904ء کا ذکر ہے کہ ایک انگریز امریکہ یا آسٹریلیا سے حضور علیہ السلام کی ملاقات کے لئے قادیان آیا، شام کے وقت حضور چھوٹی مسجد کے اوپر تشریف فرما تھے اور اسی انگریز سے مفتی صاحب (مراد مفتی محمد صادق صاحبؓ۔ ناقل) کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی اس نے صداقت کی دلیل مانگی، حضور نے فرمایا کہ آپ کا نئی دنیا سے آنا یا اتنی دور سے آنا ہی میری صداقت کی دلیل ہے کیونکہ خدا نے مجھ سے پہلے ہی وعدہ کیا ہوا ہے کہ دور سے لوگ آئیں گے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ سیاح کو سادہ زندگی اختیار کرنی چاہیے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں خود ہی سادگی پر عمل کرتا ہوں۔ یہ مفہوم ہے اُس گفتگو کے ایک حصہ کا جو مفتی صاحب کے ذریعہ سے ہوئی تھی یہ عین حضرت صاحب کے الفاظ نہیں۔

(2) صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی وفات کے روز میں قادیان میں ہی تھا۔ حضرت اقدس کے پاس میں گیا۔ کئی آدمیوں سے سنا کہ حضرت اقدس صاحبزادہ صاحب کی وفات کے بعد بعض احباب کو تسلی کے خطوط لکھنے بیٹھ گئے اور ایک خط حضرت ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب کے نام بھی لکھا۔ جس میں لکھا کہ خدائے رحیم و کریم کی مرضی یہی تھی ہم اس کی قضا پر راضی ہیں۔ بعض احباب نے کہا کہ دیکھو یہ لوگ انبیاء اولیاء دکھ مصیبت کے وقت بھی رحیم کریم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ پھر تجہیز و تکفین کے بعد حضور علیہ السلام قبر کے نزدیک ہی گھاس پر بیٹھ گئے اور بڑے جوش سے صبر و تسکین کا وعظ فرمانے لگے اور فرمایا کہ دیکھو خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اُس نے ہمارے ہر دکھ کے ساتھ خوشی بھی رکھ دی۔ اُس نے پہلے ہی پیشگوئی کر رکھی تھی کہ بعض چھوٹی عمر میں وفات پائیں گے۔ اُس دن حضور کا چہرہ بہت ہی پر نور اور درخشاں معلوم

ہوتا تھا۔اس واقعہ کہ یاد آنے کے ساتھ ہی حضور کا درخشاں چہرہ آنکھوں کے آگے آجاتا ہے۔

(3) حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب گفتگو کیا کرتے تھے تو کبھی کبھی اپنا ہاتھ (دایاں) اپنی ران پر مارا کرتے تھے۔

(4) آپ جب سیر کو جاتے تھے تو بہت تیزی سے چلا کرتے تھے اور کبھی کبھی آپ کی سونٹی کسی کے پاؤں لگ جانے کی وجہ سے گر جاتی تھی تو آپ کھڑے ہو جاتے اور کوئی صحابی چھڑی آپ کے ہاتھ میں دے دیتا۔

(5) ایک دفعہ عید یا سالانہ جلسہ کے موقعہ پر حضرت اقدس بڑی مسجد کی سیڑھی پر ٹھہر گئے اور اصحاب مصافحہ کر کے گزرتے جاتے تو میں نے بھی مصافحہ کیا اور اسی ہاتھ سے ایک روپیہ بھی دیا آپ نے روپیہ جیب میں رکھا اور نظر اٹھا کر مجھے دیکھا آپ کے ہونٹ پر کچھ حرکت تھی یعنی آپ نے غالباً جزاک اللہ یا کچھ ایسا ہی کہا، حضرت برابر نظر نیچی رکھتے تھے۔

ملک عبدالعزیز 26 اکتوبر 1939ء

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 14 صفحہ 254 .253)

ملازمت

آپ صوبہ بہار کے محکمہ تعلیم میں استاد تھے۔اس عہدہ کو سرکاری کاغذات میں تو ٹیچر لکھا جاتا ہے لیکن عوام ان لوگوں کو ماسٹر صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں ہر شہر بلکہ گاؤں میں ایسے اسکول ہوتے ہیں بلکہ ہر ضلع کے صدر مقام میں ایک سرکاری اسکول لڑکوں اور ایک لڑکیوں کے لئے ہوتا ہے۔اس اسکول کو ضلع اسکول کہا جاتا ہے بلکہ سرکاری کاغذوں میں یہی نام درج ہوتا ہے یہ اسکول پورے ضلع کا نمبر اول اسکول ہوتا ہے اس اسکول کے سارے اخراجات سرکاری خزانہ سے ادا ہوتے ہیں جب کہ دوسرے اسکولوں کو سرکار ایک معین رقم بطور مدد دیتی ہے بقیہ اخراجات وہ اپنی طرف سے ملاتے ہیں اس وجہ سے اس اسکول کے استادوں کی تنخواہ دوسرے اسکولوں کے اساتذہ سے زیادہ ہوتی ہے اس اسکول میں داخلہ بھی مقابلہ کے امتحان کے بعد ہوتا ہے جب کہ دوسرے اسکولوں میں ایسی بات نہیں اس لئے یہ کہنا بالکل درست بات ہے کہ حضرت ملک عبدالعزیز صاحب صرف استاد نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے استادوں میں سے

تھے عاجز (شہاب احمد) اس امر کا شاہد ہے کہ دوسرے اسکولوں کے استاد کئی کئی سالوں تک ان اسکولوں میں ملازمت کرنے کے بعد نئے سرے سے ضلع اسکولوں میں ملازمت شروع کرتے تھے اور اسے اپنی ترقی خیال کرتے تھے اس ملازمت میں تبادلہ ہوتا تھا۔ اسلئے حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں بہار کے مختلف اضلاع میں متعین رہے۔ آپ کی آخری تعیناتی ضلع اسکول ڈالٹن گنج (ڈلٹن گنج ضلع پلوما کا صدر مقام تھا) میں تھی۔ وہیں سے آپ کو نومبر 1943ء میں پینشن ملی اور آپ اپنے گاؤں میں واپس آ گئے۔

نمازوں کی پابندی

حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ کی طبیعت بچپن سے دینداری کی طرف مائل تھی۔ جو احمدیت قبول کرنے کے بعد مزید بڑھ گئی۔ آپ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ تہجد اور دیگر نمازوں کے پابند تھے۔ آپ کی اہلیہ کا بیان ہے کہ جب وہ رات کے وقت اٹھتی تو اپنے شوہر کو مصلّیٰ پر پاتیں تھیں۔ گھر میں نماز باجماعت پڑھنے کا سخت اہتمام ہوتا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد اکثر آپ بات چیت نہیں کرتے تھے بلکہ سیدھے بستر پر لیٹ کر تسبیح وغیرہ کر کے سو جاتے تھے پھر تہجد کے لئے رات دو بجے اٹھنا اُن کا معمول تھا۔ جمعرات اور جمعہ کی رات کو پورے گھر کو تہجد کے لئے اٹھایا جاتا تھا دو رکعت نماز میں مکمل سورۃ پڑھتے جیسے سورۃ رحمٰن سورۃ یٰسین۔ وغیرہ نماز چاشت بھی اکثر پڑھتے تھے۔

آپ جس اسکول میں ٹیچر تھے اس اسکول میں آپ کے بیٹے مکرم ضیاء الدین صاحب طالب علم تھے۔ آدھہ گھنٹہ Lunch Break میں ظہر کے وقت حضرت عبدالعزیز صاحبؓ اور اُنکے بیٹے مکرم ضیاء الدین صاحب ظہر کی نماز ادا کرتے تھے۔ جس کے لئے ہوسٹل میں ایک کمرہ بطور مسجد استعمال ہوتا تھا۔

جمعہ کا اہتمام

اکثر ان دونوں کے علاوہ جب مکرم عبدالعزیز صاحبؓ کے بڑے بیٹے مکرم صلاح الدین صاحب بھی موجود ہوتے تو انہیں بھی اسکول میں بلوا لیتے تھے اور اسکول کے ہوسٹل کے ایک کمرے میں جمعہ کی نماز کا اہتمام کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ تین بندے ہو گئے تو جماعت ہو گئی۔ جمعہ کا خطبہ الفضل سے پڑھ کر سناتے تھے۔ جن دنوں میں اپنے گاؤں آڑھا میں ہوتے تھے تو اپنے مکان کے سامنے ایک عمارت مین

جسے ڈاکٹر کا بنگلہ کہا جاتا تھا جمعہ کی نماز باقاعدگی سے ادا ہوتی تھی۔ جس میں احمدی خواتین کے لئے پردے کا انتظام ہوتا تھا۔ نماز مغرب عشاء بھی اسی بنگلہ یا بیٹھک میں ہوتی تھی۔ عورتوں کا نماز جمعہ میں شامل ہونا غیر احمدیوں کے لئے باعث تعجب ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کی خواتین جمعہ میں شامل ہونا انہونی بات تھی۔

تلاوت قرآن کا التزام ودرس

صبح کی نماز کے بعد آپ علی الصبح ٹہلنے جایا کرتے تھے کبھی واپسی کے وقت اور کبھی گھر پہنچے پر سورج نکل رہا ہوتا تھا اس کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ اگر گرمیوں کی چھٹیوں میں گاؤں میں ہوتے تو صبح کی سیر کے بعد واپس آ کر گھر میں درس دیتے تھے۔ جس میں گھر کی خواتین کے علاوہ دوسرے رشتہ دار خواتین و مرد جمع ہوتے تھے۔

روزوں کی پابندی

حضرت ملک عبدالعزیز صاحب نمازوں کے علاوہ روزوں کے بھی بڑی سختی سے پابند تھے۔ آپ فرض رزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی اس کثرت سے رکھتے تھے کہ آپ کے والد حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحبؓ یہ کہنے پر مجبور ہوتے تھے کہ اس کم سنی میں اتنے روزے رکھنے کا تمہاری صحت پر خراب اثر پڑ سکتا ہے۔ اس لئے حضرت عبدالعزیز صاحبؓ خاموشی سے روزے رکھ لیا کرتے تھے اور آپ کے والد صاحب کو اس کا علم نہ ہوتا تھا۔ اس طرح آپ کے والد حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب انہیں نصیحت کرتے تھے کہ نیند انسان کی صحت کے لئے بہت ضروری ہے تم تو تہجد کی ادائیگی میں رات کا اکثر حصہ جاگتے رہتے ہو اس کا بھی تمہاری صحت پر اثر پڑ سکتا ہے، پھر بھی آپ کی عبادت گزاری بدستور قائم رہی۔

لباس

آپ زیادہ تر سفید پگڑی ہی باندھا کرتے تھے۔ اسکول میں پگڑی باندھ کر جایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی سُرخ رنگ والی ترکی ٹوپی پہنتے تھے جیسا کہ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب سُرخ ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ مگر زیادہ تر پگڑی ہی باندھتے تھے۔ سفید پاجامہ پہنتے تھے۔ گرمی ہو یا سردی بغیر کوٹ باہر نہیں نکلتے تھے۔ خود بھی سادہ پوشاک پہنتے تھے اور بچوں کو بھی سادہ کپڑے پہناتے تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی بیٹیوں کو بھی بھڑکیلا کپڑا نہ پہناتے تھے۔ اب اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے تحریک جدید کی تحریک کا عملی نمونہ

اپنایا ہوا تھا۔

آپ کی سادگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ کے بیٹے مکرم ملک ضیاء الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک عید پر میری والدہ کو بڑی خواہش تھی کہ میرے لئے بوٹ خریدیں۔ مگر والد صاحب سے کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میری عمر اس وقت چھ سات سال ہوگی میرے بڑے بھائی ملک صلاح الدین صاحب مجھ سے 20 سال بڑے تھے اور بہن آٹھ سال بڑی تھی۔ درمیان میں بہت ساری اولاد فوت ہونے کے بعد میں بچا تھا۔ لہذا میں والدہ کا لاڈلا تھا۔ میرے ایک ماموں جو اچھے حکیم تھے لیکن احمدی نہ تھے میرے والد صاحب ان کا بہت احترام کرتے تھے علاج بھی انہیں سے کرواتے تھے اور ان کی بات بھی مانتے تھے۔ عمر میں والد صاحب سے کچھ بڑے تھے اتفاق سے ایک دن حکیم ماموں ملنے آئے یا کسی مریض کو دیکھنے آئے۔ والدہ محترمہ نے ماموں کا آنا غنیمت جانا اور خیال کیا کہ والد صاحب حکیم ماموں کی بات نہیں ٹالیں گے۔ لہذا والدہ نے ماموں کے ذریعہ میرے لئے بوٹ خریدنے کی سفارش کرائی۔ اس پر والد صاحب نے ماموں صاحب کو جواب دیا کہ آپ لوگوں کو صرف اولاد کی فکر رہتی ہے مگر ہم لوگوں کو پوری دنیا میں اسلام کی اشاعت کے لئے خرچ کرنا ہوتا ہے لہذا ان عیاشیوں کا احتمال نہیں کر سکتا۔

مالی قربانی:

آپ مالی قربانی میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ جماعتی ضروریات کو ہمیشہ اپنی خانگی ضروریات پر مقدم رکھا۔ آپؓ اور آپ کی اہلیہ مکرمہ سلمٰی خاتون صاحبہ تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل ہیں۔ دونوں بزرگوں کا ذکر پانچ ہزاری مجاہدین میں صوبہ بہار کے افراد کے تحت درج ہے۔

حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ آڑہا

اہلیہ مکرمہ سلمٰی خاتون صاحبہ

(تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین صفحہ 451 پہلا ایڈیشن)

اسلامی شعار کی پابندی

آپ اسلامی شعار کے بہت پابند تھے۔ خصوصاً اپنی خواتین سے پردہ پر سختی سے عمل کراتے تھے۔

اُس زمانہ کے پردہ کا اِن دنوں میں تصور محال ہے۔ اپنے گھر کی خواتین سے پردہ کرانے کی ایک مثال یہ ہے کہ ڈالٹن گنج میں جہاں ان کی پوسٹنگ تھی ان کے مکان کے سامنے ایک مدرسہ تھا۔ جس میں ایک مسلمان استانی صرف لڑکیوں کو پڑھاتی تھی۔ اُن کے گھر سے اس مکان تک پہنچنے کے لئے صرف سڑک پار کرنا ہوتا تھا لیکن حضرت عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی بڑی بیٹی کو اس اسکول میں صرف اس لئے نہیں بھیجا کہ سڑک پار کرنے میں پردے کی شرائط ٹوٹتی ہیں۔

تین ایمان افروز واقعات

پہلا واقعہ

وفات کی قبل از وقت اطلاع

13_13_13_13

پہلا واقعہ کا 1936ء کا ہے اور بیماری سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ اس وقت ڈالٹن گنج صوبہ بہار میں متعین تھے۔ آپ کو ہائی بلڈ پریشر کی تکلیف تھی۔ اُس زمانہ میں جو دوائی دستیاب تھی۔ آپ اُن کا استعمال کیا کرتے تھے نیز ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق غذا وغیرہ میں بھی پابندی تھی۔ ایک دن جب آپ کے علاوہ کوئی شخص گھر میں موجود نہ تھا آپ کا بلڈ پریشر بہت بڑھ گیا۔ اور نیم غنودگی بلکہ بیہوشی طاری ہوگئی۔ اور آپ کو یقین ہوگیا کہ یہ آپ کا آخری وقت ہے۔ اس وقت ان کے کانوں میں ایک آواز آئی 13۔13۔13 یا 23۔23۔23۔ چونکہ آپ کی قوت سماعت شروع زمانہ سے کمزور تھی اس لئے آپ کو صحیح یاد نہ رہا کہ آپ نے 13 سنا تھا یا 23 سنا تھا۔ یا تین دفعہ سنا تھا یا چار دفعہ سنا تھا۔ شام کے سوقت اُن کو طبی مدد ملی ڈاکٹروں نے جسم سے خون نکال کر بلڈ پریشر پر قابو پایا اس طرح ان کی طبیعت سنبھلی۔

جب آپ کی طبیعت سنبھلی تو خیال آیا کہ یہ جو میں نے 13 یا 23 کا ہندسہ سنا تھا وہ کیا تھا گھنٹہ ہے یا دن ہے یا ہفتہ یا سال ہے۔ یہ ایک معمہ ہی رہا لیکن آپ کے دل میں یہ راسخ ہوگیا کہ یہ عمر کے سلسلہ میں ہے۔ شروع میں دنوں کا خیال رہا مگر اسکے گذرنے کے بعد مہینہ کا خیال ہوا مگر یہ بھی گزر جانے کے سال کا سمجھا یا گیا اور ساتھ ساتھ لوگ معاملہ کو بھولتے گئے۔ برسوں برس خاندان کے لئے یہ معمہ ہی رہا کہ

انہوں نے کیا سنا تھا۔

یہ معمہ حضرت عبدالعزیز صاحب ؓ کی وفات جو کہ 29 جنوری 1951ء کی ہے کے بعد حل ہوا۔ آپ کے بیٹے ملک ضیاء الدین صاحب اس قطعی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ والد صاحب نے 13 کا ہندسہ سنا تھا نہ کہ 23 کا۔ نیز تین دفعہ نہیں بلکہ چار دفعہ سنا ہوگا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عبدالعزیز صاحب کو خود یاد نہ تھا کہ انہوں نے 13 سنا تھا یا 23 نیز کتنی بار سنا تھا۔ بہرحال مکرم ضیاء الدین صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپکے والد صاحب نے 13 کی آواز 4 دفعہ سنی ہوگی۔ پہلے 13 سے مراد سال تھا دوسرے 13 سے مراد مہینہ اور تیسرے 13 سے مراد ہفتہ اور چوتھے 13 سے مراد دن تھے۔ جسے وہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔

دن	ہفتہ	مہینہ	سال
0	0	0	13
0	0	1	1
7	0	3	0
13	0	0	0

یعنی 14 سال 4 مہینے اور 20 دن۔ اُن کی وفات 29 جنوری 1951ء کو ہوئی اگر تاریخ وفات کو اوپر کے نمبروں سے منہا کیا جائے تو صورت حال یہ بنتی ہے کہ

	دن	مہینہ	سال
تاریخ وفات	29	1	1951
آواز سننے کے وقت	20	4	14
یعنی	9	9	1936

مکرم ضیاء الدین صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ وہ وقت تھا جب والد صاحب نے ڈالٹن گنج میں 9 ستمبر 1936ء میں آواز سنی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا میں جب گرمیوں کی چھٹی سے لے کر دُرگا پوجا کی چھٹی تک

فیملی آڑھا میں رہتی تھی یعنی جولائی کے آخر سے اکتوبر کے شروع تک۔

قارئین کرام! قبل ازیں حضرت محترمہ سیدہ میمونہ خاتون صاحبہؓ کی واقعات میں بھی اس قسم کا ایک واقعہ نظر آتا ہے (جو اس عاجز کی والدہ تھیں اور آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں وقت گزارنے کا موقعہ ملا تھا) 1912ء یا 1913ء میں جب وہ اورین میں مقیم تھیں اُن کا بیٹا محمود احمد بیمار تھا انہوں نے ایک آواز سنی "محمود، محمود اچھا پرسوں" اس آواز کے سننے کے دو دن بعد محمود کا انتقال ہو گیا یعنی سیدنا میمونہ خاتون صاحبہ کو اُن کے بیٹے کی وفات کی خبر دو دن قبل دے دی گئی۔

دراصل یہ واقعات سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا روحانی کرشمہ ہیں کہ آپ کے اکثر مخلص خادموں بھی اللہ تعالیٰ نے صاحب رؤیا اور کشوف بنا دیا۔ ورنہ کسی آدمی کی اپنی ذاتی خوبی کیا معنی رکھتی ہے۔

دوسرا واقعہ۔فرشتہ کا نماز کی طرف توجہ دلانا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور متقی بندوں سے عام انسانوں سے ہٹ کر سلوک فرماتا ہے۔ جس سے ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کے معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔ مکرم ملک ضیاء الدین صاحب اپنے والد مکرم عبد العزیز صاحب کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ

"والد صاحب کی عام عادت تھی کہ رات کے کھانے کے بعد وہ بیٹھتے اور ہم لوگ گول دائرے میں اُن کے سامنے بیٹھ جاتے اور اُن کی باتیں سنتے۔ سردیوں میں خشک میوے کا دور چلتا تھا اس دوران کبھی جماعت کی اور کبھی قادیان کا کوئی واقعہ الفضل میں کوئی خاص بات خلیفہ وقت کی طرف سے ہوتی یا کوئی خبر سناتے۔ یہ بیٹھک زیادہ دیر نہیں ہوا کرتی تھی۔ بس اتنا ہوتا تھا کہ والدہ صاحبہ باورچی خانہ سے فارغ ہو کر آجاتیں پھر تھوڑی دیر بعد عشاء کی نماز پڑھی جاتی۔ ایک کڑاکے کی سرد رات تھی۔ کمرے میں آنگیٹھی کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے ہم لوگ اُن کی باتیں سُن رہے تھے اور چلغوزوں کا دور چل رہا تھا۔ ہم لوگ جس شہر میں رہتے تھے یعنی جہاں والد صاحب کی پوسٹنگ تھی اس کا نام ڈالٹن گنج تھا جو صوبہ بہار کے جنوب میں واقعہ ہے۔ وہ علاقہ جنگل اور پہاڑوں والا تھا جہاں کبھی کسی جنگل کے قریب گاؤں میں شیر یا تندوہ وغیرہ اکر کسی کو زخمی کر دیتا تھا۔ تو اس زمانہ میں بھی ایسا کوئی واقعہ ہو گیا تھا۔ جس کی خبر گرم تھی۔ لہذا رات شیر کے شکار کا تذکرہ نکل پڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے والد صاحب افریقہ اور سندر بن

کے جنگلوں میں شیر کے شکاریوں کا قصہ کافی پڑھا ہوگا یا اس مضمون سے دلچسپی ہوگی۔ بس ان شکاریوں کا قصہ نکل پڑا۔ بات پھر صرف شیر پر ہی نہیں ہاتھی گینڈا اشتر مرغ وغیرہ وغیرہ تک چلی گئی۔ مجھے تو یاد نہیں کہ اس زمانہ تک اس شہر میں بجلی تھی۔ یا نہیں۔ لہذا اس زمانہ میں وہ بھی خاص کر رات 9 بجے تو کوئی بندہ ہی نکلتا ہو۔ قصہ مختصر ہم لوگ قصہ سننے سنانے میں ایسا محو ہوئے کہ کسی کو وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ قصہ کا سلسلہ جاری تھا کہ کمرہ کے باہر وارنڈہ میں دَھم دَھم، دَھم کی تین آوازیں اتینی زوردار تھیں کہ زمین ہل گئی جیسے کوئی دیوہیکل نے اپنا پیر زمین پر مارا ہو یا پٹخا ہو۔ آواز سن کر ہم سب بالکل سہم گئے کچھ وقفے کے لئے۔ پھر خیال آیا کہ کوئی چور آیا ہوگا یا ڈاکو ہونگے۔ کمرے کا دروازہ صرف بھڑا ہوتھا۔ لہذا کچھ لمحے تو انتظار کیا کہ اندر کوئی آتا ہے پھر کچھ وقفے کے بعد والد صاحب نے آواز دی کہ کوئی ہے مگر کوئی جواب نہ آیا۔ آخر کچھ انتظار کے بعد والد صاحب اور چھوٹے چاچا (مکرم نذیر صاحب) لالٹین لے کر باہر نکلے پورا گھر چھان مارا نہ انسان اور نہ کسی جانور کی موجودگی کا پتہ چلا۔ باہر کے دروازے بھی اسی طرح سب بند تھے۔ جب اطمینان ہوگیا۔ تو وقت دیکھا گیا تو رات 12 بج کر چند منٹ ہو چکے تھے۔ تب والد صاحب نے کہا کہ یہ فرشتہ تھا۔ جو تنبیہ کرنے یا یاد دلانے آیا تھا کہ آدھی رات ہوگئی ہے اور تم نے اب تک عشاء کی نماز نہیں پڑھی ہے۔ چونکہ والد صاحب وقت پر نماز پڑھنے کے بڑے پابند تھے اور شاید یہ ان کی زندگی کی پہلی تاخیر تھی اسلئے فرشتے نے ٹھیک 12 بجے رات ان کو یاد دلایا کہ اب تاخیر کی گنجائش نہیں ورنہ جس طرح ہم لوگ محو تھے کتنی دیر قصہ چلتا معلوم نہیں۔ یہ واقعہ 1941ء یا 1942ء کا ہے۔ میں اُس وقت نو دس سال کا تھا اس لئے یہ واقعہ پوری طرح یاد ہے۔

تیسرا واقعہ۔ غیبی پیالہ

تیسرا واقعہ حضرت عبدالعزیز صاحب ؓ عنہ کی اہلیہ مکرمہ سلمٰی بیگم صاحبہ کے ساتھ پیش آیا۔ آپ کے بیٹے مکرم ضیاء الدین ملک صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ”گو تیسرا واقعہ میری والدہ کے ساتھ پیش آیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں میرے والد صاحب کی صحبت اور انکے تقویٰ پرہیزگاری کا بھی اثر تھا اور والدہ صاحبہ میں بھی مستفیض ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ میری والدہ پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر صوم وصلوٰۃ کی پابند اور پڑھے لکھے خاندان سے تھیں۔ اُس زمانہ میں عورتوں کی پڑھنے کا رواج نہیں تھا۔ شادی سے قبل ہی صوم

وصلوٰۃ والے ماحول سے آئی تھیں۔شادی کے بعد جو والد صاحب کا ماحول ملا تو سونے پر سہاگے والی بات ہوگئی۔والدہ صاحبہ کو تیسری اولاد ہونے والی تھی اور آپ کی عمر اُس وقت جوانی کی ہوگی۔پہلی اولاد میرے بڑے بھائی جس کا نام صلاح الدین تھا۔وہ گھر میں چھوٹے سے بچے تھے۔کھانے پینے کی بداحتیاطی کی وجہ سے والدہ صاحبہ کو ایک دن قئے اور دست کی ایسی بیماری لگی کی کہ کوئی گنتی نہ رہی اس وقت گھر میں سوائے ایک چھوٹے بچہ کوئی بھی نہ تھا۔حالت ایسی خراب ہوئی کہ بے ہوشی چھا گئی۔ایسی نیم مردہ حالت میں جب کہ آنکھیں بند تھیں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک بزرگ ہاتھ میں شربت کا پیالہ لئے ہوئے آپ کی طرف بڑھا کر کہہ رہے ہیں کہ بیٹی یہ شربت پی لو شفا ہوگی۔اس بزرگ نے پیالہ دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اس پیالہ کو حفاظت سے چھپا کر رکھنا اور کسی کو دکھانا نہیں۔والدہ صاحبہ کہتی تھیں کہ شربت ایسا فرحت بخش تھا کہ پینے کے ساتھ ہی طبیعت میں بشاشت آنے لگی اور جب ہوش آیا تو واقعی ہاتھ میں پیالہ موجود تھا اور منہ میں شربت کا فرحت بخش مزہ اور خوشبو موجود تھی۔اس کے بعد طبیعت سنبھلنے لگی اور ٹھیک ہوگئیں۔خیر پیالہ کو انہوں نے بڑی حفاظت سے ایک بکس میں رکھ دیا۔جس میں قیمتی کپڑے ہوتے تھے اور کبھی کبھار کھلتا تھا۔دھوپ لگائی جاتی تھی تاکہ کپڑے کیڑے لگنے سے محفوظ رہیں۔ایک بار والدہ بھی کپڑوں کو دھوپ لگانے کے لئے چارپائی میں پھیلانے لگیں تو ساتھ بڑا بیٹا جو اُس وقت چھوٹی عمر کے تھے اُس کی نظر بکس میں رکھے ہوئے پیالہ پر پڑی اور اُس نے پیالہ کو اٹھا لیا۔والدہ صاحبہ نے اُس کو پھسلا کر پیالہ لینے کی کوشش کی مگر وہ پیالہ لینے پر بضد رہا۔والدہ صاحبہ نے خیال کیا کہ چلو بچہ ہے کھیلتے ہوئے جب اس کا دھیان پیالہ سے ہٹے گا تو چھپا دیں گی۔والدہ صاحبہ کسی اور کام میں مصروف ہوگئیں جب اُنکو پیالہ کا خیال آیا تو بیٹے سے پوچھا کہ پیالہ کہاں ہے؟ تو وہ بھی ادھر اُدھر دیکھنے اور ڈھونڈنے لگا۔والدہ صاحبہ نے گھر کا چپہ چپہ تلاش کیا مگر پیالہ نہیں ملا۔وہ پیالہ غائب اس دوران گھر میں نہ کوئی دوسرا بچہ باہر سے اندر آیا اور نہ بیٹا باہر گیا۔

حرف آخر:

حضرت ملک عبدالعزیز صاحب ؒ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں جہاں بھی رہے ہیں۔شہر یا پنے گاؤں آڑھا میں تعطیل کے دنوں میں یا پینشن کے بعد مستقل سکونت کرنے کے بعد ہر جگہ آپ کی دینی

خدمت پورے جوش سے جاری رہی۔

آپ کے گھر آڑھا کے سامنے ایک ڈاکٹر صاحب کا بنگلہ مشہور تھا۔ جس کے وارنڈے میں آپ گرمیوں کی چھٹیوں میں مغرب اور عشاء کی نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ اور یہ بنگلہ بیٹھک مسجد کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ اس میں گاؤں کے دوسرے رشتہ دار بھی شامل ہوجایا کرتے تھے۔ مردوں عورتوں اور بچوں کی مجموعی تعداد 20 کے قریب ہوجایا کرتی تھی۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت عبدالعزیز صاحب قرآن کا درس دیا کرتے تھے۔ گاؤں کے لوگ اس درس کو راہ چلتے ہوئے سنتے تھے لیکن فرش پر اس ڈر سے نہیں بیٹھے تھے کہ کہیں قادیانی ہونے کا فتویٰ نہ لگ جائے۔ انہیں سننے والوں میں ایک صاحب کا نام حلیم تھا جنہیں مکرم ضیاء الدین صاحب ''ماموں'' کہتے تھے۔ گاؤں میں کوئی نہ کوئی رشتے داری نکل آتی ہے۔ یہ حلیم صاحب وہی ہیں جنہوں نے مکرم محمود اڑھوی صاحب کے ساتھ 1931ء کے مقاطعہ میں ہمدردی کی تھی۔ وہ ایک دن حضرت عبدالعزیز صاحبؓ کو کہنے لگے کہ

''عزیز تم کو ہم پیر مان سکتے ہیں اگر مرزا کی بات نہ کرو۔''

گویا ایک غیر احمدی بھی حضرت عبدالعزیز صاحبؓ کے تقویٰ اور طہارت کا قائل تھا۔ اُس نے شاخ یعنی حضرت عبدالعزیز صاحب کو تو شناخت کرلیا لیکن اُس کی نظر جڑ یعنی امام الزماں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو نہ پہچان سکی۔ حالانکہ شاخوں کی سرسبزی کی بنیاد جڑ ہی ہوتی ہے۔

قادیان میں تعلیم کے زمانہ میں حضرت عبدالعزیز صاحبؓ کے استادوں میں سے ایک استاد حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ بھی تھے۔ جن کی سادہ زندگی کا آپ پر بہت گہرا اثر پڑا۔ آپ اکثر اُن کی سادگی کا ذکر کرتے تھے۔ کمسنی سے ہی آپ کی قوت سماعت کمزور تھی۔ اس وجہ سے آپ کو روزمرہ کی زندگی کے علاوہ ملازمت میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے اس بیماری میں بھی شکر کا پہلو نکال لیا تھا کہ وہ دنیا کی فضول اور لغو باتیں سننے سے محفوظ ہیں۔ آپ کو ہائی بلیڈ پریشر کا مرض بھی لاحق تھا اس وجہ سے آپ بکثرت نہایا کرتے تھے۔ پینشن کے بعد آپ کو رعشہ کی بیماری لاحق ہوگئی۔ جس کی وجہ سے آپ کا اپنے سر اور ہاتھوں پر قابو نہ رہتا تھا لیکن آفرین یہ مردِ مومن ان سنگین بیماریوں کے باوجود ساری عمر فعال اور نافع الناس رہا۔

وفات

حضرت ملک عبدالعزیز صاحبؓ نے 29 جنوری 1951ء میں آڑھا میں وفات پائی۔آپ کی تدفین آڑھا میں ہوئی۔نماز جنازہ آپ کے بھائی حضرت بشیر احمد صاحب نے پڑھائی۔اس وقت نماز جنازہ میں صرف چار آدمی تھے۔آپ کے بھائی مکرم بشیر احمد صاحبؓ اور مکرم نظیر احمد صاحب اور دو بھتیجے مکرم شریف احمد صاحب ابن ظریف احمد صاحب۔نماز جنازہ غائب ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور کراچی میں نماز جنازہ غائب مکرم مولوی عبدالمالک صاحب نے پڑھائی۔

شادی واولاد

آپ کی شادی مکرمہ سلمیٰ خاتون صاحبہ بنت مکرم عبدالکریم صاحب ساکن آڑہا سے ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت عبدالعزیز صاحب کو 3 بیٹوں اور 2 بیٹیوں سے نوازا۔اولاد کے نام اور مختصر کوائف مندرجہ ذیل ہیں۔

اولاد:

(1) مکرم صلاح الدین ملک صاحب مرحوم

(2) مکرمہ حمیدہ خاتون صاحبہ مرحومہ

(3) مکرم ضیاء الدین ملک صاحب حال کینڈا

(4) مکرمہ سعیدہ خاتون صاحبہ بھاگلپور

(5) مکرم ریاض الدین ملک صاحب

(1) مکرم ملک صلاح الدین صاحب

آپ کی پیدائش 1914ء میں آڑہا ضلع مونگھیر بہار میں ہوئی۔آپ اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھے۔۔ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں آڑھا میں حاصل کی بعدہ مزید تعلیم قادیان میں حاصل کی۔1947ء سے پہلے ٹاٹا کمپنی میں کام کرتے رہے۔بعدہ فوج میں اور پھر ریلوے میں چلے گئے۔تقسیم ہند کے بعد کراچی چلے گئے اور 1952ء تک وہاں کام کیا۔اسکے بعد دوبارہ ہندوستان میں آگئے اور کلکتہ میں 1965ء سے لے کر 1987ء تک کام کیا۔کلکتہ میں 1973ء تا 1976ء تک مشنری انچارج کے طور پر

صلاح الدین ملک

ضیاء الدین ملک

اعجاز احمد ملک

افتخار احمد ملک

خدمت سرانجام دیں۔

آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی تایا زاد بہن مکرمہ حلیمہ صاحبہ بنت مکرم حضرت ملک محمد رفیق صاحب ؓ سے ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کی شادی اپنی چچازاد بہن مکرمہ عظمیٰ خاتون صاحبہ بنت مکرم حضرت بابو بشیر صاحب ؓ سے ہوئی۔

اولاد: پہلی بیوی سے آپ کی ایک بیٹی محترمہ روشن آراء صاحبہ اہلیہ مکرم شیخ ناصر علی صاحب برہ پورہ بہار ہیں۔ دوسری بیوی سے دو بیٹے مکرم اعجاز احمد ملک صاحب قادیان اور مکرم افتخار احمد ملک صاحب قادیان اور دو بیٹیاں مکرمہ شہناز آرہ صاحبہ قادیان اور مکرمہ ممتاز آراء صاحبہ قادیان پیدا ہوئیں۔

آپ صوم صلوۃ کے انتہائی پابند تھے۔ عموماً عشا کے بعد جلد سو جاتے اور رات دو سے ڈھائی بجے کے تک اٹھ جاتے اور فجر کی نماز تک نماز تہجد پڑھتے تھے۔ نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھتے۔

آپ کی شدید خواہش قادیان میں آباد ہونے کی تھی۔ اسلئے عمر کے آخری حصہ میں جولائی 1988ء میں مع اہل وعیال قادیان آگئے۔ یہاں آکر انتہائی خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ آپکی وفات 5 اگست 1989ء کو بعمر 75 سال ہوئی اور تدفین قادیان میں عمل میں آئی۔

(2) مکرم ضیاء الدین صاحب

آپ جنوری 1933ء میں آڑہا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں اور پھر قصبہ ڈلٹن گنج میں حاصل کی۔ اس قصبہ میں آپ کے والد صاحب ملازمت کے سلسلہ میں متعین تھے۔ 1944ء میں مونگھیر تعلیم کے سلسلہ میں قیام رہا۔ 1948ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے میٹرک کے بعد جولائی کے آخر میں پاکستان چلے گئے۔ اور ریڈیو پاکستان میں لمبا عرصہ کام کرنے کے بعد جنوری 1993ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اس وقت ٹورنٹو کینیڈہ میں مقیم ہیں۔

آپ اچھی تاریخی معلومات رکھتے ہیں۔ اپنے خاندان کے اصحاب احمد اور بزرگان کے حالات آپ نے تفصیل سے بیان کئے۔ اللہ تعالیٰ آپکو فعال عمر عطا فرمائے۔

آپ کے دو بیٹے مکرم شجاع الدین احمد امریکہ اور مکرم خرم احمد ملک ٹورنٹو کنڈا ہیں اس طرح دو بیٹیاں مکرمہ روبینہ تبسم ٹورینٹو اور مکرمہ لبنیٰ ارم لندن ہیں۔

حضرت ملک بشیر احمد صاحب بی۔اے رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خاندان:

آپ کے والد صاحب کا نام حضرت الٰہی بخش صاحبؓ اور والدہ کا نام مکرمہ حیات بی بی صاحبہ تھا۔آپ بھائیوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔ بڑے بھائی حضرت ملک محمد رفیق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منجھلے حضرت عبد العزیز صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چھوٹے بھائی مکرم نظیر احمد صاحب تھے۔اس کے علاوہ دو بہنیں بی بی یعقوبا صاحبہ اور امۃ النساء صاحبہ تھیں۔

پیدائش و بیعت:

آپ کی پیدائش 1895ء کی تھی۔آپ راولپنڈی میں اپنے والد حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحبؓ کے عنہ کے حالات میں درج ہو چکا ہے کہ آپ 1902ء میں اپنے دو بیٹوں عبدالعزیز اور بشیر احمد کے ساتھ قادیان بیعت کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے ساتھ ملاقات کی۔اُن سے قبل ازیں کشمیر میں ملاقات تھی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ چنانچہ نماز عشاء کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کے ساتھ بیعت کی۔اُس دن آپ کا بیٹا بشیر احمد اس وقت بیعت میں شامل نہ ہو سکا کیونکہ بچہ ہونے کی وجہ سے عشاء سے قبل ہی سو چکا تھا۔اس لئے اخبار البدر 26 جون 1903ء میں ان کا نام والد صاحب اور بھائی کے نام کے ساتھ درج نہ ہو سکا۔

تعلیم

حضرت ملک بشیر احمد صاحبؓ نے ابتدائی تعلیم راولپنڈی اور قادیان میں حاصل کی تھی۔آپ کے بیٹے مکرم شریف احمد صاحب بھاگلپوری تحریر کرتے ہیں کہ والد محترم حضرت بشیر احمد صاحبؓ اکثر کہا کرتے تھے کہ صاحبزادہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب ہمارے ساتھیوں میں سے تھے۔اور ساتھ فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔قادیان میں انہیں لوگ پیار سے بابو بشیر کے نام سے پکارتے تھے۔آپ کے دوستوں میں حضرت عبدالرحمٰن جٹ صاحب رضی اللہ عنہ سابق ناظر اعلیٰ و امیر جماعت قادیان تھے۔مکرم شریف

حضرت ملک بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احمد صاحب بھاگلپوری بتاتے ہیں کہ 1973ء میں خاکسار جلسہ سالانہ قادیان میں شریک ہوا۔ حضرت عبد الرحمٰن جٹ صاحب سے ملا تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے دوست اور ساتھی بابو بشیر کے لڑکے ہو۔ قادیان سے پڑھائی کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ B.A پاس کیا۔ کالج کی فٹ بال ٹیم کے کپتان تھے اور اچھے کھلاڑی تھے۔

ملازمت

کالج کی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ اپنے آبائی وطن آڑھا چلے آئے اور کئی عارضی سرکاری نوکریاں بھی کیں اور آخر میں کارپوریٹو بینک میں مینجر کے عہدے پر عرصہ تک کام کیا۔ گوڈا، دُمکا، جموئی اررِیہ میں پوسٹڈ رہے۔ 1954ء میں اررِیہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اس کے بعد اپنے گاؤں آڑھا میں مستقل طور پر فیملی کے ساتھ رہنے لگے۔ اُس وقت آپ کی صحت بہت اچھی تھی مگر ایک سال بعد پروسٹیٹ کی تکلیف ہوگئی اور صحت گرتی گئی۔

عادات وخصائل

آپ بہت سادہ مزاج تھے اور کبھی بھی غصہ نہیں ہوتے تھے۔ سائیکل سواری زیادہ کیا کرتے تھے۔ اپنے پرائے سے محبت سے پیش آتے تھے اور ہر ممکن مدد کیا کرتے تھے۔ حلقہ احباب کو احمدیت سے روشناس کراوتے تھے۔۔ پڑوسیوں اور رشتہ داروں کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ گھر پر بچوں کی کلاس لیا کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا امتحان لیا کرتے تھے۔

وفات:

آخری عمر میں آپ اپنے بیٹے مکرم شریف احمد صاحب کے ساتھ جامتاڑا اسنتھال پرگنہ میں رہنے لگے۔ علاج ہوتا رہا اور بیماری بڑھتی گئی۔ آپ کی وفات 14 فروری 1967ء کو بعمر 72 سال بندش پیشاب کی وجہ سے ہوئی۔ اُن کی قبر جامتاڑا شہر کے شمالی جانب وہاں کے عام قبرستان میں ہے۔ جسے یادگار اور حفاظت کے لئے اُنکے بیٹے مکرم شریف احمد صاحب نے پختہ کروادیا ہے۔

شادی اور اولاد

آپ کی شادی مکرمہ خیر النساء بی بی صاحبہ سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل سے پانچ لڑکے اور

شریف احمد ملک

محمود اقبال ملک

خرم احمد ملک

شجاع الدین احمد ملک

کلیم احمد ملک صاحب

شبیر احمد ملک صاحب

ظریف احمد ملک صاحب

ندیم احمد ملک صاحب
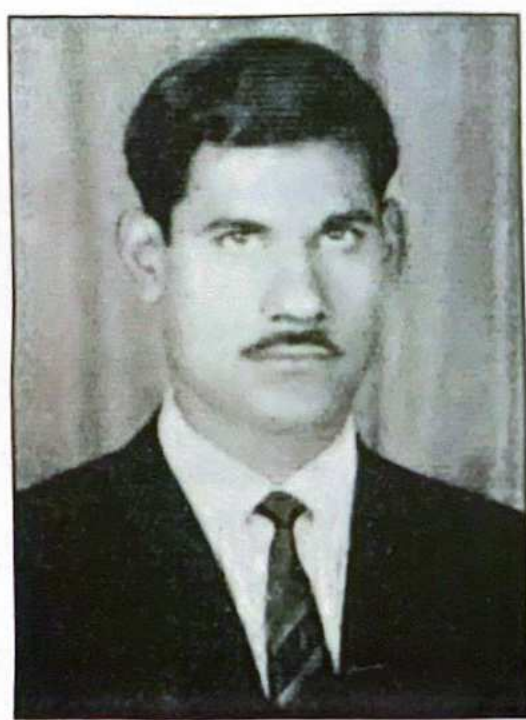
سلیم احمد ملک صاحب

مظفر طارق صاحب

دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم ملک شبیر احمد صاحب کراچی (پیدائش 1922ء وفات 1992ء غالبا)

آپ ریلوے میں کام کرتے رہے اور پاکستان بننے کے بعد ملازمت اختیار کی آپ کے تین بیٹے تھے۔ جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔ (1) مکرم مسعود احمد ملک۔ (2) مکرم محمود احمد ملک۔ (3) مکرم شاہد احمد ملک۔

(2) مکرمہ بی بی بشریٰ خاتون زوجہ مکرم ڈاکٹر احتشام الحق صاحب محمود آباد اسٹیٹ سندھ

(3) مکرم ملک سلیم احمد کراچی

(4) بی بی عظمیٰ خاتون زوجہ مکرم صلاح الدین ملک صاحب قادیان

(5) مکرم کلیم احمد ملک صاحب لنڈن

(6) مکرم ملک شریف احمد برہ پورہ بھاگلپور

(7) مکرم ظریف احمد ملک مرحوم کراچی

مکرم سلیم احمد ملک صاحب حضرت بشیر احمد ملک صاحبؓ کے دوسرے بیٹے تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش جون 1924ء کی تھی۔ ابتدائی تعلیم آڑہا اسکول میں ہوئی۔ آپ نے مشرقی پاکستان میں ملازمت کی۔ اور بنگلہ دیش بننے کے بعد کراچی چلے گئے۔ آپ کی وفات 8 ستمبر 1990ء کو کراچی میں ہوئی۔ آپ کی دو شادیاں تھیں۔ پہلی اہلیہ فہیمہ بنت حضرت محمد رفیق صاحبؓ سے ایک بیٹا مکرم جاوید ملک صاحب اور ایک بیٹی نیلوفر ہے۔ دوسری شادی پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد کی مکرمہ زرینہ بیگم صاحبہ جم گاؤں سے کی۔ جس سے تین بیٹے مکرم پرویز احمد ملک صاحب، مکرم شاہد احمد ملک صاحب اور مکرم شاداب احمد ملک صاحب ہیں۔ آپ کے سب بیٹے کراچی میں سکونت پذیر ہیں۔

مکرم کلیم احمد ملک صاحب حضرت بشر صاحبؓ کے بیٹے تھے۔ آپ نے انگلستان میں سکونت اختیار کی اور وہیں 19 اکتوبر 2004ء کو لندن میں وفات پائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نماز جنازہ پڑھائی۔

چنانچہ اخبار الفضل انٹرنیشنل میں ان کی وفات کے حوالہ سے مندرجہ ذیل کوائف درج ہیں۔

''حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 19 اکتوبر 2004ء کو قبل از نماز ظہر مکرم کلیم احمد ملک صاحب (ابن مکرم بشیر احمد ملک صحابیؓ) کی نماز جنازہ پڑھائی۔
مکرم کلیم احمد صاحب 14 اکتوبر 2004ء کو یو کے میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔۔ آپ یو کے جماعت کے ایک بہت پرانے اور مخلص ممبر تھے۔ مرحوم کے والد اور دادا حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب دونوں صحابی تھے۔ آپ کو دعوۃ الی اللہ کا بہت شوق تھا۔ مکرم مظفر کلارک صاحب برمنگھم جماعت کے ممبر ہیں انہیں کے ذریعہ جماعت میں داخل ہوئے۔''
(الفضل انٹرنیشنل 19 نومبر 2004ء بعنوان نماز جنازہ صفحہ 13)
آپ کا ایک بیٹا مکرم ندیم احمد ملک یو کے اور دو بیٹیاں مکرمہ زرین ملک صاحبہ یو کے اور مکرمہ تحسین ملک صاحبہ ساکن امریکہ ہیں۔
مکرم ظریف احمد ملک صاحب حضرت بشیر صاحبؓ کے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ کی پیدائش 1937ء کی ہے۔ آپ 1957ء میں بھارت سے پاکستان اپنے بھائی کے پاس چلے گئے۔ اور لمبا عرصہ ریلوے میں ملازمت کی۔ بعدہ لائبریین کا کورس کیا چیمبرس آف کامرس کراچی میں بطور لائبریرین کا کام کیا۔ 8 ستمبر 1993ء کو ایک حادثہ کے نتیجہ میں وفات پا گئے۔
آپ کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے مکرم کاشف بجیل صاحب ابوظہبی میں مقیم ہے۔ دوسرا مکرم عاطف ذیشان صاحب میری لینڈ امریکہ میں جب کی چھوٹے مکرم نوید احمد ملک صاحب اپنی والدہ مکرمہ جمال شمسی صاحبہ کے ساتھ لندن میں مقیم ہے۔
اس وقت آپ کی اولاد میں سے صرف مکرم ملک شریف احمد صاحب برہ پورہ بھاگلپور بہار انڈیا زندہ ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد خاندان کے اکثر لوگ پاکستان چلے گئے۔ ہندوستان میں آپ کے بیٹے مکرم شریف احمد صاحب اور بیٹی مکرمہ عظمہ خاتون صاحبہ کو رہنے کا موقع ملا۔ جنہوں نے والد محترم کی آخری عمر میں بہت خدمت کی۔

حضرت ڈاکٹر ملک محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ؓ کو دوسری بیوی سے ایک بیٹا حضرت ڈاکٹر ملک محمد اسماعیل صاحب اور ایک بیٹی جنت بی بی پیدا ہوئی۔

آپ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ 1923ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے بی۔ ایس۔ سی کی اور اوّل رہنے کے باعث گورنمنٹ سکالرشپ لے کر مزید تعلیم کے لئے انگلستان گئے۔ وہاں Royal ویٹرنری کالج میں داخلہ لیا۔ اس وقت کے مبلغ انگلستان اپنی ایک رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''عزیز ملک محمد اسماعیل خلف ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب مرحوم ٹارقی میں مقیم ہیں۔ اور اپنے مختصر مقام میں تقسیم لٹریچر اور انفرادی گفتگو سے خدمت کرتے ہیں عزیز کو تبلیغ کی دھن ہے۔''

(الفضل 8 فروری 1924 صفحہ 2)

اسی طرح بعض اور رپورٹوں میں بھی آپ کا ذکر موجود ہے۔ انگلستان سے واپسی پر آپ انڈیا میں سرکاری ملازمت میں چلے گئے اور ایک لمبے عرصے تک صوبہ بہار اور اُڑیسہ کے DirectorAnimal Husbandry رہے اور اسی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے۔ آپ نے 18 جون 1972ء کو پٹنہ میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کی اولاد امریکہ میں مقیم ہے۔

آپ کی وفات پر مکرم چوہدری فیض احمد صاحب گجراتی ناظر بیت المال قادیان نے لکھا:

'' یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ محترم ملک محمد اسماعیل صاحب آف پٹنہ 18 جون کو اچانک سانس رک جانے سے وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ملک صاحب مرحوم حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت چلے گئے۔ ولایت سے واپسی پر آپ سرکاری ملازمت میں چلے گئے اور ایک لمبا عرصہ تک صوبہ بہار و اڑیسہ کے ڈائریکٹر اینیمل ہسبنڈری رہے اور اسی پوسٹ سے پینشن پر ریٹائر ہوئے۔

آپ کی شادی بھاگلپور کے محترم مولوی اختر علی صاحب مرحوم کی صاحبزادی مکرمہ میمونہ خاتون

حضرت ملک اسماعیل صاحبؓ

صاحبہ سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے آپ کی پانچ اولادیں بفضلہٖ تعالیٰ زندہ موجود ہیں۔ آپ کے تینوں فرزند الحمدللہ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر ہیں۔ بڑے فرزند مکرم انوار احمد صاحب ملک کراچی کے سول ائرپورٹ کے مینجر ہیں اور چھوٹے دونوں فرزند مکرم داؤد احمد صاحب ملک اومکرم ظفر احمد صاحب ملک امریکہ میں ہیں۔ آپ کی بڑی صابزادی زکیہ بیگم صاحبہ کی شادی حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آباد دکھن کے صاحبزادہ سیٹھ محمود احمد صاحب سے ہوئی جو آج کل امریکہ میں ہیں۔۔۔۔ چھوٹی صاحبزادی عزیزہ صالحہ احمد صاحبہ بی اے کی شادی حیدر آباد دکن کے مشہور مخلص احمدی بزرگ محترم نواب اکبر یار جنگ صاحب مرحوم کے صاحبزادے مکرم نواب زادہ بشیر الدین احمد صاحب سے ہوئی جو دہلی میں ہیں۔

ملک صاحب مرحوم مع اپنی بیگم صاحبہ کے چند سال قبل اپنے فرزندوں اور بڑی بیٹی کی ملاقات کے لئے امریکہ تشریف لے گئے تھے وہیں فالج کا حملہ ہوا لیکن بروقت ڈاکٹری علاج کی سہولتیں میسر آ جانے سے اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ آپ نے ساری عمر اعلیٰ سرکاری ملازمت میں گزاری اور پٹنہ میں پاٹلی پتر کالونی میں آپ کی شاندار کوٹھی بھی موجود تھی اور بھاگلپور میں کافی سکنی جائیداد بھی موجود تھی لیکن قادیان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کی کشش تھی کہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے آپ مستقل طور پر قادیان آکر رہائش پذیر ہونے کا ارادہ کر رہے تھے۔ میرے پاس ان کے کئی خطوط اس سلسلہ میں آئے اور مجھے اس امر سے واقعی مسرت تھی کہ قادیان آکر میرے پاس رہائش اختیار کریں۔ میں نے ایک مرتبہ انہیں لکھا کہ میں تو ایک درویش ہوں اور میرا مکان اور ماحول سارا درویشانہ ہے۔ آپ نے ساری عمر شاہانہ بسر کی ہے۔ آپ سوچ لیں کہ کیا آپ اس ماحول کو برداشت کرلیں گے اس کے جواب مں انہوں نے بڑا پیارا فقرہ لکھا کہ ''میں قادیان میں درویشانہ زندگی بسر کرنے کے لئے آنا چاہتا ہوں۔'' مجھے ان کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ چنانچہ میں گذشتہ سال ان سے ملاقات کئے لئے بیوی بچوں سمیت دہلی گیا۔ جہاں وہ عزیزہ محترمہ صالحہ بیگم کے ساتھ مقیم تھے میں نے پھر اُن پر یہ بات واضح کی کہ میں آپ کے سابقہ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے بھی واقف ہوں آپ قادیان کے چھوٹے سے ماحول میں اپنی بقیہ زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں قادیان کی محبت بس چکی تھی، اُن کا جواب تھا کہ میں اپنے آپ کو تیار پاتا ہوں اور کسی تکلیف کے بغیر تمہارے یہاں درویشانہ زندگی بسر کروں گا البتہ اس سے

پہلے میں اپنے وطن جا کر اپنی جائیدادوں وغیرہ کو ٹھکانہ لگانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ دہلی سے پٹنہ تشریف لے گئے اُن کا ارادہ فروری یا مارچ 1972ء میں قادیان آنے کا تھا لیکن پنجاب کی شدت گرما کے خوف سے یہ ارادہ اکتوبر تک ملتوی کر دیا اور پھر عمر نے وفا نہ کی۔ ملک صاحب مرحوم نے پٹنہ میں وفات پائی اور آپ کی نعش کو فی الحال بھاگلپور میں امانتاً دفن کیا گیا۔ مرحوم کی وفات کی اطلاع ملنے پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی قادیان نے 30 جون کو جملہ درویشوں کی کثیر تعداد سمیت جنازہ غائب پڑھایا اور فرمایا کہ ملک صاحب مرحوم ہمارے ساتھ قادیان میں تعلیم پاتے رہے۔ اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین'

(ہفت روزہ بدر قادیان 6 جولائی 1972 صفحہ 12)

آپ کی مزار بہشتی مقبرہ قادیان میں قطعہ نمبر 9 میں موجود ہے۔ آپ کی مزار پر مندرجہ ذیل تحریر درج ہے۔

مزار الحاج مکرم محمد اسماعیل صاحب ؓ ویٹرنری ڈاکٹر گورمنٹ بہار ولد حضرت ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ؓ ساکن بھاگلپور صوبہ بہار پیدائش 2 فروری 1901ء پیدائشی احمدی صحابی وفات 18 جون 1972ء وصیت یکم جون 1970ء وصیت نمبر 13796 عمر 72 سال بچپن میں اپنے والد کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سایہ تلے حضور کے مکان سے متصل گول کمرہ میں ایام گذارے۔ حضور نے ازراہ شفقت ان کے سر پر کئی بار اپنا ہاتھ پھرایا۔ ابتدائی تعلیم میٹرک تک قادیان سے حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم علی گڑھ و بنارس یونی ورسٹی اور انگلستان سے حاصل کی۔ 1930ء میں فتنہ ارتداد کے فرو کرنے کے لئے علاقہ ملکانہ میں کام کیا۔ آخری عمر قادیان میں گزارنے کی بڑی خواہش تھی۔ حج بدل ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ محمد ایوب میمونہ خاتون بھاگلپور۔

آپ کو قادیان سے بے انتہا محبت تھی اور اس غرض سے آپ نے قادیان میں ''بھاگلپور ہاؤس'' کے نام سے ایک بلڈنگ بھی بنائی تھی۔

اولاد:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ بیٹوں کے نام علی الترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم انور ملک صاحب۔(2) مکرم ظفر ملک صاحب (3) مکرم داؤد ملک صاحب۔تینوں لڑکے وفات پا چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ مغفرت کا سلوک فرمائے۔مکرمہ زکیہ ملک صاحبہ کا انتقال اپریل 2016ء میں ہوا ان کے شوہر مکرم محمود احمد صاحب کئی سال قبل فوت ہو چکے ہیں۔

دوسری بیٹی مکرمہ صالحہ ملک صاحبہ ایک عرصہ تک دہلی میں مقیم رہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی والی عمر عطا فرمائے۔اور انجام بخیر فرمائے۔آپ حضرت ڈاکٹر ملک محمد اسماعیل صاحب کی آخری زندہ اولاد ہیں۔۔شہاب

مکرم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری

اور آپ کے خاندان

کا ذکر خیر
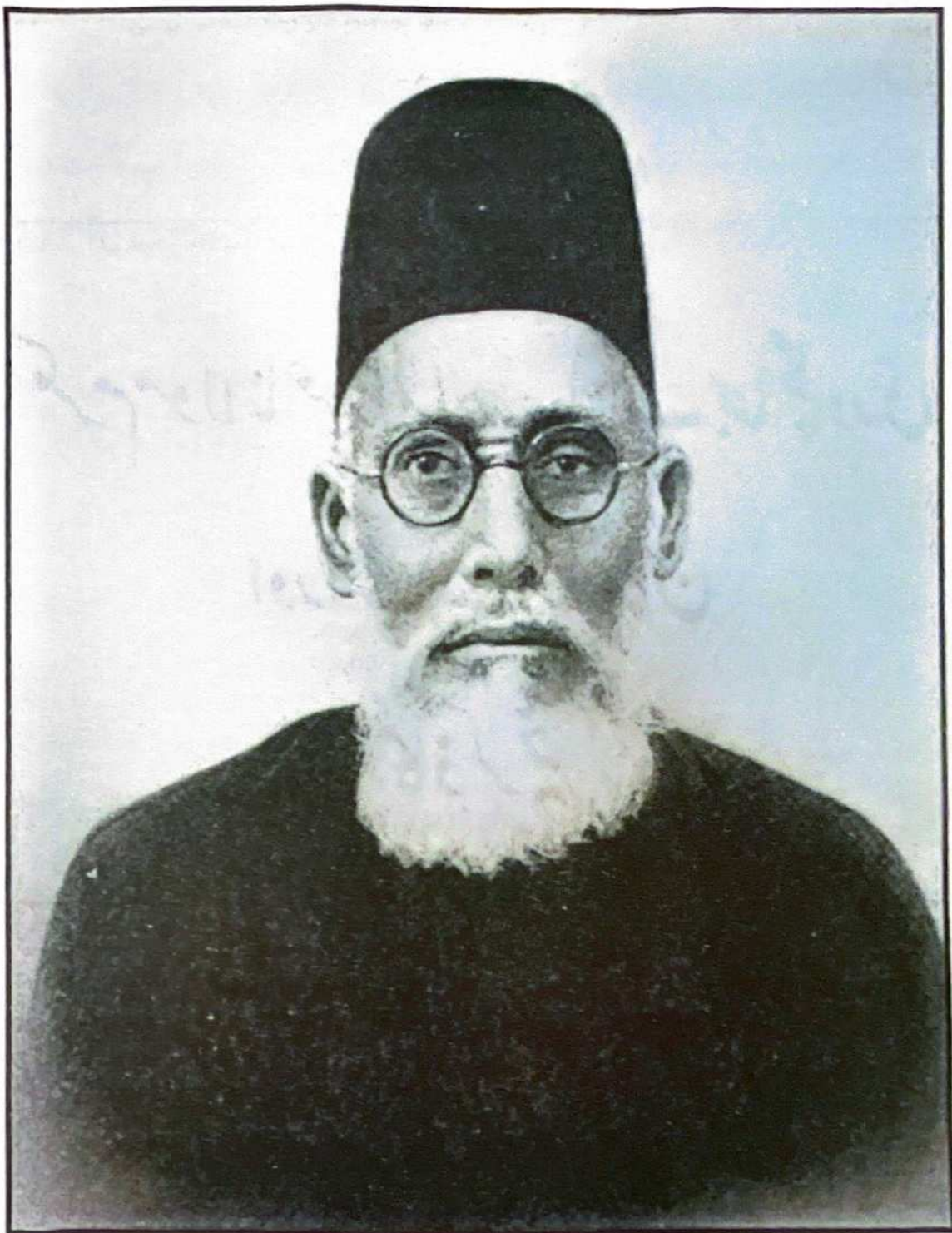
حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری

مکرم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری اور آپ کے بیٹے مکرم عبدالقادر صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے امام الزمان سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کی بیعت کی سعادت نصیب فرمائی اور مکرم عبدالقادر صاحبؓ صحابہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہوئے۔ مکرم سید ابوالفتح محمد عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے برادر نسبتی اور سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری صاحب کی ساری اولاد بلکہ اولاد کی اولاد جماعت کی سچی فدائی ہے۔ اس خاندان نے تاریخ احمدیت کے باب اپنے لہو سے رقم کئے ہیں ۔ یہ خاندان علم وفضل، ذہانت و فطانت ، ذکاوت وشجاعت سچائی اور گہرائی، ایثار وقربانی، وضعداری و مہمانداری، علم وتدبر، عظمت ورفعت ،عزت واحتشام، عاجزی انکسار، فدائیت وجاذبیت، اطاعت ومحبت، عبادت وریاضت ،شرافت نفاست، اندر باہر سے حسین وجمیل، سروقامت، خوش شکل، شرافت ونفاست خوش مزاج اور باغ بہار ہے ۔ محترم عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کے دو پوتوں مکرم پروفیسر عباس صاحب شہید اور پروفیسر ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب شہید ماہر امراض چشم کو شہادت کا مرتبہ نصیب ہوا۔

صوبہ بہار میں احمدیت کی تاریخ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری صاحب کے تذکرہ کے بغیر نامکمل ہے۔ آپ کا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ روحانی وجسمانی رشتہ تھا۔ آپ کی دختر نیک اختر مکرمہ سارہ بیگم صاحبہ کی شادی سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ اپریل 1925ء میں ہوئی تھی۔ آپ سلسلہ کے جید عالم دین، انتہائی فدائی اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم مورخ احمدیت نے آپ کے بارے میں تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 675 میں لکھا ہے کہ:

ولادت 1862.63ء بیعت 1907ء وفات اگست 1945ء

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری نے مڈل اسکول پورینی (ضلع بھاگلپور) سے 1875ء میں مڈل ورینکل کا امتحان پاس کر کے گورنمنٹ اسکالرشپ حاصل کیا۔ درس نظامیہ میں عربی تعلیم کی تکمیل حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی سے کی۔ بعدازاں 1903ء میں علامہ شبلی نعمانی کے ذریعہ (جو مولانا

صاحب کے طالب علمی کے دوست تھے) علی گڑھ کالج میں بعدہ ڈین آف فیکلٹی مقرر ہوئے۔ 1904ء میں بھاگلپور کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے 1938ء میں ریٹائر ہوکر اپنے وطن مالوف پورینی میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی خبر آپ کو مولوی حسن علی صاحب ؓ بھاگلپوری محمڈن مشنری سے ملی تھی۔ داخل احمدیت ہونے کے بعد آپ کو مولوی محمد علی کانپوری ثم مونگیری سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی کتب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں ''مرۃ العربیہ'' ''القواعد'' ''القائے ربانی'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موخرالذکر کتاب مولوی محمد علی صاحب کی کتاب ''فیصلہ آسمانی'' کے جواب میں ہے، ایک بیش قیمت تصنیف اور قابل ذکر چیز ہے۔

حضرت مولوی صاحب کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے آپ کی دختر نیک اختر سارہ بیگم کو اپریل 1925ء میں اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔''

محترم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی سوانح کے ماخذ

محترم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کے حالات زندگی اور خدمات کے متعلق خاکسار کو مندرجہ ذیل مصادر سے مدد حاصل ہوئی ہے۔ ان کی مدد سے خاکسار نے آپ کی زندگی و خدمات کے بارے میں چند باتیں رقم کیں ہیں۔

(1) آپ کی وفات کے بعد اخبار الفضل 23 اکتوبر 1945ء میں آپ کے مختصر حالات زندگی بعنوان ''حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی زندگی کے مختصر حالات زندگی'' شائع ہوئے ہیں۔

(2) محترم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی پڑپوتی محترمہ مریم سکینہ اوسلو نار وے بنت مکرم پروفیسر عباس صاحب بن مکرم عبدالقادر صاحب ؓ نے اپنے والد محترم پروفیسر عباس صاحب شہید کے ذکر خیر میں احمدیہ گزٹ کنیڈہ اپریل 2002 میں صفحہ 13 میں اپنے خاندانی کوائف کا ذکر کیا ہے۔

(3) محترم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کے پوتے مکرم علی صاحب بن مکرم عبدالقادر صاحب ؓ کا لکھا ہوا مضمون بتاریخ 12 جنوری 2007ء۔ یہ مضمون مکرم رقیب السلام صاحب مبلغ سلسلہ نے اپنے مقالہ شاہد جامعہ احمدیہ قادیان بعنوان ''تدوین تاریخ احمدیت بنگال و بہار و آسام (صحابہ کا مکمل سوانح) اور

جماعتوں کے موجودہ حالات‘‘ میں شامل کیا ہے۔

(4) محترم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی پوتی محترمہ عمامہ صاحبہ بنت مکرم پروفیسر عبدالقاد صاحبؓ کا لکھا غیر مطبوعہ مضمون۔

(5) محترمہ ناصرہ بنت ظریف صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب شہید کا لکھا غیر مطبوعہ مضمون

ابتدائی حالات زندگی:

محترم مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی وفات کے بعد اخبار الفضل 23 اکتوبر 1945ء میں آپ کے مختصر حالات شائع ہوئے ہیں۔ اس کے لکھنے والے مکرم محمد احسان الحق صاحب آف بھاگلپور ہیں۔ جن کے پاس محترم مولانا صاحب کی خودنوشت سوانح حیات موجود تھی، چنانچہ وہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

’’مولانا کی خوبیاں تو بہت ہیں مگر ان سب کے بیان کرنے کا اس جگہ نہ موقع ہے اور نہ گنجائش۔ اگر کوئی مقامی انجمن یا دیگر ابنائے وطن مولانا کی سوانح عمری شائع کرنا چاہیں تو ان کی سوانح عمری، جو ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی عاجز راقم کے پاس موجود ہے عاجز راقم سے طلب کر سکتے ہیں۔ محمد احسان الحق آف بھاگلپور‘‘ (اس مضمون میں سب ہیڈنگ خاکسار سید شہاب احمد کی ہیں۔ نیز بعض قابل ذکر امور بھی خاکسار نے از دیاد علم کے لئے درج کئے ہیں۔ 23 اکتوبر 1945ء کے الفضل میں شائع شدہ مضمون کو بنیاد بناتے ہوئے باقی مصادر کی مدد سے اضافے کئے گئے ہیں۔)

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی زندگی کے مختصر حالات

خاندانی پس منظر:

محترمہ مریم سکینہ اوسلوناروے اپنے پڑدادا حضرت مولانا عبدالماجد صاحب کے بارے میں لکھتی ہیں:

’’آپ کے آباء واجداد بخارا سے مغل بادشاہ جہانگیر کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ پہلے پہل آپ کے آباء نے ملتان کو اپنا وطن بنایا کچھ عرصہ بعد خاندان کے کچھ لوگ آگے چلے گئے اور صوبہ بہار کو اپنا وطن بنایا۔‘‘

محترمہ عمامہ صاحبہ بنت عبدالقادر صاحبؓ اپنی پڑدادی (والدہ مولانا سید عبدالماجد صاحب) کے بارہ میں تحریر کرتی ہیں کہ

''میرے والد صاحب کی دادی صاحبہ جو کہ ہماری نانی جان کی بھی اور دادا جان کی بھی والدہ ماجدہ تھیں۔ میرے ابا جان اکثر بڑی محبت سے اُن کو یاد کرتے تھے اور نانی صاحبہ مرحومہ بھی بتایا کرتیں تھیں کہ ان کی والدہ جمگاؤں کے منشی زکی الدین صاحب کی بڑی صاحبزادی کی بیٹی تھیں۔ اُن کی کئی بہنیں تھیں۔ اُن میں سے ایک پروفیسر علی احمد صاحب کی والدہ بھی تھیں۔ میرے دادا صاحب اور علی احمد دادا اور مولوی حسن علی بھاگلپوری تینوں ہمعصر تھے۔ اکثر اکٹھے نظر آتے تھے۔

ہمارے دادا جان کی والدہ اور علی احمد دادا کی والدہ جب سورج گرہن رمضان مہینے میں ہوا تو ہماری نانی صاحبہ کی روایت کے مطابق وہ بتاتی ہیں کہ صحن میں دھوپ میں شلہ میں پانی رکھ کر سب خواتین نے سورج گرہن ملاحظہ فرمایا۔ جب مکمل سورج گرہن ہوا تو والدہ ماجدہ عبدالماجد صاحب اور والدہ ماجدہ علی احمد صاحب سجدہ میں گر گئیں اور پھر سلام پھیرنے کے بعد سب خواتین کے سامنے والدہ عبدالماجد صاحبہ نے اعلان کر دیا کہ کوئی مانے یا نہ مانے کہیں نہ کہیں امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گیا۔ اور تم سب گواہ رہنا میں ایمان لے آئی۔ اس وقت تک بہار میں اس قسم کا کوئی چرچا نہ تھا لیکن چونکہ مولوی گھرانہ ہونے کے باعث وعظ نصیحت قرآن حدیث کی باتیں ہوتی تھیں اُن کو علم تھا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث میں آیا ہے کہ مقررہ تاریخوں میں چاند اور سورج گرہن لگے گا وہی زمانہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا ہوگا۔ افسوس اُن کی وفات تک ہمارے علاقہ میں ظہور مہدی کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔''

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ سابق مہتہ ہریش چند اپنی سوانح میں بیان کرتے ہیں کہ جب وہ ہندو ہونے کی حالت میں ایک اسکول کے طالب علم تھے اس اسکول کے ایک مسلمان ٹیچر نے کلاس کے سامنے بیان کیا کہ گرہن کا نشان پورا ہو چکا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے۔ اس بات کا بھائی عبدالرحمٰن قادیانیؓ صاحب پر یہ اثر ہوا کہ اس مذہب کے سچا ہونے میں کیا شک ہے جس کی بتلائی ہوئی پیشگوئی تیرہ سو سال بعد پوری ہوئی۔ پھر بفضلہ وہ مسلمان ہوئے لیکن افسوس علماء پر کہ اُن کی اکثریت نے اس نشان کہ پورا ہونے پر کہا کہ یہ حدیث غلط ہے۔

پیدائش و تعلیم:

حضرت مولوی عبدالماجد صاحب کی پیدائش 1279 یا 1280 ہجری بماہ جمادی الثانی بروز پنج شنبہ ہوئی۔ چار سال کی عمر میں آپ کو مکتب بٹھایا گیا۔ کچھ دن بستی کے مشہور استادوں سے پڑھنے کے بعد پورینی کے مڈل اسکول میں داخل کئے گئے۔ 1875ء میں وہاں سے مڈل وینکوور پاس کرکے گورنمنٹ کی اسکالرشپ حاصل کیا اور پھر گورنمنٹ ضلع اسکول میں داخل ہو گئے۔ مگر ایک سال کے بعد آپ نے انگریزی پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور عربی پڑھنے لگ گئے۔ ان کے اس فعل سے والد صاحب مرحوم بڑے ناخوش ہوئے مگر جب ایک سال کے بعد مولانا مرحوم نے علم عربی میں کافی اور امید افزا ترقی کی تو ان کے والد صاحب کی ناخوشی مبدل بہ خوشی ہوگئی۔ اور پھر وہ برابر اپنے فرزند دلبند کے معین و مددگار ہو گئے۔ مولانا نے ابتدا میں عربی تعلیم اپنی ہی بستی میں مولوی علی حیدر خان صاحب لکھنوی و مولوی حفیظ الدین صاحب سے حاصل کی اس کے بعد بغرض تعلیم مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سند تکمیل عربی درس نظامیہ حاصل کی۔ بعد تحصیل علوم دینیہ جب مولانا مرحوم اپنے وطن واپس آئے تو ان کے والد صاحب اور دیگر رشتہ دار بہت خوش ہوئے کیونکہ بستی میں مولانا پہلے شخص تھے جنہوں نے مطابق درس نظامیہ سند فضیلت حاصل کی تھی۔

محترمہ اُمامہ صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ

”ہمارے دادا جان مولانا عبدالماجد بھاگلپوری صوبہ بہار کے مضافات میں اپنی خاندانی زمینوں پر پوری برادری کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ کی تین ہمشیرگان تھیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم خاندانی مدرسہ نظامیہ میں ہوئی۔ ابتدائی زمانہ انگریزوں کا تھا اور انگریزی تعلیم کی مولویوں کی طرف سے شدید مخالفت کے باوجود ابتدائی تعلیم کے بعد اُن کے والد عبدالواحد صاحب نے بھاگلپور شہر کے انگریزی اسکول میں داخلہ کرا دیا وہاں پر کچھ عرصہ رہنے کے بعد اُن کا دل اسکول کی پڑھائی میں نہ لگا تو گھر واپس آ گئے کہ آگے انگریزی نہیں پڑھنی۔ چنانچہ علوم مروجہ کی تکمیل کے لئے والد صاحب نے ان کو فرنگی محل کے مدرسہ لکھنؤ میں مولانا عبدالحئی صاحب کے پاس روانہ کر دیا وہاں وہ کافی عرصہ رہ کر تعلیم عربی فارسی میں تمام علوم حاصل کرتے رہے۔ مکمل مولانا دستار بند ہو کر سند یافتہ بن کر اپنے وطن واپس آ گئے“

محترمہ مریم سکینہ اوسلونا روے لکھتی ہیں:

''پردادا جان حضرت مولانا عبد الماجد صاحب بے حد منکسر لمزاج اور اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ علی گڑھ کالج کے اوّلین اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اس عزت وشرف کے باوجود آپ کو اپنے رتبے اور شہرت پر فخر نہ تھا۔ آپ کا نام نامی علی گڑھ کے سٹریچی ہال میں رقم ہے۔ انجمن حمایت اسلام کے بہترین مقررین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن آپ نے اپنی تمام دنیاوی شہرت وعزت کو کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے آپ کو اپنے پیارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام کے در پر قربان کر دیا۔''

<u>صلاحی کام:</u>

مولانا مرحوم لکھنو سے سند فضیلت حاصل کر کے اپنے وطن مالوف پہنچے۔ تو بہت سی اصلاحیں اپنے ساتھ لائے جن کو اپنی بستی میں اور خاص کر اپنے رشتہ داروں میں رائج کیا۔ تیرھوں صدی کا زمانہ ایک انتہائی ظلمت وتاریکی کا زمانہ گذرا ہے۔ اسلئے مولانا کے وطن کے لوگ بھی طرح طرح کے شرک و بدعات میں گرفتار تھے اس زمانہ میں اس اطراف کے شرفاء میں نکاح بیوگان کو بہت معیوب سمجھا جاتا تھا اور چونکہ لوگوں کو اپنی شرافت پر بے جا ناز تھا نکاح بیوگان کو باعث ذلت اور انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مولانا مرحوم نے نکاح بیوگان کو رواج دینے میں پوارا زور لگایا، اس قابل تحسین کام میں پہلے تو لوگوں نے مولانا مرحوم کی مخالفت کی پھر آہستہ آہستہ جو لوگ مخالف تھے ضرورت زمانہ سے مجبور ہو کر اس سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کو مجبور ہو گئے اور الحمدللہ اس بستی میں شرفاء میں بھی نکاح ثانی کا رواج عام ہو گیا۔ اس سنت نبوی کو پھر سے زندہ کرنے کا سہرا مولانا مرحوم کے سر رہا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اس کے عوض اپنے حضور بہتر سے بہتر جزا دے۔

اس بستی میں عیدین کی نماز کے لئے کوئی عید گاہ نہ تھی۔ عید کی نماز لوگ اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھا کرتے تھے مولانا نے اس خیال سے کہ عید کی نماز ساری بستی کے لوگ سنت نبوی کے مطابق ایک ہی جگہ پر پڑھنی چاہئے بامداد اپنے ایک چچازاد بھائی جو کہ خود ذی علم اور دیندار تھے ایک عید گاہ قائم کی۔ اس موقع پر بھی لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور عید گاہ میں صرف مولانا کی برادری کے لوگ نماز پڑھتے رہے جب تک کہ غیر احمدیوں نے عدالت میں احمدیوں کے خلاف مقدمہ دائر نہیں کر دیا۔ بعد

دائر کرنے مقدمہ غیر احمدیوں نے عیدگاہ پر اپنا قبضہ کرلیا۔ اور احمدیوں نے اپنی عیدگاہ الگ قائم کرلی۔ مولانا نے بیاہ شادی کی بے جا رسوم کی بھی اصلاح کی۔ اور جب اپنی چھوٹی بہن کی شادی عاجز راقم (احسان الحق صاحب بھاگلپوری مراد ہیں۔شہاب) سے کی تو بالکل شرعی طریق سے جس سے بستی کے لوگوں پر اچھا اثر ہوا۔ اور اس طور سے اپنے گھر سے نمونہ قائم کیا۔ جو لوگوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوا اور اسے اکثر لوگوں نے اختیار کیا۔

حصول معاش:

بعد فراغت تحصیل علم مولانا مختلف اشغال میں مصروف رہے، بلآخر 1903 میں علامہ شبلی کے ذریعہ جو مولانا کے طالب علمی زمانے کے دوست تھے۔ علی گڑھ کالج میں ڈین مقرر ہوئے۔ پھر بعدہ 1904ء میں بھاگلپور کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور اس عہدہ سے 1931ء میں ریٹائرڈ ہوکر وطن مالوف موضع پورینی میں مستقل رہائش اختیار کی۔ جہاں سے ماہ دسمبر 1944 قادیان دار الامان کے لئے روانہ ہوئے۔

قابل مصنف وشاعر:

مولانا جب لکھنؤ میں علوم دینیہ حاصل کرنے میں مشغول تھے تو ساتھ ساتھ علم طب بھی پڑھا کرتے تھے اور فن طبابت میں حکیم عبدالحکیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ مولانا کو شعر و شاعری میں بھی دخل تھا اردو فارسی کے اشعار عمدہ کہہ لیا کرتے تھے۔ اردو کی شاعری میں جناب امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ جیسا کہ اُن کی سوانح عمری سے جو انہوں نے خود لکھی ہے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ اسی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ فارسی کے اشعار کو کسی سے دکھلانے کا موقعہ نہیں ملا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے جن میں ''مراۃ العربیہ'' اور ''القواعد'' اس مختصر مضمون میں قابل ذکر ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ آپ کو احمدیت میں داخل ہونے کے بعد مولوی محمد علی کانپوری ثم مونگیری سے سخت مقابلہ کرنا پڑا اور مولوی محمد علی کے رسالہ جات کا جوانہوں نے سلسلہ احمدیہ کے خلاف لکھے تھے جواب دینا پڑا اس سلسلہ میں آپ کی تصنیف موسوم ''القائے ربانی'' جو مولوی محمد علی کی ایک کتاب فیصلہ آسمانی کے جواب میں ہے ایک بیش بہا تصنیف اور قابل قدر چیز ہے۔

کامیاب مناظر

آپ کو بہار کے احمدیوں میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔لمبا عرصہ آپ کو امیر جماعت احمدیہ بہار کی حیثیت سے خدمت کی توفیق ملی ۔ بہار میں خانقاہ رحمانیہ کے مولوی محمد علی اور اُن کے چیلے چانٹے احمدیت کی مخالفت میں پیش پیش رہتے تھے۔ آپ کو مختلف اوقات میں اُن سے اور دیگر مخالفین سے تحریری اور زبانی مباحثہ ومناظرہ کرنے کا موقع ملا۔ آپ کے ایک مباحثہ کی روئیدا اخبار الفضل میں شائع ہوئی ہے۔ وہ احباب کے استفاذہ کے لئے درج کی جاتی ہے۔

اخبار الفضل بعنوان ''قصبہ پورینی بھاگلپور میں مباحثہ'' کے تحریر کرتا ہے۔

''جناب مولوی علی احمد صاحب ایم اے بھاگلپور سے اطلاع دیتے ہیں کہ حال میں مولوی منعم صاحب اور پورینی کے چند اور لوگوں نے اشتہار دیا کہ مونگھیر کے مقدمہ کے فیصلہ کی خوشی میں مجلس میلاد کی جائے گی۔ اور مرزا صاحب کے خلاف تقریریں بھی کی جائیں گی۔ جس کا جواب احمدیوں کی طرف سے اشتہار ہی کے ذریعہ دیا گیا۔ ہولی کی تعطیل میں ان کا جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ایک غیر احمدی مولوی صاحب نے کچھ بے سرو پا اعتراضات کئے۔ اس لیکچر کے نوٹ لئے گئے۔ اور ان لوگوں کو کہلا بھیجا گیا کہ ہمیں ان اعتراضوں کے جواب کا موقعہ دیا جائے۔ دیر تک نامہ و پیام ہونے کے بعد مولانا عبدالماجد صاحب کے مکان پر غیر احمدی لوگوں اور ان کے علماء کا ایک گروہ آیا۔ ان میں ایک صاحب مولوی عبداللہ تھے۔ جنہوں نے وہاں تقریر کی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ اپنے اعتراضات دہرائیں۔ انہوں نے اعتراضات پیش کئے۔ ہماری طرف سے مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہ نے ان کے جوابات دئے۔ دونوں طرف سے تقریریں ہوئیں اور یہ قرار پایا کہ کل مغرب کی نماز کے بعد بحث ہو۔ غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر النجم اور احمدیوں کی طرف سے مولانا عبدالماجد صاحب مناظر مقرر ہوئے۔ دوسرے دن جلسہ منعقد ہوا۔ مولوی عبدالشکور صاحب نے اعتراضات کئے۔ جن کے جوابات مولانا عبدالماجد صاحب نے نہایت متانت وسنجیدگی سے دینے شروع کئے۔ اور کئی لوگ ہمہ تن توجہ سے سن رہے تھے۔ مولوی عبدالشکور صاحب نے دیکھا کہ اگر یہی حالت رہی تو ان کا رنگ نہیں جمے گا۔ اس لئے انہوں نے

تیسری تقریر میں متانت سے گرا ہوا طرز اختیار کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بُرا بھلا کہنا اور عوام کو ابھارنا شروع کیا۔ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب نے اس کا جواب شروع ہی کیا تھا کہ ان کی طرف سے جلسہ برخواست کر دیا گیا۔ اس پر ہماری طرف سے کہا گیا کہ اگر آپ کا یہی طرز احقاق حق و ابطال باطل کے لئے ہے تو آئندہ کبھی بغیر تصفیہ شرائط بات چیت شروع نہیں کی جائے گی۔

دوسرے دن مخالفوں نے اپنا الگ جلسہ کیا۔ جس میں احمدیوں کے خلاف بہت کچھ کہا گیا۔ ان سے ہر قسم کے معاملات لین دین کام کاج غرض ہر قسم کے معاملات کرنے سے لوگوں کو منع کیا گیا۔

خدا تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ دے کہ خدا تعالیٰ کے بندوں کی دل آزاری کا موجب نہ بنیں۔

(الفضل 3 اپریل 1917ء صفحہ 2)

بڑا کارنامہ:

مولانا کا ایک بڑا کارنامہ سنتھال پرگنہ کے چند موضوعات جو کہ بھاگلپور ضلع سے ملحق ہیں اور جہاں بیسیوں دیہات ایک برادری کے آباد ہیں۔ مولانا کے اوائل زمانی میں وہاں ایک سنتھال نکلا۔ اپنی سحر بیانی اور دلفریب باتوں سے اس اطراف کے مسلمانوں کو جو اس وقت محض بے علم تھے اپنی طرف مائل کرنے اور اس طور سے مشرک بنانے میں کامیاب ہو چلا تھا کہ مولانا مرحوم کو خبر ہوئی اس خبر کے پاتے ہی مولانا وہاں جا پہنچے اور اپنا ڈیرہ جما لیا۔ اور اپنے وعظ و نصیحت سے وہاں کے مسلمانوں کو قعر ضلالت میں گرنے سے بچا لیا۔ ہم سے یہ واقعہ وہاں کے بوڑھے بوڑھے لوگوں نے خود بیان کیا اور اقرار کیا کہ اگر مولانا مرحوم وقت پر نہ پہنچتے تو ہزاروں مرد خدا اور خاص کر امت محمد ﷺ گمراہ ہو جاتی اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اس عظیم الشان کام کا اجرا اپنے پاس سے عطا فرمائے۔

آپ کی پوتی محترمہ عمامہ صاحبہ بنت محترم سید عبد القادر صاحبؓ تحریر کرتی ہیں کہ

’’آپ کافی عرصہ تک وعظ و نصیحت دین کی ترویج اور تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے وعظ و نصیحت کے شائقین بہت تھے۔ بہار کے مختلف علاقہ جہانگیر آباد بنگال کے علاقہ میں کافی عقیدت مندوں کی تعداد تھی۔‘‘

بیعت امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام:

مولانا کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خبر حضرت حسن علی صاحب محمڈن مشنری سے ملی تھی جن سے مولانا کو بوجہ ان کی دینی خدمات بڑی محبت تھی۔ مولانا بغرض شرکت جلسہ سالانہ انجمن حمایت اسلام 1306ھ لاہور گئے اس موقعہ کو غنیمت جان کر واپسی پر عازم قادیان ہوئے۔ چونکہ بٹالہ راستہ میں پڑتا تھا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ان کے سابق کے شناسہ تھے اس لئے ان کے پاس دو ایک روز ٹھہرے اور وہاں سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے مجبور کرنے پر قادیان جانے کی بجائے واپس مکان آگئے اس کا قلق مولانا مرحوم کو اس قدر تھا کہ الفاظ میں اس کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے مگر چونکہ مجمع جمیع اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قلق کو ضائع نہ ہونے دیا اور اپنے مرسل صادق کی غلامی میں آنے کا شرف 1907ء میں نصیب فرمایا۔ اور پھر ان کی دختر نیک ختر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت امیر المومنین کی زوجیت کا شرف بخشا۔ جو ان کے سارے خاندان کے لئے باعث فخر ہوا۔

این سعادت بروز باو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک وضاحت:

23 اکتوبر 1945ء کے الفضل میں جہاں محترم مولانا موصوف کے حالات زندگی شائع ہوئے ہیں وہیں محترم مولانا موصوف کے امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات و بیعت کے ذکر سے درج ہے کہ آپ غالباً 1902ء میں بٹالہ تک زیارت و ملاقات کے لئے آئے تھے لیکن محمد حسین بٹالوی کے ورغلانے پر بٹالہ سے واپس چلے گئے بعدہ 1907ء میں بیعت کی۔ اسی حوالہ سے محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم مورخ احمدیت نے تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 675 میں 1945ء میں وفات پانے والے جلیل القدر صحابہ کرام میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

لیکن ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آپ نے بذریعہ خط سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔ آپ کو بالمشافہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا تھا۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی بیعت کے خط کو دستی قرار دیا۔

اس سلسلہ میں آپ کی پوتی محترمہ اُمامہ صاحبہ بنت محترم پروفیسر عبدالقادر صاحبؓ اپنے دادا جان مولانا صوحب موصوف کے بارے میں تحریر کرتی ہیں کہ

'' غالباً 1902ء میں جب کہ امام مہدی علیہ السلام کا چرچا ہوا اور ہمارے والد صاحب (مکرم عبد القادر صاحبؓ۔ ناقل) جوان دنوں عبداللہ ٹونکی کے مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اُن کو اطلاع ملی کہ امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے۔ والد صاحب نے دادا جان کو خط لکھا۔ تو اُن کو دادا جان نے جواب لکھا کہ قادیان قریب ہے جا کر معلوم کرلو اور مجھے بھی لکھ بھیجو۔ اسی عرصہ میں خود (مولانا عبدالماجد صاحب) ایک مولانا عبدالغفور صاحب کے ساتھ قادیان کے سفر کے لئے روانہ ہو گئے۔ لیکن بدقسمتی سے بٹالہ اسٹیشن پر مولوی محمد حسین بٹالوی سے ملاقات ہوگئی اور آپ نے غفار صاحب کے بہکاوے میں آ کر بٹالہ سے ہی واپسی کا سفر کیا۔ غفار صاحب نے کہا کہ اتنے بڑے مولانا (محمد حسین بٹالوی) کہہ رہے ہیں تو ہم واپس جاتے ہیں۔ اُن کے ساتھ دادا جان بھی واپس آ گئے اور دیدار نصیب نہ ہوا اور ساری زندگی غم کھاتے رہے۔ دوبارہ آنا بھی نصیب نہ ہوا۔ یہاں آ کر حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھ کر داخل بیعت ہو گئے اور ملاقات نہ ہونے پر اظہار غم کیا۔ اور ساری زندگی آبدیدہ رہے۔ حضور علیہ السلام نے خط کا جواب اپنے حروف میں دیا کہ آپ یہاں آ کر واپس چلے گئے اور ملاقات نہ ہو سکی افسوس لیکن سمجھیں کہ آپ کی بیعت گویا دستی ہوگئی۔''

آپ مزید لکھتی ہیں کہ

'' مجھے یاد ہے کہ وہ خط ہمارے بزرگوں کے پاس تھا لیکن پارٹیشن کی بھاگ دوڑ میں ساری نشانیاں ضائع ہو گئیں۔ بیعت کے وقت دادا جان علی گڑھ کالج میں پڑھاتے تھے۔ بعد میں بھاگلپور شہر میں کالج بن گیا تو پھر اُدھر ہی آ گئے۔ آخری عمر میں قادیان تشریف لے گئے۔''

آپ کے پوتے محترم علی صاحب ابن محترم عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں کہ

'' دادا جان کی بیعت 1907ء میں بذریعہ خط ہوئی۔ جس کو منظور کرتے ہوئے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اس بیعت کو دستی تصور کریں۔''

تجدید بیعت

اسلام کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کا اقرار

(مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کی تجدید بیعت)

24رمئی 1927ء کے الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا جو خطبہ جمعہ شائع ہوا ہے اور جس میں حضور نے ساری جماعت کو یہ تحریک فرمائی ہے کہ وہ بھی ان لوگوں کے نقش پر چلیں جو گزشتہ مجلس مشاورت میں شامل ہونے والے نمائندوں نے قائم کیا ہے یعنی اسلام کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کا اقرار کیا ہے۔اس خطبہ کو پڑھ کر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپور نے جو خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت بھیجا ہے۔وہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

سیدی حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ۔السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔اما بعد اخبار الفضل مندرج 6رمئی 1927ء میں حضور کا جو خطبہ جمعہ شائع ہوا ہے۔اس نے دل پر ایک گہرا اثر کیا اور بے اختیار جوش پیدا ہوا ہے کہ میں بھی صحابہ کرامؓ کی اُس سنت پر عمل کروں۔کیونکہ جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ خاص خاص امور میں تجدید بیعت یعنی تازہ وعدہ ضرور بالضرور تازہ احساس پیدا کرتا ہے۔بالکل راست و درست ہے۔

میرے آقا بذریعہ ہمارے نمائندہ کے جو فرائض ہم پر عائد ہیں۔ان کا اعتراف کرتے ہوئے خدا کو حاضر ناضر جانتے ہوئے آپ کے دست مبارک پر اس امر خاص کے متعلق تجدید بیعت کرتا ہوں۔یعنی تازہ وعدہ کرتا ہوں کہ اسلام کی ترقی کی راہوں میں جو روکیں ہیں۔ان کے دور کرنے کیلئے جس قسم کی قربانی کی بھی جو ضرورت پڑے گی۔اس سے دریغ نہیں کرونگا۔حضور اس بیعت کو قبول فرمائیں اور دعائے استقامت فرمائیں۔

والسلام

(حضور کا ادنیٰ خادم عبدالماجد)

(الفضل مورخہ:24رمئی 1927ء)

خدمات:

آپ کومختلف رنگ میں جماعتی خدمات کی توفیق ملی۔آپ کواللہ تعالیٰ نے امیر جماعت احمدیہ بھاگلپور کے طور پر خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ الفضل میں درج ہے۔

بھاگلپور میں تمام فرقوں کے مسلمانوں کا جلسہ (گورنمنٹ بہار کا شکریہ)

''مسلمانان بھاگلپور کا ایک بہت بڑا جلسہ جو سنی،شیعہ،احمدی،اہلحدیث اور دیگر تمام مسلمان فرقوں اور جماعتوں کے افراد پر مشتمل تھا۔22/جولائی 1927ء خلیفہ باغ مسجد میں زیر صدارت جناب شاہ فتح عالم صاحب سجادہ نشین منعقد ہوا۔حاضرین جلسہ کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی۔مولانا شاہ فتح عالم صاحب نے خطبہ صوارت پڑھا اور مولانا عبدالماجد صاحب پروفیسر لوکل کالج وامیر جماعت احمدیہ بھاگلپور۔مولانا حکیم خلیل احمد صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ مونگھیر مسٹر سید ابوالحسین بیرسٹر مولانا جمال الدین خان بی۔اے،مولوی عبدالعظیم خان اور مولانا علی احمد ایم۔اے پروفیسر ٹی۔این کالج نے تقریریں فرمائیں۔

(بذریعہ تار)(الفضل مورخہ:29/جولائی 1927ء)

آپ کے زیر امارت بھاگلپور کی جماعت نے دن دُگنی اور رات چُگنی ترقی کی۔سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے جید صحابہ کرام کی بھاگلپور میں آمد اور کامیاب جلسوں کا انعقاد اس دور کی تاریخ میں جابجا نظر آتا ہے۔اسی طرح کے ایک جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے مشہور صحابی ومبلغ احمدیت حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ اپنی کتاب میں کرتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

بھاگلپور میں تائید الٰہی کا کرشمہ:۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت ہندوستان کے دورہ کے لئے چار افرد پر مشتمل ایک وفد بھیجا گیا جس میں خاکسار راقم مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مہاشہ محمد عمر صاحب اور گیانی عباداللہ صاحب شامل تھے۔ہم پہلے کلکتہ گئے،وہاں سے ٹاٹا نگر جمشید پور ہوتے ہوئے کیرنگ پہنچے۔

(حیات قدسی،صفحہ:24،جلد۔سوم)

اسی طرح ہمارا یہ وفد جب بھاگلپور میں پہنچا تو مقامی جماعت کی طرف سے ایک جلسہ منعقد کر کے

ہمارے لیکچروں کا انتظام کیا گیا۔ جلسہ کا پنڈال ایک سرسبز وشاداب اور وسیع میدان میں بنایا گیا۔ حضرت مولوی عبدالماجد صاحبؓ وہاں کے امیر جماعت تھے۔ آپ کے انتظام کے ماتحت کرسیاں میز اور دریاں قرینہ سے لگائی گئیں حاضرین کی تعداد بھی کافی ہوگئی۔ ابھی جلسہ کا افتتاح ہی ہوا تھا کہ ایک کالی گھٹا جو برسنے والی تھی مقابل کی سمت سے نمودار ہوئی اور کچھ موٹے موٹے قطرات بارش گرنے بھی شروع ہو گئے۔ میں اس وقت اسٹیج کے پاس حضرت مولوی ابوالفتح پروفیسر عبدالقادر صاحب کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا ۔ میرے قلب میں اس وقت بارش کے خطرہ اور تبلیغی نقصان کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک جوش بھر گیا اور میں نے اس جوش میں الحاح اور تضرع کے ساتھ دعا کی کہ اے خدا! یہ ابر سیاہ تیرے سلسلہ حقہ کے پیغام پہنچانے میں روک بننے لگا ہے اور تبلیغ کے اس ذریں موقعہ کو ضائع کرنے لگا ہے تو اپنے کرم اور فضل سے اس امنڈتے ہوئے بادل کو برسنے سے روک دے اور اس کو دور ہٹا دے۔

چنانچہ جب لوگ موٹے موٹے قطرات کے گرنے سے اِدھر اُدھر ہلنے لگے اور بعض لوگوں نے فرش کو جو نیچے بچھایا ہوا تھا لپیٹنے کی تیاری کر لی تو میں نے اس سے منع کر دیا اور لوگوں کو تسلی دلائی کہ وہ اطمینان سے بیٹھے رہیں بادل ابھی چھٹ جائے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ وہ بادل جو تیزی سے امنڈا چلا آتا تھا۔ قدرت مطلقہ سے پیچھے ہٹ گیا اور بارش کے قطرات بھی بند ہو گئے اور ہمارا جلسہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل کے ماتحت کامیابی کے ساتھ سرانجام ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك۔

(حیات قدسی، صفحہ:25، جلد۔سوم)

جذبہ تبلیغ:

مکرم علی بن پروفیسر عبدالقادر صاحبؓ اپنے داداجان کی تبلیغی کوششوں کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ ''وہ حلقہ اشاعت جو میرے داداجان مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کے زیر اثر تھا۔ داداجان کے قریبی عزیزوں میں ایک تو میرے نانا جان مکرم احسان الحق صاحب کا ذکر ضروری ہے۔ یہ سرکاری ملازم تھے اور سیشن کی عدالت کے سررشتہ دار تھے۔ اس زمانے کے سرکاری ملازم بیک زبان گواہی دیتے تھے کہ احمدی ملازمین کا کردار مثالی ہے۔

مکرم حکیم عبداللطیف جو کہ میرے داداجان کے سگے خالہ زاد تھے، کی بیعت بذریعہ خط 1907ء

میرے داداجان کے ساتھ ہی منظور ہوئی۔ مکرم حکیم صاحب حسب دستور کھیت اور زمین کو دیکھتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ گاؤں کے مڈل اسکول میں تعلیم کا سلسلہ جاری تھا۔

ان کے علاوہ داداجان کی تینوں بہنوں مکرمہ سیدہ دقیقۃ النساء صاحبہ، مکرمہ سیدہ افضلت النساء صاحبہ (نانی جان) اور مکرمہ سیدہ وثیقت النساء کا سارا کنبہ بھی جماعت میں داخل ہوا اور الحمدللہ آج تک جماعت سے رشتہ قوی اور مضبوط ہے۔

وفات:

محترم مولانا صاحب نے قادیان میں بتاریخ 3 اگست 1945ء اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آپ کی پوتی محترمہ عمامہ بنت مکرم عبدالقادر صاحبؓ تحریر کرتی ہیں کہ

''آپ کے جنازے کو آپ کے داماد (سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ) نے بھی کندھا دیا اور آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان میں ہوئی۔ آپ کی مزار میں مندرجہ ذیل تحریر بزبان اردو و انگریزی درج ہے:

مزار محترم مولوی سید عبدالماجد صاحب ولد محترم سید عبدالواحد صاحب عمر 85 سال وصیت نمبر 782

مولانا کا ذکر خیر کرتے ہوئے الفضل 16 اکتوبر 1945 کو مکرم افضال احمد صاحب بھاگلپوری لکھتے ہیں کہ:

حضرت مولوی صاحب موصوف 3 اگست 1945ء کو وفات پا کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ مولانا موصوف سر سے کمر تک اور گھٹنے کے درد کی وجہ سے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے اور پیشاب کرتے وقت جلن ہوا کرتی تھی جو بعض اوقات بہت شدت پکڑ جاتی تھی۔ آپ فارسی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے ۔

سرنوشت ما بدست خود نسشت

خوشنویس است و نخواہد بدست

ایسی حالت میں جب آپ اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے ہمیشہ خواہش ظاہر فرماتے کہ میری جیب میں کچھ روپے ضرور ہونے چاہییں تا کہ کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرسکوں اور ایسا ہی ہوتا رہا۔

آپ خوشبو اور کپڑے کی صفائی اور کمرے میں خوشبو وغیرہ جلانے کا اور خوردنی اشیاء اور کھانے کے برتنوں کی پاکیزگی کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اگر کسی پھل میں ذرا سا بھی داغ لگا ہوتا یا کھانے کی چیزوں میں کوئی معمولی سا نقص ہوتا تو نہ کھاتے اس لئے آپ کے لئے کھانا بہت ہی احتیاط سے تیار کرایا جاتا دونوں وقت باورچی خود آکر آپ کے کھانے کے لئے دریافت کرتا اور بڑے اہتمام سے کھانا لاتا۔

آپ لیٹے لیٹے بھی نماز ادا کرتے۔ دعا پر اس قدر بھروسہ تھا اور اس سے قدر لذت حاصل کرتے تھے کہ جب حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کسی خاص مجبوری کی وجہ سے دعا کے لئے تشریف نہ لاتے تو کئی بار دریافت فرماتے کہ مفتی صاحب کیوں نہیں آئے؟

حضرت مفتی صاحب ہر روز بعد نماز فجر اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ خاص کر حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری مولانا موصوف کی تیمارداری اور دعا کے لئے تشریف لاتے اور اسی طرح بعد نماز عصر منشی محمد اسماعیل صاحب سیالکوٹی بھی بلاناغہ دعا کے لئے آتے۔ مولانا موصوف ان کی صبح شام کی دعاؤں سے بہت متاثر ہوتے اور فرماتے کہ ایسی خوش نصیبی سوائے دارالامان کے اور کہاں حاصل ہوسکتی تھی۔ آپ کے اہل بیت کے بعض ممبر اور قادیان کے بعض دیگر بزرگ بھی تیمارداری اور دعا کے لئے تشریف لاتے اور مولانا موصوف اس امر کی شکرگزاری خدا تعالیٰ کے حضور اکثر کرتے رہتے۔

پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب جو آپ کے پوتے ہیں۔ انہوں نے آپ کی تیمارداری ایسے رنگ میں کی جیسا کہ تیمارداری کا حق ہے۔ اس نوجوان نے تیمارداری میں کبھی تھکن محسوس نہیں کی اور آخری دم تک اپنے داد کے پاس رہنے کی توفیق پائی۔

مولانا موصوف کے ساتھ خاکسار کو بھی ایک روحانی تعلق تھا۔ جسکی تفصیل بشارات رحمانیہ میں پڑھی جا سکتی ہے اور اسی بنا پر احمدیت جیسی دولت خاکسار کو نصیب ہوئی۔ مولانا موصوف کی زندگی کے واقعات بہت عجیب وغریب ہیں اگر صاحب قلم وطن مالوف ہمت کریں تو لکھ سکتے ہیں۔

خاکسار افضال احمد قریشی بھاگلپوری''

شادی و اولاد:

محترمہ مریم سکینہ اوسلو نار دوے لکھتی ہیں:

''پردادا جان حضرت مولانا عبد الماجد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا تعالیٰ نے چار بیٹوں اور دو صاحبزادیوں سے نوازا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ رووٗف النساء بیگم صاحبہ ایک بہت نیک اور خدا ترس خاتون تھیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک بار آپ کو ولیہ کے لقب سے یاد کیا تھا۔''

آپ کی پوتی محترم اُمامہ صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

میرے دادا کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

(1) محترم سید عبد القادر صاحبؓ

(2) محترمہ سیدہ رقیہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم محمود صاحب

(3) محترم سید عبد الباسط صاحب

(4) محترم سید عبد الرحمٰن صاحب

(5) محترم سید عبد الحیٔ صاحب

(6) محترمہ سیدہ سارہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ

آپ کا خاندان دنیا کے مختلف ملکوں میں قیام پزیر ہے اور ان میں سے ہر ایک جماعت سے قلبی اور مخلص تعلق رکھتا ہے۔ اور خلافت کی برکات سے بہرہ مند ہے۔ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بزرگوں کے قدموں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔
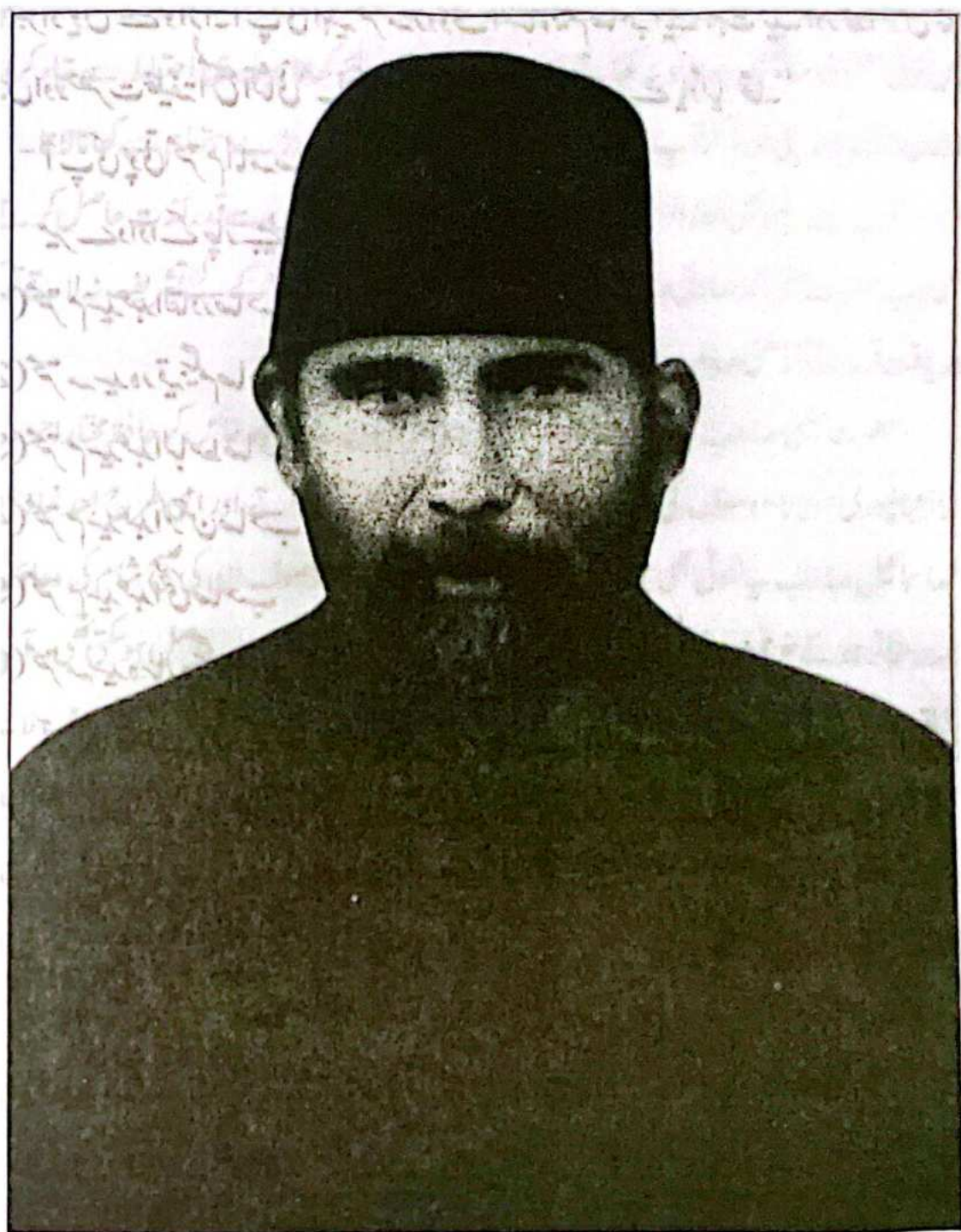
حضرت پروفیسر عبد القادر صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت سید پروفیسر عبد القادر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سید پروفیسر عبد القادر صاحب اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھے۔ آپ کا پورا نام ابو الفتح محمد عبد القادر منظور حق تھا۔ آپ کو اپنے والد محترم مولانا عبد الماجد صاحب سے قبل سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت کی توفیق ملی۔ آپ کی بہن سیدہ سارہ بیگم صاحبہ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے عقد میں آئیں۔ اس لحاظ سے آپ حضور کے برادر نسبتی تھے۔ آپ کی بیٹی محترمہ عمامہ بنت پروفیسر عبد القادر صاحبؓ اپنے والد محترم کے متعلق لکھتی ہیں کہ:

پیدائش وابتدائی تعلیم:

''میری دادی جان کے سب سے بڑے بیٹے عبد القادر تھے۔ 6-7 سال کی عمر تک تو گھر میں ہی تعلیم حاصل کی۔ قرآن کریم ناظرہ ودیگر ابتدائی دینی کتب پڑھنے کے بعد جو کہ انہوں نے گھر میں ہی مکمل کی۔ مولانا ابراہیم صاحب مدرس آرہ (پٹنہ شہر کر قریب بہار کا ایک ضلع ہے۔) کے مدرسہ میں رہ کر تعلیم حاصل کی چھٹیوں میں گھر آیا کرتے تھے۔ وہ زمانہ بہت محبت سے یاد کرتے تھے۔ ہمارے والد صاحب بہت مسکین طبع اور محبت کرنے والے تھے۔ گھر میں کم سے کم مجھے تو یاد نہیں کہ کبھی کسی فرد کو بھی ڈانٹ ڈپٹ کی ہو۔ خواتین بچے نوکر چاکر سب اُن سے خوش رہا کرتے تھے۔ والد صاحب مدرسہ احمدیہ آرہ سے فارغ ہو کر وطن واپس آئے۔ تو دادا صاحب نے اُن کو عبد اللہ ٹونکی کے پاس آگے پڑھائی کرنے کے لئے لاہور بھیجا۔ لاہور کی شاہی مسجدوں کے کمروں میں قیام تھا اور اُدھر ہی پڑھائی اور رہائش تھی۔

احمدیت کا علم:

ہمیں لاہور آنے کے بعد سیر کے لئے اکثر شاہی مسجد لے جاتے تو دور سے کمرہ نمبر 4 یا 9 دکھاتے اب مجھے یاد نہیں۔ پھر بتایا کرتے کہ عبد اللہ ٹونکی حضرت مرزا صاحب کے بارے میں ناجائز الفاظ بولتے تھے تو مجھے دُکھ ہوتا کہ اتنے بڑے مولانا اور ممبر میں کھڑے ہو کر کسی کے حق میں نازیبا الفاظ بولتے ہیں۔ افسوس ہوتا ہے۔ اسی عرصہ میں بتاتے ہیں کہ میں ایک دفعہ عصر اور مغرب کے درمیانی وقت انارکلی سے گذر رہا تھا۔ تو مجھے ایک شخص پمفلٹ تقسیم کرتا ہوا ملا۔ ایک میں نے بھی لے لیا۔ اُن کا نام خواجہ کمال الدین صاحب تھا۔ وہ آواز لگا رہے تھے۔'' آ گئے۔ امام مہدی آ گئے۔ آنحضور ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق

آ ئے۔ چلو قادیان چلو۔'' وہ پمفلٹ لے کر میں نے اپنی کتابوں میں چھپا لیا لیکن کسی ہم مکتب نے دیکھ لیا۔ عبداللہ ٹونکی کے پاس شکایت کر دی۔ وہ کڑی نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ میں نے والد صاحب کو خط میں تمام احوال لکھ دئے۔ اس عرصہ میں اشتہار کے مطابق مزید معلومات کرنے کے لئے دہلی گیٹ پہنچ گیا۔ وہ حکیم محمد احسن صاحب کا مکان تھا۔ ملازم خبر کے لئے گیا کہ ایک لڑکا ملنے آیا ہے۔ انہوں نے واپس بھیج دیا کہ جاؤ پوچھ کر آؤ کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام ہے؟ نوکر نے آکر پوچھا۔ تو والد صاحب نے پرچہ پر لکھا

من وتو ہر دو خواجہ تاشانیم

بندہ بارگاہِ سُلطانیم

(ہم اور آپ دونوں نام لیوا ہیں ایک ہی بادشاہ کے غلام ہیں۔)

یہ پرچہ پڑھتے ہی وہ صاحب ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے آئے اُنہیں گلے لگایا اور اندر لے گئے۔ مغرب کی نماز اکھٹے پڑھی اور پوچھ تاچھ کی۔ معلومات کی اور پھر کہا کہ قادیان قریب ہے، ہو آؤ۔ پھر والد صاحب نے دادا جان (مولانا عبدالماجد بھاگلپوری صاحب) کو خط لکھ کر سب احوال لکھے تو انہوں نے جواب دیا کہ چلے جاؤ جاکر معلوم کرو اور مجھے بھی احوال سے باخبر کرو۔

اُس وقت والد صاحب کی عمر غالباً 16 سال تھی۔ آپ بتاتے تھے کہ آپ کی پیدائش 1887ء کی ہے اور قمری تاریخ ''منظور حق'' سے نکلتی ہے۔ پھر چھٹیوں میں وطن واپس آئے اور وہاں سے کلکتہ تشریف لے گئے اور وہاں سے حضور امام الزمان علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا۔ الحمدللہ۔ بیعت کے شریک چچا محمد حسین صاحب، جو ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب آئی اسپیشلسٹ کراچی کے والد تھے۔ اُن کے دادا دوسرے رفیق چچا جو کہ میرے ابا کہ دوستوں میں سے تھے۔ وہ الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ ہم اُن کو چچا ہی کہتے تھے۔ یہ 1902ء کی بات ہے۔ پھر وہاں سے واپس لاہور آئے۔ وہاں سے قادیان تشریف لے گئے۔''

آپ کے بڑے بیٹے مکرم علی بن عبدالقادر صاحب آپ کے احمدیت کے علم ہونے اور بیعت کی ایک دوسری روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''1902ء میں کلکتہ کی رہائش کے دوران ہی والد صاحب پروفیسر ابوالفتح محمد عبدالقادر نے اپنے دو

دوستوں بابو محمد رفیق الہ آبادی اور محمد حسین صاحب کے ساتھ حضرت صاحبؑ کی بذریعہ خط بیعت کی۔ایک دوست نے دیوانِ حافظ سے فال نکالنے پر اصرار کیا۔شعر کا فال کچھ یوں نکلا۔

''کجا است صوفی دجال چشم وملحد شکل
بگو بسوز کے مہدی دین پناہ رسید''

اسی دوران 1903ء میں میرے دادا جان کو علی گڑھ مسلم کالج میں سنّی Theology کے پروفیسر کے طور پر ملازمت مل گئی اور وہ والد صاحب کو بھی ساتھ لے گئے۔پھر والد صاحب کو عربی کی تعلیم کی خاطر Oriental College لاہور میں داخل کرا دیا۔جہاں والد صاحب نے Hostel میں رہائش اختیار کی۔جو شاہی مسجد کا کمرہ نمبر 4 ہوا کرتا تھا۔والد صاحب نے بتایا کہ ان کے کالج میں ایک روز ایک پروفیسر صاحب نے حضرت صاحبؑ کے خلاف بہت بدزبانی کی جس سے ان کا دل بہت مجروح تھا اور لاہور میں سلسلہ تعلیم جاری رکھنے پر دل راضی نہ تھا۔اس فکر میں وہ ایک روز انارکلی بازار سے گزر رہے تھے کہ ان کے ہاتھ میں کسی نے ایک اشتہار دیا۔جس میں لکھا تھا کہ طاعون کا اصل علاج مسیح موعودؑ پر ایمان لانا ہے۔والد صاحب نے یہ اشتہار اپنے پاس محفوظ کر لیا اور یہ یقین کر لیا کہ یہ اشتہار دینے والے ضرور حضرت صاحبؑ کے ماننے والے ہیں اور اشتہار میں درج جگہ پر حاضر ہو گئے۔وہ مطب حکیم محمد حسین صاحب قریشی کا تھا۔وہاں والد صاحب نے حکیم صاحب سے ملنے کی کوشش کی جو اس وقت مطب میں موجود نہ تھے بلکہ رہائشی حصہ میں تھے۔ملازم نے اطلاع دی کہ کوئی صاحب آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔حکیم صاحب نے کہا کہ ان سے پوچھ کہ کیا کام ہے۔ملازم یہ پیغام لے کر والد صاحب کے پاس آیا۔والد صاحب نے اس سے ایک سفید کاغذ عریضہ لکھنے کیلئے مانگا اور والد صاحب نے اسی پر ایک شعر لکھ دیا۔

من وتو ہر دو خواجہ تاشانیم
بندہ بارگاہِ سلطانیم

اور ملازم سے کہا کہ یہ حکیم صاحب کو پہنچا دو۔یہ کاغذ حکیم صاحب نے دیکھا تو بے قرار ہو کر نچلی منزل میں مطب میں تشریف لے آئے اور والد صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے حضرت مرزا صاحبؑ کی بیعت کر لی ہے۔والد صاحب نے اثبات میں جواب دیا اور اس پر حکیم صاحب نے بہت خوشی کا اظہار کیا

اور والد صاحب کا آنا جانا حکیم صاحب کے پاس ہوگیا۔ والد صاحب نے اپنے حالات ان کو سنائے اور کہا کہ وہ Oriental College میں تعلیم جاری رکھنا نہیں چاہتے کیونکہ بعض عناصر بڑی مخالفت رکھتے ہیں اور حکیم صاحب سے مشورہ چاہا۔ جس پر حکیم صاحب نے یہ مشورہ دیا کہ تم قادیان چلے جاؤ وہاں تمہاری تعلیم کا انتظام ہو جائے گا۔ اسی مشورہ پر عمل کرتے ہوئے والد صاحب براستہ بٹالہ، قادیان پہنچ گئے اور حضرت صاحبؑ کی خدمت میں حاضری دی۔ الحمدللہ۔

امام الزمان کے قدموں میں:

محترمہ عمامہ بنت عبدالقادر صاحب لکھتی ہیں کہ:

''محترم والد صاحب لاہور سے قادیان تشریف لے گئے اور مسجد مبارک میں حاضری دی جب ظہر کی نماز کے لئے امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں تشریف لائے اور نماز پڑھی گئی۔ بعد نماز ظہر حضرت اقدس سے ملاقات کی اور آپ نے دستی بیعت کی۔ پھر دعا کرائی گئی۔ یہ زمانہ 13 اپریل 1903ء کا تھا۔ میں نے بقائمی ہوش وحواس والد صاحب سے خود سنی ہے۔

عرض احوال سننے کے بعد حضرت صاحب نے دریافت فرمایا کہ اب کیا ارادہ ہے۔ تو والد صاحب نے کہا ''حضور اقدس! میں تو آگے پڑھنا چاہتا ہوں۔'' آپ نے مولانا نورالدینؓ صاحب کو فرمایا کہ آپ انہیں پڑھائیں۔ حضور نے مسجد مبارک میں رہنے کو جگہ دی دونوں وقت کا کھانا مکرم نواب محمد علی صاحب کی کوٹھی میں کوئی اور صاحب ٹھہرے ہوئے تھے اُن کے گھر سے مقرر کر دیا۔ یوں اُن کا انتظام پورا ہوگیا۔ پورا ایک سال اُدھر قیام کیا اور ایک سال بعد مولوی فاضل کا امتحان پاس کر کے اچھے نمبر حاصل کئے۔ پھر واپس وطن واپس آ گئے۔ وہاں سے میٹرک کی اور انگریزی تعلیم کے لئے واپس آ گئے اور علی گڑھ میں داخلہ لیا چونکہ اچھے نمبر تھے۔ پہلے سال سے 6 سال تک اسکالرشپ لی اور عربی میں ماسٹر کیا۔''

محترم علی بن عبدالقادر صاحبؓ ان دنوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''حضرت صاحبؑ نے والد صاحب کے کوائف نوٹ کیے اور والد صاحب کو حضرت مولانا نورالدینؓ صاحب کے پاس بھجوا دیا اور ان سے کہا کہ اس لڑکے کی تعلیم کا انتظام کریں۔ حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب نے والد صاحب سے دریافت کیا کہ کیا پڑھنا چاہتے ہو اور کہاں تک کی تعلیم حاصل

کر چکے ہو۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ لڑکا محنتی ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ یہ لڑکا امتحان میں پاس ہوجائے گا۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے دو پرچے خود اپنے ذمہ لیے اور دو پرچوں کیلئے حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ کے حوالے کئے۔ باقی دو پرچے والد صاحب نے خود اپنے ذمہ لیے اور اس طرح مولوی فاضل کی تیاری مکمل کی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ 1903ء کے بعد کا واقعہ ہے والد صاحب امتحان میں شریک ہوئے اور اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئے۔ اس زمانے میں مولوی فاضل کی تعلیم بہت کمیاب تھی۔ میرے والد کے متعلق مجھے حضرت میر محمد اسحاقؓ صاحب نے بتایا کہ میرے والد جماعت کے اندر پہلے مولوی فاضل تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی برکات اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے میرے والد صاحب کو کامیابی عطا فرمائی اور آگے بھی تعلیم کے راستے کھول دئے۔ یہاں تک کہ والد صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے تک کی تعلیم حاصل کی۔ والد صاحب کو عبرانی، انگریزی، عربی، فارسی، اردو اور بنگالی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

عملی زندگی:

محترم علی بن عبدالقادر صاحبؓ اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

"ابتداء میں والد صاحب نے اسلامیہ کالج لاہور میں ملازمت اختیار کی۔ اس کے بعد ان کو اپنے صوبہ بہار میں گورنمنٹ کالج (شاید اس سے پٹنہ کالج مراد ہے۔ شہاب) میں ملازمت مل گئی اور 1926ء تک یہیں ملازمت کرتے رہے۔ اس کے بعد جب کلکتہ میں اسلامیہ کالج کھلا تو وہاں ملازمت اختیار کی۔ اسی دوران آپ کلکتہ یونیورسٹی کی سینٹ اور سینڈیکیٹ کے ممبر نامزد ہوگئے۔ آپ اس یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کے پہلے مسلم ممبر تھے۔ سینڈیکیٹ کا ممبر ہونا زیادہ اعزاز ہے۔ اس کے بعد آپ کا تبادلہ راجشاہی کالج میں ہوا اور ریٹائرمنٹ لینے تک یہیں ملازم رہے۔"

محترمہ امامہ بنت عبدالقادر صاحب اس بارے میں لکھتی ہیں کہ

"محترم والد صاحب نے ماسٹر کرنے کے بعد کچھ عرصہ اسکول ماسٹر کی نوکری کی۔ کچھ عرصہ پٹنہ صوبہ بہار کے دارالحکومت میں قیام پذیر رہے۔ اُڑیسہ کے شہر کٹک میں تبادلہ ہونے پر آپ کٹک چلے گئے۔"

ایک وراثتی جھگڑے کا حل اور جماعت کی خدمت کی توفیق:

محترمہ امامہ بنت عبدالقادر صاحب اس بارے میں لکھتی ہیں کہ

''میرے ابا جماعت اور جماعتی کاموں میں سب جگہ منسلک رہے بلکہ میری یادداشت ہے کہ جماعت کے صدر بھی رہے۔ کٹک میں ہمارے دادا (مولانا عبدالماجد صاحب) کی واقفیت اچھی تھی۔ احمدیت سے قبل کے زمانہ میں وعظ کرنے جایا کرتے تھے۔ دو گاؤں تھے۔ اُن میں سے ایک پٹھانوں کا تھا۔ وہاں کے لوگ ہمارے دادا جان کے معتقدین تھے اور اُن دونوں برادریوں کی اکثریت جماعت میں شامل ہوگئی تھی۔ ہمارے ابا کی اُس زمانہ کے بزرگوں سے سلام دعا رہتی تھی۔ وہاں سے پاکستان آنے کے بعد بھی بزرگوں سے خط و کتابت رہتی تھی۔ وہ لوگ ہماری جدائی میں غم کا بہت اظہار کیا کرتے تھے۔ ابا جان بتایا کرتے تھے کہ وہاں پر کسی رانی کی جائیداد کا مقدمہ تھا وہ کورٹ میں لایا گیا۔ تو رانی نے کاغذات جو فارسی زبان میں تھے اس خیال سے کہ دوسرے پتہ نہیں کیا بتادیں۔ یہ کہا کہ مجھے اُس قادیانی پروفیسر کے پڑھنے سے تسلی ہوگی۔ چنانچہ وہ قبالہ ابا جان کے پاس لایا گیا اور انہوں نے ترجمہ کر دیا۔ چونکہ وہ حق پر تھیں اس لئے مقدمہ میں جیت گئیں مقدمہ بھی وراثت جائیداد وغیرہ کا تھا۔ رانی بڑی خوش ہوئی۔''

محترم علی بن عبدالقادر صاحبؓ اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

''1933ء میں پھوپھی صاحبہ آپا سارہ بیگم کے انتقال کے بعد والد صاحب نے جب علیحدگی اور خاموشی کی زندگی اختیار کی اور اپنا تبادلہ رونشا (Rewnsha) کالج کٹک میں کروایا۔ اس زمانے میں اڑیسہ کے قریب رجواڑے ایک راجہ صاحب حکم پاڑے کے تھے۔ ان کو ضرورت ہوئی کہ اپنی ملکیت کی کچھ دستاویزات کو فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کروائیں۔ انہوں نے یہ کام میرے والد صاحب کے سپرد کر دیا۔ والد صاحب نے یہ کام بطور احسن انجام دیا۔ عدالت میں جہاں راجہ صاحب کے مقدمات زیر فیصلہ تھے وہاں والد صاحب کے ترجمہ کردہ دستاویزات پر انحصار کیا اور مقدمات راجہ صاحب کے حق میں فیصلہ پا گئے۔ راجا صاحب نے خوش ہوکر میرے والد صاحب کو پیشکش نذرانہ کی والد صاحب نے ان سے کہا کہ ہماری کیرنگ کی مسجد کچی دیواروں کی ہے۔ آپ اس مسجد کو پختہ دیواروں کی بنادیں۔ راجہ صاحب نے والد صاحب کی تجویز منظور کر لی اور کیرنگ کی احمدی مسجد کو پختہ

دیواروں کی بنا دیا جو راجہ صاحب اور والد صاحب کے دائمی ذکر خیر کا ذریعہ بن گئی۔ راجہ صاحب کے تعلقات اس مسجد کی وجہ سے جماعت کے ساتھ بہت دوستانہ ہو گئے۔ یہ مسجد اب تک قائم ہے اور راجہ صاحب کے خاندان اور جماعت میں خوشگوار تعلقات کا نشان ہے۔ کیرنگ کی مسجد اس بات کی نشانی ہے کہ اس زمانے تک احمدیت کی اشاعت اور تبلیغ زیادہ تر انفرادی۔ کوششوں کا نتیجہ ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ کوششیں زیادہ مربوط نہیں ہوسکتی تھیں۔ ہر فرد نے اپنے اپنے حلقے میں چھوٹے چھوٹے Panels میں ہی کوشش کی اور زیادہ رشتہ داروں کے اندر رہی۔ البتہ احمدی حضرات اپنی جگہ اشاعت کیلئے کوشاں اور اللہ تعالیٰ کی تائید، نصرت کیلئے دعا گو رہتے تھے۔''

اس بارے میں مکرم شیخ مجاہد احمد شاستری صاحب قادیان لکھتے ہیں کہ ان دونوں بیانوں میں جماعت کی مسجد بنوانے کی جگہ کہ متعلق تضاد نظر آتا ہے۔ لیکن خاکسار کی تحقیق کے مطابق یہ واقعہ کیرنگ کی احمدیہ مسجد کا زیادہ قرین قیاس معلوم پڑتا ہے اسکی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(1) محترمہ عمامہ صاحبہ نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے کہ دادا صاحب کے پٹھانوں کے دو گاؤں بہت معتقد تھے۔ اور اُن میں سے اکثریت نے احمدیت قبول کر لی تھی۔ کیرنگ کے گاؤں کے ابتدائی لوگ پٹھانوں میں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اس بستی کی اکثریت نے احمدیت کو ابتدائی زمانہ میں قبول کر لیا تھا۔

(2) گاؤں کی زبانی روایت کے مطابق کیرنگ کے لوگوں کے احمدی ہونے سے قبل ہی گاؤں میں پہلے سے ایک کچی مسجد موجود تھی۔ جسے علی بن عبد القادر کی روایت کے مطابق راجہ صاحب نے پکا بنوایا اور چار دیواری کی۔ آج بھی کیرنگ واقعہ خوردہ ضلع میں مسجد کے باہر کی ایک جانب کو علاقائی زبان میں ''گوڑ ودوار'' یعنی گوڑ بمعنی قلعہ اور دوار بمعنی دروازہ یعنی قلعہ کا دروازہ کہا جاتا ہے۔ اور اس مسجد کی تعمیر بھی ایک اونچے ٹیلے نما جگہ پر ہوئی ہے جو تقریباً زمین سے دس فٹ اونچائی پر ہوگی۔

(3) کٹک کی احمدیہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں تحقیق کرنے پر یہ بات سامنے آئی کہ جس جگہ مسجد واقعہ ہے وہ مکان پہلے بھوت گھر ہونے کی وجہ سے لوگوں کی ڈرنے کی جگہ تھی۔ بعد میں اس جگہ مسجد کی تعمیر ہوئی۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ بستی کیرنگ تھی۔

خدمت خلق کے میدان میں:

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ تقسیم ہند سے قبل 1946ء میں بنگال کے نوا کھالی اور بہار کے مختلف شہروں میں خطرناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ جس میں ہزاروں بے قصور مسلمان شہید ہوئے اس موقہ پر بہار کے احمدیوں نے خصوصی طور پر خدمت انسانیت کا حق ادا کیا۔ بھاگلپور میں پروفیسر عبدالقادر صاحب ؓ کے ذریعہ کی جانے والی خدمات کا ذکر تاریخ احمدیت میں ان الفاظ میں درج ہے:

''پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم۔اے کرفیو آرڈر کے اوقات میں بھی مسلمانوں کے مفاد کی خاطر حکام سے بار بار ملتے رہے۔ اور شہر کے محلوں میں پولیس اور ملٹری متعین کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ نیز ان امور کے تعلق میں ''مارننگ نیوز'' (کلکتہ) میں ایک مضمون بھی بھجوایا۔ مولوی اختر علی صاحب بھی آپ کے دست و باز و تھے جنہوں نے حکام سے رابطہ قائم کرنے یا خط و کتابت کرنے میں انتہائی بیدار مغزی اور فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب نہایت مخدوش حالات میں دوسرے دو مسلمان ڈاکٹروں کو ساتھ لے کر بھاگلپور کے علاوہ تاراپور کے فسادزہ علاقہ میں بھی گئے۔ مجروحین کی مرہم پٹی کی۔''

(تاریخ احمدیت جلد۔9، صفحہ 606)

انتہائی صابر:

آپ کی پوتی محترمہ مریم بنت پروفیسر عباس صاحب تحریر کرتی ہیں کہ

2 ستمبر 1974ء کو رات کے تقریباً دس بجے چچا ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب شہید کلینک پر ڈپٹی کمشنر صاحب خیر پور کا فون آیا کہ آپ کے بھائی پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب کی وفات ہو گئی ہے۔

ہمارے پیارے دادا جان حضرت پروفیسر عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت حیات تھے اور اس دردناک سانحہ کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ کو تقریباً ساڑھے تین سال اور زندگی عطا فرمائی۔ آپ نے کمال صبر اور بے مثال ہمت کا نمونہ دکھایا اور کسی قسم کی بے صبری کے کلمات اپنی زبان پر نہ لائے۔ یہ سراسر اس کا فضل و احسان ہے اور رحم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دادا جان کو بہت ہمت دی اور اس ضعف اور پیرانہ سالی میں اتنے بڑے سانحہ کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دادا جان ابا جان کی شہادت کے بعد کبھی ان کا ذکر

نہ کرتے صرف ایک دفعہ کہا کہ:

''بیٹا مجھے خواب میں نظر آیا کہ مجھے جنت کے پھلوں میں سے پھل پیش کئے گئے اور میں حیران ہوا کہ مجھ ناکارہ اور گناہ گار سے کون سا ایسا عمل سرزد ہوا کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کا یہ احسان ہوا۔ یہ بات مجھ پر عباس کی شہادت کے بعد واضح ہوئی کہ میرے خواب کی تعبیر کیا تھی۔ اس لئے کہ شہید اولاد جنت کے پھلوں سے تعبیر کی جاتی ہے۔ میری عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا کہ مجھے تعبیر جانتے ہوئے بھی اپنے خواب کی تعبیر سمجھ نہ آئی۔''

یہ خواب بیان کرتے ہوئے دادا جان کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے۔

ابا جان کی شہادت کے بعد دادا جان نے خواب دیکھا کہ اُن کو گلاب کے دو پھول پیش کئے گئے۔ اس کی تعبیر داد جان نے خود ہی سمجھ لی کہ اس سے مراد شہید اولاد ہے۔ میرے دادا جان کو کیا معلوم تھا کہ جنت کے پھلوں میں سے خدا تعالیٰ نے کچھ پھل ابھی ان کے لئے چن رکھے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو اور اپنے قرب سے متمتع کرنا ہے۔ دادا جان کی وفات 1978ء میں ہوئی۔ آپ کے وصال کے بعد 1985ء میں آپ کے تیسرے بیٹے پروفیسر عقیل بن عبدالقادر نے بھی جام شہادت نوش کیا اور حضرت دادا جان کی خواب کی تکمیل کی۔ لیکن میرے پیارے خدا نے دوسرے بیٹے کی شہادت کے دلگداز واقعہ سے پہلے ہی دادا جان کو اپنے پاس بلا لیا۔

شادی و اولاد:

حضرت پروفیسر عبدالقادر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی محترمہ عائشہ بلقیس صاحبہ سے ہوئی۔ آپ کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم علی صاحب

(2) مکرم عباس صاحب

(3) مکرم عقیل صاحب

(4) مکرم حمزہ احمد صاحب

(5) مکرمہ خولہ صاحبہ

(6) مکرمہ امامہ صاحبہ

(7)مکرم زید صاحب

آپ کے دو بیٹوں کو شہادت کا عظیم الشان مقام عطا ہوا۔ پروفیسر عباس بن عبد القادر 2/ستمبر 1974ء میں خیر پور سندھ میں احمدی مخالفت کے دوران پروفیسر صاحب کی زندگی میں شہید ہوئے۔ یہ شب برات کی رات میں شہید ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر 9/جون 1985ء میں حیدر آباد سندھ میں انیس رمضان کے دن شہید ہوئے۔ جہاں وہ عرصہ دراز سے پریکٹس کر رہے تھے۔

وفات:

محترم حضرت پروفیسر عبد القادر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 25/فروری 1978ء میں حیدر آباد سندھ میں علالت کے بعد وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بارے میں اخبار الفضل روزنامہ ربوہ 27فروری 1978ء میں درج ہے

''محترم پروفیسر عبد القادر صاحبؓ بھاگلپوری انتقال فرما گئے۔

حیدر آباد سندھ سے یہ افسوس ناک اطلاع موصول ہوئی ہے کہ محترم پروفیسر عبد القادر صاحب بھاگلپوری 25فروی کی دوپہر کو رحلت فرما کر محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم سیدہ سارہ بیگم صاحبہؓ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بڑے بھائی اور اصحاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں سے تھے۔ ان کا جنازہ حیدر آباد سے ربوہ لایا جا رہا ہے۔ احباب جماعت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجات بلند عطا فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ 27فروری 1978ء صفحہ 1)

اگلے دن کے اخبار الفضل میں آپ کی تدفین کی خبر تفصیلی شائع ہوئی۔ اخبار لکھتا ہے۔

محترم پروفیسر عبد القادر صاحبؓ بھاگلپوری کے جسدِ خاکی کو بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

نماز جنازہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ نے پڑھائی۔ نماز اور تدفین میں احباب بہت کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔

ربوہ 28فروری محترم پروفیسر عبد القادر صاحبؓ بھاگلپوری کے جسد خاکی کو کل 27فروری 1978ء بروز پیر بعد نماز عصر بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

جیسا کہ قبل ازیں اطلاع شائع ہو چکی ہے کہ محترم پروفیسر عبدالقادر صاحب بھاگلپوری ایم اے نے 25 اور 26 فروری کی درمیانی شب ساڑھے تین بجے حیدرآباد (سندھ) میں (جہاں آپ اپنے فرزند ماہر امراض چشم محترم ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب کے ہاں رہائش پذیر تھے) بعمر 91 سال وفات پائی۔ آپ کا جنازہ 27 فروری کو آپ کے برادر اصغر محترم جناب عبدالحئی صاحب اور آپ کے فرزندان محترم علی بن عبدالقادر، محترم حمزہ بن عبدالقادر صاحب اور محترم زید بن عبدالقادر صاحب بذریعہ سُپر ایکسپریس حیدا آباد سے ربوہ لائے۔ محترم پروفیسر صاحب مرحوم کے دونوں داماد مکرم عبدالمجید صاحب اور مکرم مصباح الدین صاحب صدیقی نیز پوتے عزیز عون بن عقیل اور نواسے عزیز محی الدین بن مصباح الدین بھی جنازے کے ہمراہ ربوہ آئے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے علالتِ طبع کے باوجود نماز عصر کے بعد قصر خلافت سے مسجد مبارک کے غربی احاطہ میں تشریف لا کر نماز جنازہ پڑھائی جس میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مقامی احباب بہت کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ نماز پڑھانے کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے محترم پروفیسر صاحب مرحوم کا چہرہ دیکھا اور پھر تھوڑی دُور تک جنازہ کو کندھا دینے کے بعد قصر خلافت میں واپس تشریف لے گئے۔

مرحوم موصی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ چنانچہ جنازہ بہشتی مقبرہ لے جا کر مرحوم کے جسد خاکی کو قطعہ صحابہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ قبر تیار ہونے پر چوہدری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ حال سیکریٹری مجلس نصرت جہاں نے دعا کرائی۔

محترم پروفیسر عبدالقادر صاحب مرحوم حضرت مولانا عبدالماجد صاحب پروفیسر دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کے فرزند تھے۔ آپ نے 1902ء میں جب آپ کلکتہ میں مقیم تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بذریعہ خط بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں شمولیت اختیار کی۔ اگلے سال یعنی 1903ء میں آپ نے قادیان حاضر ہو کر دستی بیعت اور حضور علیہ السلام کے صحابہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ اس کے دو سال بعد آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھی حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں شملویت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ 1903ء میں پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم۔اے نے قادیان میں آ کر اور وہاں کچھ عرصہ مقیم رہ کر مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں آپ

نے عربی میں ایم اے کیا اور اولاً اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے اس کے بعد آپ علی الترتیب آرشا گورمنٹ کالج کٹک، گورمنٹ کالج پٹنہ اسلامیہ کالج کلکتہ اور گورنمنٹ کالج راج شاہی میں بحیثیت پروفیسر درس وتدریس میں مصروف رہے۔اس دوران میں آپ کلکتہ یونی ورسٹی میں سنڈیکیٹ کے ممبر بھی رہے آپ سب سے پہلے مسلمان تھے جسے اس کی ممبر شپ کا اعزاز حاصل ہوا۔ بالآخر گورمنٹ کالج راجشاہی سے 1946ء میں ریٹائر ہوئے۔قیام پاکستان کے بعد آپ 1947ء سے 1966ء تک لاہور میں مقیم رہے 1966ء میں آپ اپنے فرزند محترم ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر کے پاس حیدر آباد سندھ تشریف لے گئے اور وفات تک وہیں رہائش پذیر رہے۔

جیسا کے قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ مرحوم حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہؓ مرحومہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بڑے بھائی تھے۔اس طرح آپ کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق داری کا شرف بھی حاصل تھا۔آپ بیک وقت عربی، فارسی اردو اور انگریزی میں بہت دسترس رکھتے تھے۔مطالعہ بہت وسیع تھا۔اور بہت سے علوم پر آپ کو عبور حاصل تھا مذکورہ بالا چاروں زبانوں میں آپ اپنے مافی الضمیر کو بڑی جامعیت کے ساتھ ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔

احباب جماعت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ محترم پروفیسر عبد القادر صاحبؓ کے جنت الفردوس میں درجات بلند کرے اور آپ کو اعلیٰ علیین میں خاص مقام قرب سے نوازے آپ کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے اور دین و دنیا میں اُن کا حافظ و ناصر ہو۔آمین‘‘

(روزنامہ الفضل ربوہ 28 فروری 1978ء صفحہ 6)

حضرت پروفیسر عبدالقادر صاحبؒ

پروفیسر عقیل بن عبدالقادر صاحبؒ

پروفیسر عباّس بن عبدالقادر صاحبؒ

مکرم پروفیسر عباس بن عبدالقادر شہید

محترمہ مریم بنت پروفیسر عباس

مکرم پروفیسر عباس صاحب کا ذکر خیر اُن کی بیٹی محترمہ مریم سکینہ اوسلو ناروے نے احمدیہ گزٹ کنیڈہ اپریل 2002 میں صفحہ 13 پر کیا ہے۔ آپ لکھتی ہیں:

میرے پیارے ابا جان پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب کا تعلق ہندوستان کے صوبہ بہار کے شہر بھاگلپور سے تھا۔ آپ کے والد محترم اور ہمارے دادجان پروفیسر عبدالقادر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمرہ صحابہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ پردادا حضرت مولانا پروفیسر عبدالماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہچاننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

داداجان کا پورا نام ابوالفتح محمد عبدالقادر منظور حق تھا۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے صرف تیرہ برس کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام کی بیعت کرنے کی سعادت عطا فرمائی اور حضور علیہ السلام کے ایما پر شمس الاطباء حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول ؓ سے علمی فیض پانے کی توفیق عطا ہوئی۔ اور حضرت اقدس کے ارشاد کی تعمیل میں جماعت احمدیہ میں سب سے پہلے مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کا شرف حاصل کیا۔

بچپن و تعلیم

میرے ابا جان پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب کا بچپن اپنے آبائی گاؤں پورینی میں گذرا۔ اسکول کی تعلیم بھاگلپور اور کلکتہ شہر میں ہوئی۔ کالج کا زمانہ علی گڑھ اور پٹنہ میں گزرا۔ آپ نے تاریخ کے مضمون میں ایم اے کیا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالہ کے لئے "ہندوستان میں مغلیہ خاندان" کا انتخاب کیا۔ اور اس پر ریسرچ اور تحقیقی کام (پروفیسر کے دتا صاحب کے تحت۔ ناقل) شروع کیا۔ لیکن چونکہ آپ کا نام بچپن سے واقفین جماعت میں شامل تھا اس لئے اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تعلیم

الاسلام کالج قادیان کے اجراء کے بعد تاریخ کے پروفیسر کی حیثیت سے قادیان چلے آئے۔ اور برصغیر کی تقسیم کے ایام میں قادیان دارالامان میں ہی مقیم رہے اور ہر طرح سے مصیبت زدہ لوگوں کی جو ملک کے مختلف حصوں سے ہجرت کر کے قادیان آرہے تھے، مدد کرنے کی کوشش کی۔ برصغیر تقسیم کے بعد بھی تعلیم الاسلام کالج لاہور سے منسلک رہے۔ چند سال کے بعد سندھ کے شہر خیر پور تشریف لے گئے۔ اس کے بعد تادم شہادت 2 ستمبر 1974ء تک سندھ کے شعبہ تعلیم کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔

فیض رساں وجود

ابا جان پروفیسر عباس بن عبد القادر صاحب اپنے دادا حضرت مولانا عبد الماجد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ایک بے حد مرنجان مرنج انسان تھے۔ آپ کو نام و نمود سے کوئی غرض نہ تھی۔ اور زندگی بھر بے شمار لوگوں کی دامے، درمے، سخنے ہر صورت سے مدد کرتے رہے۔ گھر کے لوگوں اور خاندان کے افراد کو بھی اس بات کا علم نہ ہوتا تھا کہ آپ اس قدر فیض رساں وجود ہیں۔ آپ نے کبھی بھی اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ مستقبل کا کیا ہوگا۔ ہمیشہ کہتے ''اللہ مالک ہے'' اگر کوئی مدد کے لئے سوال کرتا تو رد نہ کرتے۔ حالانکہ آپ کا ذریعہ آمدنی ایک کالج کے پروفیسر کی تنخواہ ہی تھی۔

آپ کے ایک شاگرد نے بتایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پروفیسر صاحب کو معلوم ہوا ہو کہ کسی شاگرد کو فیس کی ضرورت ہے تو آپ نے پوری نہ کی ہو یا بس کے کرایہ کی ضرورت ہو یا کتابوں کی یا پیسوں کی ضرورت ہو۔ کسی نہ کسی طرح سے پروفیسر صاحب اس کی حاجت روائی کا باعث بن جاتے تھے۔ ہمیشہ اس بات کو اللہ تعالیٰ کا احسان گردانتے کہ خدا نے مجھے دینے والا ہاتھ عطا کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ سے بہتر قرار دیا ہے۔ چندوں کی بروقت ادائیگی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ کی شہادت 2 ستمبر 1974ء کو ہوئی تو آپ نے چندہ وصیت اپریل 1975 تک کا ادا کیا ہوا تھا۔ آپ مالی قربانیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

سندھ کے علاقہ خیر پور میں بے شمار لسانی گروہوں اور مختلف مذہبی فرقوں کے لوگ آباد ہیں۔ آپ سب کے لئے ایک نفع بخش اور فیض رساں وجود تھے۔ اسی طرح سندھ کے جس علاقہ میں بھی ملازمت کے سلسلہ میں مقیم رہے مقامی آبادی کی ہر طرح خدمت کرنے کی کوشش کی اور وہاں کے لوگوں کی تعلیمی حالت کو بہتر

بنانے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ سندھ کے مختلف شہروں میں کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے فرائض انجام دئے، کالج کی عمارت کو اندر باہر سے خوبصورت بنانے، خوبصورت پھولوں اور درختوں سے سجانے کے علاوہ لائبریری اور لیبارٹریز کو بہتر بنانے پر بہت توجہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ طلباء آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے اور کبھی کسی طالب علم نے آپ سے گستاخی نہیں کی۔

انسانوں سے ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک بہت خوبصورت نیا سوٹ سلوایا اور کالج پہن کر جاتے رہے۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے یہ سردیوں کا واقعہ ہے کہ جب گھر واپس آئے تو جسم پر سوٹ کی بجائے صرف سوئیٹر تھا۔ امی کے پوچھنے پر کہا کہ ایک شریف اور معزز آدمی جس کے چہرے پر شرافت تھی، سڑک پر نظر آیا اور اس کے جسم پر سردی کے باوجود گرم کپڑے نہیں تھے۔ میں نے اپنا کوٹ اتار کر اس کو دے دیا کہ میں اس قدر گرم کپڑوں میں ملبوس ہوں اور وہ میری ہی طرح کا ایک انسان ہے اور تکلیف اٹھا رہا ہے۔ اسی طرح اگر گھر میں کوئی ملازم ہوتا اور اُن کے خیال میں اس کے پاس ناکافی کپڑے ہوتے تو اپنے کپڑوں میں سے چاہے نیا کپڑا ہو اس کو دے دیتے اور کہتے مجھے خدا نے دیا ہی اس لئے تھا کہ اس کو دے دوں۔

تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم پھونک کر اٹھاتے کہ کہیں کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جائے جو تقویٰ کے خلاف ہو۔ ملازمت کے دوران اپنی اس انتہائی احتیاط سے جو بظاہر نقصان بھی اٹھایا اور اپنے سے بڑے حکام کی ناراضگی بھی مول لی۔ کیونکہ پاکستان میں جو رشوت لینے اور دینے کا بازار گرم ہے اس میں کم وبیش ہر کس وناکس ملوث ہے لیکن آپ نے صراط مستقیم سے قدم پیچھے نہ ہٹایا اور راہ حق پر قائم رہے۔

اگر میں اپنی زندگی کے وہ لمحات رقم کرنا شروع کروں جو اپنے پیارے ابا جان کی رفاقت میں گذارے ہیں تو شاید ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ مگر میری یادیں ختم نہ ہوں۔ ابا جان سے جدائی کو ایک عرصہ گزر چکا ہے لیکن آپ کی یاد اب بھی اتنی دلگداز ہے جتنی پہلے تھی۔ اب بھی قلم احساسات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اب بھی اس کمی کی کوئی چیز جگہ نہیں لی سکتی جو میرے دل کے ایک گوشہ کو ہمیشہ کے لئے خالی کر گئی۔ بہت عرصہ پہلے یا شہادت کے کچھ عرصہ بعد مجھے میرے چچاؤں یا پھوپھیوں میں سے کسی نے کہا کہ بیٹا اپنے ابا کے بارہ میں مضمون لکھو۔ لیکن میں نے اپنے میں کبھی ہمت نہ پائی۔ نہ میرے بے بضاعت قلم

میں وہ طاقت تھی کہ میں اس ہستی کے بارے میں کچھ لکھ سکتی جو کمزوروں کے لئے چٹان اور تپتی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں یا سرد جھکڑوں میں عافیت کا سایہ تھا۔

روح عصر

ماہنامہ مصباح ربوہ میں چوہدری محمد علی صاحب کی ایک نظم نظر سے گذری تو نہ صرف چوہدری صاحب کے لئے دل ممنون ہوا بلکہ ان کے لئے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلیں۔ چوہدری صاحب نے اپنی محبت اور پیار کو جس طرح سے ایک حسین اور پیاری نظم کے اشعار میں سمویا اس سے دل کو بے حد تسکین ہوئی۔ خدا تعالیٰ محترم چوہدری صاحب کو اس کی جزائے عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے ہم افراد خاندان کے دل کی بات کتنے اختصار اور کتنے خوبصورت الفاظ میں کہہ دی۔ مگر میں ایک بزرگ اور فطری شاعر کے خوبصورت الفاظ کہاں سے لاؤں جو اپنے دل کی بات اتنے ہی خوبصورت طریق سے کہہ سکوں۔ مگر آپ کی نظم نے دل میں ایک تحریک ضرور پیدا کی اور یہ اسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ میں آج کچھ لکھنے کے قابل ہوں چوہدری صاحب کی نظم کا یہ مصرعہ

میں روح عصر ہوں نہ مجھے موت سے ڈرا

کس قدر سچے ہیں یہ الفاظ۔ آپ واقعی بہت بہادر اور نڈر انسان تھے۔ کبھی سچ بات کہنے سے نہ ڈرتے اور جو بات غلط سمجھتے اس کی فوراً نشاندہی کرتے۔ اس کے ساتھ ہی بہت نرم بھی تھے۔ انسانوں کی تکلیف آپ سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ خیر پور کے نزدیک علاقہ ٹھٹھری میں 1960ء کی دہائی میں سخت شیعہ سنی فسادات ہوئے جن میں بہت سے لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ آپ نے مظلوم لوگوں کی بہت مدد کی اور بہت درد اور دکھ سے اس بات کا اظہار کرتے کہ لوگوں کہ دل کس قدر سخت ہو گئے ہیں اور انکے دلوں سے خوف خدا اٹھ گیا ہے۔

شفیق باپ

ہم سب بچوں سے بہت محبت تھی۔ ہم تین بہنیں تھیں۔ ہماری امی ہمارے لئے ایک جیسے فراکیں تیار کرتیں تو کہتے ان بچیوں کو الگ الگ رنگ کے کپڑے پہننا نے چاہیے مجھے یاد نہیں کہ ہم بہنوں پر انہوں

نے کبھی سختی کی ہو۔ اگر سرزنش کرنی پڑتی تو یہ ہماری امی کی ذمہ داری تھی کہ وہ ڈانٹ کرتیں۔ ابا جان کہا کرتے تھے کہ یہ باپ کا کام نہیں کے بیٹیوں کو ڈانٹے ڈپٹے۔ تین بہنوں کے کافی عرصہ کے بعد ہمارا ایک بھائی پیدا ہوا۔ اور اس کے بعد خدا نے دو جڑواں بہن بھائی اور دیئے۔ ان جڑواں بہن بھائی سے بھی ابا جان بہت محبت کرتے اور ہمیشہ بچوں کو گود میں لے کر نظمیں ترنم سے سناتے۔

ہم سب کو رات سونے سے پہلے کہانیاں سناتے۔ جو اکثر ابتدائے اسلام اور تاریخی واقعات پر مبنی ہوتی تھیں۔ Esops Fables بھی آپ کو بہت پسند تھے۔ اس میں سے بھی اکثر کہانیاں سناتے۔ خاص طور پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان افروز واقعات سناتے۔

ہمیں یاد ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ آپ کی آواز بھرا جاتی اور اس پیار بھری آواز میں ہی اپنے پیارے رسول کی پیاری باتیں سناتے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کا ایک واقعہ خاص طور پر ابا جان اور بچوں کو بہت پسند تھا۔ جب غزوہ ذات الرقاع (یہ غزوہ جمادی الثانی 7 ہجری میں یا اکتوبر 628ء میں ہوا تھا۔) کے بعد آنحضرت ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ ایک کافر نے آپ کی تلوار جو درخت سے لٹک رہی تھی اتار لی اور کہا کہ بتاؤ تمہیں میری ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔؟ تو آپ ﷺ نے بڑے جلال سے کہا کہ میرا اللہ! یہ سن کر اُس کافر کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر نیچے گرگئی۔ جب آپ نے تلوار اٹھائی اور پوچھا۔ اب تمہیں میری ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے تو وہ تھر تھر کانپنے لگا اور معافی مانگنے لگا۔ سردار دو عالم ﷺ مسکرائے اور فرمایا تم بھی تو یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ بچائے گا اور پھر آپ نے اُسے معاف کر دیا۔ ابا جان جب یہ واقعہ ہمیں سناتے تو ہم پر بہت اثر ہوتا اور دل میں غیر معمولی جوش پیدا ہوتا۔

عاشق احمدؐ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے حد عشق تھا۔ اور ہمیں پنڈت لیکھرام اور لیکز ینڈر ڈوئی کے واقعات سناتے اور کہتے کہ دشمنان اسلام اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکت پر حملہ کرنے والوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فارسی اور اردو اشعار ترنم سے پڑھتے اور ہمیں بھی یاد کرواتے اور کہتے مجھے حضور کا یہ شعر بہت پسند ہے۔

آں رخ فرخ کہ یک دیدار او
زشت رو را میکند خوش منظرے

کہ وہ حسین و جمیل چہرہ آنحضرت ﷺ کہ جس کی ایک جھلک کریہہ المنظر کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے حد محبت اور عشق تھا۔ایک واقعہ سناتے تھے کہ آقائے بیدار بخت ایک سیاسی لیڈر اور شخصیت تھے اور لاہور میں رہتے تھے ان کے ساتھ کافی ہاؤس لاہور میں اکثر بیٹھک ہوتی رہتی تھی ایک دفعہ باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے کہ نہ جانے کیا بات ہے کہ پنجاب میں کوئی مخلص لیڈر پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ آپ کو تو خدا تعالیٰ نے وہ لیڈر عطا کیا جس کی نظیر نہیں۔ انہوں نے پوچھا کون سا لیڈر؟ تو میں نے جواب دیا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جیسے لیڈر کو چھوڑ کر آپ کیا چاہتے ہیں۔اب کوئی لیڈر آپ کو نہیں ملے گا۔تو انہوں نے کہا کہ ہاں واقعی یہ بات تو درست ہے۔

احمدیت کے لئے بہت غیرت رکھتے تھے۔اور کبھی احمدیت پر حملہ کو خاموشی سے برداشت نہ کرتے لیکن کبھی کسی کو لٹھ مار طرز سے بھی قائل کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ کہتے کہ تبلیغ بہت ضروری ہے لیکن تبلیغ کا سب سے بہتر ذریعہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے آپ کے تعلقات ہوں وہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کے قائل ہوں اوران کے دل پر یہ بات اثر کر جائے کہ احمدیت ہی کی برکت ہے جس سے انسان ممتاز نظر آتا ہے۔

حلقہ احباب

آپ کے ملنے جلنے والے غیر از جماعت دوست بڑی کثرت سے تھے۔لیکن سب ہی آپ کے سچے وجود اور بے داغ کردار کے قائل تھے اور سب ہی آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ کثرت سے احمدیہ لٹریچر لوگوں کو دیتے تھے اور پھر اُن سے تبادلہ خیالات بھی کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کے اس طرز عمل کی وجہ سے متعدد لوگوں کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کے حلقہ احباب میں ادیب،شاعر،صحافی اور اہل علم حضرات سے لے کر غریب،مزدور پیشہ بھی

لوگ شامل تھے۔ آپ کو مشاعرے کا بہت شوق تھا۔ گو خود شعر نہ کہتے تھے مگر نہایت اعلیٰ شعری شوق رکھتے تھے۔ ہمارے گھر میں کبھی کبھی مشاعرے کی محفل جمتی تھی۔ اور روایتی مشاعرے کی طرز پر چاندنی بچھتی، گاؤ تکیہ لگائے جاتے، چائے کے دور چلتے اور پان کی گلوکاریاں پیش کی جاتیں۔ جب تک ہم خیر پور میں رہے ہمارے گھر پر گاہے بگاہے مشاعرے منعقد ہوتے رہتے۔ مشاعرے میں ہم دونوں بہنوں کو یعنی مجھ سے چھوٹی بہن بشیٰ کو درثمین سے نعتیہ اشعار پڑھنے کی ہدایت ہوتی ہم دونوں بہنیں چھوٹی تھیں نظمیں زبانی یاد کی تھیں۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کہ تھکایا ہم نے

کوئی دیں دین محمد ﷺ سا نہ پایا ہم نے

وہ پیشو ہمارا جس سے ہے نور سارا

نام اُس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

پھر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ کی نظمیں بھی ہمیں زبانی یاد تھیں۔

محمد مصطفیٰ ہے مجتبیٰ ہے

محمد مہ لقا ہے، دلربا ہے

محمد ہی نام اور محمد ہی کام

علیک الصلوۃ و علیک السلام

یہ نظمیں ہم سے ضرور پڑھواتے اور جب لوگ اتنی پیاری نظموں سے متاثر ہوتے اور کہتے کہ اتنی چھوٹی بچیاں ہیں اور خوبصورت تلفظ سے مشکل لفظ ادا کرتی ہیں تو بہت خوش ہوتے۔ ابا جان کہا کرتے تھے کہ اس طرح سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے پیارے صحابہؓ کا کلام دوسروں تک پہنچتا ہے اور یہ بھی تبلیغ کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے۔

تلاوت قرآن کریم سے بہت شغف تھا اور روزانہ تلاوت قرآن کریم کرتے اور بچوں کو بھی صبح قرآن مجید پڑھواتے اور کہتے اس قدر اونچی اور خوبصورت آواز سے قرآن کریم پڑھو کہ فرشتے درود بھیجیں۔ اور کہتے کہ عربی پڑھنا اس لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام عربی زبان میں ہے اور اسلامی تعلیمات کا منبع

عربی زبان میں ہے۔ فارسی پڑھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس میں بھی علم کے بحر ذخار موجود ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام کا ایک بڑا حصہ عربی، اردو کے علاوہ فارسی اشعار پر مشتمل ہے۔

آپ کی دلیری اور بہادری کے سب لوگ قائل تھے اور بہت سے لوگ ایسے واقعات کے عینی شاہد تھے جہاں آپ نے غلط بات کو آگے بڑھ کر روکا یا غلط بات کو کہنے والے کو چاہے وہ کتنا بڑا آدمی ہو اور اس کا دنیاوی رتبہ کچھ بھی ہو ٹوک دیا۔

ایک دفعہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب وزیر اعظم پاکستان جب وہ جنرل محمد ایوب خان کی کابینہ کے ایک نوجوان وزیر تھے، خیر پور آئے اور خیر پور کے شہریوں کی ایک مجلس سے خطاب کے دوران کوئی خلاف واقعہ بات کی تو آپ کھڑے ہو گئے اور انہیں فوراً روک دیا اور کہا کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے یا اس طرح نہیں بلکہ اس طرح ہے۔

یہ آپ کے انصاف پسند وجود کا خاصہ تھا کہ لوگ خواہ وہ کسی بھی سیاسی اور مذہبی گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ سندھ کے لسانی فسادات جو بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے زمانے میں ہوئے۔ اس زمانے میں ہر قسم کی گروپ بندی کالجوں میں ہونے کے باوجود آپ کے کالج میں کوئی فساد نہ ہوا۔

سندھ میں ملازمت کے دوران مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ کے حلقہ احباب میں شامل تھے اور کالج کے ساتھی بھی تھے ان سے بہت محبت کا سلوک کرتے ان کو گھر پر مدعو کرتے۔ ایک دفعہ میرے بھائی حماد نے جو چار سال یا پانچ سال کا تھا۔ ایک ہندو پروفیسر صاحب کو رمضان میں کھانا کھاتے دیکھا اور پوچھا کہ آپ نے روزہ نہیں رکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس پر اُس نے خود ہی جواب سوچا کہ آپ چھوٹے ہوں گے میں بھی تو روزہ نہیں رکھتا ان صاحب نے خود یہ لطیفہ ابا جان کو سنایا اور خوب لطف اٹھایا۔

اپنے گھر میں کام کرنے والے ملازموں کی عزت نفس کا بہت خیال رکھتے تھے اور ان سے کبھی غیر ضروری کام نہ لیتے تھے اور ان کی مدد بھی کرتے تھے۔ ہمارے گھر میں یکے بعد دیگرے دو ملازم آئے جن کے نام کے ساتھ میر کا لفظ تھا۔ ہم بچوں کو اجازت نہیں تھی کہ ہم ان کا نام لیں۔ ہم لوگ ہمیشہ ان کو میر

صاحب کے نام سے پکارتے اور عزت سے پیش آتے۔ کہتے تم لوگوں کو معلوم نہیں یہ لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے لُٹ لٹا کر یہاں آئے ہیں اور ان کے پرانے حالات حال سے بہت بہتر تھے۔ اس لئے ان کے جذبات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

کہیں ٹھیس نہ لگ جائے ان نازک آبگینوں کو

آپ کو حالت حاضرہ پر بہت گہری نظر تھی اور سیاسی حالت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے آنے والے حالات کا اندازہ بہت پہلے سے کر لیتے تھے اس کی دو وجوہ تھیں پہلی یہ کہ آپ سندھ میں موجود ہر طبقہ فکر سے بخوبی واقف تھے اور ان کے مزاج کو خوب سمجھتے تھے اور ہر سطح کے لوگوں سے تعلقات تھے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خداداد فراست عطا کی تھی جب 1974 میں جماعت احمدیہ کے خلاف شورش بڑھی تو آپ نے بہت پہلے سے اس کا اندازہ لگا لیا تھا اور بہت فکر مند تھے کہ جماعت احمدیہ اور حضور خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو کسی قسم کی گزند اور تکلیف نہ پہنچے۔

واقعہ شہادت

آپ کی شہادت بھی ہم سب گھر والوں کے لئے ایک بہت تکلیف دہ اور دلگداز واقعہ تھا۔ آپ کی شہادت سے کچھ ماہ پہلے میں نے دیکھا کہ گویا آپ شہید ہو گئے ہیں۔ خواب میں دکھایا گیا ہے کہ آپ کی دائیں پسلی میں خنجر یا چاقو کا گہرا زخم پہنچا ہے۔ اس خواب کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا اور خوف بھی محسوس ہوا کیونکہ خواب کی کیفیت سے مجھے پر واضح ہوا کہ شہادت کی طرف اشارہ ہے لیکن میں نے اس خواب کا کسی سے ذکر نہ کیا البتہ جب ابا جان خیر پور سے حیدر آباد آتے جب کہ ہم لوگ 1974ء میں حیدر آباد میں مقیم تھے اور ابا جان کی ملازمت کی غرض سے خیر پور رہتے تھے تو میں نے ابا جان کو کہا کہ صدقہ ضرور دے دیں۔ ابا جان اگست 1974ء کے آخری دنوں میں ہم لوگوں سے ملنے کے لئے حیدر آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب آپ نے واپس خیر پور جانے کا ارادہ کیا تو ہمارے چچا جان پروفیسر ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر صاحب شہید نے کہا ”بھائی آپ خیر پور نہ جائیے مجھے آپ کے جانے پر انشراح نہیں ہے“ لیکن ابا جان نے بتایا کہ مجھے جانا ہی ہوگا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ کے جانے کے بعد بے چینی رہی اور اس کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کرب اور کسک کیوں ہے۔

2 ستمبر 1974ء کو رات کے تقریباً دس بجے چچا ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب شہید کی کلینک پر ڈپٹی کمیشنر صاحب خیر پور کا فون آیا کہ آپ کے بھائی پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب کی وفات ہوگئی ہے اور موت کی وجہ حرکت قلب کا بند ہو جانا ہے۔ چچا جان نے اُسی وقت خیر پور جانے کا ارادہ کیا اور ڈپٹی کمیشنر کو اس بات کی اطلاع بھی دی۔ مگر اس نے جواباً کہا کہ نہیں آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہم خود ہی اپنی نگرانی اور پروفیسر عباس صاحب کے دوستوں کی معیت میں نعش کو حیدرآباد بھجوادیں گے۔ چچا جان اور دوسرے عزیزوں کو یہ بات بہت غیر معمولی محسوس ہوئی اس لئے کہ اگر کسی انسان کا انتقال ہو جائے تو ڈی سی حضرات متعلقہ خاندان یا عزیزوں کو اطلاع نہیں دیتے اور نہ ہی اپنی نگرانی میں نعش خاندان کی تحویل میں دیتے ہیں اور چونکہ ابا جان کو دل کا عارضہ کبھی لاحق نہیں تھا اور نہ ہی اس کی بظاہر کوئی وجہ معلوم ہوتی تھی اس لئے ان کے اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کی خبر بھی بے حد تکلیف دہ اور غیر معمولی تعجب کا بعث ہوئی۔

جب آدھی رات کے وقت آپ کی نعش ایک ٹرک کے ذریعہ چند ساتھیوں کی معیت میں چچا جان کے مکان پر حیدرآباد پہنچی تو شدید گرمی تھی۔ سخت گرمی میں بجائے برف کا انتظام ہونے کے لحاف اور گدوں میں آپ کی نعش لپٹی ہوئی تھی۔ میری والدہ کے استفسار پر ابا جان کے ایک ساتھی نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو علم نہیں کہ پروفیسر صاحب کو کیا ہوا تھا۔

جیسے ہی جسم کو غسل کے لئے رکھا گیا تو میرے چھوٹے چچا جان پروفیسر ڈاکٹر زید بن عبدالقادر نے کہا کہ بھائی جان کے جسم میں تو زخم ہیں اور ایک پستول کی گولی پسلی میں سے نکل کر پروفیسر ڈاکٹر زید کے ہاتھ میں آگری۔ پروفیسر ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب نے جسم کا معائنہ کرنے کے بعد جس میں پستول کی گولیوں کے علاوہ تشدّد کے نتیجہ میں ہونے والے زخم بھی شامل تھے۔ فوراً ابا جان کی نعش کو سول ہسپتال میں پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوایا۔ جہاں پر ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد ثابت کیا کہ آپ کی وفات جسم اور سر کے مختلف حصوں میں گولیوں لگنے کے نتیجہ میں خون بہنے کے باعث ہوئی ہے۔

یہ تمام واقعات، حیدرآباد میں آپ کی تدفین، تکفین کے بعد شرپسندوں کے فسادات کے نتیجہ میں میت قبرستان سے نکال کر ربوہ لے جانا، دوران تفتیش اعلیٰ حکام کی طرف سے مختلف دھمکی آمیز بیانات وغیرہ ہم

سب عزیز واکابر اور خاندان کے لئے بہت دل شکنی اور خوف کا باعث بنے۔لیکن خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم سے اور بہت ہی پیار کرنے والے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ علیہ اور محبت کرنے والے مقامی اور غیر مقامی احباب اور غیر از جماعت دوستوں کی ہمدردی اور اعانت سے دل کو تسلی اور سکون بھی عطا فرمایا۔

اہل وعیال

ابا جان کی شہادت کے وقت بچے چھوٹے تھے۔لیکن خدا کے فضل سے سب بیٹیوں اور بیٹوں نے اعلیٰ تعلیم پائی اور خدا نے بے شمار برکتوں اور فضلوں کی بارش برسائی۔آپ کے پسماندگان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) محترمہ حمدہ بیگم صاحبہ زوجہ پروفیسر عباس بن عبدالقادر، امریکہ
(2) خاکسارہ سیدہ سکینہ مریم اہلیہ مکرم ڈاکٹر مسلم بن عقیل صاحب اوسلو ناروے
(3) محترمہ سیدہ بشنی خدیجہ صاحبہ اہلیہ مکرم سردار رفیق احمد صاحب بفیلو، امریکہ
(4) محترمہ سیدہ بشریٰ سلمان احمد صاحبہ اہلیہ مکرم نصیر احمد سلمان صاحب ٹورنٹو کینیڈا
(5) مکرم سید عمار بن عباس صاحب نیویارک امریکہ
(6) محترم ڈاکٹر عامرہ بنت عباس صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر فیروز احمد پیڈر صاحب امریکہ

قارئین کرام ایک طرف اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کو دیکھئے اور دوسری طرف شہید کرنے والوں کے انجام پر نظر ڈالئے کہ ابا جان کو شہید کرنے والے لوگ خدا تعالیٰ کی قہری تجلی کا نشانہ بنے اور ان کی نسلیں آپس میں لڑنے مرنے میں مبتلاء ہیں اور ابھی تک یہ فساد ختم نہیں ہوا۔ **فعتبروا یااولی البصار**۔

آپ کی وفات نے احباب جماعت کے دلوں پر گہرا اثر کیا۔اور وہ انتہائی مغموم ہوئے۔چنانچہ آپ کی شہادت کے موقعہ پر جماعت کے مشہور ومعروف شاعر چوہدری محمدی علی صاحب مضطر نے مندرجہ ذیل دو نظمیں کہیں۔

پروفیسر سیّد عباس بن عبدالقادر مرحوم کی شہادت پر

جھگڑے ہے پھول پھول، لڑے ہے کلی کلی
ہوتا ہے ان دنوں یہ تماشا گلی گلی

آیت کی طرح یاد ہے حُفّاظِ شہر کو
چہرہ وہ بھولا بھالا، وہ باتیں بھلی بھلی

یادش بخیر کتنی حسیں غم کی رات تھی
یہ دو گھڑی کی بات تھی جب تک چلی، چلی

بارش ہوئی تو اور بھی جلنے لگی زمیں
خاکِ نجف پکار اُٹھی، مَیں جلی جلی

چہروں کے زرد چاند پڑے ہیں زمین پر
مٹی میں مل رہا ہے یہ سونا ڈلی ڈلی

لیٹے ہوئے ہیں کبر کے سائے زمین پر
جیسے ہو دوپہر بھی ستم کی ڈھلی ڈھلی

وہ بے نیاز چاہے تو ساری انڈیل دے
یوں جوڑنے کو جوڑے ہے بندہ پلی پلی

سر پر خیالِ یار کی چادر کو تان کر
چرچا کیا ہے یار کا گھر گھر، گلی گلی

مقتل میں تیغ تیغ ہمیں نے اذان دی
ہم ہی نے دار دار پکارا علی علی

کرتے رہے ”جھروکۂ درشن“ سے گفتگو
پرجا کے پاس چل کے نہ آئے مہابلی

کیا چاند رات کا اسے مطلق پتا نہ تھا
اس نے جو اپنی مانگ میں یہ چاندنی ملی

اُتری جب آسمان سے شبنم گلاب پر
خوشبو نے مسکرا کے کہا مَیں بکھر چلی

خوددار، غم شناس، خطاکار، بے ہنر
سب جانتے ہیں آپ کو مضطرؔ! گلی گلی
(بحوالہ اشکوں کے چراغ مصنفہ چوہدری مضطرعلی عارفی صاحب صفحہ 317)

پروفیسر سیّد عباس بن عبدالقادر مرحوم کی شہادت پر

احساس کو بھی جانچ، نظر کو ٹٹول بھی
ماحول جل رہا ہے تو کچھ منہ سے بول بھی

یوں تو ازل سے روح تھی اس کی سحر سپید
وہ سروقد تھا جسم کا ”تُچا سڈول بھی

مَیں روحِ عصر ہوں، نہ مجھے موت سے ڈرا
میری ادا کو جان، مجھے ماپ تول بھی

تُو کیوں تکلفات کی سُولی پہ چڑھ گیا
کافی تھے مجھ کو پیار کے دو چار بول بھی

مَیں اسم ہوں تو اسم کا کچھ احترام کر
سُولی پہ بھی سجا مجھے مٹّی میں رول بھی

دار و رسن سے ماپ مرے قد کو لاکھ بار
اک بار خود کو میرے ترازو میں تول بھی

چہرے تو میرِ ملک نے نیلام کر دیے
کیا دیکھتا ہے، بیچ دے چہروں کے خول بھی

تُو فیصلہ تو کر مگر اتنا نہ مسکرا
ایسا نہ ہو کہ ڈھول کا کُھل جائے پول بھی

ہو گا اک اور فیصلہ اس فیصلے کے بعد
اِترا نہ اس قدر کہ یہ دُنیا ہے گول بھی

انصاف اٹھ گیا ہے، ترا خوف مٹ گیا
اے ربِّ ذوالجلال و الاکرام! بول بھی

مضطرؔ! لہو سے دُھل گئیں دل کی سیاہیاں
سورج چڑھا ہوُا ہے، ذرا آنکھ کھول بھی

(بحوالہ اشکوں کے چراغ مصنفہ چوہدری مضطر علی عارفی صاحب صفحہ 317)

مکرم ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادرؒ شہید

''ایسے وجود ہیں جن پر نظر پڑتی ہے خدا کی رحمت کی تو باقی لوگ بھی بخشے جایا کرتے ہیں۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

مکرم ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری کے پوتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے 1985ء میں مرتبہ شہادت عطا فرمایا۔آپ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے خطبہ جمعہ 14 جون 1985ء میں فرماتے ہیں:

''ابھی حیدر آباد سے ہمارے ایک بہت ہی بزرگ اور معزز بھائی عقیل بن عبدالقادر کی شہادت کی اطلاع ملی ہے۔۔۔۔ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر بھی بہت ہی اعلیٰ صفات حسنہ سے متصف تھے۔ بہر حال انہوں نے غرباء کے لئے (آنکھ کے ڈاکٹر تھے) اُن کی آنکھوں کے مفت علاج کے لئے مفت کیمپ لگائے۔غریب آدمی جو آتا تھا اس کے لئے فیس لینے کا سوال ہی کوئی نہیں تھا۔بہت سے لوگوں نے بکثرت مجھے بتایا کہ ان کی غربت کی وجہ سے اپنے پاس سے خرچ کیا کرتے تھے۔ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا کرتے تھے۔نہایت بے نفس، بے لوث انسان جس نے اپنوں کی بھی خدمت کی غیروں کے بھی دل موہے اور کوئی جزا نہیں چاہی کسی سے کبھی۔ یک طرفہ احسان کا سلسلہ جاری تھا۔ان کو بھی برے ظالمانہ طریق پر ابھی چند دن ہوئے شہید کر دیا گیا۔ یہ جو شہادتیں ہیں ان شہادتوں کے نتیجہ میں وہ بہت پاکیزہ لوگ، وہ بہت پیارے وجود پاکستان سے رخصت ہو رہے ہیں جو دراصل پاکستان کی بقا کے ذمہ دار ہیں۔**ایسے وجود ہیں جن پر نظر پڑتی ہے خدا کی رحمت کی تو باقی لوگ بھی بخشے جایا کرتے ہیں**۔اس پر مجھے ایک شاعر کا شعر ابھی حال ہی میں حبیب جالب نے ایک نظم کہی اس کا شعر یاد آ گیا وہ کہتے ہیں

خاک میں مل گئے نگینے لوگ
حکمراں ہوگئے کمینے لوگ

کیسے کیسے نگینے لوگ تھے جو خاک میں مل گئے؟ ایک طبعی نتیجہ ہے اس بات کا کہ کمینے لوگ ملک کے حکمران ہو چکے ہیں جب یہ کمینگی مسلط ہو جائے کسی ملک پر تو پھر اچھے اور پاک لوگوں کے لئے خاک

کے سوا جگہ ہی نہیں رہتی۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 جون 1985 مطبوعہ ہفت روزہ اخبار بدر قادیان یکم اگست 1985ء صفحہ 5)

ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحبؓ ایک نظر میں

اکتوبر 1921ء تا جون 1985ء تک

نام: ڈاکٹر سید عقیل بن عبدالقادر

بیعت: پیدائشی احمدی

تعلیم: ایم بی بی ایس، آر۔ ایم۔ پی۔ ڈی۔ ڈی

ریٹائرڈ: 1982ء آئی اسپیشلسٹ

مقام شہادت: حیدرآباد

عہدہ بروقت شہادت: صدر حلقہ ہیرآباد حیدرآباد سندھ

آلہ قتل: چھری نیزہ نما

لواحقین: بیوہ، دو صاحبزادے ایک صاحبزادی

شمائل: قرآن پاک سے حقیقی عشق تھا، کتب حضرت مسیح موعود کا مطالعہ ان کا حقیقی شغف تھا۔ ہمدرد، والدین کے فرمابردار، غریبوں کا مفت علاج کرنا، سنجیدہ و پختہ ذہن، باوقار شخصیت، بدعات سے قطعی پرہیز، قول وسدید پر قائم تھے۔ وابستگی جماعت میں اعلیٰ معیار رکھتے تھے۔ بحیثیت داعی الی اللہ ہمیشہ ہر میدان میں بے دھڑک داخل ہوتے تھے۔ امام وقت کی سچی اطاعت ان کا جزو ایمان تھا۔

حالات زندگی

آپ کے حالات زندگی اور سیرت کے چیدہ چیدہ واقعات محترمہ سیدہ حفیظۃ الرحمٰن صاحبہ نے اپنی کتاب ''نگینے لوگ'' جلد اول صفحہ 203 تا 222 میں کئے ہیں۔ یہ کتاب شہدائے احمدیت کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ آپ لکھتی ہیں کہ

''ایک محترم شاعر نے کسی عظیم شخص کی عظمتوں کا جب ایک شعر میں احاطہ کیا تو مجھے وہ شعر سنتے ہی ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر کی دن اور راتیں جو حیدرآباد میں گزرتی تھیں یاد آنے لگیں۔ ان چند حروف سے ان کے شب و روز کی تصدیق کی تو مجھے یقین سا ہونے لگا کہ بے شک اشعار بھی سرمائیہ کائنات ہوتے ہیں۔ اس وقت چونکہ میں اپنے کام کی نسبت سے چند حقیقتوں میں کھوگئی اس لئے وزن بھی صحیح یاد نہ رکھ سکی۔ مگر یہ شعر میرا کام آسان کر گیا۔ شعر کچھ اس طرح تھا۔

تپتی دھوپ میں انسانیت کے لئے سایہ تھا وہ شخص

بے شک ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر ظلمتوں، رنج و غم اور دکھوں کے آگے ایک فصیل تھا۔ انسانیت کو جب بھی اخلاقی پستیوں نے چھوا تو رفعتوں کی ڈھال بن کر عقیل بن عبدالقادر سامنے آگئے اور جب بھی ظلمتوں اور اندھیروں نے آنکھوں کے نور کو ڈسا تو ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر نے اس نور کو واپس الانے کا چیلنج قبول کر لیا۔ یہ تھی اس کی عظمت اور یہ تھا اس کا سایہ جو انہوں نے سندھ کے غرباء کو ہر لحظہ عطا کیا۔ وہ انسانیت کے لئے ایک سایہ تھا۔ جو سندھ کی تپتی دھوپ میں خود تپتا رہا لیکن لوگوں کو ٹھنڈک مہیا کرتا رہا۔

مگر اس کے پیش تر ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر کی تراشیدہ راہوں کو نئی نسل کے سامنے لائیں۔ سب سے پہلے آپ کے شجر نسب پر غور کر لیں۔ تو ہمیں سہولت ہوگی کیونکہ دیکھا یہی گیا ہے جب بھی کسی شجر کی روٹس ہی دینی لحاظ سے تناور ہوں تو شاخوں اور پھلوں پر خوب رنگ الوہیت چڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر کے دادا مولانا عبدالماجد بھاگلپوری صاحب ایک جید عالم دین تھے اور بڑے علماء میں ان کا شمار کیا جاتا تھا۔'' (مولانا کی تفصیلی حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ شہاب)

اس کے بعد مصنفہ نے مولانا بعدالماجد صاحب بھاگلپوری صاحب کا تعارف کروایا ہے اور اس کے بعد آپ کے والد محترم حضرت عبدالقادر صاحب کا تعارف کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ

''پھر ڈاکٹر عقیل صاحب کے والد محترم پروفیسر عبدالقادر صاحب بھاگلپوری چونکہ دادا ابا جان کی بڑی اولاد تھے۔ (دادا جان کا الفاظ استعمال کرنے والی صاحبہ کا نام امامہ بنت عبدالقادر ہے۔ موصوفہ اس وقت ان دنوں اپنے بیٹوں کے ساتھ ٹورنٹو کینیڈا میں مقیم ہیں۔ شہاب) اس لئے انہیں بھی سفر و حضر میں تربیت و تعلیم کے تمام اصولوں کو مدنظر رکھنا پڑا۔ کما حقہ اُن پر توجہ دی گئی اور تعلیم و تربیت میں وہ اس خدتک کوشاں

رہے کہ ہمیشہ بیٹے کو اپنے ساتھ رکھتے پروفیسر عبدالقادر سناتے ہیں کہ ایک دفعہ دوران سفر ہاتھی کی پیٹھ پر انہوں نے کتاب پوری ختم کرادی۔ ہاتھی کی پیٹھ پر درس لینے والے سید عبدالقدر صاحب کو جب نورانی کرن نصیب ہوئی تو خدا کی شان ہے کہ جب وہ نوازتا ہے تو مخالف طاقتیں بعض اوقات تبلیغ وتلاش حق کا کام کر جاتی ہیں۔ پروفیسر سید عبدالقادر صاحب نے 1902ء میں بیعت کی تھی اور بعد میں اپریل 1903ء میں عازم قادیان ہوئے اور وہاں جاکر دستی بیعت کی وہ سناتے تھے کہ میرے والد محترم نے عبد اللہ ٹونکی کے دینی مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ میں نے شاہی مسجد لاہور کے ایک حجرے میں رہائش اختیار کی دوران درس وتدریس عبداللہ ٹونکی حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعلق بہت بدزبانی کیا کرتا تھا۔ یہاں مجھے جستجو پیدا ہوئی کہ کیا صورت حال ہے چنانچہ حقیقت کی تلاش کے لئے سید عبدالقادر صاحب نے خواجہ کمال الدین صاحب کو جو کہ ابتدائی ایمان لانے والوں میں سے تھے رابطہ قائم کیا اور ان کے ذریعہ قادیان پہنچے وہاں جاکر حضرت امام مہدی علیہ السلام سے شرف باریابی کا موقع نصیب ہوا۔ اور بعد میں حضور کے منشاء کے مطابق باقی تعلیم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے حاصل کی پھر مولوی فاضل پاس کیا۔ اور بعد میں علی گڑھ کالج سے ایم اے ہسٹری یا عربی میں اول پوزیشن حاصل کرلی۔

الغرض ڈاکٹر سید عقیل بن عبدالقادر صاحب کے والد محترم وہ خوش نصیب انسان تھے کہ جنہیں حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی محبت وصحبت بھی حاصل ہوئی اور شرف شاگردی کے لئے بھی حضرت اقدس علیہ السلام نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا مولوی نورالدین صاحب کو منتخب کیا۔ حضرت مولانا نورالدین کے شاگرد رشید جب عملی زندگی میں داخل ہوئے تو ہر جا تنظیم ایمان، سادگی، پختگی عہد اور فراست وبصیرت تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ سب سے بڑا مرحلہ جو تربیت اولاد ہے حقیقت میں Target ہے جس پر انسان کو اپنی صلاحیتوں کو کماحقہ استعمال کرنا چاہیے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ سید عبدالقادر صاحب نے اپنی اولاد کو تعلیم و تعلم کے میدان میں کہاں تک اولیت دلائی۔

چنانچہ اس کنبہ کے 8 افراد تھے 6 بیٹے اور 2 بیٹیاں اور دو میاں بیوی جو اپنی زندگی سکون اور راحت سے ہندوستان میں گزار رہے تھے مگر مقصد ان کا ایک ہی محور کے گرد گھومتا رہا کہ اولاد کو دین و دنیا میں امتیازی مقام حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عقیل صاحب کو دادا جان کی

سرپرستی میں بیش تر حصہ تربیت کا میسر آ گیا۔ کیونکہ پروفیسر صاحب اپنی ملازمت کے سلسلہ میں کبھی کٹک، کبھی الہ آباد وغیرہ میں رہا کرتے تھے۔

''ہمارے دادا جان کا زیادہ وقت مذہبی مشاغل میں گزرتا تھا اور وہ زمانہ مناظرہ اور مباحثہ کا تھا زندگی کی غرض وغایت احمدیت کی تعلیم وتبلیغ تھی۔''

زمانہ طفلی میں جب آنکھ کھلے اور ایسے انسان کی صحبت میسر آجائے جو اصول پرست ہو باقاعدگی اس کی زندگی کا قاعدہ ہو جھوٹ سے اُسے نفرت ہو اور وقت کا زیاں اس کو سخت ناپسند ہو تو پھر ہیرے کی تراش خراش والی مثال قطعی اور نہایت واضح ہو کر سامنے آجائے گی۔ یہی حال ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر کا تھا کہ انہوں نے ابتدائی تعلیم قرآن مجید باترجمہ اور دینی معلومات اپنی والدہ محترمہ سے گھر پر ہی حاصل کی اور کلکتہ میں چھٹی کلاس میں داخل ہو گئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ہی میٹرک پاس کی اور اوّل پوزیشن حاصل کی یہ اس والدہ کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا جو دینی تعلیم زندگی میں یکے بعد دیگرے چھ مرتبہ اول پوزین حاصل کرتے رہے اور دس اشرفی ہر مہینہ وظیفہ بھی لیا کرتے تھے جب کہ کلرک مذاق کیا کرتے تھے کہ ''لوگ تو دے کر جاتے ہیں اب آپ لینے آجاتے ہیں۔''

ایسے باپ کا بیٹا جب ایم بی بی ایس کر کے عملی زندگی میں داخل ہوا ہوگا تو خدا کے فضل اور اطاعت والدین کی بناء پر اس کی زندگی کا ہر لمحہ کامیاب وکامران ہوگا۔

بحیثیت عورت مجھے والدہ صاحبہ کی محنت اور قربانی کے پہلو کو بھی دیکھنا چاہیے کہ عقیل صاحب کی زندگی میں ان کا کتنا عمل دخل تھا۔ امامہ صاحبہ کہتی ہیں کہ ہماری'' والدہ محترم کی سگی پھوپھی زاد تھی اور بفضل تعالی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے والی صابرہ شاکرہ صدقہ وخیرات میں ہمیشہ آگے رہتیں پھر بچوں کو ہر وقت فرمانبرداری اور خوف خداوندی اور دینی باتوں کی ترغیب دلاتی رہتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کاوشوں کا ثمر خدا تعالیٰ نے دو شہید بچوں کی صورت میں عطا کیا۔ الحمد للہ۔ وہ بلاشبہ ایک متقی، پرہیزگار، محبت کا مجسمہ، خدا ترس خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند کرے۔ آمین۔ محترمہ والدہ صاحبہ کی دی ہوئی بچپن کی تربیت ایک ایسا بنا بنایا سانچہ تھا جس میں ڈھل کر ہر بیٹا اپنی اپنی جگہ اعلیٰ صلاحیتیں اور مثالی اقدار لئے ہوئے تھا۔ جناب محترم عباس شہید بھی دین کی تعلیم وتربیت میں اپنا جوش رکھتے تھے کہ ہمیشہ تبلیغی جلسے

منعقد کراتے رہتے تھے اور مباحثوں میں حصہ لیتے تھے۔ حقیقی معنوں میں داعیان اکثر جب دعوت حق لے کر اٹھتے ہیں۔ تو عموماً مخالفین کا ایک حلقہ تیار ہو جاتا ہے اور نتیجہ میں وہ شہادت پر ختم ہوتا ہے جیسا کہ عباس شہید کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ اس طرح ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر بھی ہمیشہ دینی کتب کو زیر مطالعہ رکھتے اور حوالہ جات تیار کرتے تاکہ موقع پر اپنے مباحثہ میں وزنی دلائل دے سکیں۔ وہ وزنی اور مدلل بات کرتے اور یہ دلیل اور وزن ہی ان کا آخری ہتھیار تھا جو مخالفین کو بے وزن کر جاتا تھا۔

عشق قرآن

ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر نے ابتدائی تعلیم ایک ایسی عظیم ہستی سے پائی جو درد اور صبر کے ساتھ اپنے بیٹوں کی رگوں میں قرآن الحکیم کا نور اتارتی تھیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ماں قرآں حکیم کے نور سے منور ہو تو وہ ایسی گہری اور پختہ روشنی اپنے بچوں کی رگوں میں تحلیل کرتی ہے کہ کوئی استاد اور حافظ قرآن کم ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ ماں کے پاس بچے کے لئے ایک درد ہوتا ہے۔ بشرطیکہ قرآن سے سچی محبت ہو اور مکمل طور پر ادراک قرآن حاصل ہو اور صبر کی طبیعت میں چاشنی ہو۔ پھر خدا کے فضل سے ماں سے بڑھ کر کوئی مکتب تعلیم نہیں دے سکتا۔

ڈاکٹر عقیل بن عبدالقدار بچپن سے لے کر تادم حیات قرآن مجید کی تلاوت سے اپنے دن کا آغاز کرتے تھے۔ اگر دو بجے رات بھی بستر پر لیٹتے ہیں تو صبح کی نماز کے لئے بہر حال وقت پر اٹھ جاتے تھے۔ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا ہوگا کہ تلاوت قرآن پاک کا ناغہ ہو پھر قرآن پاک پر غور و تدبر اُن کا مشغلہ تھا۔ وہ ہمیشہ قرآنی علوم کو پڑھانے میں کوشاں رہتے تھے۔ وہ مخالفین کی کتب کا مطالعہ بھی ضرور کرتے اور خاطر خواہ جواب بھی ضرور دیتے تھے۔ روزے بھی ہمیشہ پابندی سے رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ مولیٰ کریم کے حضور بھی روزے کی حالت میں حاضر ہوئے۔

واقف زندگی

زندگی کو خدا کی راہ میں وقف کر دینے والے ڈاکٹر صاحب نے تمام عمر ہی اپنے لمحات، مہارت، مال اور مشورہ کو عوام کے لئے وقف کئے رکھا ایم بی بی ایس، آر ایم پی، فزیشن اینڈ سرجری کے بعد حضرت خلیفۃ

المسیح الثانی کے مبارک مشورہ پر آنکھوں کے معالج کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ چونکہ آپ وقف تھے اس لئے اپنے آقا کی اطاعت میں اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں بھی بنیاد ہی فرمانبرداری اور اطاعت پر رکھی۔ خدا نے اتنا فضل فرمایا کہ پاکستان میں ایسی مہارت کم ڈاکٹروں کو حاصل ہے۔ بہت دور دور سے لوگ بگڑے ہوئے کیس لے کر آتے اور ہمیشہ کامیاب اور منور واپس جاتے تھے۔ گو ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ ڈاکٹر صاحب کی درخواست پر ڈاکٹر صاحب کو وقف سے عارضی چھٹی لینی پڑی۔ مگر آپ کی جڑوں میں آپ کی طبیعت کے اندر ہی قربانی داخل ہو چکی تھی۔ اس لئے بموجب فرمان امام فرقان فورس میں شامل ہو گئے..... بعد میں ربوہ آ گئے اور فضل عمر ہسپتال میں جو اس وقت ابتدائی مراحل میں تھا کام شروع کیا۔ اس عارضی رخصت وقف کے زمانہ میں بھی ملازمت کی۔ اور جناح ہسپتال میں ملازمت کے دوران ڈاکٹر صاحب کو مزید تعلیم جاری رکھنے کا شوق تھا۔ اور بنگال کی گورنمنٹ کی طرف سے وظیفہ بھی منظور ہو گیا تھا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی منشا کے مطابق اس وظیفے کو بروئے کار نہ لایا گیا کیونکہ وظیفہ کی صورت میں ایک بانڈ بھرنا پڑتا جو ایک واقف کا کام نہیں۔ بہر طور آپ انگلینڈ گئے اور D.O کیا۔

حقوق العباد:

پھر فرماں نبردار بیٹا اور اطاعت شعار خادم وطن واپس آ گیا اور باپ کی خواہش کے مطابق خود کو سندھ کی سرزمین کے حوالے کر دیا۔ اس وقت 54-1955ء کا وقت تھا۔ اور لیاقت میڈیکل کالج کا ابتدائی دور تھا اور انہیں آنکھوں کی اسپیشلسٹ کی ضرورت تھی۔ تو اس طرح عقیل بن عبدالقادر نے اپنی خدمات سندھ کے لوگوں کے سپرد کر دیں اور پھر Shefild ہسپتال سے منتقل ہو کر سرزمین ریگستان گرمی و گرد کے ٹیلے کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور ساری حیات یہاں بسر کری دی۔ دن اور رات کا فرق مٹا دینے والے ڈاکٹر صاحب کا شعار تھا کہ میرے مطب کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں اور مجھے یاد ہے کہ اس بات پر اکثر ناراضگی کا اظہار کیا کہ احمدی احباب ہسپتال میں کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ وہ میرے پرائیویٹ پریکٹس کے وقت کیوں نہیں چیک کراتے یہ ایک جذبہ عقیدت تھا۔ ورنہ کون اپنا وقت دیتا ہے اور مفت علاج کرتا ہے۔ وہ احمدیوں سے چیکنگ فیس کبھی نہیں لیا کرتے تھے۔ حیدرآباد سندھ میں 30 سال کا عرصہ بڑی محنت اور صعوبت کا گذرا ان کی احمدیت اور ااصول پرستی کے باعث ایک طرف تو دوست احباب پید

اہوئے اور دوسری طرف مخالفتیں بھی ہوئیں۔ لیکن وہ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔...... ایوب صاحب اور پھر بھٹو صاحب کے زمانہ میں ان کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا اور بلآخر حق کی فتح ہوتی ہے اور وہ ہوئی۔ اور جب خدا تعالیٰ نے غلبہ عطا کیا تو خود حکومت کے ایک اہم کارندے میر رسول بخش تالپور آپ کے گھر حاضر ہوئے اور اظہار افسوس کیا اور اس طرح قدر دانی کی مثال قائم کی۔ اسی طرح طالب المولیٰ صاحب اور دیگر معززین سندھ نے آپ کی بحالی کے لئے تگ ودو کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غرباء کا نقصان ڈاکٹر صاحب کی علیحدگی سے ناقابل تلافی ہے۔ دوسری بار اسکریننگ کی گئی تو معززین شہر کا وفد ڈاکٹر صاحب سے ملا تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔ میں نے پریکٹیس پر زیادہ توجہ شروع کر دی۔ اور مالی طور پر فائدہ میں ہوں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو نقصان نہیں ہے مگر غریب لوگ جو آپ کی مہارت سے فائدہ اٹھاتے تھے ان کا نقصان ہو گیا ہے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے یعنی سیاسی رہنماؤں نے بحالی ملازمت کے لئے خود بھاگ دوڑ کی۔

گویا مخالفت بھی زوروں پر رہی اور ثبات قدمی اور حق پرستی بھی اپنے عروج پر رہی۔"

عوامی جذبہ کے متعلق ان کی ہمشیرہ لکھتی ہیں کہ

"آنکھوں کے علاج میں بھائی صاحب کو اتنی مہارت تھی کہ اکثر بگڑے ہوئے کیس اُنکے پاس آتے تھے خدا تعالیٰ نے انکو بڑی بصیرت عطا کی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ انسانی محبت، ہمدردی، جانفشانی اور پوری لگن ان کے کام میں کامیابی کی ضمانت تھی۔ مختلف دیہاتوں میں اَنگنت کیمپ لگا کر مریضوں کا علاج اور آپریشن کرتے تھے سندھ کے چپہ چپہ پر ان کے قدموں کے نشان۔ ان سے محبت کرنے والے، ان کے علاج سے فائدے اٹھانے والے، ان کے لئے دعا گو اور اُن کو یاد کرنے والے آج بھی موجود ہیں۔ انکا کوئی دشمن اور بُرا چاہنے والا نہیں تھا۔ خاص طور پر سندھ کی مقامی آبادی کے ساتھ ان کا بڑا واسطہ قائم تھا اور یہاں کے غرباء کا علاج مفت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے غرض مندوں کے لئے ان کے گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے اور یہی ایک واقف زندگی احمدی کا معراج ہے کہ وہ خدمت خلق میں امتیازی مقام رکھتا ہو۔

عشق رسول

ڈاکٹر صاحب والدین کی محبت اور فرمانبرادی میں بھی ایک مثال رکھتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو حد درجہ حذر جان خیال کرتے اور کبھی کسی موقعہ پر تن آسانی نہ کرتے تھے کہ والدین کے حقوق سے کوتاہی کر جائیں۔ جب ڈاکٹر صاحب اپنے پیشہ میں Specialization کرنے کے لئے انگلستان گئے تو D.O کرنے کے بعد آپ کو انہوں نے وہیں ملازمت دی اور آپ خواہش مند تھے کہ F.R.C.S پورا کر لیں مگر عبد القادر صاحب نے لیاقت میڈیکل کالج میں آپ کے لئے کوشش کر کے ملازمت حاصل کر لی اور اس طرح ڈاکٹر صاحب کو اپنی تمام تر خواہشات اور امیدیں ختم کر کے والدین کی خاطر وطن مراجعت کرنی پڑی۔

آپ نے شفلیڈ ہسپتال سے کام چھوڑا تو انہوں نے باقاعدہ لکھ کر دیا تھا کہ آپ جب بھی واپس آئیں گے ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے لیکن ڈاکٹر صاحب نے تمام سختیوں اور مخالفتوں کے باوجود اپنا عہد قائم رکھا اور والدین کا ساتھ نہ چھوڑا وہ کہا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل 25) وہ کہتے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ والدین کو اپنے زیر سایہ رکھو جیسا کہ بچپن میں انہوں نے رکھا تھا۔

بے شک والدین کے لئے بھائی صاحب کی ذات گرامی عاجزی اور محبت تھی۔ ہمیشہ ان کی کوشش ہوتی کہ اپنے ہاتھ سے ہی ان کی خدمت کریں چھوٹے سے چھوٹا کام بھی اگر والدین کریں تو ان کو گراں گزرتا تھا۔ کھانے پینے رہنے سہنے میں ہمیشہ اپنی ذات پر تکلیف اٹھایا کرتے تھے۔ انکساری ان کا شعار تھا۔ مہمان نوازی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے کوئی بھی اُن کے گھر چلا جائے بغیر کھلائے پلائے اُن کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ عزیز رشتہ داروں سے بھی محبت کا سلوک رکھتے تھے۔ بھائی بہنوں کے لئے تو اُن کا وجود گھنا پھل دار درخت تھا۔ ہمیشہ محبت کے ساتھ دکھ درد میں ہمارے کام آتے۔ اگر نصف شب کو بھی کوئی اُن کے پاس چلا جاتا تو کھلے بازوؤں سے خوش آمدید کہتے اور ہر ممکن تعاون کرتے تھے۔ دوست احباب کے لئے اُن کا سینہ کشادہ تھا۔ بے ڈھڑک اُن کے پاس جاتے خدمت سے فائدہ اٹھاتے اور بھائی صاحب کی خوشی اسی میں ہوتی کہ خواہ ان کی جان پر کتنی ہی بے آرامی کیوں نہ ہو۔ بس بزرگوں سے محبت کرنے والا وجود ہمیشہ ہی

مدنظر رکھتا کہ میرے محبوب کا فرمان کہیں نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ ہر وقت یہ کوشش کرتے کہ والدین اور بزرگوں کی خدمت سے راحت کے علاوہ تعلیم و تعلم میں بھی مدد لی جائے۔ کچھ نہ کچھ اُن سے سیکھنے کی کوشش کرتے رہتے اور ہر کام حتی الوسع فرمان نبوی کے مطابق ہی سرانجام دیتے۔

ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر کی محبت رسول خدا ﷺ کی ذات بابرکت سے کچھ ایسے عشق کے اصولوں پر مبنی تھی وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ انکے پیارے محمد ﷺ کا نام کوئی شخص ﷺ لکھے بغیر لکھ دے، انتہائی مصروفیت میں بھی جب کوئی شخص اپنا نسخہ یا پرچہ لاتا تو محمد ﷺ کے نام کیا اصلاح کئے بغیر پرچے کو آگے نہ پڑھتے ہمیشہ نسخہ پکڑتے ہی محمد ﷺ کے نام کے ساتھ ﷺ ضرور تحریر فرماتے۔ اگر نسخہ میں محمد ﷺ کا نام درج ہوتا۔

اطاعت امام:

خلافت سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ سیکھنے کے دور سے لے کر سکھانے کے ایام تک ہمیشہ خلیفہ وقت کے ارشاد کو اولین جگہ دی۔ 1946ء میں پٹنہ کالج سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی اور بنگال گورمنٹ سے وظیفہ منظور ہو جانے کے بعد بھی خلیفہ وقت حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر تعلیم حاصل نہ کی جبکہ تعلیم میں اسپیشلسٹ ہونے کا آپ کو بے حد شوق تھا مگر اس شوق کے آگے اطاعت کا شوق بلند درجہ رکھتا تھا۔ اس طرح برصغیر کی تقسیم کے بعد فرقان فورس میں کام کیا۔ اور پھر فضل عمر اسپتال میں جو ابتدائی مراحل میں تھا از خود جانفشانی سے خدمات سرانجام دیں۔ ربوہ راہائش کے دوران ہی شادی ہوئی چونکہ سلسلہ عالیہ احمدیہ سے انتہائی عشق تھا اس لئے کوئی بات اگر کسی سے نہ مانتے ہوں تو خلیفہ وقت کے حکم پر فوراً تسلیم کر لیتے اور ایک لمحہ کے لئے پس و پیش نہیں کرتے تھے باوجود مخالفتوں کے وہ بے دھڑک تبلیغ کرتے تھے۔ دنیاوی نقصان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے تھے۔ مظلوم کی حمایت کرنا، غلط بیانی اور حیلے بہانے اُن کو سخت ناپسند تھے اور بے اصول زندگی پر انتہائی طور پر برافروختہ ہوتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں اپنی خدمات بعد از ریٹائرمنٹ پیش کر کے بے حد مطمئن تھے اور سلسلے کے کاموں میں زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے تھے اور اکثر جلسہ اور مشاورت میں حصہ لینے کی کوشش کرتے تھے اور ضمناً ایک بات جو مجھے پسند آئی اور بے حد پسند آئی وہ آپ کا ایثار قربانی تھا۔ آپ نے سادگی میں اطاعت خلیفہ کو

اس درجہ اپنایا کہ اپنے بیٹے کی شادی کی تقریب دار الذکر حیدر آباد میں کی اور دلہا صاحب اور محترمہ دلہن صاحبہ نمازیوں میں شامل تھے۔ خاص و عام سب کو کھانا تقسیم ہوا اور نماز کے علاوہ طعام پر بھی ایک دفعہ پھر محمود و ایاز کا سماں دیکھنے میں آیا بے حد سکون ہوا۔

ڈاکٹر عقیل صاحب کے بارے میں اُن کی اہلیہ کی گواہی

مکرم شہید ڈاکٹر عقیل صاحب کی شادی مکرمہ ناصرہ بنت ظریف صاحب سے ہوئی تھی۔ خاوند کے بارے میں بیوی سب سے بہتر جانتی ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کی سب سے گہری راز دار ہوتی ہے۔ محترمہ ناصرہ صاحبہ اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں اپنے خاوند محترم کے بارے میں تحریر فرماتی ہیں

''آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک سے آپ کو گہرا عشق تھا۔ اکثر بعض مریض نعت لکھ کر آپ کو سناتے تھے۔ اور آپ بہت شوق کے ساتھ نعت سنتے تھے۔ اور ہم لوگوں کو بھی سناتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا جس عمر میں وصال ہوا اس کا تذکرہ بڑی حسرت سے کرتے اور کہتے یہ عمر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کے لئے بڑی مناسب عمر ہے۔ اس عمر میں انسان اپنے سارے کام نپٹا سکتا ہے۔ چنانچہ شہادت کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال اور کچھ ماہ تھی۔''

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے کرام سے بے انتہاء پیار و عشق تھا۔ اور خصوصاً خلافت کا حد سے زیادہ احترام اور اطاعت تھی۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ لکھتی ہیں کہ

''جس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا وصال ہوا آپ بوجہ جنگ 1965ء پشاور میں مقیم تھے۔ آپ نے وہاں سے بذریعہ تار فوراً خلیفۃ الثالث رحمہ اللہ کی بیعت کی اور پھر آپ کے انتقال کے بعد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی بیعت میں بھی فوراً پہل کی۔''

محترم ڈاکٹر صاحب کی پریکٹس کے حوالہ سے آپ کی اہلیہ صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ

''ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے آئی کیمپ مٹھی ضلع تھرپارکر میں 1956ء میں کیا۔ جن احباب نے پاکستان کے اولین زمانہ کا سندھ دیکھا ہے وہی اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مٹھی جیسی دور افتادہ جگہ میں آئی کیمپ کرنا آسان کام نہ تھا۔ گو یہ کیمپ سندھ کا اولین آئی کیمپ نہ تھا لیکن اس کے بعد آپ مسلسل اندرون سندھ کیمپ منعقد کرتے رہے۔ اور یہ سلسلہ 1975ء تک چلتا رہا۔

آپ کی پروفیشنل زندگی معجزانہ تھی۔ اور دریافت کرنے پر آپ تین باتوں کو ہمیشہ مثال کے طور پر بیان کیا کرتے تھے۔

اوّل: یہ حدیث مبارکہ کہ دنیا میں دو ہی علم ہیں۔ ایک علم الادیان اور دوسرا علم الابدان۔

دوئم: ہمیشہ یہ کہتے کہ ایسی تیاری کرو کہ اگر آج کوچ کا حکم آجائے تو خدا اور اُس کے رسول کا سامنا کرنے میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

سوئم: ہمیشہ کہتے کہ اپنی تشخیص اور علاج کے لئے اور اپنے مریضوں کے لئے ہمیشہ اپنے رب سے دعا کرو۔

اپنی ساری زندگی میں ان باتوں پر خود بھی عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے رہے۔ مولا کریم نے آپ پر کچھ ایسا کرم کیا کہ آپ جیسی تشخیص اور علاج دوسروں کے بس کی بات نہ تھی۔ پاکستان کے کونے کونے سے مریض آپ سے علاج کے لئے آتے تھے۔ دن ہو یا رات کبھی کسی مریض کو دیکھنے سے انکار نہ کیا۔ ہمیشہ پیچیدہ بیماریوں کے لئے اپنے رب سے دعا کرتے اور پھر اُسی کے حکم سے علاج آپریشن سے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے۔''

آپ کی ساری زندگی معجزانہ علاج سے بھری ہوئی تھی۔ مثال کے طور پر آپ کی اہلیہ ایک واقعہ کا ذکر کرتی ہیں۔ اس واقعہ کے راوی اور گواہ ڈاکٹر صاحب کے اسسٹینٹ مکرم سید مبارک حسین صاحب ہیں۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ کراچی کا ایک شخص کالا پانی (black cataract) کی تکلیف میں مبتلاء ہوا۔ زمانہ کے دستور کے مطابق اس نے علاج آپریشن سے کراوایا جو کامیاب نہ ہوا اور روز بروز اس کی بصارت کمزور ہونے لگی۔ یہ صاحب نیک آدمی تھے۔ اپنے رب سے اس بیماری سے شفایابی کے لیے دعا مانگا کرتے تھے۔ ایک دن اُن کو خواب میں حکم ملا کہ خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ جاؤ۔ ان صاحب نے زادہ راہ لیا او اجمیر شریف کی درگاہ کا قصد کیا۔ ہر روز جا کر دعا کرتے لیکن بے سود۔ ایک دن دعا کرتے کرتے روضہ پر نیند آ گئی۔ نیند کی حالت میں خواجہ صاحب کا دیدار ہوا اور انہوں نے فرمایا۔ جاؤ تمہارا علاج ڈاکٹر عقیل کے پاس ہے۔ اس پر یہ صاحب گھبرائے کہ میں تو ڈاکٹر عقیل کو نہ جانتا ہوں اور نہ پہچانتا ہوں۔ اس پر خواجہ صاحب نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس کو دیکھ لو اور پہچان لو گے۔ اس کے بعد یہ

صاحب کہتے ہیں کہ میری آنکھ کھل گئی۔ اب یہ گھبرائے کہ اس آدمی کو میں کہاں تلاش کروں۔ دعا کرتے رہے اور ایک دن نماز میں آواز آئی۔ گھر جاؤ۔ سب معاملہ حل ہو جائے گا۔ اس پر یہ صاحب عازم کراچی ہوئے۔ راستے میں مسافروں سے گفتگو کے دوران حیدرآباد اسٹیشن سے قبل ڈاکٹر عقیل قادیانی کے متعلق گفتگو سنی کہ بڑا اچھا ڈاکٹر ہے لیکن ہے قادیانی۔ اس پر یہ صاحب ڈرے لیکن دل میں عزم کر لیا کہ میں ضرور اس نام کے ڈاکٹر کو دیکھوں گا۔ حیدرآباد اسٹیشن پر اتر کر رکشہ والا سے کہا کہ مجھے ڈاکٹر عقیل کے مطب میں جانا ہے۔ اس پر رکشہ والے نے پوچھا کہ جو قادیانی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اس طرح یہ مطب تک پہنچے۔ اس واقعہ کے راوی سید مبارک حسین صاحب کہتے ہیں کہ جب یہ شخص کمرہ میں داخل ہوا تو حیرت سے صدمہ میں چلا گیا اور پھر زاروقطار رونا شروع کر دیا کہ اس آدمی کی تصویر مجھے خواجہ صاحب نے دکھائی تھی۔ اُس آدمی کو ڈاکٹر صاحب نے بہت دلاسہ دیا۔ اُس شخص کا بعد میں کامیاب آپریشن ہوا۔۔ ڈاکٹر صاحب نے اس واقعہ کو مزید آگے بیان کرنے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن یہ واقعہ ڈاکٹر صاحب کی شہادت کے بعد سید مبارک حسین صاحب نے اہل خانہ کو سنایا۔''

قرارداد تعزیت

منجانب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

زہے نصیب! کہ جسے راہ مولیٰ میں جان دینے کی سعادت نصیب ہو کیونکہ وہ جان کا نذرانہ دے کر قرب الٰہی کی منازل طے کر کے شہید جیسی رضا کی جنتوں سے لذت یاب ہوتا ہے۔ بادی النظر میں اس کو عارضی فوائد سے محروم کیا جاتا ہے لیکن بصیرت کی آنکھ اسکے تابناک مستقبل کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ اور خدائے ذوالجلال والاکرام کی ابدی مہمان نوازی کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہمارے بہت ہی پیارے خوش قسمت دوست محترم ڈاکٹر عقیل صاحب ہیں جنہیں 9 جون 1985ء بوقت ساڑھے گیارہ بجے ان کے گھر کے قریب چاقو کے پہ درپے وار کر کے ابدی نیند سلا دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

محترم ڈاکٹر عقیل احمد صاحب مرحوم کا تعلق صوبہ بہار کے ایک ادبی خاندان سے تھا۔ آپ کے والد محترم ابوالفتح عبدالقادر صاحب مرحوم پٹنہ یونی ورسٹی سے منسلک تھے اور محترمہ حضرت سارہ بیگم صاحبہ حرم حضرت مصلح موعود کے برادر اکبر تھے۔ بحیثیت ماہر چشم امراض محترم عقیل صاحب مرحوم کی اس ملک کے

لئے خدمات قابل تحسین تھیں۔ پریکٹیس کے ابتدائی ایام فوج میں گزارے لیکن بعد ازاں سول ہسپتال حیدرآباد میں مستقل ملازمت اختیار کر لی۔ نیز لیاقت میڈیکل کالج میں بطور پروفیسر کام بھی کرتے رہے۔ صوبہ سندھ میں اکثر ماہرین چشم آپ ہی کے شاگرد ہیں۔1982ء میں ریٹائرڈ ہو کر اپنے گھر کے معالج میں مریضوں کو دیکھتے تھے۔ ہمدردی کے جذبہ سے سرشار تھے۔فری آئی کیمپ اکثر لگاتے رہتے، غریبوں اور نادار مریضوں کا مفت علاج کرتے بلکہ مالی مدد بھی فرماتے تھے۔آپ نہایت منکسر المزاج، جوشیلے داعی الی اللہ اور سلسلہ کا درد رکھنے والے وجود تھے۔ بڑے دعا گو، مخلص اور بے نفس انسان تھے، بوقت وفات اپنے حلقہ کے صدر بھی تھے۔ہم ممبران مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اس سانحہ عظیم پر حضور، محترم ڈاکٹر صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ، دونوں صاحبزادگان اور صاحبزادی کے ساتھ گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس قربانی کو قبول فرماتے ہوئے آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔آمین

ہم ہیں ممبران عاملہ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

تبصرے

آپ کی وفات پر ہفت روزہ اخبار لاہور نے 22 جون 1985 میں مندرجہ ذیل خبر شائع کی۔

پاکستان کے ممتاز ماہر امراض چشم عقیل بن عبدالقادر شہید کر دئے گئے۔

ڈاکٹر عقیل کا قتل انسانیت کا قتل ہے اُن کے ہاتھوں کی پوروں میں شفا کا سحر پنہاں تھا۔

ہفت روزہ لاہور کے وقائع نگار کی خصوصی قلم سے

حیدرآباد (10 جون 1985ء) آج یہاں دن کے پونے بارہ بجے کے قریب حیدرآباد کے ممتاز ہر دلعزیز ماہر امراض چشم اور آئی کلینک کے سربراہ ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر کو اُن کی کلینک کے باہر علماء سوکے ورغلائے ہوئے ایک شخص نے چھری کے پے در پے وار کر کے شہید کر دیا۔اور یُوں پاکستان کا یہ تاریخی شہر ایک ایسے انسانیت دوست اور غریب پرور معالج سے محروم ہو گیا۔ جو قناعت، فقر، سادگی اور محبت ومروّت کا

مجسمہ تھا اور جس کے نیک دردمندانہ علاج سے ہزار ہا افراد کی بصارت نے جلا پائی۔ اُن کی نعش تدفین کے لئے ربوہ روانہ کر دی گئی۔

واضح رہے کہ آج سے گیارہ سال قبل بھٹو حکومت کی ایما سے مذہب کے نام پر احمدیوں کے خلاف چلائی گئی خونی تحریک میں ان کے برادر اکبر ملک کے معروف اسکالر اور تاریخ دان خیر پور کالج کے وائس پرنسپل پروفیسر عباس بن عبدالقادر شہید کر دیئے گئے۔

معلوم ہوا کہ ڈاکٹر عقیل اپنے ایک دوست کے ہمراہ دن کے قریب ساڑھے گیارہ بجے اپنے کلینک پر آئے۔ جہاں ان کے دوست تو کار پر سے اُتر کے کلینک کے اندر چلے گئے۔ مگر ڈاکٹر عقیل ابھی اپنا سامان کار سے باہر نکال ہی رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے چھری سے ان کی گردن پر وار کرنے شروع کر دیئے جن سے اُن کی شہ رگ کٹ گئی اور گردن سے خون کا فوارہ اُبل پڑا قاتل ارتکاب قتل کے بعد برابر والی گلی میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ بتایا گیا کہ ڈاکٹر عقیل نے اس خطرناک حالت میں بھی اپنے آپ کو سنبھالا اور جرائت کرتے ہوئے سامنے کے ہسپتال میں پہنچے مگر خون اتنی زیادہ مقدار میں بہہ چکا تھا کہ ہسپتال کے دروازے تک پہنچتے ہی گر پڑے۔ اُنہیں یوں زخمی حالت میں گرتا دیکھ کر آئی اسپیشلسٹ ڈاکٹر ابراہیم مینن اُن کی طرف لپکے سٹریچر منگوایا انہیں سہارا دے کر اس پر لٹایا لیکن سٹریچر ابھی این ڈی وارڈ ہی کے قریب ہی پہنچا تھا کہ مرحوم نے زخموں کی تاب نہ لا کر دم توڑ دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر کے ہولناک قتل کی واردات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے حیدرآباد میں پھیل گئی۔ جسے سنتے ہی ڈوزنل کمیشنر حیدرآباد، ڈپٹی کمیشنر حیدرآباد اور سینئیر سپریٹنڈنٹ پولیس جائے واردات پر پہنچ گئے۔ اس کے ساتھ ہی حیدرآباد کے شہریوں کا تانتہ بندھ گیا اور اُن کے آخری دیدار کے مشتاق جوق در جوق پہنچتے چلے گئے۔ آپ کے وقائع نگار نے اس وقت حیدرآباد کے مختلف طبقوں کے نمائندوں کے اندوہناک سانحے کے بارے میں جو فوری اور بے ساختہ تاثرات سنے و مجملاً یہ ہیں۔ ایک شاعر اور دانشور نے کہا:

ڈاکٹر عقیل حیدرآباد کا محسن تھا اُس کے ہاتھوں کے پوروں میں شفاء کا سحر پنہاں تھا اُس کا قتل

انسانیت کا قتل ہے"

ایک سینئر ایڈووکیٹ نے کہا:

بغیر کسی پشت پناہی کے اس بے دردی سے ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب تو کوئی پیشہ ور قاتل بھی نہیں کرسکتا اگر پاکستان میں واقعی ہر شہری کو جان و مال کا تحفظ حاصل ہے تو محافظین قانون کو قاتل کے علاوہ اس کے خونخوار مذہبی پشت پناہوں کا ٹنٹیوا دبانا چاہیے۔"

ایک سرکردہ ہندو تاجر نے بڑی لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"ڈاکٹر عقیل کو پیسے سے بالکل محبت نہ تھی وہ کبھی فیس کے لئے اصرار یا تکرار نہیں کرتا تھا۔ اکثر اوقات ایک امیر مریض سے وصول کردہ فیس دوسرے غریب مریضوں کو دواؤں کے لئے دے دیتا وہ ہمارے شہر پر پرماتما کا انعام تھا مگر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔"

ایک ریٹائرڈ اعلیٰ پولیس افسر نے کہا:

"صدارتی آرڈیننس کے نفاذ سے اب تک سندھ میں احمدیوں کی سات بڑی شخصیتیں قتل کی جاچکی ہیں اس کے علاوہ تین پر قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا ہے۔ کیا اس طرح دین پھیل رہا ہے یا اسے مٹایا اور عامۃ الناس کو اس سے بیزار کیا جارہا ہے؟

حیرت ہے پولیس اب تک قاتلوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکی بلکہ بڑی بے توجہی اور بے نیازی برت رہی ہے اگر سکھر کے شیخ عبدالرحمٰن کے قاتلوں کو فوراً قانون کے شکنجے میں جکڑ دیا جاتا تو کسی کو دوسرے واردات کی جرائت نہ ہوتی۔ مگر

"رموز مملکت خویش خسراں دانند"

ایک سندھی سیاسی ورکر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

حکومت احمدیوں کے معاملہ میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کو تو آئے دن یقین دہانیاں کراتی رہتی ہے لیکن عملاً یہاں ملک کے ان معزز اور محب وطن شہریوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنا رکھا ہے اور انہیں کسی قسم کا کوئی تحفظ حاصل نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ احمدی کے قتل میں مسیحی مقامی سندھی کا ہاتھ نہیں۔"

ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر پٹنہ میڈیکل کالج کے فارغ التحصیل تھے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان

آرمی میں شامل ہو گئے۔ اور میجر کے عہدے پر افواج پاکستان کی گراں خدمات سرانجام دیں۔ جنگ آزادی کے دوران بھی انہیں قابل قدر خدمات انجام دینے کی توفیق ملی۔ پھر لاہور سے کراچی آ گئے ''ڈومیڈیکل'' کالج میں پروفیسر متعین ہوئے اور 1952ء سے ریٹائرمنٹ تک لیاقت میڈیکل کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اب حیدرآباد میں آئی کلینک کے ذریعہ خدمت انسانیت میں مصروف تھے۔

واضح رہے ڈاکٹر عقیل مرحوم کے والد پروفیسر ابوالفتح محمد بن عبدالقادر پرنسپل اسلامیہ کالج کلکتہ اور اُن کے دادا پروفیسر عبدالماجد کا تعلق بھاگلپور کے معروف وممتاز ''علی خاندان'' سے تھا۔

(لاہور 22 جون 1985ء بحوالہ ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 25 جولائی 1985ء صفحہ 12)

مکرمہ ناصرہ بنت ظریف صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب کا ذکر خیر

ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر کی شادی مکرمہ ناصرہ بنت ظریف صاحبہ سے 1949ء میں ہوئی تھی۔ آپ کی وفات 23 ستمبر 2012ء کو ناروے میں ہوئی۔ آپ کی وفات پر سدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا نماز جنازہ غائب پڑھایا اور آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''تیسرا جنازہ جو ابھی جمعہ کے بعد پڑھایا جائے گا وہ مکرمہ ناصرہ بنت ظریف صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب شہید آف حیدرآباد کا ہے جو آجکل ناروے میں تھیں۔ 23ر ستمبر 2012ء کو ان کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ ان کی والدہ فاطمہ جمیلہ صاحبہ حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کے ابا مکرم محمد ظریف صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے تیرہ برس کی عمر میں احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور اس کی وجہ سے انہیں چھوٹی سی عمر میں بھی بہت سی مشکلیں اور صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ مرحومہ کی شادی 1949ء میں محترم ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب سے ہوئی جو حضرت پروفیسر عبدالقادر صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے تھے اور حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بڑے بھائی تھے۔ بہت مہمان نواز خاتون تھیں۔ اپنے شوہر ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب کے ہاں آنے والے بیشمار مہمانوں اور عزیزوں کی دل و جان سے خدمت کرتی تھیں۔ نمازوں کی پابند، تہجد گزار، خوش مزاج، صاف دل،

غریبوں کی ہمدرد اور علم دوست خاتون تھیں۔ یہ خاندان بھی ماشاءاللہ علم دوست ہے۔ اسی کوشش میں رہتی تھیں کہ حاجتمندوں کی ضرورت پوری کی جائے۔ اُن کی مدد کی جائے اور اُن کو اظہار بھی نہ کرنا پڑے۔ ہر کام سیکھنے کا شوق تھا۔ آپ نے ادب کا امتحان پاس کیا ہوا تھا۔ بچوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوانے کی کوشش کی۔ 1985ء میں اپنے شوہر کی شہادت سے پیدا ہونے والے حالات کے باعث 1987ء میں اُنہیں ناروے ہجرت کرنا پڑی۔ اگرچہ اُن کی عمر ساٹھ برس کی تھی اور ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ بھی تھیں لیکن اس کے باوجود نارویجین زبان سیکھنے کی کوشش کی۔ جماعت اور خلافت سے بہت محبت رکھتی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات اور جماعت کا لٹریچر ہر وقت زیرِ مطالعہ رہتا تھا۔ چندوں کی بروقت ادائیگی کا خیال رکھتی تھیں۔ ان کے دو بیٹے ڈاکٹر ہیں۔ ایک بیٹی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچوں کو بھی ان کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔''

(خطبہ جمعہ فر12 اکتوبر 2012ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 2 نومبر 2012ء)

مکرم حمزہ بن عبدالقادر صاحب

خاکسار شہاب احمد کو ان سے ذاتی وقفیت ہے۔ وہ اس طرح کہ 48-1949ء میں ہم دونوں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ میں نے انہیں صوم وصلوۃ کا پابند پایا۔ ہم دونوں میں اسلام اور احمدیت کا تعلق تھا۔ وہ خشک مذہبی نہ تھے بلکہ مذہبی ہونے کے ساتھ ملنسار اور ہنس مکھ تھے۔ نیز اپنے دوستوں میں ہر دلعزیز تھے۔ دسمبر 1948ء کی ایک سرد رات تھی جب کہ ایک اجنبی میرے کمرے میں داخل ہوا اور ہمیں بتایا کہ قادیان کے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی اجازت حکومت ہند کی طرف سے مل چکی ہے اور کافی لوگ دہلی میں جمع ہو چکے ہیں۔ اور میرے چھوٹے نانا یعنی سید وزارت حسین صاحبؓ نے انہیں اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں بھی قادیان چلوں اُس وقت کے حالات کے مطابق یہ غیر متوقع خبر بلکہ ناقابل یقین تھی لیکن میں نے بغیر ایک لمحہ سوچے حامی بھر دی بعد میں معلوم ہوا کہ ان اجنبی کا نام محمد عقیل تھا پھر میں اُنہیں لے کے حمزہ صاحب کے ہوسٹل میں گیا۔ جب انہیں خبر ملی تو بغیر ایک لمحہ سوچے قادیان جانے کی حامی بھر دی۔ اسے کہتے ہیں دیار محبوب سے محبت دوسرے دن ہم دونوں محمد عقیل صاحب کے ساتھ

دہلی ہوتے ہوئے قادیان گئے پھر واپس علیگڑھ آئے۔بہر حال خاکسار اور حمزہ صاحب اس مبارک سفر میں ایک ساتھ قادیان گئے اور واپس آئے۔

علی گڑھ کی چند مہینوں کی رفاقت نے ہم پر واضح کر دیا کہ وہ سخی اور دریادل انسان تھے۔اس دوران ہم اکثر چائے پینے کے لئے ریسٹورنٹ میں جاتے تھے ہر بار انہوں نے ہی بل ادا کیا۔غالباً مئی 1949ء میں بی ایس سی کا امتحان دینے کے بعد وہ علی گڑھ سے چلے گئے۔ پھر پاکستان چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔اُن کے علی گڑھ چھوڑنے کے بعد دوبارہ اُن سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔

مکرم زید بن عبد القادر صاحب

اپنے بھائیوں میں صرف زید صاحب اس وقت اللہ کے فضل سے زندہ ہیں۔ان دنوں آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔آپ نے کتاب ہذا میں درج اپنے دادا مکرم مولانا عبد الماجد صاحب اور خاندان کے جملہ حالات کو بغور دیکھا اور اس سلسلہ میں بہت تعاون فرمایا۔ جزاکم اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپکو لمبی صحت وسلامتی فعال عمر عطا فرمائے۔

مکرمہ امامہ بنت عبد القادر صاحب

آپ ایک اچھی مصنفہ ہیں۔ان دنوں بیوگی کے ایام گذار رہی ہیں ۔اپنے بیٹے کے ساتھ ٹورنٹو میں قیام رکھتی ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی اور فعال عمر عطا فرمائے۔

حضرت سارہ بیگم صاحبہ کا ذکر خیر

حضرت مولانا عبد الماجد صاحب ؓ بھاگلپوری کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ کی دختر نیک اختر سارہ بیگم صاحبہ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے زوجیت کا شرف بخشا۔ اس طرح آپ کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جسمانی طریق سے بھی ہے۔ محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم نے تاریخ احمدیت جلد 6 صفحہ 106 تا 111 شائع شدہ نظارت نشر واشاعت قادیان میں بعنوان ''حضرت سارہ بیگم صاحبہ ؓ کا حادثہ ارتحال'' میں آپ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ:

''13 مئی 1933ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی حرم (اور حضرت مولانا عبد الماجد صاحب بھاگلپوری کی دختر) حضرت سارہ بیگم صاحبہ ؓ کا قادیان میں انتقال ہو گیا۔ حضور کو راولپنڈی میں اس الم ناک انگیز واقعہ کی اطلاع ملی اور حضور نے حضرت مولانا شیر علی صاحب ؓ امیر مقامی کو تار دیا کہ جنازہ میں خود آ کر پڑھاؤں گا۔ چنانچہ حضور اگلے روز 14 مئی کو پونے نو بجے قادیان تشریف لے آئے اور اسی دن سوا بارہ بجے کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ میں ایک جم غفیر کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ، حضرت حافظ ناصر احمد صاحب اور مرحومہ کے بھائیوں نے میت کو لحد میں اتارا اور آپ بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں سیدہ امۃ الحئی صاحبہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دی گئیں۔

سیدنا حضرت امیر المومنین نے حضرت سارہ بیگم کے نیک اذکار قائم رکھنے اور دوسری احمدی خواتین کو مرحومہ کی طرح رضائے الٰہی اور خدمت سلسلہ کی خاطر تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب وتحریص دلانے کی غرض سے ''میری سارہ'' کے عنوان سے مفصل مضمون لکھا جس میں مرحومہ سے نکاح کی وجوہ اور ان کی فنائیت، قابلیت اور اخلاق پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ فرمایا۔

''غالباً 1924ء کا شروع تھا یا 1923ء تھا جب برادرم پروفیسر عبد القادر صاحب ایم۔اے قادیان تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ کچھ بیمار ہوئے ان کے لئے ہومیو پیتھک دوا لینے کے لئے ان کی چھوٹی ہمشیرہ میرے پاس آئیں انہوں نے اپنے بھائی کی بیماری کے تعلق کچھ اس فلسفیانہ رنگ میں مجھ سے گفتگو کی کہ میرے دل پر اس کا ایک گہرا نقش پڑا۔ جب وہ دوا لے کر چلی گئیں میں اوپر دوسرے گھر کی طرف گیا جس میں میری مرحومہ بیوی رہا کرتی تھی۔ وہاں کچھ مذہبی تذکرہ ہوا اور ایک برقع میں سے ایک سنجیدہ آواز

نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈائری کا حوالہ دیا کہ آپ اس موقع پر اس طرح فرماتے تھے۔ یہ آواز پروفیسر صاحب کی ہمشیرہ ہی کی تھی اور حوالہ ایسا برجستہ تھا کہ میں دنگ رہ گیا۔ میری حیرت کو دیکھ کر امۃ الحیٔ مرحومہ نے فرمایا کہ انہیں حضرت صاحب کی ڈائریوں اور کتب کے حوالے بہت یاد ہیں اور حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) کے فارسی شعر بھی یہ کہتی ہیں اور یہ کہ میں نے الحکم میں اور بدر میں سے اکثر ڈائریاں پڑھیں ہیں اور مجھے یاد ہیں۔ میرے دل نے کہا ایک دن یہ بچی خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے لئے مفید وجود بنے گی۔ میں وہاں سے چلا گیا اور وہ بات بھول گیا۔ جب امۃ الحیٔ مرحومہ کی وفات کے بعد مجھے سلسلہ کی مستورات کی تعلیم کی نسبت فکر پیدا ہوئی تو مجھے اس بچی کا خیال آیا۔ اتفاق سے اس کے والد ماجد مولانا عبد الماجد صاحب بھاگلپوری جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے اس کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو میں نے لڑکی کی صحت کے متعلق رپورٹ کرنے کو بھیجا اور انہوں نے رپورٹ کی کہ صحت اچھی ہے کچھ فکر کی بات نہیں ان کی اس رپورٹ پر میں نے جو خط مولوی صاحب کو لکھا

اس کا ایک فقرہ حسب ذیل ہے:

''ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب آج واپس تشریف لے آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ کی صحت ایسی نہیں جس سے کچھ خدشہ ہو چونکہ اس فیصلہ کی بنا طبی مشورہ پر رکھی گئی تھی۔ اور طبی مشورہ موافق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر مندرجہ ذیل امور میں آپ کی رائے اثبات میں ہو اور سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ بھی ایسی رائے رکھتی ہوں تو ان کا نکاح مجھ سے کر دیا جائے۔''

اس خط کی نقل میں نے رکھی ہوئی تھی آج اتفاقاً سارہ بیگم مرحومہ کا خط تلاش کرنے لگا تو ساتھ ہی اس خط کی نقل بھی مل گئی غرض یہ خط میں نے لکھا اور مولوی صاحب موصوف نے جو کچھ میں نے لکھا تھا اُسے بخوشی قبول کیا۔ اور ہمارا نکاح ہو گیا۔

سارہ جو بھاگلپور کے ایک نہایت معزز خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔ 1925ء میں اس سال کی مجلس شوریٰ کے موقعہ پر میرے نکاح میں آ گئیں۔ ان کا خطبہ نکاح خود میں نے پڑھا اور اس طرح ایک مردہ سنت پھر قائم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں برکتیں ہوں مولوی عبد الماجد صاحب پر جنہوں نے ہر طرح کی

تکلیف کو دیکھتے ہوئے ایک بے نظیر اخلاص کا ثبوت دیا اور میرے ارادوں کو پورا کرنے کے لئے مجھے ایک ہتھیار مہیا کر دیا۔

مرحومہ امۃ الحیؒ کی وفات سے جو ایک قومی نقصان مجھے نظر آتا تھا اس کی ذہنی اذیت نے مجھے اس بات کے لئے بیتاب کر دیا کہ سارہ کے قادیان آنے سے پہلے میں انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاؤں۔ چنانچہ میں نے انہیں ایک خط لکھا جس میں بلا اجمال آنے والی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور اُمید ظاہر کی کہ وہ میرے لئے مشکلات کا نہیں بلکہ راحت کا موجب بنیں گی۔ خط کے جواب میں کچھ دیر ہو گئی تو میں نے ایک اور خط لکھا۔ اس کا جو جواب آیا وہ میں نے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ آج کہ مرحومہ اس دنیا سے اٹھ گئی ہیں۔ آج کہ ہمارے تعلقات سفلی زندگی سے پاک ہو کر بالکل اور نوعیت کے ہو گئے ہیں۔ میں اس خط کو مرنے والی کی نیک نیت کو تازہ رکھنے کے لئے درج کرتا ہوں۔ جب یہ خط مجھے ملا اُس وقت میری آنکھیں پُرنم تھیں اور آج بھی کہ وہ خط میری آنکھوں کے سامنے اس نہ واپس لوٹ سکنے والے زمانہ کو سامنے لا رہا ہے۔ میری آنکھیں اشکوں سے پُر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اور مرحومہ پر بھی رحم فرمائے کہ اگر ہم گندے ہیں تو بھی اس کے ہیں اور نیک ہیں تو بھی اس کے ہیں اور وہ خط یہ ہے۔

24 اپریل 1925 از احمدیہ ہاؤس بھاگلپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

میرے واجب الاطاعت خاوند۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عید کی نماز کے معا بعد آپ کا نامہ ملا۔ دریافت حال سے خوشی ہوئی۔ اُمید ہے کہ میرا دوسرا خط بھی حضور کی خدمت میں پہنچا ہوگا۔ حیران ہوں کہ کیا جواب تحریر کروں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے مجھ کو ہر طرح سے آپ کی منشاء اور مرضی کے مطابق بنا کر عملاً اس کا بہترین جواب دینے کی توفیق بخشے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بہ حیثیت آپ کی بیوی ہونے کے اپنے عظیم الشان فرائض کی ادائیگی کی ہمت و طاقت عطا فرمائے اور ہر ایک تنگی و تُرشی کو اس راہ میں برداشت کرنے کی توفیق دے۔

میں اپنے رب سے دعا کرتی ہوں کہ وہ میری ہمت و طاقت علم وایمان وایقان وصحت میں بیش از پیش برکت عطا فرما کر مجھے اس مقصد عالی کے حصول میں کامیاب فرمائے۔ میں اپنی زندگی کا مسلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل فرمان کے مطابق بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا معین ومددگار رہو۔

برآستان آنکہ ز خود رفت بہریا
چوں خاک شو، مرضی یارے دراں بجو

دعا کرتی ہوں اور کروں گی آپ کے لئے خصوصاً۔ اللہ تعالیٰ میری زبان میں اثر وقوت عطا فرمائے۔ آپ کے خط میں اپنے نام کو مشدد دیکھ کر پہلے متعجب ہوئی۔ لفافہ کے اوپر کی عبارت نے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی طرف توجہ دلائی کیونکہ میں اس سے ناواقف تھی۔ اردو فارسی لغتوں میں دیکھا لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر منتہی الادب میں دیکھا۔ اس میں اس کے معنی لکھے تھے ''زن شادماں کن'' اس انکشاف حقیقت سے مجھے بے حد خوشی ہوی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فی الواقعہ اسم با مسمیٰ بنائے۔ میری طبیعت نسبتاً اچھی ہے کامل صحت کے لئے دعا کی ضرورت ہے راقمہ۔ آپ کی سارہ۔''

ان دوستوں کے لئے جو میری طرح فارسی کا کم علم رکھتے ہیں یا بالکل نہیں رکھتے۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کا فارسی کا ترجمہ کر دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کی تلاش کر جو خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کو کھو چکا ہو اور پھر اس کے دروازہ پر مٹی کی طرح بے خواہش ہو کر گر جا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کر۔

آہ مرحومہ نے اس وقت جب وہ اپنے نئے گھر میں آئی بھی نہ تھی جو کچھ کہا تھا اُسے لفظاً لفظاً پورا کر دکھایا۔ اُس کی زندگی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا شعر کی مصداق ہو کر رہ گئی۔ وہ اس عقیدت سے آئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازہ پر جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کو کھو دیا تھا گر جائے اور پھر اپنے پیدا کرنے والے کی رضا کی تلاش میں اس دروازہ کی مٹی ہو کر رہ جائے۔ ہمیشہ کے لئے اپنے وجود کو کھو دے۔ ایک مشت خاک ہو جس میں کوئی جان نہ ہو۔ خواہ اُسے اٹھا کر پھینک دو خواہ اسے مقدس سمجھ کر تبرک کی طرح رکھ لو۔

بخدا اُس نے جو کہا تھا پورا کر دیا۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ وہ حقیقی معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں کی خاک ہوئی پڑی ہے وہ ہمیشہ کے لئے اس آستانہ پر گر چکی ہے تا خدا تعالیٰ کی رضا اسے حاصل ہو۔ اے راحم خدا! تو اس گری ہوئی کو اٹھا لے تو اس پر پوری طرح راضی ہو جائے ئ۔ آمین۔''

حضرت سارہ بیگم کی اولاد نے اپنی پیاری والدہ کی وفات پر صبر و رضا کا جو شاندار نمونہ دکھایا۔ حضور نے اس مضمون میں خاص طور پر اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ان کے پانچ بچے ہوئے۔ دو ایام حمل میں ضائع ہو گئے اور تین خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں۔ بڑے کا نام رفیع احمد ہے۔ درمیانی لڑکی ہے اس کا نام امۃ النصیر ہے۔ چھوٹے بچے کا نام حنیف احمد ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسم با مسمی بنائے۔ اور اس قسم کے نیک اعمال کی توفیق دے کہ اپنی ماں کے لئے نیک یادگار چھوڑیں اور ان کے نیک کاموں کی وجہ سے ان کی ماں کا درجہ بلند ہوتا رہے۔ یہ بچے اپنی ماں کی طرح نہایت صابر ہیں۔ حنیف احمد سلمہ اللہ تو ابھی چھوٹا ہے وہ چونکہ ابھی صرف ڈیڑھ ماہ کا تھا کہ ان کی پڑھائی کی وجہ سے ماں سے جدا کر دیا گیا۔ اور ننہال بھجوا دیا گیا۔ وہاں سے ماں کی وفات سے صرف تین دن پہلے آیا۔ وہ گویا پنی ماں سے بالکل ناواقف تھا اور ابھی اس کی عمر بھی ایک سال سے دو تین ماہ اوپر ہے۔ اس لئے اسے تو ماں کی موت یا زندگی کی کوئی حس ہی نہیں لیکن رفیع احمد سلمہ اللہ کے وہ بھی ابھی ننھال گیا ہوا تھا اور والدہ کی وفات سے صرف تین دن قبل واپس آیا۔ اس کی عمر چھ سال سے کچھ اوپر ہے اس کی نسبت راولپنڈی سے واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ جوں ہی ان کی والدہ وفات پائی وہ اپنی بہن امۃ النصیر کو جو والدہ کے پاس رہنے کے سبب زیادہ والدہ سے مانوس تھی ایک طرف لے گیا اور ایک دروازہ کے پیچھے کھڑے ہو کر دیر تک اسے کچھ سمجھاتا رہا۔ اسکے بعد جب مرحومہ کو غسل دے کر چارپائی پر لیٹا دیا گیا تو پہلے ایک پھولوں کا ہار لے کر آیا اور پہلے والدہ کے ماتھے پر بوسہ دیا پھر ہار گلے میں ڈال کر اپنے آنسوؤں کو بزور روکتا ہوا اپنے منہ کو ایک طرف کر کے تا کہ اس کے جذبات کو کوئی دیکھ نہ لے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ وہ ایک چھ برس کا بچہ ہے یہ عمل ایک غیر معمولی عمل ہے ایک حیرت انگیز صبر کا مظاہرہ ہے۔ جب میں واپس آیا اور میں نے رفیع احمد کو بلوایا تو میں نے دیکھا کہ وہ میری آنکھوں سے

آنکھیں نہیں ملاتا تھا اور اپنے جذبات کو پورے طور پر دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میری آنکھوں سے اس کی آنکھیں ملیں تو اپنے آنسو نہیں روک سکے گا۔ شاید وہ کہیں چھپ کر رو یا ہو میں نے اسے روتے ہوئے نہیں دیکھا۔۔۔

یہ رفیع احمد کا حال تھا۔ امۃ النصیر جو ساڑھے تین سال کی عمر کی چھوٹی بچی ہے اور ہر وقت اپنی ماں کے پاس رہنے کے سبب بہت زیادہ اُس سے مانوس تھی اپنے بھائی کے سمجھانے کے بعد وہ خاموش ہو گئی ۔ جیسے کوئی حیران ہوتا ہے، وہ موت سے ناواقف تھی وہ موت کو صرف دوسروں سے سن کر سمجھ سکتی تھی نہ معلوم اس کے بھائی نے اسے کیا سمجھایا تھا کہ وہ نہ روئی نہ چیخی نہ چلائی۔ وہ خاموش پھرتی رہی اور جب سارہ بیگم کی نعش کو چارپائی پر رکھا گیا اور جماعت کی مستورات جو جمع ہوگئی تھیں رونے لگیں تو کہنے لگی میری امی تو سو رہی ہیں۔ یہ کیوں روتی ہیں۔ میری امی جب جاگیں گی تو میں ان سے کہوں گی کہ آپ سوئی تھیں اور عورتیں آپ کے سرہانے بیٹھ کر روتی تھیں۔

جب میں سفر سے واپس آیا اور امۃ النصیر کو پیار کیا تو اس کی آنکھیں پرنم تھیں لیکن وہ روئی نہیں۔ اس دن تک میں نے اسے کبھی گلے نہیں لگایا تھا اس دن پہلی دفعہ میں اُسے گلے لگا کر پیار کیا مگر وہ پھر بھی نہیں روئی۔ حتی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اسے نہیں معلوم کہ موت کیا چیز ہے؟ مگر نہیں یہ میری غلطی تھی۔ یہ لڑکی مجھے ایک اور سبق دے رہی تھی۔ سارہ بیگم دارالانوار کے نئے مکان میں فوت ہوئیں۔ جب ہم اپنے اصلی گھر دارالمسیح میں آئے تو معلوم ہوا کہ اس کے پاؤں میں بوٹ نہیں ایک شخص کو بوٹ لانے کو کہا گیا۔ وہ بوٹ لے کر دکھانے کے لئے لایا تو میں نے امۃ النصیر سے کہا۔ تم پسند کرلو۔ جو بوٹ تمہیں پسند ہیں وہ لے لو۔ وہ دو قدم بے دھیان چلی گئی پھر یک دم رکی اور ایک عجیب حیرت ناک چہرہ سے ایک دفعہ اُس نے میری طرف دیکھا اور ایک دفعہ اپنی بڑی والدہ کی طرف۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ تم تو کہتے ہو کہ جو بوٹ تمیں پسند ہو لے لو مگر میری ماں تو فوت ہو چکی ہے مجھے بوٹ لے کر کون دے گا۔ میں اس امر کے بیان کرنے میں کوئی شرم نہیں کرتا کہ وفور جذبات سے اس وقت مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے بات کی یا وہاں ٹھہرا تو آنسو میری آنکھوں سے ٹپک پڑیں گے۔ اس لئے میں نے فوراً منہ پھیر لیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیا کہ بوٹ اپنی امی جان کے پاس لے جاؤ۔

ہمارے گھر میں سب بچے اپنی ماؤں کو خالی امی اور میری بڑی بیوی کو امی جان کہتے ہیں۔ میں نے جاتے ہوئے مڑ کر دیکھا تو امۃ النصیر اپنے جذبات پر قابو پا چکی تھی۔ وہ نہات استقلال سے بوٹ اٹھائے امی جان کی طرف جا رہی تھی۔ بعد کے حالات نے اس امر کی تصدیق کر دی کہ وہ اپنی والدہ کے وفات کے حادثہ کو باوجود چھوٹی عمر کے ہونے کے خوب سمجھتی ہے۔ چنانچہ اس کے بھائی نے اُسے دق کیا اور پھر اپنے اس ظلم کو اور زیادہ سنگین بنانے اور اس کے دل کو دکھانے کی نیت سے اسے کہا کہ تم میرے اس چھیڑنے کی شکایت اپنی امی سے کروگی۔ اس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ نہیں بھائی میں اپنی امی سے شکایت نہیں کر سکتی'' خدا کی کھچم (خدا کی قسم) میری امی تو اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں وہ تو اب کبھی واپس نہیں آئیں گی۔'' یہ گفتگو مجھے گھر کے ایک اور بچے نے سنائی اور مجھے یقین ہو گیا کہ امۃ النصیر موت کی حقیقت کو جانتی ہے اس کا فعل صابرانہ فعل ہے اور وہ اپنی امی کی سچی یادگار ہے وہ حقیقت کو جانتے ہوئے اپنے دل کو قابو پائے ہوئے ہے''

اولاد:

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب مصلح موعودؓ کو اللہ تعالیٰ نے محترمہ سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کے بطن سے اپنے فضل سے پانچ بچوں سے نوازا۔ جن میں سے دو ایام حمل یں ضائع ہو گئے۔ بقیہ تین کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے لمبی زندگی عطا فرمائی۔ ان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مکرمہ صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ۔ (2) مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب۔ (3) مکرم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب

محترمہ صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ

محترمہ صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ حضرت مصلح موعودؓ اور سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کی بیٹی تھیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی والدہ سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کی وفات پر آپ کا خصوصاً ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی شادی محترم پیر معین الدین صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ آپ کی وفات 12 نومبر 2011ء کو ربوہ پاکستان میں ہوئی۔

خلیفہ وقت کی نظر میں

سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور اپنی خالہ محترمہ صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ کی وفات پر مورخہ 18 نومبر 2011ء کے خطبہ جمعہ میں مرحومہ کے فضائل حمیدہ اور جماعتی خدمات کا تذکرہ فرمایا تھا۔ اور اس حوالہ سے افراد جماعت کو ضروری نصائح فرمائیں تھیں۔ حضور انور کے اس خطبہ جمعہ کی روشنی میں آپ کی سیرت وسوانح اور فضائل حمیدہ کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

پیدائش و بچپن

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

''ان کی پیدائش اپریل 1929ء میں حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کے بطن سے ہوئی تھی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی حرمِ ثالث تھیں، تیسری بیوی تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات جب ہوئی ہے تو صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صرف ساڑھے تین سال کی تھیں۔ تو آپ کے بچپن کے جذبات اور احساسات کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے ایک مضمون میں کھینچا ہے۔ وہ ایسا نقشہ ہے جسے پڑھ کر انسان جذبات سے مغلوب ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مَیں اپنے آپ پر بڑا کنٹرول رکھتا ہوں۔ کم از کم علیحدگی میں جب پڑھ رہا تھا تو کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال اُس میں سے کچھ حصے جو ان کے بچپن سے ہی اعلیٰ کردار کے متعلق ہیں مَیں بیان کروں گا۔ اور اس میں بھی ہر ایک کے لئے بڑے سبق ہیں۔ جیسا کہ مَیں نے کہا کہ ان کی عمر صرف ساڑھے تین سال تھی جب ان کی والدہ فوت ہوئیں۔ لیکن اُس بچپنے میں بھی ایک نمونہ قائم کر گئیں۔''

سیرت کے مختلف پہلو

حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

''میری والدہ بتایا کرتی تھیں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمہاری خالہ کو اُن کی والدہ کی وفات کے بعد حضرت اُمِ ناصر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کر دیا تھا اور اس کا ذکر حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا ہے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اُس وقت میری والدہ کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ ان کا خیال رکھنا۔ میری والدہ ان سے تقریباً 19 سال بڑی تھیں اور بچوں والا تعلق تھا۔ جب میری والدہ کی شادی ہوئی ہے تو اُس وقت ہماری یہ خالہ سات آٹھ سال کی یا زیادہ سے زیادہ نو سال کی ہوں گی۔ جب میری والدہ کی رُخصتی ہونے لگی تو خالہ نے ضد شروع کر دی کہ مَیں باجی جان کے بغیر نہیں رہ سکتی مَیں نے بھی ساتھ جانا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے پھر سمجھایا تو خیر سمجھ گئیں۔ خاموش تو ہو گئیں اور بڑی افسردہ رہنے لگیں لیکن وہی صبر اور حوصلہ جو ہمیشہ بچپن سے دکھاتی آئی تھیں اُس کا ہی مظاہرہ کیا۔ بہر حال پھر بعد میں حضرت اماں جان اُمُّ المؤمنین کے پاس رہیں۔

مہمان نواز

حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

'حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربوہ میں اپنے بچوں کے جو گھر بنا کر دیئے ہوئے ہیں ان میں خالہ کا اور ہماری والدہ کا گھر ساتھ ساتھ ہیں۔ دیوار سانجھی ہے۔ جب تک گھروں کے نقشے نہیں بدلے تھے اور مزید تعمیر نہیں ہوئی تھی، بعد میں کچھ مزید تعمیر ہوتی رہی تو بیچ میں دروازے بھی تھے، ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا اور بڑی بے تکلفی ہوتی تھی۔ مَیں نے خالہ کو ہمیشہ ہنستے اور خوش دلی سے ملتے اور اپنے گھر میں ہر بڑے چھوٹے کا استقبال کرتے دیکھا ہے۔ مہمان نوازی آپ میں بہت زیادہ تھی۔ امیر ہو یا غریب ہو، بڑا ہے یا چھوٹا ہے، اپنے گھر آئے ہوئے کی خاطر کرتی تھیں۔

ان کے میاں، ہمارے خالو مکرم پیر معین الدین صاحب جو پیر اکبر علی صاحب کے بیٹے تھے، ان کے خاندان کی اکثریت غیر از جماعت تھی۔ خالہ نے اُن کے ساتھ بھی بڑا تعلق نبھایا۔ مکرم پیر معین الدین صاحب کی ایک بھتیجی نے لکھا کہ ہمارے ددھیال والے غیر از جماعت ہیں لیکن اُن کے ساتھ بھی ہماری چچی

کا سلوک بہت محبت اور پیار اور احترام کا تھا اور سب ان کی بہت قدر کرتے اور محبت سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ پیار کا سلوک اللہ کرے کہ قریب لانے کا باعث بھی بنے، ان کی دعائیں بھی قریب لانے کا باعث بنیں اور ان لوگوں کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو پہچاننے اور ماننے کی توفیق ملے۔

خلافت کا انتہائی احترام

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

''مَیں پہلے بھی جب اُن کے گھر گیا ہوں تو ہمیشہ خوب خاطر مدارات کی جس طرح کہ بڑوں کی کی جاتی ہے۔ اور خلافت کے بعد تو اُن کا تعلق پیار اور محبت کا اور بھی بڑھ گیا۔ اطاعت اور احترام بھی اُس میں شامل ہو گیا۔ باقاعدہ دعا کے لئے خط بھی لکھتی تھیں، پیغام بھی بھجواتی تھیں۔ خلافت کے ساتھ اظہار غیر معمولی تھا۔ یہاں دو مرتبہ جلسے پر آئی ہیں۔ انتہائی ادب اور احترام اور خلافت کا انتہا درجے میں پاس جو کسی بھی احمدی میں ہونا چاہئے وہ اُن میں اُس سے بڑھ کر تھا۔ اس حد تک کہ بعض دفعہ اُن کے سلوک سے شرمندگی ہوتی تھی۔ جب بھی آتی تھیں تو یہی فرمایا کہ ہر سال آنے کو دل چاہتا ہے لیکن عمر کی وجہ سے سوچتی ہوں اور پھر بعض دفعہ پروگرام بنا کے پھر عمل درآمد نہیں ہوتا تھا۔''

''خلافت کے تعلق میں بات کر رہا تھا۔ خلافت سے محبت اور وفا کے ضمن میں یہ بھی بتا دوں کہ وہ اس میں اس قدر بڑھی ہوئی تھیں کہ کسی بھی قریبی رشتے کی پرواہ نہیں کرتی تھیں اور اس وجہ سے بعض دفعہ اُن کو بعض پریشانیاں بھی اُٹھانی پڑیں لیکن ہمیشہ خلافت کے لئے وہ ایک ڈھال کی طرح کھڑی رہیں۔۔ اُن کے گھر میں پلنے بڑھنے والے لڑکے نے جو جوان ہے بلکہ بڑی عمر کا ہو گا، اُس نے مجھے لکھا کہ محترمہ بی بی جان کی وفات پر ہمارے دل کو بہت صدمہ پہنچا ہے کیونکہ ہم ایک نہایت نیک، دعا گو اور بزرگ ہستی سے محروم ہو گئے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ بی بی جی نہایت نیک دعا گو، غریبوں اور مستحق لوگوں کی مدد کرنے والی، خدا ترس عورت تھیں۔ ہمیشہ سے ہمیں خلافت سے چمٹے رہنے کی تلقین کیا کرتی تھیں اور خلیفہ وقت کے احکامات کی تکمیل کے لئے موقع ڈھونڈھتی رہتی تھیں۔''

''ان کے داماد سید قاسم احمد نے لکھا ہے کہ خلیفہ وقت سے محبت اور اطاعت میں خالہ نے محلے کی لجنہ میں جس کی وہ صدر رہی ہیں بہت غیر معمولی اثر پیدا کیا تھا۔ اس معاملے میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں تھی

بلکہ ایک فطری جذبہ تھا۔ جس دن وفات ہوئی ہے صبح بار بار کہہ رہی تھیں کہ حضور کی خدمت میں میرے لئے دعا کی درخواست کردو۔''

حضرت اماں جانؓ کی ہردلعزیز

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

جیسا کہ مَیں نے کہا، حضرت امّاں جان (اُمّ المومنینؓ) کے پاس بڑا عرصہ رہی ہیں۔ جب میری والدہ کی شادی ہوگئی تو زیادہ عرصہ پھر حضرت اماں جانؓ کے پاس ہی رہی ہیں۔ بہت روایات اور واقعات حضرت اماں جانؓ کے اُن کو یاد تھے۔ یہاں بھی جب ایک سال ایک جلسے پر آئی تھیں تو لجنہ یوکے کو کچھ ریکارڈ کروائے تھے، صدر صاحبہ لجنہ نے اس کا انتظام کیا تھا۔ وہ واقعات جو حضرت اماں جان کے ہیں اگر ان کے حوالے سے شائع نہیں ہوئے تو لجنہ کو شائع کرنے چاہئیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک مرتبہ اپنی دو بیویوں کی حضرت امّاں جانؓ کے ہاں رات کی ڈیوٹی لگائی کہ باری باری جایا کریں۔ جب اُن کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو حضرت امّاں جانؓ نے فرمایا کہ میرے لئے تو یہ بچی ٹھیک ہے۔ مجھے اسی کی عادت ہوگئی ہے۔ کسی اور کو میرے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت اماں جانؓ بھی آپ سے بہت محبت اور پیار کا سلوک کرتی تھیں۔ جب آپ کی شادی ہوئی تو حضرت اماں جانؓ بہت اداس رہنے لگی تھیں۔ جب کچھ دنوں کے بعد ملنے واپس آئی ہیں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ان کو بازو سے پکڑ کر حضرت امّاں جانؓ کے پاس لے گئے اور کہا یہ لیں آپ کی بیٹی ملنے آئی ہے۔ تو حضرت امّاں جان کا بھی بہت پیار کا سلوک تھا۔

کامل وفا شعار بیوی

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ میں

''بے شمار خوبیاں تھیں۔ بطور ماں اور ساس اور بیوی کے ان کا نمونہ نہایت اعلیٰ تھا۔ اپنے میاں مرحوم کے مزاج کے مطابق اُن کا ہمیشہ خیال رکھا اور کبھی کوئی شکوے کا موقع نہیں دیا۔۔۔۔ اپنے میاں کی کامل اطاعت کی اور بیٹیوں کو بھی اپنے خاوندوں کے بارے میں یہی نصیحت کی کہ اپنے خاوندوں کا خیال رکھا کرو۔ کبھی اپنے میاں سے اُن کو بحث کرتے نہیں دیکھا۔

نصیحت کرتیں تو اکثر حضرت مسیح موعودؑ، حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت اماں جان کا ذکر ہوتا۔ غصہ اگر

کبھی آ یا بھی تو بہت تھوڑی دیر کے لئے اور پھر وہی شفقت والا انداز ہوتا۔ اور لڑکیوں کو، خاندان کی لڑکیوں کو ہمیشہ نصیحت کیا کرتی تھیں کہ ان کو ہمیشہ یادرکھنا چاہئے کہ ہم سے کسی کو ٹھوکر نہیں لگنی چاہئے۔ اللہ کرے کہ اُن کی یہ دعائیں اور یہ نصیحتیں اُن کی بچیوں کے بھی اور خاندان کی دوسری بچیوں کے بھی کام آنے والی ہوں۔

یہ جو پرانے بزرگ ہیں ان کی مثالیں مَیں اس لئے بھی پیش کرتا ہوں کہ ہمارے نئے جوڑوں کو، ایسے خاندانوں کو، میاں بیوی کو جن کے مسائل پیدا ہوتے ہیں ان پر بھی غور کرنا چاہئے۔ خاص طور پر لڑکیوں کو، عورتوں کو اس بات کا خوب خیال رکھنا چاہئے کہ اُن کی سب سے پہلی ذمہ واری اپنے گھروں کو سنبھالنا ہے۔

غریب پرور

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

''ملازموں کے ساتھ بھی بہت شفقت کا سلوک تھا۔ جو بچیاں گھر میں پل بڑھ کے جوان ہوئیں، اُن کا جہیز چھوٹی عمر سے ہی بنانا شروع کر دیا۔ شادیوں کے اخراجات بھی ادا کئے۔ بعض دفعہ دیکھنے میں آیا کہ کام کرنے والی خاتون اور اُن کی بیٹیوں نے انتہائی بدتمیزی کی۔ بعض نے مشورہ دیا کہ فوراً فارغ کر دینا چاہئے مگر فرماتی رہیں کہ ابھی تو مَیں نے ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ شادی کے بعد اُن کے دکھ سکھ میں شامل ہوتی تھیں۔ آج کل جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان میں رشتوں کو نبھانے کے لئے یہ نصیحت بھی بڑی کام کی ہے کہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ بہو کو سمجھانا ہو تو بیٹے کو نصیحت کرنی چاہئے اور اگر داماد کو سمجھانا ہو تو بیٹی کو نصیحت کرنی چاہئے۔ احسان کرتے وقت طریق ایسا اختیار کرتیں کہ اگلے کو محسوس نہ ہو۔ عبادات اور چندوں میں غیر معمولی باقاعدگی تھی اور کوشش ہوتی تھی کہ اپنے اوپر اگر تکلیف بھی وارد کرنی پڑے تو زیادہ سے زیادہ کریں اور ان فرائض کو کبھی پَرے نہ کریں۔

جماعتی خدمات

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

1944ء میں جب حضرت مصلح موعودؓ نے جائیدادیں وقف کرنے کی تحریک کی تو آپ نے اپنا تمام

زیور اس میں پیش کر دیا۔ تیرہ سال کی عمر میں قادیان میں منتظمہ دارالمسیح کا فریضہ انجام دیا۔ سیکریٹری ناصرات قادیان بھی رہیں۔ ہجرت کے بعد رَتن باغ اور پھر ربوہ میں خدمات سرانجام دیں۔ اُن کو ہر طرح مختلف موقعوں پر خدمت کا موقع ملا اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ اُن کو کسی عہدے کی خواہش ہو۔ عہدہ رکھتے ہوئے بھی اگر ایک معمولی سا کام کہا گیا تو فوراً اُس کے لئے تیار ہو جاتی تھیں۔ علمی اور انتظامی لحاظ سے، دینی تعلیم کے لحاظ سے بڑی باصلاحیت تھیں۔ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ رَتن باغ لاہور میں ممانی جان حضرت صالحہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ رات کو دورہ کرتی تھیں اور جن کے پاس اوڑھنے کو کپڑا نہیں ہوتا تھا اُن کو کمبل دیا کرتی تھیں۔

یہ بھی ان کا تاریخی واقعہ ہے کہ 1949ء میں حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت اماں جانؓ کے ساتھ اُن کی گاڑی میں ربوہ آنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آپ فرمایا کرتی تھیں کہ یہ میری زندگی کا یادگار واقعہ ہے۔ مسجد مبارک ربوہ کی سنگِ بنیاد کی تقریب میں ایک اینٹ پر دعا کرنے والی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خواتین میں شامل تھیں۔ جب ربوہ آباد ہوا تو کچے مکان تھے۔ ان کو وہاں بھی ربوہ کے کچے مکانوں میں لجنہ کی خدمت کی توفیق ملی۔ پھر ان کو صدر لجنہ حلقہ دارالصدر شمالی بڑا لمبا عرصہ خدمت کی توفیق ملی۔ 1973ء سے 1982ء تک نائب صدر لجنہ ربوہ رہیں۔ جب میری والدہ وہاں صدر لجنہ ربوہ تھیں تو اُس وقت اُن کے ساتھ کام کرنے کی توفیق ملی۔ پھر 82ء کے بعد ایک دو سال خدمتِ خلق کی سیکریٹری لجنہ رہیں۔ سیکریٹری ضیافت بھی رہیں۔ اور اسی طرح محلے کے علاوہ مختلف عہدوں پر کام کرتی رہیں۔ اور ہر موقع پر جو بھی خدمت ان کے سپرد ہوئی، جو بھی عہدہ تھا بڑی عاجزی سے خدمت کیا کرتی تھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی بیٹی کا حق ادا کرنے والیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

اس بات کا بہت خیال رکھتی تھیں کہ آپ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں اور یہ کہ آپ کی وجہ سے حضور رضی اللہ عنہ کی ذات پر کوئی حرف نہ آئے۔ ایک واقعہ جو آپ نے کئی اجلاسات میں بھی سنایا کہ ایک دفعہ آپ اپنے بھائی کے گھر جا رہی تھیں جو سڑک کے دوسری طرف تھا۔ یعنی ادھر ان کا گھر ہے اور سڑک کے پار بھائی کا گھر تھا کہ سامنے تو بھائی کا گھر ہے جہاں جانا ہے تو آپ نے بجائے اس کے کہ

با قاعدہ برقعہ پہنیں اور نقاب باندھیں برقعہ کا نچلا حصہ سر پر ڈال لیا۔ برقعہ کا جو کوٹ ہوتا ہے وہ سر پر ڈال کے گھونگٹ نکال کے چل پڑیں۔ جب گھر سے باہر نکلیں اور سڑک کے درمیان میں پہنچیں تو دیکھا کہ حضرت مصلح موعودؓ بھی سڑک پر تشریف لا رہے ہیں۔ پرانے زمانے کی بات ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ قصرِ خلافت سے اس طرف آ رہے تھے۔ فرماتی ہیں کہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ مَیں اسی طرح اپنے گھر آ گئی۔ میرا خیال تھا کہ حضور کا دھیان میری طرف نہیں ہوگا۔ اگلے روز جب مَیں ناشتے کے وقت حضور سے ملنے گئیں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا۔ دیکھو تم ایک قدم آگے بڑھاؤ گی تو لوگ دس قدم آگے بڑھائیں گے۔ پس پردے کا خیال، لحاظ رکھو۔ اس طرح حضرت مصلح موعودؓ تربیت فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کرے ان کے بچوں میں بھی اور خاندان کی باقی بچیوں میں بھی اور جماعت کی بچیوں میں بھی پردے کا احساس اور خیال ہمیشہ رہے۔

وفات

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

گزشتہ ہفتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ جو میری خالہ بھی تھیں اُن کی وفات ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 82 سال تھی اور ماشاء اللہ آخر وقت تک ایکٹو (Active) تھیں۔ تین چار دن پہلے دل کی تکلیف ہوئی۔ ہسپتال میں داخل ہوئیں۔ ڈاکٹر نوری صاحب نے علاج کیا۔ ایک نالی کی اینجو پلاسٹی وغیرہ بھی ہوئی۔ اُس کے بعد ٹھیک بھی ہو رہی تھیں لیکن لگتا ہے کہ پھر دو تین دن بعد دوبارہ اچانک ہارٹ اٹیک ہوا ہے جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ہسپتال میں ہی تھیں۔ اور اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئیں۔ مرحومہ بہت ہنس مکھ، خوش مزاج اور دوسروں کا ہر طرح سے خیال رکھنے والی تھیں۔ ظاہری مالی مدد بھی اور جذبات کا خیال رکھنا بھی آپ کا خاص وصف تھا۔ ان کے جاننے والوں کے جو تعزیت کے خط مجھے آ رہے ہیں، اُن میں یہ بات تقریباً اُن کے ہر واقف نے لکھی ہے کہ اُن جیسے بے نفس اور دوسروں کے احساسات اور جذبات کا گہرائی سے خیال رکھنے والے ہم نے کم دیکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان خالہ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور اپنے پیاروں میں اُنہیں جگہ دے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دعا کا مصداق

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں کہ

پھر حضرت خلیفہ ثانیؓ اُن کے لئے دعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ننھی سی کلی کو مرجھا جانے سے محفوظ رکھے۔ وہ اس چھوٹے سے دل کو اپنی رحمت کے پانی سے سیراب کرے اور اپنے خیالات اور اچھے افکار اور اچھے جذبات کی کھیتی بنائے جس کے پھل ایک عالم کو زندگی بخش، ایک دنیا کے لئے موجب برکت ثابت ہوں۔ ارحم الراحمین خدا تُو جو دلوں کو دیکھتا ہے، جانتا ہے کہ یہ بچی کس طرح صبر سے اپنے جذبات کو دبا رہی ہے تیری صفات کا علم تو نا معلوم اسے ہے یا نہیں مگر تیرے حکم پر تو وہ ہم سے بھی زیادہ بہادری سے عامل ہے۔ اے مغیث! مَیں تیرے سامنے فریادی ہوں کہ اس کے دل کو حوادث کی آندھیوں کے اثر سے محفوظ رکھ۔ جس طرح اُس نے ظاہری صبر کیا ہے اسے باطن میں بھی صبر دے۔ جس طرح اُس نے ایک زبردست طاقت کا مظاہرہ کیا ہے تُو اُسے حقیقی طاقت بھی بخش۔ میرے ربّ! تیری حکمت نے اُسے اس کی ماں کی محبت سے اس وقت محروم کر دیا ہے جبکہ وہ ابھی محبت کا سبق سیکھ رہی تھی۔ عشق و محبت کے سرچشمے! تُو اُسے اپنی محبت کی گود میں اُٹھالے اور اپنی محبت کا بیج اُس کے دل میں بو دے۔ ہاں ہاں تو اسے اپنے لئے وقف کرلے۔ اپنی خدمت کے لئے چن لے۔ وہ تیری، ہاں صرف تیری محبت کی متوالی، تیرے در کی بھکارن اور تیرے دروازے پر دھونی رَمانے والی ہو اور تو اُسے دنیا کی نعمت بھی دے تا وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل نہ ہو۔ باوجود ہر قسم کی عزت کے اُس کا دنیا سے ایسا تعلق ہو جیسا کہ کوئی شخص بارش کے وقت ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف جاتے وقت دوڑتا ہوا گزر جاتا ہے۔

(ماخوذ از میری سارہ، انوار العلوم جلد نمبر 13 صفحہ 188-187)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی جو ساری زندگی تھی اس میں نظر آتا تھا کہ یہ دعا حضرت مصلح موعود کی بڑی شان سے پوری ہو رہی ہے۔ اللہ کرے کہ ان کے بچے بھی اس دعا کے مصداق بنیں بلکہ خاندان کے تمام افراد اور جماعت کے تمام افراد اس دعا کے مصداق بننے والے ہوں۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 9 دسمبر 2011ء)

آپ کی وفات کی اطلاع اور خصوصیات کا ذکر خیر کرتے ہوئے روزنامہ الفضل ربوہ نے جو مضمون

شائع کیا تھا وہ قارئین کے لئے پیش ہے۔ اس مضمون میں آپ کی مختصر سوانح حیات وخدمات کا ذکر موجود ہے۔اخبار مذکور تحریر کرتا ہے

محترمہ صاجبزادی امتہ النصیر بیگم صاحبہ انتقال فرما گئیں۔

احباب جماعت کو افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود کی پوتی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت سارہ بیگم صاحبہ کی بیٹی محترمہ صاحبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ اہلیہ محترم پیر معین الدین صاحب مورخہ 12 نومبر 2011ء کو دوپہر کے وقت طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ ربوہ بعمر 82 سال انتقال فرما گئیں ۔آپ حضرت ربوہ میں عمر خلیفۃ المسیح الثالث اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی بہن اور پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خالہ محترمہ تھیں۔

آپ 13 اپریل 1929ء کو قادیان میں پیدا ہوئیں۔مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینیات کلاس میں دینی علوم سے بہرہ ور ہوئیں ۔آپ بہت چھوٹی تھیں کہ آپ کی والدہ حضرت سارہ بیگم بنت حضرت عبدالماجد بھاگلپوری کی وفات ہوگئی ۔اسی لئے آپ کی پرورش حضرت اماں جان نے کی اور اپنے بہت قریب رکھا۔آپ کو بھی حضرت اماں جان سے بہت محبت تھی۔اکثر حضرت مصلح موعود اور حضرت اماں جان کے ساتھ گزرے لمحات کو یاد کرتیں اور بچوں کی تربیت کی غرض سے واقعات سنایا کرتی تھیں۔مہمان نوازی اور غریبوں کا خیال رکھنا آپ کے بنیادی اوصاف تھے۔

(الفضل ربوہ 15 نومبر 2011ء صفحہ 1)

محترمہ صاجبزادی امۃ النصیر بیگم صاحبہ کو سپرد خاک کردیا گیا۔

احباب جماعت کو یہ افسوسناک اطلاع دی جاچکی ہے کہ حضرت مصلح موعود کی بیٹی محترمہ صاجبزادی النصیر صاحبہ اہلیہ محترم پیر معین الدین صاحب مورخہ 12 نومبر 2011ء کو بعمر 82 سال انتقال فرما گئیں۔ان کی نماز جنازہ مورخہ 15 نومبر 2011 کو بعد نماز ظہر مسجد مبارک میں محترم صاجبزادہ مرزا خورشید وامیر مقامی نے پڑھائی ۔آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ کی اندرونی چاردیواری میں ہوئی ۔ قبر تیار ہونے پر محترم صاجبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب نے دعا کروائی۔نماز جنازہ اور تدفین کے موقع پر اہل

ربوہ اور بیرون سے اور احباب کثرت سے تشریف لائے۔خواتین نے حضرت مصلح موعود کی یادگار بزرگ خاتون کا آخری دیدار 12 نومبر کو شام کے وقت اور پھر 15 نومبر کو صبح 9 بجے تا دوپہر ایک بجے تک کیا۔

آپ بہت صابر،اعلیٰ اخلاق کی مالک ،مہمان نواز اور صغرسنی سے ہی خدمت دین کا شوق رکھتی تھیں۔آپ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر 13 سال کی عمر میں منتظمہ دارالمسیح کا فریضہ سرانجام دیا۔سیکریٹری ناصرات قادیان بھی رہیں۔ہجرت کے بعد رتن باغ اور پھر ربوہ میں لجنہ کی خدمات سرانجام دیتی رہیں۔ رتن باغ لاہور میں حضرت صالحہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ رات کو دورہ کرتی تھیں اور جن کے پاس اوڑھنے کو کپڑا نہیں ہوتا تھا ان کو کمبل وغیرہ دیا کرتی تھیں۔1949ء میں آپ کو حضرت مصلح موعود اور حضرت اماں جان کے ساتھ ان کی گاڑی میں ربوہ آنے کا اعزاز حاصل ہوا۔آپ فرماتی تھیں کہ یہ میری زندگی کا یادگار واقعہ ہے۔مسجد مبارک ربوہ کی سنگ بنیاد کی تقریب میں اینٹ پر دعا کرنے والی خاندان حضرت مسیح موعود کی خواتین میں شامل تھیں۔

ربوہ کے ابتدائی دور میں اپنے محلّہ کی نائب سیکریٹری تربیت ،نائب صدر اور پھر 1953ء تا 1997ء صدر حلقہ دارالصدر شمالی رہیں۔درمیان سال میں سات سال کا وقفہ آیا۔اس طرح کل 37 بطور صدر لجنہ حلقہ خدمات انجام دیں۔آپ کے دور میں یہ حلقہ حسن کارکردگی میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتا رہا۔1976ء تا 1982ء نائب صدر لجنہ اماء اللہ مقامی ربوہ۔1982ء،1983ء سیکریٹری خدمت خلق ربوہ۔1992ء،1993ء سیکریٹری ضیافت لجنہ ربوہ، 1997ء تا 1999ء اور پھر 2001ء تا 2007ء اعزازی ممبر مجلس عاملہ ربوہ کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔اپنے ملنے والے غیر از جماعت کو دعوت الی اللہ بھی کیا کرتی تھیں۔اس طرح آپ 65 سال سے زائد عرصہ تک لجنہ اماء اللہ کے مختلف شعبہ جات میں خدمت میں مصروف رہیں۔

آپ کی والدہ حضرت سارہ بیگم صاحب کا تعلق بھاگلپور کے ایک معزز اور علمی خاندان سے تھا۔جب آپ کی والدہ صاحبہ فوت ہوئیں تو آپ کی عمر تین سال تھی۔ہر وقت اپنی والدہ کے پاس رہنے کی وجہ سے بہت زیادہ ان سے مانوس تھیں۔ان کی وفات پر اپنے بھائی کے سمجھانے کے بعد خاموش ہوگئیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ان کی اس کیفیت اور صبر کے بارے میں فرماتے ہیں ۔ مجھے یقین ہو گیا کہ امۃ النصیر موت کی حقیقت کو جانتی ہے۔اس کا فعل صابرانہ فعل ہے اور وہ اپنی ماں کی سچی یادگار ہے۔ وہ حقیقت کو جانتے ہوئے اپنے دل پر قابو پائے ہوئے ہے۔ حضرت مصلح موعود نے آپ کیلئے ایک لمبی دعا بھی تحریر فرمائی جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ننھی سی کلی کو مرجھا جانے سے محفوظ رکھے۔ وہ اس چھوٹے سے دل کو اپنی رحمت کے پانی سے سیراب کرے اور اچھے خیالات اور اچھے افکار اور اچھے جذبات کی کھیتی بنائے جس کے پھل ایک عالم کو زندگی بخش، ایک دنیا کیلئے موجب برکت ثابت ہوں......)

(انوار العلوم جلد 13 صفحہ 187)

حضرت مصلح موعود نے مورخہ 26 دسمبر 1951ء کو آپ کا نکاح ہمراہ محترم پیر معین الدین صاحب ولد محترم پیر اکبر علی صاحب ایک ہزار روپے حق مہر پر پڑھا۔ خطبہ نکاح میں حضور نے فرمایا۔

احباب کو معلوم ہوگا کہ میں اپنی لڑکیوں کا نکاح صرف واقفین زندگی سے کر رہا ہوں اور اس رشتہ میں بھی میرے لئے یہی کشش تھی کہ لڑکا واقف زندگی ہے۔ (خطبات محمود جلد 3 صفحہ 615)

حضرت مصلح موعود نے آپ کو مختلف مواقع پر آنے والی خوابوں اور رؤیا میں دیکھا اور وہ رؤیا ساتھ ساتھ الفضل میں طبع ہوتی رہیں ۔ حضرت مصلح موعود کے رؤیا کے مجموعہ ''رؤیا و کشوف سیدنا محمود'' میں رؤیا نمبر 407، 507 اور 608 میں خاص طور پر آپ کا ذکر موجود ہے۔ مورخہ 11 دسمبر 1954ء کے رؤیا کے بارے میں حضور فرماتے ہیں۔

انہوں (حضرت سارہ بیگم صاحبہ ۔ ناقل) نے کہا کہ آپ تو مجھ سے خفا ہو گئے ہیں ۔ میں نے کہا تم نے تو مجھے چھیرو (امۃ النصیر) جیسی بیٹی دی ہے۔ میں خفا کیسے ہو سکتا ہوں۔)

(تفصیل کیلئے رؤیا و کشوف سیدنا محمود صفحہ 547)

آپ کے خاوند محترم پیر معین الدین صاحب واقف زندگی ایک علمی شخصیت کے مالک خادم سلسلہ تھے۔ دیگر جماعتی خدمات کے علاوہ انہوں نے قرآن کریم کا وسیع مطالعہ کیا اور قرآن کے معارف اور خزائن کے بارے میں تحقیقی اور علمی کام کیا اور کتب تحریر کیں ۔ ان کی وفات 12 ستمبر 2006ء

کوبعمر 81 سال ہوئی ۔اللہ تعالیٰ نے ان کو چار بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا۔اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ سے زیادہ خدمت دین کرنے اور اپنے والدین اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ محترمہ صاحبزادی صاحبہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے اور اپنے مقربین میں جگہ عطا فرمائے نیز جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔آمین

(الفضل ربوہ 11 نومبر 2011ء صفحہ 1، 2)

اولاد

آپ نے پسماندگان میں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا یادگار چھوڑا ہے۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔محترمہ صاحبزادی امۃ الصبور ریجنل صدر لجنہ اماءاللہ کینیڈا اہلیہ محترم پیر وحید احمد صاحب

2۔محترمہ صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ اہلیہ محترم مرزا امجد بیگ صاحب ڈیفنس لاہور۔

3۔محترمہ صاحبزادی امۃ الغفور صاحبہ اہلیہ محترم سید قاسم احمد شاہ صاحب ناظر امور خارجہ وزارت

4۔محترمہ صاحبزادی امۃ النور صاحبہ اہلیہ محترم صاحبزادہ مرزا طیب احمد صاحب کراچی

5۔محترم پیر محی الدین طاہر احمد صاحب لاہور

اللہ تعالیٰ محترمہ صاحبزادی صاحبہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(الفضل ربوہ 15 نومبر 2011ء صفحہ 1)

حضرت مرزا رفیع احمد صاحب

مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب

آپ مورخہ 5 مارچ 1927ء کو قادیان میں حضرت سارہ بیگم صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد مولوی فاضل، بی اے اور شاہد کے امتحانات پاس کئے آپ نے 1945ء میں اپنی زندگی وقف کی آپ کی پہلی تقرری وکالت تبشیر تحریک جدید میں ہوئی جہاں آپ دو سال تک کام کرتے رہے اس کے بعد کچھ عرصہ وکالت دیوان میں رہنے کے بعد 6 جون 1954ء کو انڈونیشیا میں بطور مربی بھجوائے گئے۔آپ کی انڈونیشیا سے واپسی مورخہ 22 مارچ 1956ء کو ہوئی۔یکم مئی 1956ء تا 11 جون 1982ء آپ جامعہ احمدیہ ربوہ میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔آپ 1962۔63 تا 1965۔66 صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ بھی رہے۔

آپ کی شادی مکرمہ سیدہ امۃ السمیع بیگم صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ سے ہوئی۔آپ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں یادگار ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(1) مکرم صاحبزادہ مرزا طیب احمد صاحب

(2) مکرم صاحبزادہ مرزا عبدالصمد صاحب

(3) مکرم صاحبزادہ مرزا محمد احمد صاحب

(4) مکرمہ صاحبزادی سارہ امۃ الحفیظ صاحبہ اہلیہ مکرم سید منور احمد صاحب

(5) مکرمہ صاحبزادی حمیرہ امۃ الحمید صاحبہ اہلیہ مکرم سید محمود احمد صاحب

(6) مکرمہ صاحبزادی شہرہ امۃ اللطیف صاحبہ اہلیہ مکرم طارق رشید صاحب

(7) مکرمہ صاحبزادی وردہ امۃ الملک صاحبہ اہلیہ مکرم ڈاکٹر سید حمیدہ اللہ پاشا صاحب

نوٹ: مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب کے کوائف مندرجہ بالہ روزنامہ اخبار الفضل ربوہ 17 جنوری 2004ء سے لئے گئے ہیں۔

خلیفۃ وقت کی نظر میں

آپ کے انتقال پر ہمارے پیارے امام حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے

اپنے خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب 15 جنوری 2004ء بروز جمعرات بعمر 77 سال وفات پا گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مرحوم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے صدر رہے۔ آپ نے انڈونیشیا میں بھی بطور مبلغ کے خدمات کی توفیق پائی اور جامعہ احمدیہ میں بھی پڑھاتے رہے۔ ان کے بیٹے مکرم صاحبزادہ عبد الصمد صاحب اس وقت سیکریٹری مجلس کارپرداز کے طور پر خدمات بجا لا رہے ہیں۔ پسماندگان میں بیگم کے علاوہ 3 بیٹے اور 4 بیٹیاں یادگار ہیں۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کے بیٹے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے خلافت پر متمکن فرمایا تو ان کی طرف سے انتہائی عاجزی اور اخلاص اور وفا کا خط مجھے ملا اور پھر اس کے بعد ہر خط میں یہ حال بڑھتا چلا گیا باوجود اس کے کہ میرے ساتھ انتہائی قریبی رشتہ تھا، ماموں کا رشتہ تھا۔ ان کے اخلاص اور وفا کے الفاظ پڑھ کر دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے بھر جاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میرے چند ایک ایسے بڑے رشتہ دار ہیں جنہوں نے اس طرح وفا اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی رشتہ داروں نے وفا کا اظہار نہیں کیا۔ ہر ایک کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے ہر فرد نے بڑے اخلاص اور وفا سے خلافت کی بیعت کی ہے۔ ان میں بہت سے مجھ سے عمر میں بھی بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام خاندان کو خلافت سے محبت اور وفا میں ہمیشہ بڑھاتا چلائے اور آئندہ آنے والی خلافت کے ساتھ بھی سب لوگ اطاعت کا نمونہ دکھائیں۔ بہر حال یہاں ذکر میاں صاحب کا تھا۔ اپنا انجام بخیر ہونے کے بارے میں مجھے باقاعدہ لکھتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت کا سلوک فرمائے۔ آپ کی تدفین بھی موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی ہے۔ آپ ہمیشہ مجھے اپنی بیگم صاحبہ کے بارہ میں لکھا کرتے تھے ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ ان کو صحت دے ان کو تکلیف تو کوئی نہیں تھی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک طریق ہے۔ یہ خیال نہیں تھا کہ پہلے خود چلے جائیں گے۔ احباب ان کی بیگم صاحبہ کے لئے دعا کریں وہ دل کی مریضہ ہیں۔ ان کی بیگم صاحبہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب ؓ کی بیٹی ہیں۔''

(بحوالہ خطبہ جمعہ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 26 مارچ 2004ء صفحہ 13)

اب موصوفہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکی ہیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب

محترم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب

آپ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔آپ کی پیدائش 1932ء میں اور انتقال 17 فروری 2014ء بعمر 82 سال ہوا۔آپ بہت سی خوبیوں اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔آپ محبت کرنے والے، ملنسار اور سادہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔خوش مزاجی اور خوش گفتاری آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔آپ محنتی اور علم دوست شخصیت تھے آپ خلیفۃ وقت کے فرماں برداروں میں سے تھے۔آپ عبادت گزار اور دعا گو انسان تھے۔آپ مالی قربانیوں میں پیش پیش اور غریبوں کے انتہائی ہمدرد تھے۔

آپ ایک شفیق باپ اور محبت کرنے والے خاوند تھے۔اپنے بچوں کی عمدہ رنگ میں تربیت کی۔ ہمیشہ خلافت کی محبت ان کے دلوں میں پیدا کی۔دعائیں کرنے والی اولاد چھوڑی۔آپ کا اپنے دامادوں کے ساتھ بھی پیار اور محبت واحترام کا تعلق تھا۔

اہل وعیال

آپ نے اپنے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ طاہرہ بیگم صاحبہ کے علاوہ ایک فرزند محترم صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب امریکہ، تین دختران صاحبزادی امۃ المومن صاحبہ اہلیہ محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا خالد تسلیم صاحب، محترمہ صاحبزادی مبارکہ بینا صاحبہ اہلیہ مکرم صاحبزادہ مرزا احسن صاحب کینڈا اور محترم صاحبزادی امۃ السمیع صاحبہ اہلیہ محترم فرخ احمد خان صاحب لاہور چھوڑی ہیں۔

آپ کی نماز جنازہ مورخہ 19 فروری کو بعد نماز ظہر مسجد مبارک ربوہ میں محترم مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی ربوہ نے پڑھائی۔آپ کی تدفین موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی۔جنازہ وتدفین میں اہل ربوہ اور دیگر جماعتوں سے کثیر احباب شریک ہوئے۔

علم دوست شخصیت

آپ علم دوست شخصیت تھے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے اقتباسات کی روشنی میں آپ نے ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم فہم قرآن'' نام کی کتاب مرتب فرمائی۔جو اپنی نوعیت کی

منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب کے شروعات میں ہمارے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ایک خط مبارک شائع ہوا ہے۔ اس خط سے محترم مرزا حنیف احمد صاحب کی علمی شخصیت کا احسن طریق پر تعارف ہوتا ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں:

پیارے ماموں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب ''تعلیم فہم قرآن'' ملی جس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم قرآن کو اس طرح مختلف مضامین کے تحت یکجا کیا گیا ہے کہ پہلے اس طرح کی کوشش نہیں ہوئی۔ اس کے اور بھی رستے آئندہ زمانوں میں کھلتے رہیں گے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس خدمت میں اولیت عطا فرما کر بڑے اعزاز سے نوازا ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس زمانہ میں جو علمی خزانے بانٹنے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے تھے۔

''اس وقت جو ضرورت ہے۔ وہ یقیناً سمجھو سیف کی نہیں بلکہ قلم کی ہے۔ ہمارے مخالفین نے اسلام پر جو شبہات وارد کئے ہیں اور مخالف سائینسوں اور مکائد کی رو سے اللہ تعالیٰ کے سچے مذہب پر حملہ کرنا چاہا ہے۔ اس نے مجھے متوجہ کیا ہے کہ میں قلمی اسلحہ پہن کر ان سائنسوں اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اُتروں اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا کرشمہ بھی دکھلاؤں اور خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا کہ میں ان خزائن مدفونہ کو دنیا پر ظاہر کروں اور ناپاک اعتراضات کا کیچڑ جو اُن درخشاں جواہرات پر تھوپا گیا ہے۔ اس سے اُن کو پاک کروں۔ خدا تعالیٰ کی غیرت اس وقت بڑی جوش میں ہے کہ قرآن شریف کی عزت کو ہر خبیث دشمن کے داغِ اعتراض سے منزہ و مقدس کرے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 38 جدید ایڈیشن)

آپ مزید فرماتے ہیں:

''وہ خدا جو رحمان ہے وہ اپنے خلیفۃ سلطان کے لئے مندرجہ ذیل حکم صادر کرتا ہے کہ اس کو ایک ملک عظیم دیا جائے گا اور خزائن علوم و معارف اس کے ہاتھ پر کھولے جائیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور تمہاری آنکھوں میں عجیب۔ اس جگہ

بادشاہت سے مراد دنیا کی بادشاہت نہیں اور نہ خلافت سے مراد دنیا کی خلافت بلکہ جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کی ملک کی باشاہت اور معارف الٰہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر دوں گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے'' (ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 566 لندن ایڈیشن)

الحمدللہ آپ نے حضور علیہ السلام کی بعثت کے اس مقصد کو عملی شکل دینے کی کوشش کی ہے۔ اللہ آپ کی اس مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور سعید روحوں کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ جاری ہونے والے اس چشمہ سے فیضیاب فرمائے جس کی طرف جانے والا ایک رستہ آپ نے اپنی اس تالیف میں کھول کر دکھا دیا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

خلیفہ وقت کی نظر میں

آپ کے انتقال پر سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ 21 فروری 2014ء میں آپ کا ذکر خیر اور خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اس وقت مَیں نمازوں کے بعد ایک جنازہ بھی پڑھاؤں گا جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک صاحبزادے کا ہے۔ یہ حضرت سارہ بیگم صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جو بہار کی رہنے والی تھیں۔ ان کا نام مکرم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب ہے جو 17 رفروری کو بوقت ساڑھے نو بجے طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ ربوہ میں 82 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ میرے ماموں بھی تھے۔

24 رمارچ 1932ء کو پیدا ہوئے تھے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام بیٹوں کی طرح آپ کو بھی بچپن میں وقف کیا ہوا تھا اور اس لحاظ سے آپ کی تربیت اور تعلیم کے مراحل طے کرائے گئے تھے۔ آپ نے مدرسہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین قادیان میں دینی تعلیم حاصل کی۔ میٹرک پرائیویٹ پاس

کیا۔ 1958ء میں بی۔اے پاس کیا۔ لاہور لاء کالج سے 1962ء میں اس شرط پر ایل ایل بی کیا کہ اس کی پریکٹس نہیں کرنی۔ 1962ء میں آپ خدماتِ سلسلہ کے لئے بیرونِ ملک تشریف لے گئے۔ 1962ء سے 1969ء تک بطور پرنسپل سیکنڈری سکول سیرالیون میں خدمت کی توفیق پائی۔ علمی شخصیت کے مالک تھے۔ بیس سال کی محنت و تحقیق کے بعد قرآنِ کریم کے حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر و تفسیر کے بحر بے کراں کا احاطہ کرتے ہوئے قیمتی ارشادات اور اردو، فارسی اور عربی اشعار کا چناؤ اور الہام اکٹھے کر کے ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم فہم قرآن'' کے نام سے ایک بڑی اچھی اور ضخیم کتاب مرتب کی جو 2004ء میں شائع ہوئی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی، فارسی اور اردو ادب پر مشتمل اشعار کی دوسری کتاب بھی 'ادب المسیح' کے نام سے شائع کی۔ یہ بھی ایک بڑا اچھا شاہکار ہے۔ ان کی شادی 1959ء میں مکرم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب جو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے ماموں تھے، اُن کی بیٹی طاہرہ بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ اور ان کے چار بچے تھے۔ ایک عزیزم مرزا سلیمان احمد، یہ امریکہ میں ہیں۔ اور تین بیٹیاں ہیں۔ امۃ المومن حنا جو ڈاکٹر خالد تسلیم احمد صاحب ربوہ میں ہیں، اُن کی اہلیہ اور ایک مینا مبارکہ، مرزا احسن احمد کی اہلیہ اور عبدالسمیع فرخ احمد خان کی اہلیہ ہیں۔

سیرالیون میں ایک عرصہ رہے ہیں۔ آپ کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ بو (Bo) شہر میں پہلی مرتبہ جماعت کے کسی سکول میں سائنس بلاک کا قیام عمل میں آیا۔ تو آپ کی اہلیہ کہتی ہیں بہت محنت اور توجہ سے سارا سارا دن کھڑے ہو کر اس بلاک کی تعمیر کروایا کرتے تھے۔ قمر سلیمان صاحب سیرالیون دورے پر گئے تھے تو کہتے ہیں سیرالیون کے لوگ ابھی تک صاحبزادہ صاحب کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔ یتیموں کی پرورش کا بھی خیال کرتے تھے۔ خاموشی سے اُن کی مدد کرتے رہتے تھے۔ اپنے دوستوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ دوستی خوب نبھاتے تھے۔ اپنے ایک بہت قریبی اور ہر دلعزیز دوست کی وفات کے بعد جس کی اولاد جو ابھی چھوٹی تھی، اُن کا بڑا خیال رکھا، اُن کی شادیاں کروائیں اور دوستی کے رشتے کو انہوں نے بڑا نبھایا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سب سے زیادہ فارسی زبان پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ فارسی بڑی اچھی ان کو آتی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا بڑا گہرا مطالعہ تھا۔ اور اسی کی وجہ ہے کہ آپ نے جو تعلیم فہم القرآن کتاب لکھی ہے، یہ لکھی ہی نہیں جاسکتی جب تک اُس میں اچھی طرح مطالعہ نہ

ہو۔بہر حال آپ کی اہلیہ نے بتایا کہ انہوں نے خود مجھے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض کتب یا شاید ساری کتب بیس پچیس مرتبہ انہوں نے پڑھیں۔قادیان سے بھی بڑی غیر معمولی محبت تھی۔دو چار سال سے اُن کی صحت کافی خراب تھی، پھر بھی پچھلے دو سال باقاعدگی سے قادیان جلسے پر جاتے رہے۔دعا پر بھی آپ کو بڑا یقین تھا۔آپ کی بیٹی نے بتایا کہ انہوں نے کسی صحابی کا قصہ بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے درجات بلند ہوتے جارہے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ میرے تو ایسے اعمال نہ تھے۔ اس پر اُنہیں بتایا گیا کہ تم نے جو اپنی نیک اولاد چھوڑی ہے وہ ہر وقت تیرے لئے دعا کرتی ہے اور اس سے ہر روز تیرے درجے میں اضافہ ہوتا ہے۔کہتی ہیں، اپنے بچوں کو نصیحت کرتے تھے کہ میرے لئے دعا کرتے رہنا۔اللہ کرے کہ ان کی اولاد نیکیوں پر قائم ہو۔جس طرح کہ وہ دیکھنا چاہتے تھے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اولاد اور اپنی جماعت کے لئے جو دعائیں کی ہیں اس دعا کے مصداق اور ان کے بچے بھی اور باقی افرادِ خاندان بھی اور جماعت بھی بنے۔حضرت مصلح موعود نے بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولادیں اور اُن کی اولادیں ابد تک تیری امانت ہوں جس میں شیطان خیانت نہ کر سکے اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے والی ہوں۔

(میری سارہ۔انوار العلوم جلد 13 صفحہ 189 مطبوعہ فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ)

اللہ تعالیٰ محترم صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب سے مغفرت کا سلوک فرمائے، رحم کا سلوک فرمائے، آپ کے درجات بلند فرمائے۔ان کے بچوں کو بھی حقیقت میں اُس خون کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں۔مجھ سے بھی ان کا بہت گہرا تعلق تھا۔خلافت سے پہلے بھی تھا اور خلافت کے بعد تو پیار کا یہ تعلق بہت بڑھ گیا تھا۔لیکن اس میں عاجزی اور اخلاص اور وفا کا بے انتہا اظہار تھا۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا رہے اور ان کی اولاد کو بھی خلافت سے خاص تعلق رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(بحوالہ اخبار الفضل انٹرنیشنل 14 مارچ 2014)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مولانا عبدالماجد صاحب کے خاندان کے بارے میں تاثرات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زوجہ مبارکہ سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کے وفات پر اخبار الفضل میں ایک خصوصی مضمون بعنوان ''میری سارہ'' لکھا تھا۔اس مضمون میں

محترمہ موصوفہ کے خصائل اور جماعتی خدمات کا ذکر فرمایا تھا۔ اسی طرح آپ کے خاندان کا بھی خصوصی ذکر کیا تھا۔ اخبار الفضل میں حضور کے تاثرات ''سارہ بیگم کے رشتہ دار'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل شائع ہوئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں

''سارہ بیگم کی والدہ ان کی وفات سے چند ماہ پہلے فوت ہوگئی تھیں وہ ایک نہایت نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ اگر انہیں ولیہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ایمان میں اُن کو قدم صدیق حاصل تھا۔ ایسی بے شر اور نیک عورتیں اس زمانہ میں کم ہی دیکھی جاتی ہیں۔ جس عمدگی سے انہوں نے اس رشتہ کو نبھایا۔ بہت کم لوگ اس طرح نبھا سکتے ہیں۔

ان کے والد مولوی عبد الماجد صاحب زندہ ہیں۔ لیکن بہت ضعیف اللہ تعالیٰ انہیں صبر کی توفیق دے۔ ان کی قربانیوں کو قبول کرے۔ سارہ بیگم کے چار بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں۔

سب سے بڑے پروفیسر عبد القادر صاحب۔ انگریزی اور عربی کے عالم ہیں۔ اور خدمت دین کا جوش رکھتے ہیں۔ لیکن بیمار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دین اور دنیا میں عزت عطا فرمائے۔ پروفیسر عبد القادر صاحب کا لڑکا علی میں نے کبھی دیکھا نہیں لیکن گھر میں سب سے زیادہ مجھ سے تعلق رکھتا ہے اور با قاعدہ خط لکھتا رہتا ہے۔ یہ بچہ مجھے بہت عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا مقام عطا کرے۔ اور اپنی ہر قسم کی برکات سے حصہ وافر عطا فرمائے۔ خدا تعالی مرحومہ کی ہمشیرہ اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی صبر کی توفیق دے۔

سارہ بیگم نے اور کوئی کام کیا یا نہیں۔ لیکن بنگال اور بہار کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رشتہ داری میں شامل کر گئی۔ ان کی اولاد کے ذریعہ یہ تعلق ایک پائیدار تعلق رہے گا جب تک ''اک سے ہزار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں'' کی پیشگوئی پوری ہوتی رہے گی۔ بنگال اور بہار کے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان میں شامل رہیں گے۔ میں مبالغہ نہیں کرتا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہے فرمایا ہے حضرت ابراہیم کی بیوی ہاجرہ مصر کی تھی۔ رسول کریم ان کی اولاد سے تھے۔ جب مصر کا ذکر رسول کریم فرماتے تو کہتے کہ مصری ہمارے رشتہ دار ہیں۔ ان کا لحاظ رکھنا چاہیے۔'' (الفضل 27 جون 1933ء صفحہ 11)

حضرت سید محبوب عالم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صوبہ بہار کے اصحاب احمد میں محترم حضرت سید محبوب عالم صاحبؓ اور محترم حضرت سید محمود عالم صاحبؓ کا نام بھی شامل ہے۔آپ دونوں سگے بھائی تھے۔حضرت سید محبوب عالم صاحبؓ بڑے تھے۔ آپ دونوں سرسہ جہان آباد سب ڈویژن کے باشندہ تھے۔ چند سال قبل تک جہان آباد ضلع گیا کا ایک سب ڈیوزنل تھا،لیکن اب آزاد ضلع ہے۔

آپ دونوں بھائیوں نے 1903ء میں پٹنہ شہر میں کسی سے سنا کہ پنجاب میں کسی نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو ان بھائیوں کو تلاش حق کی جستجو ہوئی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں کتب کے لئے درخواست دی۔ ان کتب کے مطالعہ کے بعد پہلے محترم سید محبوب عالم صاحبؓ اور بعدہ محترم سید محمود عالم صاحبؓ نے بیعت کی لیکن حضور کی دستی بیعت کا شرف پہلے سید محمود عالم صاحبؓ کو ہوا۔

محترم سید محبوب عالم صاحبؓ سے خاکسار اپنے بچپن سے واقف ہے۔آپ صوبہ بہار کے محکمہ انہار میں ملازم تھے اس سلسلہ میں آپ کی تعیناتی میرے شہر آرہ میں ہوئی۔اس طرح مجھے آپ کی زیارت کا موقعہ نصیب ہوا۔اس وقت میری عمر دس سال سے بھی کم تھی اور میں نے اسکول کی تعلیم شروع نہیں کی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم لوگ اپنے بڑے بھائی محترم پروفیسر شاہ شکیل احمد صاحب مرحوم کی قیادت میں محترم سید محبوب عالم صاحبؓ کے مکان پر غالباً نماز عید الضحیٰ کے لئے گئے تھے۔نماز کے بعد سید صاحب کی مہمان نوازی بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

ملازمت سے پینشن ملنے کے بعد محترم سید محبوب عالم صاحبؓ نے قادیان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ان کی ایک بیٹی مکرم صادق حسن صاحب سے بیاہی ہوئی تھیں۔مکرم صادق صاحب نے محلہ دار العلوم قادیان میں ایک بہت اچھا مکان تعمیر کیا تھا۔جس کا نام سفینہ صادق تھا۔میرے علم کے مطابق صادق صاحب پنجاب کے باشندہ تھے۔ اس مکان میں حضرت سید محبوب عالم صاحبؓ اور ان کی اہلیہ نے سکونت اختیار کی۔ میری والدہ مکرم سید محبوب عالم صاحبؓ کو چاچا کہا کرتی تھیں۔ میری والدہ مکرمہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہؓ اپنے بیٹوں اور دیگر عزیزوں کے ساتھ جب 1941ء اور 1946ء

میں قادیان جلسہ سالانہ میں شریک ہوئیں، تو دونوں دفعہ انہیں کے مکان پر ٹھہریں۔ دونوں دفعہ ہم نو دس افراد تھے۔ دونوں دفعہ اس خاندان نے ہم لوگوں کے لئے گھر کے دو کمرے خالی کر دئے۔ کئی دنوں تک ہم لوگوں نے بہت آرام کے دن گذارے۔ اس خاندان کی مہمان نوازی اور عاجزی قابل تعریف تھی۔

وفات:

مکرم سید محبوب عالم صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آخری زمانہ کے امام الزمان کو قبول کرنے کی توفیق دی اور صحابہ کے مقدس زمرہ میں شریک ہونے کا موقعہ دیا وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کی نعمت سے نوازا۔

1947ء میں ہندوستان کی تقسیم کے بعد حالات نے جو رنگ بدلا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ ہزاروں لاکھوں معصوم لوگوں کو وحشی درندہ نما انسانوں نے اپنی وحشت کا شکار بنایا۔ 19 ستمبر 1947ء کے دن سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اس بزرگ صحابی کو بھی شہید کر دیا گیا۔ آپ کی تجہیز و تدفین بھی نہ ہو سکی۔ آپ کی شہادت کی خبر الفضل 10 فروری 1948ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔

سید محبوب عالم صاحب بہاری کی شہادت

قادیان کے مظالم کی ڈائری میں یہ بات درج ہونے سے رہ گئی تھی کہ 19 ستمبر 1947ء کو سید محبوب عالم صاحبؓ بہاری قادیان میں شہید کئے گئے۔ جو ایک نہایت نیک اور بے نفس بزرگ تھے۔ 19 ستمبر کو صبح کی نماز کے بعد ریلوے لائن کے ساتھ سیر کے لئے گئے لیکن ڈی اے وی اسکول قادیان کے قریب موضع رجادہ کے مقابل پر کسی نے انہیں گولی مار کر شہید کر دیا۔ کئی دنوں تک تو ان کی شہادت مشکوک رہی اور انہیں لاپتہ تصور کیا لیکن اس واقعہ کے تین دن کے بعد ایک مسلمان دیہاتی جو پناہ گزین کے طور پر باہر سے آیا تھا۔ سید صاحب کے داماد مکرم سید صادق حسن صاحب سے ملا اور بتایا کہ میں نے اس حلیہ کے اس مسلمان کی نعش جس کے گلے میں نیلا کرتہ تھا ریلوے لائن کے قریب دیکھی ہے۔ چونکہ سید صاحب مرحوم اسی طرف گئے تھے اور یہ حلیہ بھی ان سے ملتا تھا۔ اسلئے اس بات میں شک کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد

آف قادیان حال رتن باغ لاہور

(الفضل 10 فروری 1948ء صفحہ 3 کالم 4 نیز تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 160 حاشیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا آپؓ کی وفات پر تبصرہ

آپ کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

''ایک اور بزرگ سید محبوب عالم صاحب بہاری کی شہادت کا واقعہ بھی یوں درج ہے کہ 19ر ستمبر 1947ء کو سید محبوب عالم صاحب بہاری جن کا خاندان اس وقت انگلستان میں اور ہر جگہ اور بھی گیا لیکن انگلستان میں خصوصیت کے ساتھ ان کی اولاد بس رہی ہے۔ سید صاحب ایک نیک اور بہت بے نفس بزرگ تھے۔ 19ر ستمبر 1947ء کی صبح کو نماز کے بعد ریلوے لائن کے ساتھ سیر کے لئے گئے۔ اب بہادری دیکھیں باوجود اس کے کہ حالات بے انتہا خراب تھے، گھر میں ٹھہرنے کا حکم تھا مگر بزدلی کے ساتھ نہیں ٹھہرے۔ جو سیر کا دستور تھا جاری رکھا اور ریلوے لائن کے ساتھ باقاعدہ صبح سیر پہ جایا کرتے تھے لیکن ڈی۔ پی۔ سکول قادیان کے قریب موضع رام پور کے بالمقابل کسی نے انہیں گولی کا نشانہ بنایا۔ شروع میں تو انہیں لاپتہ تصور کیا جاتا رہا لیکن وہ جو احمدی والنٹیئرز کے دستے جایا کرتے تھے اس مکان میں ان کو موجود نہیں دیکھا تھا۔ اس مکان میں ان کا نہ پا کر یہی سمجھتے رہے کہ لاپتہ ہیں۔ شاید کسی اور کے مکان میں چلے گئے ہوں مگر اس واقعہ کے تین دن کے بعد ایک مسلمان دیہاتی نے جو پناہ گزین کے طور پر باہر سے آیا ہوا تھا سید صاحب کے داماد سید صادق حسین صاحب کو بتایا کہ میں نے اس حلیہ کے ایک مسلمان کی لاش جس کے گلے میں نیلا کرتہ تھا اور یہ نیلا کرتا انہوں نے ہی پہنا ہوا تھا ریلوے لائن کے قریب پڑی ہوئی دیکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پس ان کی نعش کا تین دن بعد پتہ چلا اور ان کو دفنانے کا بھی کوئی انتظام نہ ہوسکا۔

شمسہ سفیر لنڈن سے بیان کرتی ہیں کہ میرے نانا جان سید محبوب عالم صاحب اور ان کے بھائی سید محمود عالم صاحب جب انہوں نے احمدیت کا پیغام سنا تو بہار سے پیدل چل کر قادیان آئے تھے۔ یہ جو واقعہ ہے اس کا میں نے دوبارہ انگلستان سے پتہ کروایا ہے کیونکہ جہاں تک جماعت کی تاریخ محفوظ ہے

میں نے اصل رجسٹر پڑھے ہیں جن میں ابتدائی احمدیوں کے، صحابہ کے بڑے عظیم الشان واقعات درج ہیں۔ کس طرح انہوں نے غیر معمولی قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ مجھے یہ خیال تھا کہ غالباً سید محبوب عالم صاحب بھی انہیں میں سے ہیں۔ چنانچہ انگلستان سے جب تصدیق کروائی گئی تو شمسہ سفیر صاحبہ نے یہ تصدیق بھیجی ہے کہ اولاد میں صرف ایک ہی بیٹی تھی جو میری والدہ تھیں اور ان کا نام سلمیٰ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں ان کی شادی سید صادق علی صاحب سے ہوئی تھی۔

قادیان پیدل آنے کے متعلق لکھتی ہیں کہ جب انہوں نے بہار میں احمدیت کا پیغام سنا تو بہار سے پیدل چل کر قادیان آئے اور ان کے پاؤں سوج گئے تھے۔ غریب خاندان تھا، سفر خرچ نہیں تھا۔ یہ مختصری بات انہوں نے لکھی ہے۔ جو رجسٹر کا حوالہ میں نے دیا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ جلسہ سالانہ پر میں سناؤں گا۔ وہ بہت ہی عظیم الشان واقعہ ہے حیرت انگیز قربانی ہے۔ بہار سے چل کر پیدل ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ننگے پاؤں، زخمی پاؤں جو ہر روز سوج جایا کرتے تھے زخموں سے، اس کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام سنا تھا صرف آنکھوں دیکھنا تھا اس حالت میں یہ قادیان آئے تھے۔ پس ان کی شہادت ایک عظیم واقعہ ہے جس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے بہادر پہلے تھے ویسے ہی شہادت کے دوران بھی بہادر ہی ثابت ہوئے۔

(خطبہ جمعہ 14 مئی 1999ء مطبوعہ شہدائے احمدیت فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ صفحہ 63-64)

اولاد

(1) آپ کی بیٹی مکرمہ سلمی صاحبہ مکرم سید صادق صاحب کی اہلیہ تھیں۔ ان دونوں کی اولاد حسب ذیل ہے۔ ان کی بیٹی ڈاکٹر شمسہ ماجد مکرم سفیر صاحب کی اہلیہ تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے افریقہ میں لمبا عرصہ خدمت کی۔ اب یہ دونوں وفات پا چکے ہیں۔

(2) مکرم مطیع اللہ صاحب لندن میں مقیم ہیں۔

(3) مکرمہ صادقہ صاحبہ بیٹی امیر کہ میں مقیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ صحت و سلامتی والی عمر عطا فرمائے۔ آمین۔
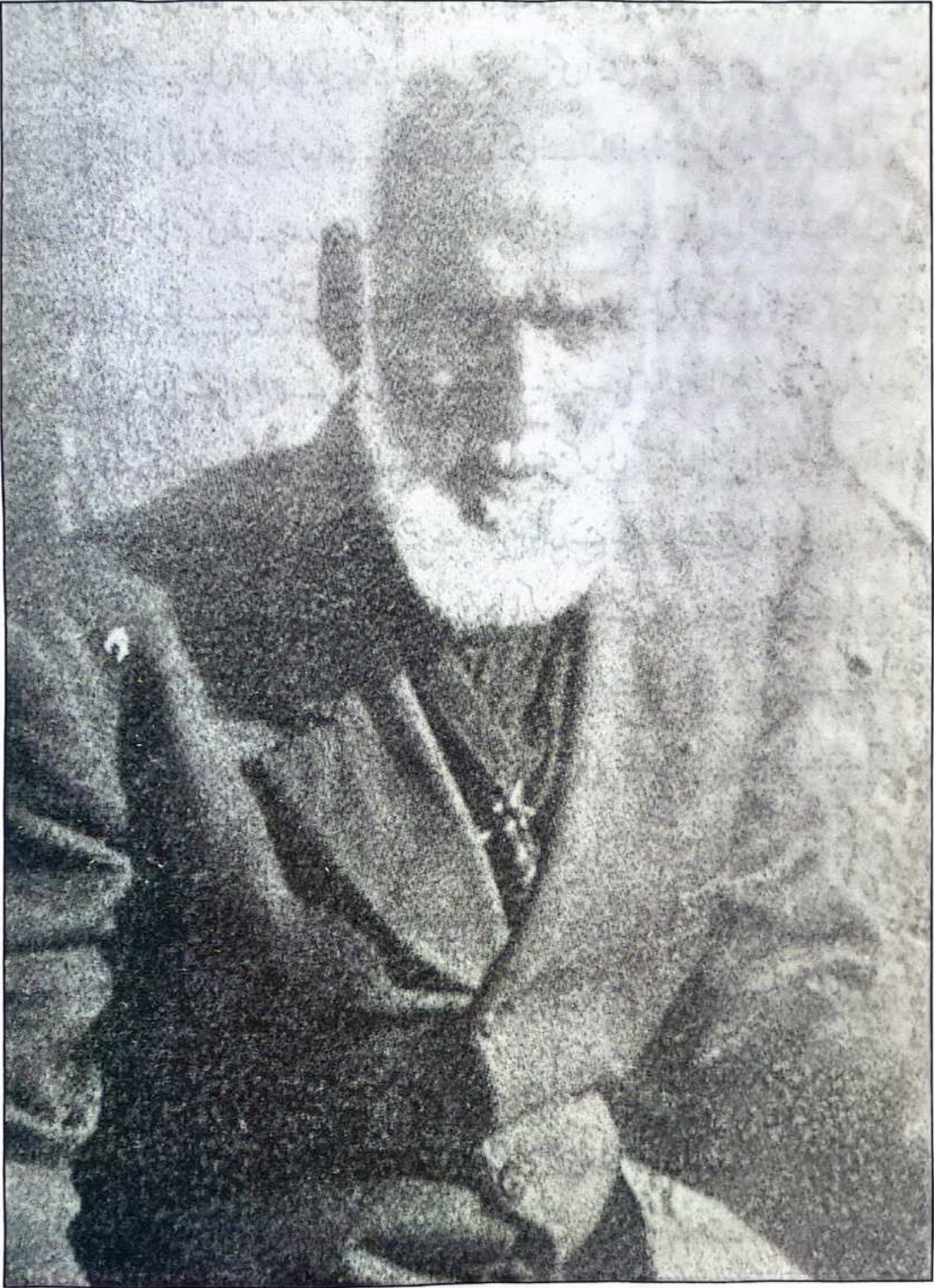
حضرت سید محمود عالم صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت سید محمود عالم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محترم حضرت سید محمود عالم صاحبؓ کو بھی اپنے بھائی محترم حضرت سید محبوب عالم صاحبؓ کے ساتھ امام الزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کے والد محترم کا نام سید تبارک حسین صاحب تھا۔ آپ نے اپنے مختصر حالات اور روایتیں اخبار الفضل اور الحکم میں شائع کروائیں تھیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

روایات

سید محمود عالم صاحب مہاجر قادیان بتوسط صیغہ تالیف وتصنیف قادیان

(محترم سید محمود عالم صاحب کی روایتیں اخبار الحکم 7 جولائی 1934ء صفحہ 3 میں بعنوان ''سیرۃ المہدی کا ایک ورق'' بھی درج ہیں۔ جو روایتیں دونوں میں یکساں موجود ہیں وہ یہاں دوبارہ درج نہیں کی جارہیں بلکہ اخبار الفضل کی روایتوں کو بنیادی قرار دیا جارہا ہے کیونکہ یہ بتوسط صیغہ تالیف وتصنیف قادیان اخبار میں شائع ہوئی ہیں۔ البتہ جن روایتوں پر ایڈیٹر الحکم محترم یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے اپنے نوٹ درج کئے ہیں وہ وہاں مناسب جگہ درج کئے جارہے ہیں۔ ناقل)

میرے خاندان کا شجرہ نسب امام حسین تک جاتا ہے مجھے اپنا سن پیدائش یاد نہیں۔ غالباً 1889ء یا 1890ء ہے میرا آبائی وطن سرسہ ڈاک خانہ جہان آباد پرگنہ بھلا ضلع گیا صوبہ بہار ہے۔ میری جائے پیدائش موضع برانوں ڈاک خانہ پون پون ضلع پٹنہ ہے۔

(1) 1902ء میں مَیں جب پٹنہ شہر میں پڑھنے کے لئے آیا تو ہمارے ایک بزرگ تشریف لائے اور کہنے لگے کہ پنجاب میں ایک بہت بڑا عالم ہے ایک عیسائی اُس کی دعا کے مقابل میں آیا تھا جو مر گیا اب کوئی عیسائی اُس کے مقابلہ میں نہیں آتا۔ یہ سن کر مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بغیر نام اور کیفیت معلوم ہوئے محبت ہوگئی۔

(2) غالباً 1903ء میں میرے بڑے بھائی سید محبوب عالم پٹنہ شہر میں کسی طرف جارہے تھے کہ دو شخص یہ کہتے ہوئے گزر گئے کہ پنجاب میں کسی شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بھائی صاحب کو بچپن

سے قرآنِ شریف سے محبت ہے۔ اس لئے یہ سن کر حیران سے رہ گئے کہ پوچھوں تو کس سے پوچھوں کہ دعویٰ کیا ہے؟ کہنے والے تو چلے گئے۔ شاید اسٹیشن ماسٹر کو معلوم ہو۔ چنانچہ اُن کا خیال درست نکلا۔ نام پتہ وغیرہ دریافت کر کے مکان پر آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک خط لکھا کہ مجھے آپ کے حالات معلوم نہیں۔ صرف نام سنا ہے۔ اگر براہِ کرم اپنی تصانیف بھیج دیا کریں تو پڑھ کر واپس کر دیا کروں گا۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتابیں بھجواتے رہے اور بھائی صاحب پڑھ پڑھ کر واپس کرتے رہے۔ لوگوں نے اُسی وقت سے مخالفت شروع کر دی مگر بھائی صاحب نے استقلال سے کام لیا اور کچھ عرصہ بعد بیعت کر لی۔ مَیں نے بھی کچھ عرصے بعد بھائی صاحب کے ذریعے کتابیں پڑھیں اور بیعت کر لی۔

(3) قبول احمدیت سے کچھ عرصہ پہلے یعنی احمدیت قبول کرنے سے پہلے مَیں شہر سے گھر گیا۔ اور اتفاق سے والد (سید تبارک حسین ۔ناقل) صاحب کے ساتھ سویا۔ خواب میں والد صاحب کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تیرا یہ لڑکا جو تیرے ساتھ سویا ہوا ہے۔ بہت بڑا وکیل ہو گا۔ لیکن جب احمدی ہو گیا تو اُس وقت والد صاحب سے کہا کہ آپ کے خواب کی تعبیر میرا احمدی ہونا تھا۔

(4) کچھ عرصہ بعد میں بیمار ہو گیا اور ابھی دو سال کی متواتر اور خطرناک بیماری سے پوری طرح صحت یاب بھی نہیں ہوا تھا کہ قادیان جانے کا شوق بلکہ جنون پیدا ہوا۔

اے محبت عجب آثار نمایاں کر دی
زخم و مرہم براہِ یار تو یکساں کردی

بھائی صاحب نے اصرار کیا کہ قادیان میں خزانہ نہیں رکھا ہوا۔ جب مَیں نے قادیان جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ وہاں خزانہ نہیں ہے اس لئے اگر تم نے جانا ہی ہے تو کم از کم میٹرک کا امتحان پاس کر کے جانا تا کہ وہاں تکلیف نہ ہو۔ والدین غیر احمدی تھے، اُن سے تو کوئی امید نہیں تھی۔ الغرض کسی نے زادِ راہ نہیں دیا۔ نہ بھائی مانا نہ والدین سے لے سکا۔ بیماری کی وجہ سے میرا جسم بہت ہی کمزور اور ضعیف ہو رہا تھا۔ مجھ میں دو چار میل بھی چلنے کی طاقت نہ تھی۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک میل چلنے کی بھی طاقت نہ تھی مگر خدا تعالیٰ نے دل میں جوش ڈالا اور پیدل سفر کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس وقت میں پٹنہ میں تھا۔ چلتے وقت لوگوں نے مشورہ دیا کہ والدین سے مل کر جاؤ۔ میں نے انکار کر دیا کہ ممکن ہے والدہ کی آہ و

فریاد سے میری ثباتِ قدمی جاتی رہے اور قادیان جانے کا ارادہ ترک کردوں۔ بہر حال چلا اور چلا۔ چلتے وقت ایک کارڈ حضرت مسیح موعودؑ کو لکھ دیا کہ میرے لئے دعا کی جائے۔ میرے حالاتِ سفر یہ ہیں۔ مَیں بہت کمزور اور نحیف ہوں اور ایک کارڈ بھائی صاحب کو لکھا کیونکہ اس وقت وہ دوسری جگہ پر تھے کہ میں جا رہا ہوں۔ اگر قادیان پہنچا تو خط لکھوں گا۔ اور اگر راستے میں مر گیا تو میری نعش کا کسی کو بھی پتہ نہ لگے گا۔ مَیں نے سفر کے لئے احتیاطی پہلو اختیار کر لئے تھے۔ ریلوے لائن کا نقشہ رکھ لیا تھا۔ جلدی جلدی چند درسی کتب فروخت کر کے کچھ پیسے رکھ لئے تھے۔ مَیں کمزور بہت تھا اور مسافت دور کی تھی۔ اس لئے پچاس ساٹھ میل تک ریل کا سفر کیا تا کہ اگر صحت کی کمزوری کی وجہ سے مَیں نے کمزوری دکھائی تو لوٹنے کی ہمت نہ ہو۔ کیونکہ پھر ساٹھ ستر میل کا فاصلہ ہو چکا ہوگا اور لوٹنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ پھر بجائے واپس آنے کے آگے ہی آگے چلتا رہوں۔

(5) مَیں اس سفر میں تیس تیس میل روزانہ چلتا رہا۔ جہاں رات ہوتی ٹھہر جاتا، کبھی سٹیشن پر اور کبھی گمٹیوں میں۔ پاؤں کے دونوں تلوے زخمی ہو گئے تھے۔ (یہ دعا کرتا تھا) خدایا آبرو رکھیو میرے پاؤں کے چھالوں کی۔ جب رات بسر کرنے کے لئے کسی جگہ ٹھہرتا تو شدتِ درد کی وجہ سے پاؤں اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا تھا۔ صبح ہوتی نماز پڑھتا اور چلنے کے لئے قدم اُٹھاتا تو پاؤں اپنی جگہ سے ہلتے نہیں تھے۔ بہزار دشواری انہیں حرکت دیتا اور ابتدا میں بہت آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا اور چند منٹ بعد اپنی پوری رفتار میں آ جاتا۔ پاؤں جوتا پہننے کے قابل نہیں رہے تھے کیونکہ چھالوں سے پُر تھے بلکہ چمڑہ اُتر کر صرف گوشت رہ گیا تھا (لیکن قادیان جانے کا شوق تھا اس لئے چلتے چلے جا رہے تھے۔ کہتے ہیں) کہ اس لئے کبھی روڑے اور کبھی ٹھیکریاں چبھ چبھ کر بدن کو لرزا دیتی تھیں۔ کبھی ریل کی پٹڑی پر چلتا اور کبھی عام شاہراہ پر اُتر آتا۔ بڑے بڑے ڈراؤنے راستوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں کی تعداد میں بندروں اور سیاہ منہ والے لنگوروں سے واسطہ پڑا جن کا خوفناک منظر دل کو ہلا دیتا۔ علی گڑھ شہر سے گزرا مگر مجھے خبر نہیں کہ کیسا ہے؟ (گزر تو گیا اُس شہر سے لیکن مجھے نہیں پتہ کیسا ہے کیونکہ میرا مقصد تو صرف ایک تھا اور مَیں چلتا چلا جا رہا تھا۔) اور کالج وغیرہ کی عمارتیں کیسی ہیں؟ البتہ چلتے چلتے دائیں بازو پر کچھ فاصلے پر سفید عمارتیں نظر آئیں اور پاس سے گزرنے والے سے پوچھا کہ یہ عمارت کیسی ہے؟ اور اُس کے یہ کہنے پر کہ کالج کی عمارت ہے،

آ گے چل پڑا۔ دہلی شہر سے گزرا اور ایک منٹ کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرا کیونکہ میرا مقصود کچھ اور تھا۔ وہاں کے بزرگوں کی زیارت میرا مقصود نہ تھا۔ اس لئے مَیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی اپنے مقصود سے باہر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ زخمی پیروں کے ساتھ قادیان پہنچا اور مہمان خانے میں ٹھہرا۔ چند منٹ کے بعد حضرت حافظ حامد علی صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دودھ کا ایک گلاس دیا۔ میری جیب میں پیسے نہیں تھے۔ اس لئے لینے سے انکار کر دیا۔ آخر اُن کے کہنے پر کہ خرچ سے نہ ڈریں۔ آپ کو پیسے نہیں دینے پڑیں گے۔ (دودھ پی لیں)۔ دودھ پی لیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالك کہ قادیان میں سب سے پہلی غذا دودھ ملی۔ میری موجودگی میں بہت سے لوگ آئے مگر کسی کو بھی دودھ کا گلاس نہیں دیا گیا (صرف مجھے ہی دودھ کا گلاس پیش کیا گیا۔ کہتے ہیں) مَیں اسی روز سے اب تک ہر چیز کا ناواقف ہوں۔

(6) پھر حضرت مسیح موعودؑ سے ملا۔ حضورؑ حالات دریافت کرتے رہے۔ لوگ بیعت کرنے لگے تو حضورؑ نے خود ہی مجھے بھی بیعت کے لئے کہا۔ مَیں اُس وقت حضورؑ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ یہی ایک جنون تھا جو کام آ گیا ورنہ آج صحابیوں کی فہرست میں میرا نام کس طرح آتا؟ خلیفہ اوّلؓ نے زخموں کا علاج کیا اور حافظ روشن علی صاحب مرحوم کو تعلیم کے لئے مقرر کر دیا اور بعد میں خود تعلیم دیتے رہے۔

(7) آخر اپریل 1908ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لے گئے اور بعد میں حضرت خلیفہ اولؓ کو بھی بلوایا تو حضرت خلیفہ اوّلؓ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت میں آپ کے دائیں بازو میں کھڑا تھا۔ لاہور سے جنازے کے ساتھ قادیان آیا۔ جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغ میں لوگوں سے بیعت لی۔ مَیں اُس وقت چارپائی پر آپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ حضرت خلیفہ اولؓ نے اُس وقت جو تقریر کی اور حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے رو رو کر جو معافی مانگی وہ میرے دماغ میں اب تک گونج رہا ہے۔ بیعت کے بعد نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ پھر باغ والے مکان میں حضرت کا تابوت زیارت کے لئے رکھا گیا اور چہرے سے کپڑا اتار دیا گیا۔ لوگ مغربی دروازے سے گزر کر زیارت کرتے ہوئے مشرقی دروازے سے نکل جاتے۔

(الفضل 11 ستمبر 1942ء صفحہ 3)

(8) مولوی عبدالوہاب صاحب ابن مولوی نورالدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح الاوّل کی پیدائش کے دن

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک میں تشریف لائے تو مولوی صاحب سے فرمایا کہ اس عمر میں بچہ کا پیدا ہونا خاص خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت ہے اس لئے اس بچہ کا نام عبدالوہاب تجویز کیا جائے

(9) پیغام صلح کی تصنیف کے دوران میں ایک دن حضور علیہ السلام نے حضرت مولوی صاحب سے فرمایا کہ ابتدا میں میری نیت ایک چھوٹا رسالہ نکالنے کی ہوتی ہے لیکن مضمون کی خبر نہیں ہوتی کہ کیا لکھنا ہے جب لکھنے بیٹھتا ہوں تو مضمون آنا شروع ہو جاتے ہیں پھر لکھتے لکھتے خیال گذرتا ہے کہ شاید لوگ نہ سمجھیں اس لئے بڑھاتا ہوں اور پھر بڑھاتا ہوں یہاں تک کہ ایک بڑی کتاب ہو جاتی ہے۔

(10) ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مسجد مبارک میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ حضرت مولوی صاحب نے عرض کیا کہ قاضی ظہور الدین اکمل صاحب گولکی کے رہنے والے ہیں انہوں نے ایک نظم لکھی ہے جو حضور کو سنانا چاہتے ہیں حضور نے اجازت دے دی اور اکمل صاحب نے کھڑے کھڑے ہی اپنی نظم سنائی اور حضور چُپ چاپ سنتے رہے۔

(11) ایک شخص نے پنجابی زبان میں نظم سنائی ان میں مولویوں کی دُرگت کا بھی ذکر تھا حضور سنتے رہے اور کسی شعر پر ہنستے بھی رہے۔

(12) حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے نکاح کے وقت حضور مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گے خطبہ نکاح حضرت مولوی صاحب نے پڑھا اور بعد ازاں خطبہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی طرف سے حضور علیہ السلام سے خود منظوری عنایت فرمائی۔

(13) ایک مرتبہ سیر پر جاتے ہوئے کسی کے پاؤں سے ٹکر کھا کر حضور کی سوٹی گر گئی۔ حضور بغیر نظر پھیرے نیچے چلے گئے اور کسی دوسرے شخص نے اٹھا کر اور صاف کر کے حضور کو دے دی۔

(14) 1907ء کے جلسہ سالانہ میں حضور کی موجودگی میں میر قاسم علی صاحب نے ایک نظم پڑھی۔

(15) 1907ء کے جلسہ سالانہ میں لوگوں کی بھیڑ میں حضور کا ایک پاؤں زخمی ہو گیا مگر کسی قسم کا اظہار ناراضگی نہ فرمایا اور واپس آ گئے۔

(16) 1908ء میں ذوالفقار علی خان صاحب نواب رام پور کی طرف سے ایک خط لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسجد مبارک میں عصر کی نماز کے بعد خان صاحب نے

باتیں شروع کیں اوراثنائے گفتگو میں یہ بھی کہہ بیٹھے کہ نواب صاحب نے ایک اعتراض کیا تھا کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعوٰی کیا ہے جس پر میں نے کہا کہ نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں۔ آپ تو فرماتے ہیں

من نیستم رسول و نیاورده ام کتاب

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا یہ جواب درست نہیں میں نبی اور رسول ہوں اور میرا دعویٰ نبوت اور رسالت کا ہے اس مصرعہ کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ میں ایسا نبی ورسول نہیں جو اپنے ساتھ کتاب لاتا ہے۔ آپ کو ڈرنا نہیں چاہیے تھا حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابہ بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں جاتے تھے اور حق کے اظہار میں نہیں جھجکتے تھے۔ حضور علیہ السلام بار باران باتوں کو دہراتے رہے اور آپ پر خان صاحب کی ان باتوں کا اتنا اثر تھا کہ جب دوسری صبح سیر کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں بھی اس امر پر روشنی ڈالی اور بار بار فرماتے رہے کہ میں نبی ورسول ہوں مگر میں صاحب شریعت نبی نہیں اور اس وقت بھی صحابہ کی نظیر پیش کی کہ وہ حق کہ اظہار میں کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔

محترم ایڈیٹر صاحب الحکم اس روایت کے نیچے نوٹ میں درج کرتے ہیں کہ

''خان صاحب کی ملاقات کے واقعات انہیں ایام میں اخبارات میں شائع ہو گئے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ واقعہ میری آنکھ نے دیکھا اور کانوں نے آپ کے کلمات سنے۔ حضور کا یہ معمول نہ تھا کہ کسی شخص کی بات کاٹ کر کچھ فرمائیں لیکن جونہی آپ نے خان صاحب مکرم کا جواب سنا آپ کے چہرے پر جوش کے آثار نمایاں ہو گئے اور فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں اس سے آپ کی اس بصیرت اور ایمان کا اندازہ ہوتا ہے جو آپ کو اپنے دعوی پر تھا۔ ایسا ہی ایک مرتبہ جب مخدومی شیخ غلام احمد صاحب واعظ نو مسلم نے امرتسر میں مسئلہ نبوت پر کسی مخالف کو جواب دیا تو آپکو ایسا جوش پیدا ہوا کہ آپ نے فوراً ایک غلطی کا ازالہ شائع کر دیا اور یہ غیرت اور جوش اپنے منصب کے لئے آپ کی دلیل صداقت تھا۔ (عرفانی)

(17) ایک دفعہ باہر سے آئے ہوئے ایک معمر شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نشان کا مطالبہ کیا حضور نے فرمایا کیا پہلے نشان تھوڑے ہیں کہ نئے نشان دیکھنے کی خواہش کی ہے یہ سنت اللہ کے خلاف ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص کو نشان دکھایا جائے۔ آپ کچھ دن قادیان میں قیام فرمائیں ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کوئی نشان ظاہر کر دے مگر وہ صاحب ٹھہرے نہیں۔

(18) ایک نے ذکر کیا کہ مرتد ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب نے لکھا ہے کہ اس قسم کا کسوف خسوف اب سے پہلے بھی کئی مرتبہ ہو چکا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندر جانے کے لئے کھڑے ہو چکے تھے یہ سن کر ٹھہر گئے اور کھڑے کھڑے ہی فرمایا کہ اس قسم کے کسوف و خسوف سے تو مجھے کوئی بحث نہیں میری بحث تو اس کے آیت ہونے پر ہے پس چاہیے کہ اس قسم کے کسوف خسوف کے وقت کوئی ایسا مدعی پیش کرے جس نے اسے بطور آیت اپنے لئے پیش کیا ہو۔

(19) ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں نابھہ کے وزیر کا ایک خط پیش کیا گیا کہ مہاراجہ صاحب کی خواہش ہے کہ حضور گورمکھی زبان میں کوئی کتاب تصنیف فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ خط خود راجہ نے لکھا ہے۔ یا وزیر نے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے؟۔ جواب دیا کہ خط وزیر کی طرف سے آیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا ''خدا کے مامورین میں کبریائی بھی ہوتی ہے۔ اسے لکھ دیں کہ اگر راجہ کو ضرورت ہے تو بذات خود خط لکھے پھر ممکن ہے توجہ کی جائے۔''

(20) ایک امریکن سیاح قادیان میں تشریف لائے اور اپنے ساتھ لاہور سے ایک پادری کو بھی لیتے آئے مسجد مبارک کے نیچے جہاں اب دفتر محاسب ہے ملاقات کا موقعہ دیا گیا۔ حضرت اقدس تشریف لائے اور حضرت خلیفۃ اول کو بھی بلا لیا مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری ترجمان مقرر ہوئے باتیں کرتے کرتے امریکن سیاح نے نشان مانگا حضور نے فرمایا آپ خود نشان ہیں اور خدا تعالیٰ کے الہام يَأْتُونَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ کی زندہ تصویر ہیں ورنہ اس چھوٹے سے گاؤں میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیاح مذکور نے کہا میں تو عقیدت مندانہ رنگ میں نہیں آیا حضور نے فرمایا الہام میں عقدت مندانہ کا ذکر نہیں الہام میں تو صرف یہ بیان ہوا ہے کہ لوگ دور دور سے آئیں گے چنانچہ ان آنے والوں میں سے ایک آپ بھی ہیں اور پنی ذات سے اس پیشگوئی کو لفظ بلفظ پورا کر رہے ہیں دوسرا نشان یہ پیش کیا کہ میاں عبدالحیٔ ابن حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو آگے پیش کر دیا کہ یہ بچہ بھی میرا نشان ہے اور پھر اس کی تفصیل بیان کی اور غالباً جسم پر پھوڑوں کے نشان بھی دکھائے۔

(21) مہمان خانہ سے ایک مہمان کا کمبل ایک چور (جو خود بھی مہمان تھا) لے کر بھاگا مہمان نے اُس کا تعاقب کیا اور جا پکڑا۔ اور مسجد مبارک میں جب کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے اُس چور کو لا کر کہا

حضور یہ کمبل کا چور ہے اُس وقت چور خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اسے چھوڑ دیں آپ کو کمبل سے کام تھا جو مل گیا۔ (الفضل 15 ستمبر 1943 صفحہ 3)

(22) آریوں کی تحریک پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مضمون لکھا جو چشمہ معرفت کے آخر میں لگا ہوا ہے۔ وہ لاہور میں پڑھا جانا تھا آواز کی بلندی معلوم کرنے کے لئے مختلف لوگوں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب ؓ کو مضمون دے کر لاہور بھیجا آریوں نے خلاف وعدہ اپنے مضمون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت کچھ لب کشائی کی جب لوگ لاہور سے واپس آئے تو اس بات پر بہت ناراض ہوئے کہ حضرت مولوی صاحب اور دوسرے جماعت کے لوگ کیوں وہاں بیٹھے رہے۔ حضرت مولوی صاحب کو خصوصیت سے بار بار مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جا رہی تھیں تو آپ کس طرح بیٹھے رہے آپ کو فوراً اُس مجلس سے آنا چاہیے تھا۔ قرآن کریم کا یہی حکم ہے۔ حضرت مولوی صاحب چپ چاپ سر جھکائے سنتے رہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام آریوں کے جواب سے فارغ ہوئے۔ اور حضرت بابا نانک رحمہ اللہ کے مسلمان ہونے کے ثبوت میں بعض حوالوں کی ضرورت ہوئی تو سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور سے یہ کام لیا گیا۔ آپ یہ حوالے مسجد مبارک میں ہی بیٹھ کر لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت مولوی نور الدین صاحب کے عرض کرنے پر حضور اندر تشریف لے گئے۔

(23) ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مسجد مبارک میں تشریف لائے۔ اور تبسم کرتے ہوئے فرمایا آج کفر نامہ کا ایک بڑا سا پیکٹ آیا ہے۔ تبسم چند سیکنڈ کے لئے تھا پھر حضرت خاموش ہو گئے اور آپ چہرے پر گہرے صدمہ کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور نہایت ہی حسرت بھرے لہجے میں فرمایا اگر یہ لوگ تقویٰ سے کام لیتے تو معاملہ بالکل صاف تھا نہ آپ ہلاک ہوتے نہ دوسروں کو ہلاک کرتے۔

(24) ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سیر کے لئے باہر تشریف لائے راستہ میں ایک خط پیش کیا گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میری بیوی میری ماں سے بہت تنگ آئی ہوئی ہے۔ حضور علیہ السلام نے پڑھ کر فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ ماں بیٹے کو ہزار ہا تنگی اور ترشی کے ساتھ پالتی ہے جوان کرتی ہے خوشی خوشی شادی بیاہ کرتی ہے وُہی ماں بہو کو تنگ کرنے لگے۔ نہیں یہ نہیں ہوسکتا اصل یہ ہے کہ بہو نافرمان ہے ساس

کی اطاعت نہیں کرنا چاہتی اس لئے گھر میں فساد ڈال کر ماں بیٹے میں جدائی ڈالنا چاہتی ہے۔

(25) ایک دفعہ عید کے دن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام پرانے دھلے ہوئے کپڑے پہنے مسجد مبارک میں تشریف لائے۔ حضرت اقدس کے تشریف لانے کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب مالک انگلش ویئر ہاؤس تشریف لائے اور نئے کپڑے پیش کئے حضور اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور فوراً نئے کپڑے زیب تن کئے باہر مسجد میں تشریف لے آئے نماز اور خطبہ کے بعد حضور علیہ السلام محراب میں کھڑے ہو گئے اور لوگ ایک ایک کر کے حضور سے مصافحہ کرتے رہے نماز حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور خطبہ بھی حضرت مولوی صاحب نے ہی پڑھا چونکہ اُس وقت بارش ہو رہی تھی اس لئے حضور علیہ السلام نے بجائے عیدگاہ کے مسجد مبارک میں ہی نماز عید ادا کی نماز سے پہلے لوگوں کے انتظار میں کچھ دیر بیٹھے بھی رہے۔

(26) ایک دفعہ مولوی محمد احسن صاحب نے خطبہ جمعہ پڑھا۔ اور اپنے خطبہ میں زیادہ تر اس امر پر زور دیتے رہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کی اُمت میں نبی آسکتا ہے اور نبوت کے انکار کے رد میں یہ آیت وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ... کبر مکتا عند اللہ۔ بار بار پڑھی یعنی یوسف کے بعد بھی نبی کی آمد سے انکار کیا گیا کہ آئندہ نبی نہیں آئے گا یہ خدا کی سخت ناراضگی کا موجب ہے اس خطبہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی سنا۔

(27) 1908ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام لاہور تشریف لے گئے تو ایک امریکن سیاح حضور سے ملنے آیا۔ باتوں باتوں میں آپ سے یہ بھی پوچھا کہ کیا یورپ امریکہ اور ہندوستان کے باشندے سب کے سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں۔ حضرت اقدس نے جواب میں فرمایا کہ ابن عربی ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو کشف میں دیکھا کہ ایک شخص دو آدمیوں کے درمیان سے جہاں کوئی انسان گذر نہیں سکتا بار بار گذرتا ہو جا رہا ہے۔ ابن عربی صاحب نے بڑھ کر اُس شخص کو پکڑ لیا اور پوچھا کہ آپ کون ہیں اُس مذکور شخص نے جواب دیا کہ آدم پھر ابن عربی صاحب کے مذکور شخص سے پوچھنے پر کہ

کون آدم؟ شخص مزکور نے جواب دیا کہ غالباً تمہاری مراد نوح کے باپ سے ہوگی نوح کا باپ نہیں نوح کے باپ سے پہلے سواں آدم ہوں پس اس کشف کے ماتحت ممکن ہے کہ امریکہ وغیرہ کے رہنے والے کسی اور آدم کی اولاد ہوں۔

(28) لاہور میں ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ آپ کے آنے کی غرض کیا ہے حضور نے فرمایا لوگوں کی بے دینی اُس نے کہا کہ مسجدیں تو نمازیوں سے پُر ہوتی ہیں حضور نے فرمایا کہ پھر خدا سے پوچھو اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

(29) لاہور میں چند لوگ حضور علیہ السلام سے ملنے آئے اور کفر اور اسلام کا سوال پوچھا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے نہ کسی کو کافر کہا ہے اور نہ کافر بنایا ہے۔ وہ خود اپنے کردار اور افعال سے کافر بن گئے اور مومن کو کافر کہہ کر کفر اُن پر لوٹ پڑا اور دوسرے اُن کے ساتھ ہو گئے آپ دوسروں سے کفر کا فتویٰ دینے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ شائع کروائیں بشرطیکہ کے نفاق نہ پایا جاتا ہو میں انہیں مومن مان لوں گا۔

(30) حضرت مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے مامورین کو خدا کے سوا کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ دنیا چاہے کچھ کہے۔ چنانچہ ایک دفعہ میرے بھتیجے سائیں عبدالرحمان کے خلاف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور شکایت ہوئی کہ وہ ابھی تک یہیں ہے اُسے نکالا نہیں گیا۔ حضور نے مجھے کہلا بھیجا کہ اگر آپ کو اس سے زیادہ محبت ہے تو خود بھی ساتھ چلے جائیں۔

(31) حضرت مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو شخصوں کی ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہنے لگے میں مسجد مبارک میں کھڑا تھا اور نیچے دو شخصوں کی لڑائی ہو رہی تھی لڑتے لڑتے ایک نے دوسرے کو جھوٹا کہا اور طیش میں آ گیا اور بار بار دہرانے لگا کہ میں جھوٹا میں جھوٹا مجھے اس کے فقرے سے بہت تکلیف ہوئی کاش کہ وہ شخص جھوٹ کو اپنی طرف منسوب ہوتے دیکھ کر خدا تعالیٰ کی جانب میں جھکتا اور توبہ واستغفار سے کام لیتا اور اس طرح خدا تعالیٰ کو راضی کرتا مگر اُس نے خدا تعالیٰ کو ناراض کر لیا اگر وہ اپنے نفس پر غور کرتا تو اُس کے سینکڑوں جھوٹ اُس کے سامنے آ جاتے اور خدا تعالیٰ کے ستاری پر اُس کے حمد کرتا اور آئندہ کے لئے گناہ کی معافی چاہتا۔

(الفضل 19 ستمبر 1942ء صفحہ 3)

(32) حضرت مولوی نورالدین صاحب نے فرمایا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب اور مولوی عبد الحیٔ صاحب ہر دو کو خیال تھا کہ وہ اس صدی کے مجدد ہوں گے۔ اسی ذکر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ان مولویوں کو کیا معلوم کہ مجددیت کیا ہوتی ہے مجددوں کو تو چوہڑوں کی طرح ہر وقت ہاتھ غلاظت میں ڈالنا پڑتا ہے یعنی لوگوں کی اندرونی گندگیوں کو صاف کرنا پڑتا ہے۔

(33) حضرت مولوی نورالدین صاحب فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے دریافت کیا کہ حضور لوگوں سے بہت مختصر الفاظ میں بیعت لیتے ہیں مجھ سے تو بیعت کہ وقت بہت کچھ اقرار لیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تو ان کا اپنے ہاتھ پر توبہ کرنا بھی غنیمت سمجھتا ہوں زیادہ اقرار کیا لوں گا۔

(34) حضرت مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مولوی کے سامنے حدیث پیش کی تو مولوی نے حوالہ طلب کیا آپ نے بخاری منگوائی اور ورق پر ورق الٹنا شروع کر دیا اور حدیث نکال کر سامنے رکھ دی۔ بعد میں حضور سے دریافت کیا گیا کہ حضور اس قدر جلد حوالہ کس طرح نکال لیا تو حضور نے جواب دیا کہ کتاب کے اورق سب کے سب مجھے سفید نظر آرہے تھے پھر جب وہ صفحہ آیا جس میں یہ حدیث تھی تو سوائے اس حدیث کہ اس میں اور کچھ لکھا ہوا نہ تھا یعنی اس حدیث کی اگلی اور پچھلی سطروں کی جگہ بھی خالی تھی۔

(35) حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اپنے اور انجمن کے تعلق کے بارے میں فرمایا کہ جب صدر انجمن احمدیہ کی بنیاد پڑی تو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے دریافت کیا کہ یہ بنیاد تو مسیحی طرز کی ہے کہیں گمراہ نہ ہوجائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دیا کہ بنیاد بھی اسی طرز کی ہے اور گمراہ بھی ہوگی مگر ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی۔ چنانچہ پیغامیوں کے لئے گمراہی کا یہی زینہ ہے۔

(36) حضرت مولوی نورالدین صاحب فرمایا کرتے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو میں نے حضور سے ذکر کیا کہ علماء اس دعوی کو تسلیم نہ کریں گے حضور نے فرمایا میں نے تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنا ہے خواہ علماء مانیں یا نہ مانیں ان کی مرضی۔

(37) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے کہ سید محمد علی صاحب جو قادیان کے رہنے والے تھے ان کی بیوی ایک دفعہ سخت بیمار ہوگئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مسجد مبارک میں تشریف رکھتے تھے کسی نے بیماری کی حضور کو خبر دی حضرت اقدس کی اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ جس پر حضرت ام المومنین مدظلھا تعالیٰ نے گھبرا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو جلدی اندر بلوالیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوراً اٹھ کر چلے گئے اور جا کر حضرت ام المومنین کے کہنے پر کہ سید صاحب کی بیوی سخت بیمار ہیں آپ نے دوا بھیج دی اور وہ اچھی ہوگئیں۔

(38) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب بیمار ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کے علاج میں اس قدر دوادوش کی کہ ظاہری نظر سے دیکھنے والا بہت بڑا دنیادار کا لقب دیتا مگر جس وقت وہ فوت ہوگئے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ایک امانت سپرد کی تھی اس کی حفاظت میں انتہائی طاقت قوت خرچ کر دی اور جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوئی تھی اسے مقدور بھر نبھایا اور بیٹھ کر خط لکھنے شروع کر دئے کہ خدا تعالیٰ نے وفات کی خبر اس کی پیدائش سے بھی پہلے سے دی ہوئی تھی جو پوری ہوئی۔ انی اسقط من اللہ و اصیبہ۔

(39) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک روز بڑی رات گذری حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے بلوا بھیجا۔ جب میں گیا تو فرمایا کہ محمود کی ماں کو وفات مسیح کا مسئلہ سمجھا رہا تھا تو کہنے لگیں سن تو چکی ہوں کہ مسیح فوت ہوگئے اب بار بار کیوں سناتے ہیں ان کے نزدیک مسیح کی وفات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے کہ میں نے کہا حضور اسی لئے تو آج تک خدا تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی نہیں بنایا۔

(40) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں بھیرہ میں مکان بنوا رہا تھا اور قادیان میں حضور کی صرف زیارت کے لئے آیا تھا چند روز بعد حضور نے مولوی عبد الکریم صاحب کے ذریعہ کہلوا بھیجا کہ اپنی ایک بیوی کو یہاں بلوالیں میں نے بلوالیا پھر دوسری بیوی کو بھی بلوانے کا رشاد ہوا پھر آخری مرتبہ مولوی عبدالکریم صاحب کی معرفت کہلا بھیجا مجھے آپ کی نسبت الہام ہوا ہے کہ لا تصبون الوطن فیھا تحان و تمتھن اس لئے بھیرہ جانے کے ارادے کو ترک کر دیں۔

(41) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں جموں میں ایک اشتہار پڑھ کے دریافت کرنے قادیان پہنچا اندر اطلاع کی گئی تو خبر آئی کہ عصر کے بعد ملوں گا جب حضور تشریف لائے تو سیڑھی پر چڑھتے ساتھ ہی دل چاہا کہ قربان ہو جاؤں دوسرے روز سیر کو چلے تو میں نے عرض کیا کہ بعض دشمنوں کے اعتراض کا جواب نہیں بن پڑتا کیا الزامی جواب دے کر ٹال دیا جائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر بے ایمانی اور کیا ہوگی کہ اپنے آپ کو تو جواب نہیں آتا مگر دوسروں کو الزامی جواب دے کر ٹال دیا جائے قادیان سے واپس جاتے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے ایک روپیہ دیا۔

(42) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے قرآن کریم کی مشکل آیات کے حل کرنے کی تدبیر پوچھی حضور نے فرمایا جو آیات مشکل نظر آئے اسے ایک کاغذ پر لکھ کر دروازے کے سامنے لٹکا دیں تا کہ آتے جاتے نظر پڑے چند روز بعد وہ مشکل آیت حل ہو جائے گی۔

(43) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی سے ملنے جایا کرتے تھے ایک دفعہ اُن کے کسی مرید نے حضور کو جاتے وقت ایک روپیہ دیا کہ مولوی صاحب کو میری طرف سے بطور نذرانہ دیں۔ جب حضور نے وہ روپیہ اُن کو دیا تو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ کھوٹا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تکلیف ہوئی کہ نذرانہ میں کھرے کھوٹے کا کیا سوال اور اسی تاریخ سے وہاں جانا چھوڑ دیا۔

(44) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے ایک اشتہار شائع کروانے کے لئے دیا اس میں ایک فقرہ تھا کہ میں حنفی المذہب ہوں میں نہ سمجھ سکا اشتہار تو دے دیا لیکن لکھ دیا کہ

بے سجادہ رنگیں کُنگرت پیرِ مغاں گوید

کہ سالک بے خبر بنود زراہ و رسم منزلہا

پھر حضور سے ملنے آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابو حنیفہ کا کیا مشرب

تھا۔میں نے کہا پہلے قرآن سے استدلال کرتے تھے۔پھر حدیث پر نظر ڈالتے تھے اور آخر میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا مطلب بھی یہی تھا نہ یہ کہ میں امام ابوحنیفہ کا متبع ہوں۔(الفضل 20 ستمبر 1943 صفحہ 3)

(45) حضرت مولوی نور الدین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ تنگ آکر جب میں نے ملازمت سے استعفیٰ دینا چاہا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے روک دیا کہ استعفیٰ دینا جائز نہیں۔

(46) حافظ روشن علی صاحبؓ فرماتے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی کتاب اعجاز احمدیہ میں یہ شعر

يا ارض مد قد دفات مدمر

و ارادك ضليل و اغراك موغر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مسجد مبارک میں تشریف لائے تو حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ سے فرمایا کہ آج میرے ایک شعر میں ''ایا'' حرف ندا کی طرح استعمال ہوا ہے کیا عربی زبان میں ایا حرف ندا کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

(47) حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے لنگر خانہ سے کھانا کھانے کا حکم تھا میں نے بہت کوشش کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے اپنا کھانا کھانے کی اجازت مل جائے مگر حضور نے اجازت نہ دی میرے بھائی ڈاکٹر رحمت علی صاحب مجھے خرچ دیتے تھے اور اس کی موجودگی میں لنگر خانہ سے کھانا کھانا ایک قسم کا بوجھ سمجھتا تھا لیکن جب ڈاکٹر رحمت علی صاحب فوت ہو گئے اس وقت مجھے اس مصلحت کا علم ہوا۔

(48) جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی آخری تقریر لاہور میں ہوئی اس وقت ہوا کچھ تیز تھی۔ہوا کی تیزی کی وجہ سے آپ کی پگڑی کا شملہ اڑ اڑ کر آگے کی طرف آجاتا اور پیچھے کر دیا جاتا اس روز آپ کی طبیعت ناساز تھی اور وقت بہت کم تھا۔خیال تھا کہ حضور تشریف نہ لائیں گے مگر آپ تشریف لائے اور دیر تک کھڑے کھڑے تقریر فرمائی۔

(49) ایک دفعہ جب کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مسجد مبارک میں تشریف رکھتے تھے انبیاء کے

متبعین کا ذکر چل پڑا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ عام طور پر انبیاء کے ماننے والے کم عمر کے لوگ ہوتے ہیں بڑھے بوڑھے بہت کم مانتے ہیں مگر مولوی غلام حسین صاحب لاہوری اور بابا ہدایت اللہ صاحب شاعر لاہور یہ دونوں ایسے ہیں جو بڑے اور بوڑھے ہوتے ہوئے ایمان لائے۔

(50) مولوی غلام حسین صاحب لاہوری کا جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے خود پڑھایا اور جنازہ کو کندھا دیا۔

(51) حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد مبارک کو کشتی نوح سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ (حضرت بھائی عبد الرحمان صاحب قادیانی نے بتلایا کہ مسجد مبارک کی توسیع سے قبل مسجد کے موجودہ حجرے کے دروازہ کی اوپر والی دیوار پر کشتی کے ویسی ہی شکل بنی تھی جیسا کہ کتاب کشتی نوح کے ٹائیٹل پیج پر نظر آتی ہے اور اس پر وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا کے آیت اور فارسی کے اشعار بھی مرقوم تھے۔) (خاکسار مرتب) (الفضل 22 ستمبر 1942ء صفحہ 3)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے نکاح کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے اپنے خیالات کے ماتحت کئی الہام جو اس نکاح کی طرف اشارہ کرتے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور پیش کئے آپ سنتے رہے اور فرماتے رہے کہ نہیں نہیں یہ نہیں لیکن جب نواب مبارکہ کا الہام پیش ہوا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں یہ اسی کے متعلق ہے" (الحکم 7 جولائی 1934ء صفحہ 4 روایت نمبر 9)

ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آپ کے قادیان آنے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور تکالیف کا خصوصاً ذکر فرمایا ہے اور آپ کے واقعہ بیعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد مبارک کہ جب امام مہدی کا ظہور ہو تو اُس کی بیعت کرنا چاہیے، برف کے پہاڑوں پر سے گھٹنوں کے بل گذرنا پڑے کی، عملی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ آپ کا یہ اخلاص ہم سب کے لئے قابل تقلید ہے۔

آپ کی بیعت کے واقعہ کے بارے میں ہمارے پیارے امام حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے خطبہ جمعہ 24 اگست 2012ء میں بیان فرمایا ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو قبل ازیں رویات میں بیان ہو چکا ہے۔ اسے بیان کرنے کے بعد سیدنا حضور انور فرماتے ہیں:

''تو یہ ان بزرگوں کے چند واقعات تھے جنہوں نے ایک تڑپ اور لگن سے آنے والے مسیح موعود کو مانا۔ سید محمود عالم صاحبؓ کا جو واقعہ ہے یہ بھی دراصل حدیث میں جو آیا ہے ناں کہ گھسٹتے ہوئے گھٹنوں کے بل بھی چل کے جانا پڑے تو جانا، اُسی کی ایک شکل بنتی ہے۔ کس قدر تکلیف اُٹھائی ہے لیکن ایک عزم تھا جس سے وہ چلتے رہے اور آخر کار اپنی منزل مقصود تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ان صحابہ کے درجات کو بلند فرماتا چلا جائے اور ہمیں بھی اپنے ایمان و ایقان میں ترقی عطا فرمائے۔ اور عامۃ المسلمین کے بھی سینے کھولے کہ وہ مسیح موعود کو پہچاننے والے ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بنیں اور یہ جو آفات آجکل ان پر ٹوٹی پڑ رہی ہیں ان سے بھی بچنے والے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔

(بحوالہ خطبہ جمعہ 24 اگست 2012ء حضور انور مطبوعہ بدر 18 اکتوبر 2012ء)

مالی قربانی

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر ساری جائیداد وقف کرنے والوں میں سترھویں فہرست میں حضرت سید محمود عالم صاحب اور آپ کی اہلیہ کا نام درج ہے۔ چنانچہ لکھا ہے

نمبر شمار 1470۔ سید محمود عالم صاحب قادیان ایک مکان

نمبر شمار 1471۔ اہلیہ سید محمود عالم صاحب قادیان ایک مکان۔ (الفضل 19 جنوری 1945ء صفحہ 6)

آپ کا نام تاریخ احمدیت مطبع نشر و اشاعت قادیان طبع 2007 میں یوں درج ہے کہ

''سید محمود عالم صاحب ولد سید تبارک حسین صاحب کے کچھ دنوں خزانچی صدر انجمن احمدیہ قادیان کے طور پر خدمت سرانجام دی۔

اسی طرح مسجد مبارک ربوہ کی سنگ بنیاد کے موقعہ پر یعنی 3 اکتوبر 1949ء کو جو صحابہ کرام موجود تھے۔ اُن میں محترم سید محمود عالم صاحبؓ کا نام بھی شامل ہے۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 13 صفحہ 28 مطبع قادیان)

شادی و اولاد

آپ کی نسل اور اولاد کے بارے میں آپ کے نواسے مکرم مبارک احمد صاحب لندن نے اپنی والدہ کی تحریر کی روشنی میں تحریر کیا ہے کہ

میرے نانا حضرت سید محمود عالم صاحب ؓ کی دو شادیاں تھیں۔ آپ کی پہلی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھیرہ کے ایک پیر کی لڑکی جو یتیم ہو چکی سے کرائی تھی۔ یہ چند سال زندہ رہیں اور ایک آٹھ سالہ لڑکی چھوڑ کر وفات پا گئیں۔ دوسری شادی مکرم امیر الدین صاحب بھاگلپوری کی بیٹی سے ہوئی۔ اولاد حسب ذیل ہے۔

(1) **پہلی بیوی سے:** سیدہ آمنہ بیگم صاحبہ مرحومہ۔ ان کی شادی کشمیر میں مکرم سید محمد یوسف صاحب سے ہوئی۔ ان کی پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔

(2) **دوسری بیوی سے** مکرمہ سیدہ میمونہ صاحبہ مرحومہ تھیں۔ ان کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی سالی کے بیٹے یار محمد خان صاحب مرحوم سے ہوئی۔ ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ یہ سب کینڈہ میں رہتے ہیں۔

(3) مکرم سید محمد احمد صاحب مرحوم۔ یہ پارٹیشن کے بعد حیدرآباد کراچی سندھ میں چلے گئے۔ انکے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ مکرم سید نعیم احمد انجینئر میں ملازمت کے سلسلہ میں جدّہ میں رہے۔ سید فہیم کینڈہ میں مقیم ہیں۔

(4) سید رشید عالم صاحب لاہور سے ایم ایس سی کرنے کے بعد جرمنی سے سکالرشپ لے کر ڈاکٹریٹ کرنے چلے گئے۔ وہیں وفات پائی۔

(5) سیدہ بشریٰ نوری صاحبہ ربوہ سے بی اے کیا۔ مکرم سردار یوسف صاحب کے بیٹے مکرم سردار شبیر نور سے ہوئی۔ ان کے دو بچے ہیں کینڈا میں ہیں۔

(6) سیدہ حمیدہ نذیر صاحبہ ابھی حیات ہیں۔ ریٹائیر پروفیسر ہیں۔ ان کی شادی حیدرآباد کے شیخ عبد الرزاق صاحب مرحوم کے بیٹے مکرم شیخ نذیر احمد صاحب سے ہوئی۔ خاکسار ایک بیٹا مبارک احمد ہے جو لندن میں مقیم ہے۔

(7) مکرمہ سیدہ صادقہ محمود صاحبہ مرحومہ ان کی شادی خالہ زاد مکرم عبدالشکور صاحب سے ہوئی جو شیزان فیکٹری لاہور سے جنرل مینجر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اب ریٹائرمنٹ کے بعد برمنگھم میں مقیم ہیں۔

وفات

آپ کی وفات 25 فروری 1968ء کو ہوئی۔
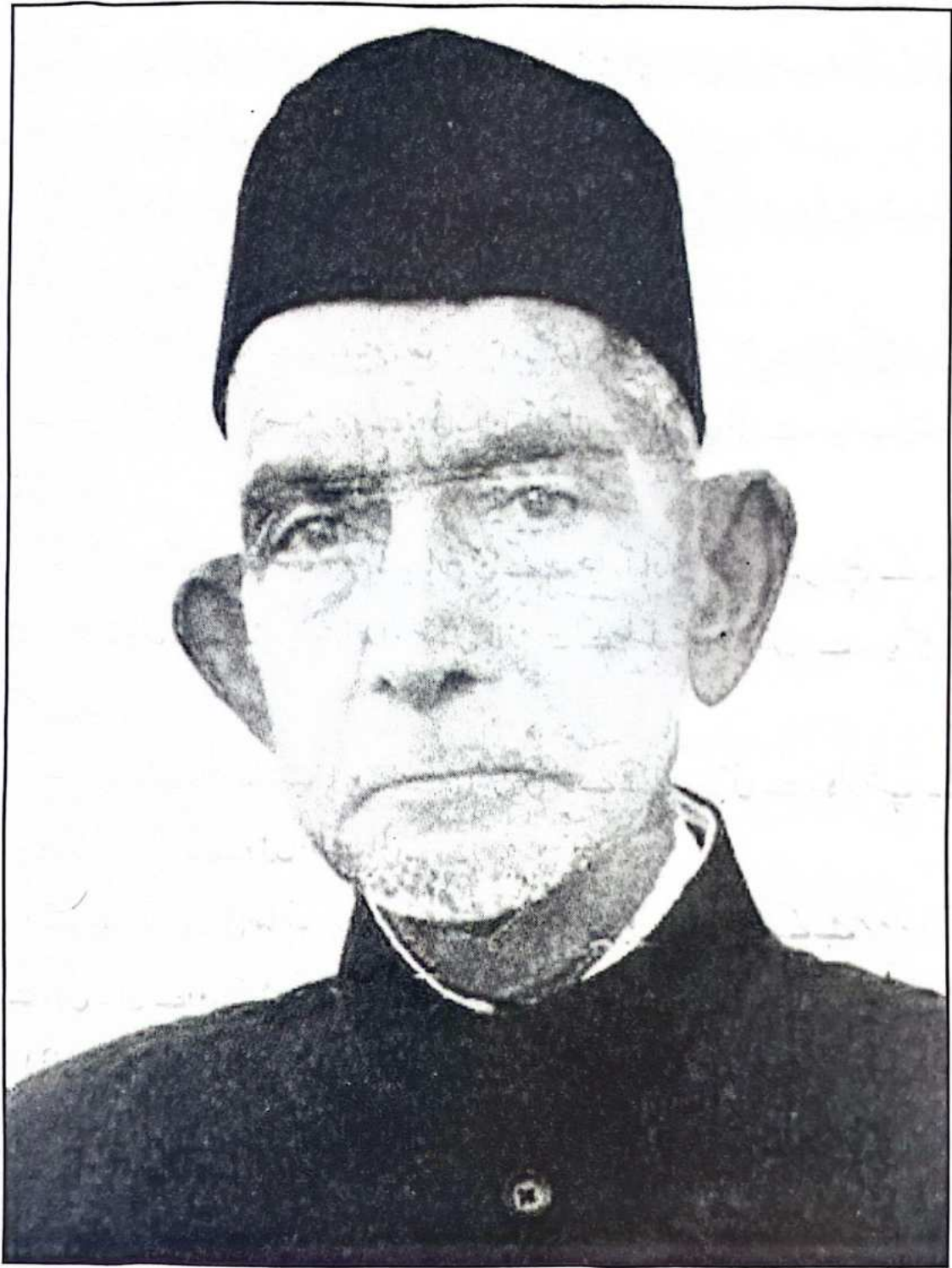
حضرت بشیر الدین صاحب بھاگلپوری رضی اللہ عنہ

حضرت بشیر الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ 1892ء میں بھاگلپور میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں آپ نے زندگی کا اکثر حصہ گذارا۔ اللہ کے فضل سے آپ نے 1905ء میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت کی تھی۔ چنانچہ آپ نے 1945ء کی شوریٰ کے موقعہ پر قادیان میں منارۃ المسیح کے ساتھ ہال کی تیاری کے سلسلہ میں اپنی رائے پیش کرتے ہوئے بیان، فرمایا

''خدا تعالی کا بڑا شکر ہے کہ میں نے 1905ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اُس وقت آپ سے سنا تھا کہ قادیان مرجع خاص و عام ہوگا۔ اور اب دیکھ لیا کہ عظیم الشان جماعت بن گئی اور بنتی جارہی ہے اس لئے بہت زیادہ آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے ہال بننا چاہیے۔ کیونکہ ساری دنیا کے مذاہب کے نمائندے آئیں گے اور بڑے بڑے لوگ آئیں گے ہماری ساری جائیدادیں اس ہال کی تعمیر کے لئے حاضر ہیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 506 مرتبہ محترم دوست محمد صاحب شاہد مرحوم شائع شدہ قادیان)

آپ کے بڑے بیٹے مکرم زین العابدین صاحب نے آپ کے غیر مطبوعہ تحریری مسودہ ارسال کیا ہے۔ یہاں اُسے سامنے رکھتے ہوئے آپ کے حالات مرتب کئے گئے ہیں۔

آپ نے تعلیم الاسلام اسکول میں داخلہ لیا تھا اور میٹریک کا امتحان اسی اسکول سے پاس کیا۔ دوران طالب علمی حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ آپ کے ہم جماعت تھے جبکہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ دو جماعتیں آگے تھے۔ آپ ایک اچھے طالب علم نیز فٹ بال کے اچھے کھلاڑی تھے۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا ان دنوں وہاں پروفیسر عبد القادر صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پروفیسر تھے۔ اس کے بعد آپ نے Sobaur Agriculture College میں داخلہ لیا۔ اور آپ لاہور سے بھاگلپور آگئے، سبور بھاگلپور سے بہت نزدیک واقع ہے اور یہ کالج زراعت کی تعلیم کے لحاظ سے مشرقی ہندوستان کا مشہور اور معروف ادارہ ہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ کی بحالی اورسیز کے کے طور پر ہوئی جس پر ترقی کرتے کرتے آپ

انسپکٹر ہو گئے مزید ترقی کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ اگریکلچر آفیسر ہوئے 1955ء میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے اور پاکستان منتقل ہو گئے دوران ملازمت کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی۔ انتہائی ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرتے رہے اللہ تعالیٰ پر کامل توکل تھا اور ہمیشہ اُس کا شکر ادا کرتے تھے۔

عادت واطوار

آپ شریعت کے سخت پابند تھے۔ پنج وقتہ فرض نمازوں کے علاوہ نماز تہجد کے پابند تھے قرآن مجید کی تلاوت باقاعدگی سے کرتے تھے نیز دوسروں کو تلاوت کی تلقین کرتے تھے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں پابند تھے موصی ہونے کے علاوہ ہر مالی تحریک میں حصہ لیتے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے جب 35-1934 میں تحریک کشمیر جاری فرمائی تو آپ نے اُس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نیز اپنے بڑے بیٹے یعنی خاکسار زین العابدین کو بھی اس میں شامل کیا۔ غرباء اور مستحقین کی مالی مدد اس طریق سے کرتے کہ دسروں کو خبر نہ ہونے دیتے۔ اسی طرح دوسروں کے لئے خاموشی سے دعا کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی خدمت دین اور تبلیغ کا ذریعہ ہے۔

اولاد کو نصیحت:

اپنی اولاد کو نصیحت کرتے تھے کہ اگر تم دوسروں کے لئے دعا کرو گے تو خدا تعالیٰ کے فرشتے تمہارے لئے دعا کریں گے۔ اگر تم دوسروں کا بھلا چاہو گے تو تمہارا بھی بھلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جو کچھ دے اُس پر قانع رہو اور اُس کا شکر ادا کرو۔ تم اللہ کا جتنا احسان ادا کرو گے اللہ اتنا ہی زیادہ تمہیں دے گا۔ اس بات کو ہمیشہ ذہن نشین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ہزاروں بندے ایسے ہیں جنکے تن پر نہ کپڑا ہے نہ کھانے کے لئے روٹی۔ ہمیشہ حسد سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ نیز سادہ زندگی پر زور دیتے تھے۔

جب مکرم زین العابدین صاحب کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی تو اُن کے والد صاحب نے انہیں بتایا کہ احسان کا مرتبہ تقویٰ سے زیادہ بلند ہے بوجہ کم سنی انہیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی بہر حال اُن کے والد صاحب نے اس طرح بتایا کہ تقویٰ کا تعلق مومن کی اپنی ذات سے وابستہ ہے۔ جب ایک مومن نماز پڑھتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہے نیز دوسرے اعمال صالحہ کا پابند ہوتا ہے تو وہ تقویٰ اور روحانیت میں ترقی کرتا ہے لیکن یہ

سب کچھ اُس کی اپنی ذات سے وابستہ ہے لیکن جب وہ دوسروں سے حسن سلوک کرتا ہے تو ایسا کرتے وقت اُس کا اپنا فائدہ مدنظر نہیں ہوتا۔

آپ کے بیٹے مکرم زین العابدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب والد محترم بشیر الدین صاحب مجھے اسکول میں داخلہ دلوانے کے لئے جا رہے تھے تو پڑوسی کو اس کا علم ہوا انہوں نے والد محترم سے درخواست کی کہ اُنکے بیٹے کو بھی اسکول میں داخل کرا دیں۔ اُنکی درخواست پر والد محترم ہم دونوں بچوں کو اسکول لے کر گئے پہلے اپنے ہمسایہ کے بیٹے کا داخلہ کرایا۔

آپ میں خدمت خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ ہومیوپیتھی کے ڈاکٹر تھے۔ عموماً لوگوں کو مفت علاج کرتے تھے اور کبھی کوئی قیمت طلب نہ کرتے تھے۔۔ اس پیشہ کو اختیار کرنے کی وجہ روپیہ کمانا نہ تھا بلکہ خدمت خلق تھی۔

آپ بحیثیت اگلریکلچر انسپکٹر کھیتوں میں معائنہ کے لئے جایا کرتے تھے آپ کو کسان سے زیادہ اُس کی فصل کی فکر ہوتی تھی۔ جہاں اُس کی فصل کی حفاظت کے لئے کھاد دیتے تھے وہاں دعا بھی کرتے تھے۔

ایمانداری

آپ انتہائی ایماندار انسان تھے 1939ء تا 1945ء جنگ عظیم دوم کے ایام تھے۔ جنگ کے اس لمباہ عرصہ تک جاری رہنے کی وجہ سے ضروریات زندگی عوام کی طاقت خرید سے باہر ہو چکی تھیں۔ عوام کو سب سے زیادہ تکلیف غلہ کی گرانی کے باعث ہوئی۔ 1943ء کا سال سخت ترین سال تھا۔ حکومت نے عوام کی تکلیف دور کرنے کے لئے راشن جاری کیا۔ تا کہ عوام کو کم قیمت پر غلہ مہیا کرایا جائے اس سلسلہ میں ہزاروں من سرکاری غلہ گوداموں میں جمع ہوا جو والد صاحب کی تحویل میں ہوتا تھا۔ آپ جمع شدہ غلہ سے حسب منشاء غلہ اپنے گھر لا سکتے تھے لیکن آپ نے کبھی بھی ایک دانہ ناجائز طور پر گھر میں نہ لائے۔

آپ کو خلافت سے گہرا تعلق تھا۔ ہمیشہ اپنی اولاد کو خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین فرماتے تھے کہ اسی میں تم لوگوں کی نجات ہے اور دنیا کی ساری ترقیات وابستہ ہیں۔ اخبار الفضل بڑی پابندی سے مطالعہ کرتے تھے نیز اپنی اولاد کو بھی اس کو پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے اس اخبار آنے میں دیر ہوتی تو اپنے کسی بیٹے کو ڈاکخانہ بھیجتے کہ جا کر پتہ کرو کہ دیر کی کیا وجہ ہے۔

تبلیغ کا شوق:

آپ کو تبلیغ کا بے حد شوق تھا۔ اپنی ملازمت کے دوران بہار کے مختلف مقامات پر متعین رہے۔ جہاں بھی رہے۔ تبلیغ میں مصروف رہے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ آپ نے اپنی اولاد کو سنایا، جو اس طرح ہے۔

محترم بشیر الدین صاحب کے والد محترم خدا بخش صاحب بھاگلپور کے ایک کامیاب اور مشہور مختار تھے۔ شہر کے معززین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ اہم تقاریب میں جہاں شہر کے بڑے بڑے حکام مدعو ہوتے تھے وہاں آپ کی صدارت ہوتی تھی۔ آپ احمدی نہیں تھے لیکن احمدیت سے متاثر تھے اور ہمیشہ اس کی تائید کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک تقریب میں جس کی صدارت کمیشنر صاحب کر رہے تھے ایک مولوی نے جماعت احمدیہ کے خلاف بہت کچھ گند اُگلا۔ محترم بشیر الدین صاحب نے صدر کی اجازت سے اُس کی تقریر ختم ہونے کے بعد احمدیت کے صداقت پر دلائل پیش کئے نیز اُس کے اعتراضات کا جواب دیا۔ ان کی تقریر ختم ہوتے ہی مولویوں نے آپ کو مارنا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ کے والد محترم خدا بخش صاحب بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے۔ آپ کے یہ کہنے پر مولوی اپنی حرکت سے باز آئے اور خاموش ہو گئے۔

شدھی کی تحریک میں ایک ماہ کی رخصت لے کر اس جہاد میں شامل ہوئے اور جماعت کی ہدایت کے مطابق خدمت بجالائے۔

آپ ہر سال شوریٰ میں شامل ہوتے تھے۔ 1945ء کی شوریٰ میں آپ کی پیش کردہ رائے تاریخ احمدیت کے حوالہ سے درج ہو چکی ہے۔

مالی قربانی

حضرت بشیر الدین صاحب مالی قربانی میں بھی پیش پیش تھے۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ عنہ کی تحریک وقف جائیداد میں آپ نے شمولیت اختیار فرمائی تھی۔ چنانچہ واقفین جائیدا کی 26ویں فہرست نمبر کھاتا 2338 میں مکرم محمد بشیر الدین صاحب بھاگلپور 1000 روپے وعدہ درج ہے۔

(بحوالہ اخبار الفضل 29 مئی 1945ء صفحہ 6)

شادی اوراولاد:

آپ کی شادی مکرم ماسٹرابراہیم صاحب آڑھا ضلع مونگھیر کی دختر مکرمہ صغریٰ بیگم سے 1924ء میں ہوئی۔مکرمہ صغریٰ بیگم صاحبہ کی پیدائش 1911ء اوروفات 1966ءکو ہوئی۔ بوجہ موصیہ ہونے کے آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی۔محترم بشیر الدین صاحب اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد پاکستان چلے گئے تھے آپ کی اولاد 1947 میں پاکستان منتقل ہوگئی تھی۔آپ کا انتقال کھاریاں چھاؤنی میں 1966ءکوہوا۔بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے درجات بلندفرمائے۔آمین

محترم بشیر الدین صاحب کومحترمہ صغری بیگم صاحبہ کے بطن سے سات بیٹے اور تین بیٹیاں پید اہوئیں۔جن کے اسماءمندرجہ ذیل ہیں۔

(1)مکرم زین العابدین صاحب حال مقیم امریکہ

(2)مکرم معین الدین صاحب حال مقیم ٹورینٹوکینڈہ

(3)مکرم ضیاءالدین صاحب حال مقیم واشنگٹن

(4)مکرم کرنل محی الدین صاحب مرحوم

(5)مکرم رفیع الدین صاحب کراچی

(6)مکرمصباح الدین صاحب کراچی

(7)مکرم ناصرمحمودصاحب

بیٹیاں:

(1)مکرمہ شاکرہ صاحبہ حال مقیم ٹورینٹو

(2)مکرمہ نادرہ صاحبہ حال مقیم ٹورینٹو

(3)مکرمہ ناصرہ صاحبہ حال مقیم لاس اینجلزامریکہ

آپ کی اولادکامختصرذکرمندرجہ ذیل ہے:

(1)مکرم زین العابدین صاحب

آپ محترم بشیرالدین صاحبؓ کے بڑے بیٹے ہیں۔انہوں نے اپنے والدمحترم نیزاپنے حالات تحریری

طور پر خاکسار (سید شہاب احمد) کو ارسال کئے ہیں۔ ان کے والد محترم کی سوانح تو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ آپ کے مختصر سوانح اس طرح ہیں۔

پیدائش اور تعلیم

مکرم زین العابدین صاحب 25 ستمبر 1926ء کے دن بھاگلپور شہر میں پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں آپ نے اسکول کی تعلیم مکمل کی اور ایف اے کا امتحان بھی وہیں سے پاس کیا۔ 1946ء میں تعلیم الاسلام کالج قادیان میں داخلہ لیا اور 1947ء تک آپ کی تعلیم اس کالج میں جاری رہی انہیں دنوں سارے ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوئے جو پنجاب میں زیادہ سخت ہوئے مجبوراً انہیں دیگر کئی طلباء کی طرح قادیان چھوڑ کر جانا پڑا۔ آپ اپنے وطن بھاگلپور آ گئے۔ اگست 1947ء کے آخر میں آپ اور آپ کے برادران مکرم معین الدین صاحب اور مکرم ضیاء الدین صاحب براستہ ممبئی یکم ستمبر کراچی میں پہنچے اور پھر کراچی سے لاہور پہنچے۔

آپ نے تعلیم الاسلام کالج لاہور میں جو قادیان سے منتقل ہو کر گیا تھا دوبارہ پڑھائی کیلئے داخلہ لے لیا۔ 1950ء میں جب کہ آپ زیر تعلیم تھے تو آپ کو پاکستانی فوج میں 2nd liutenaent کا عہدہ ملا اس عہدے کے ملنے کے بعد آپ نے تعلیم ترک کر دی۔ آپ نے کوہاٹ آفیسر ٹریننگ میں ایک سال تک تربیت حاصل کی اور پھر مختلف عہدوں میں ترقی کرتے ہوئے آخر میجر کے عہدے سے ریٹایرڈ ہوئے۔

1973 یا 1974ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے احمدی افسران کو ایک فارم کی پیشکش کی گئی تھی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ہم اپنے آپ کو غیر مسلم ہونے کا اقرار کرتے ہیں احمدی افسران نے اس کا صاف انکار کر دیا۔ حکومت نے تین دفعہ فارم کی پیشکش کی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ہم اپنے غیر مسلم ہونے کا اقرار کریں الحمدللہ ان احمدی افسروں نے دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے ہر دفعہ اس پیشکش کا انکار کر دیا۔ آخری دفعہ مکرم زین العابدین صاحب کو کورٹ مارشل کی دھمکی دی گئی لیکن اس کے باوجود انہوں نے انکار کیا چنانچہ اُنہیں وقت سے پہلے پینشن دے دیا گیا اور یہ حکم ملا کہ وہ سرکاری مکان یا کواٹر ایک ہفتہ کے اندر خالی کر دیں۔

مکرم زین العابدین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو حالات سے مطلع کیا اور دعا کی درخواست کی۔ حضور نے دعا کی نیز لکھا کہ آپ نے دین کی خاطر قربانی کی ہے اس لئے اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ خلیفۃ وقت کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ آپ صوبہ سندھ میں ہلال احمد سوسائٹی کے معتمد بحال ہوئے اسی

برموقعہ تقریب شادی خانہ آبادی مکرم زین العابدین صاحب 1959ء

(دائیں سے بائیں) مکرم ضیاء الدین صاحب، مکرم بشیر الدین صاحبؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ،

مکرم زین العابدین صاحب، مکرم معین الدین صاحب

امین زین

مکرم زین العابدین صاحب

تقریب شادی خانہ آبادی مکرم زین العابدین صاحب
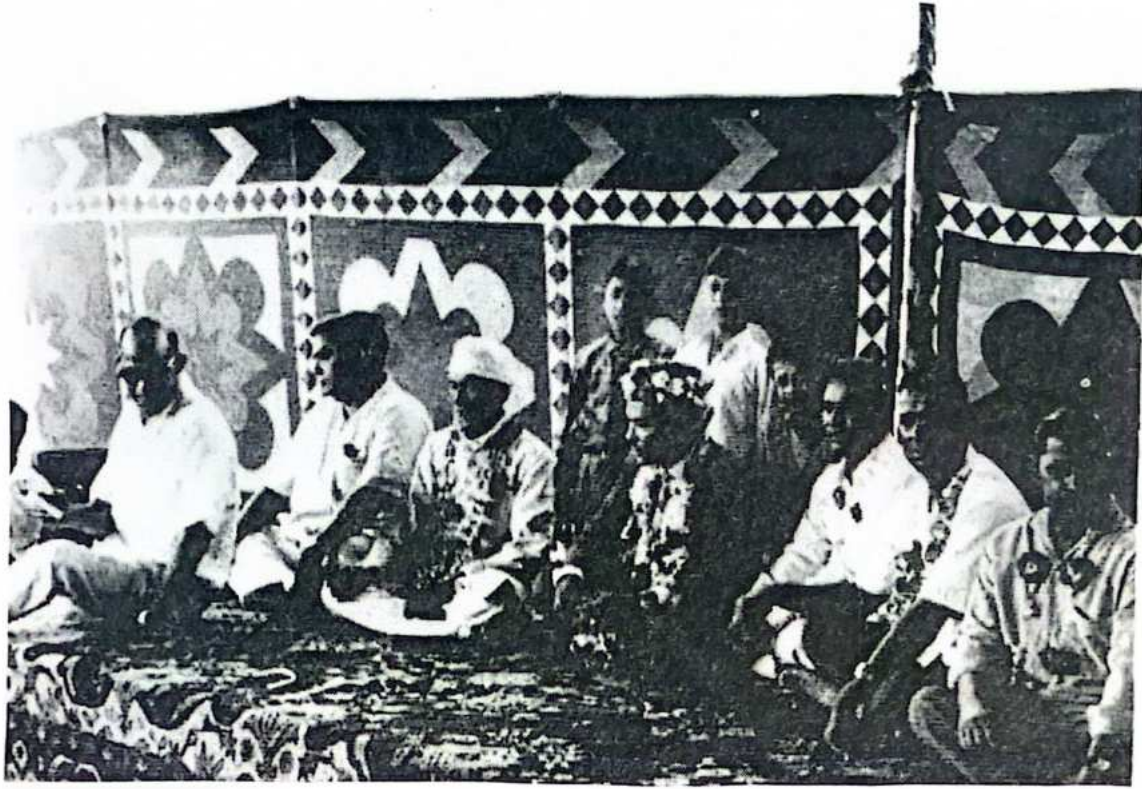
مکرم ضیاء الدین صاحب

مکرم مصباح الدین صاحب
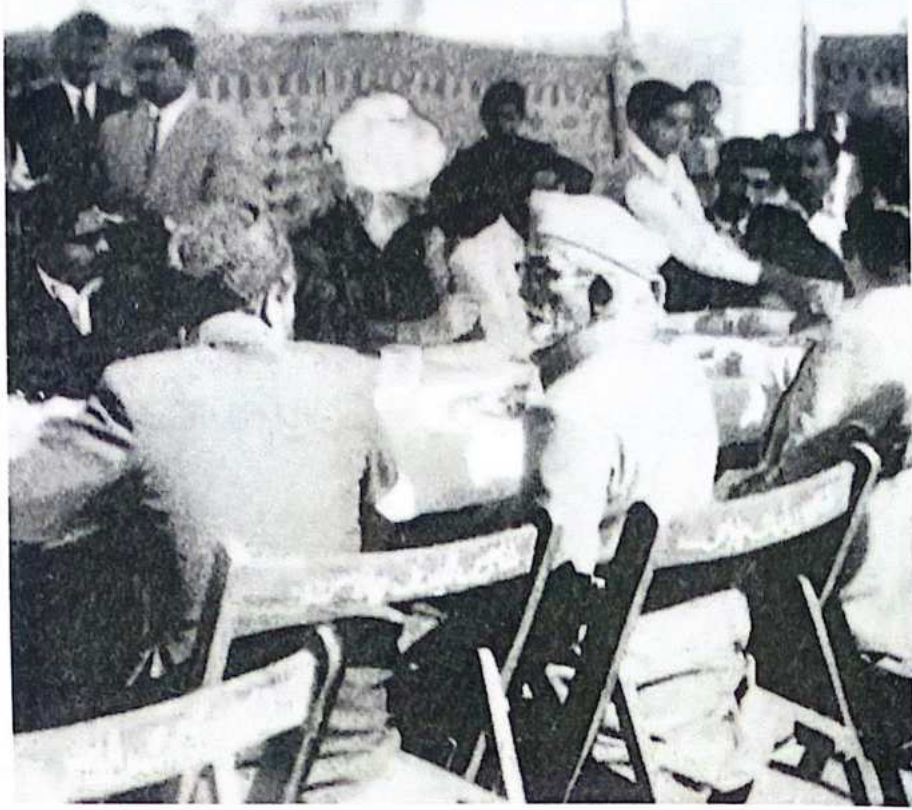
برموقع تقریب ولیمہ کیپٹن زین العابدین صاحب بمقام ربوہ فروری 1959ء
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، حضرت بشیر الدین بھاگلپوری صاحبؓ،
مکرم ضیاء الدین صاحب ومکرم محی الدین صاحب کھڑے ہیں۔

ایک یادگار تصویر بمقام بے پائنٹ امریکہ
مکرم صاحبزادہ کلیم احمد صاحب، مکرم زین العابدین صاحب، مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب
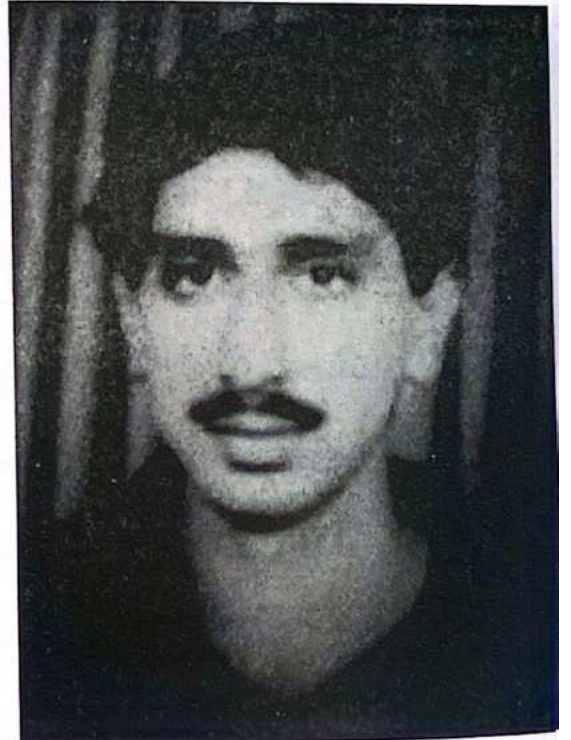
مکرم ظہیر احمد صاحب

طرح دیگر کئی معزز عہدوں پر کام کرتے ہوئے گیارہ سال کام کرنے کے بعد 1988ء میں پینشن یافتہ ہوئے۔اسی اثنا میں انہیں سندھیوں نے اغوا کر لیا لیکن آپ دو دن میں ہی اُن کے چُنگل سے نکل بھاگے۔ان مجرموں کی دھمکیوں کی وجہ سے آپ کراچی سے راولپنڈی آگئے۔

دینی خدمات

آپ کی طبیعت میں شروع سے نیکی کا مادہ تھا۔جن دنوں آپ کوہاٹ میں ٹریننگ حاصل کر رہے تھے تو آپ نے کمرہ میں ہی نماز باجماعت کا انتظام کیا ان کے بعض ساتھیوں کو یہ بات بری لگی لیکن آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی اور اس کام کو جاری رکھا۔

1993ء میں آپ مستقل طور پر امریکہ آگئے اور یہاں کے شہر Sanjose میں رہائش اختیار کی۔یہاں آنے کے بعد آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں تین سال کے لئے وقف عارضی کی درخواست کی۔حضور نے ازراہ شفقت اس گذارش کو منظور کیا اور امیر صاحب امریکہ حضرت مرزا مظفر صاحب مرحوم کو اس بارے میں اطلاع دی۔محترم امیر صاحب نے آپ کی تعناتی Pitdsurg میں کی۔یہ شہر سان فرانسسکو کے کافی نزدیک ہے۔آپ نے یکم جنوری 1995ء سے اگست 1999ء تک بحیثیت مبلغ خدمت انجام دی۔

اس علاقے میں احمدیوں کے دس بارہ گھرانے آباد تھے آپ ہر روز نماز فجر سے آدھ گھنٹہ قبل ہر گھر میں فون کے ذریعہ احباب کو نماز میں آنے کے لئے تاکید کرتے۔جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز میں خاصی حاضری ہو جاتی تھی۔اس دوران چھ بیعتیں بھی ہوئیں۔آپ نے خدام کی تنظیم بہت فعال بنایا۔فجر کی نماز کے بعد آپ احباب کی تواضع اپنی جیب سے کرتے تھے۔مہمانوں کی تواضع میں آپ کی اہلیہ مکرمہ نصرت فاطمہ اور آپ کے چھوٹا بیٹا بھی ہاتھ بٹاتا۔مکرم زین الدین صاحب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جماعتی خدمت کے دوران ان کی اپنی تربیت بھی ہوئی۔نیز ان کے اپنے علم میں بھی بہت اضافہ ہوا۔۔خاکسار شہاب احمد عرض کرتا ہے کہ میں نے ان کی اقتدا میں کئی نمازیں ادا کی ہیں۔میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ اپنے فرائض انتہائی محنت اور ایمانداری سے ادا کرتے تھے۔اور میں ان کی عاجزی اور خاکسار طبیعت سے بھی متاثر ہوں۔

مکرم زین العابدین صاحب انتہائی متقی اور ایماندار انسان ہیں کئی سالوں تک مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ

دیش) میں ایک معزز عہدے پر کام کیا جہاں رشوت کا بازر گرم رہتا ہے۔ رشوت دینے والوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں لیکن ہمیشہ آپ نے مسترد کر دی۔

آپ کا نکاح حضرت مصلح موعودؓ نے ربوہ پاکستان میں 27 دسمبر 1957ء کے دن محترمہ نصرت جہاں صاحبہ کے ساتھ پڑھایا۔ اس موقع پر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث) اور حضرت مرزا رفیع احمد صاحب بھی موجود تھے۔

اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا۔ جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم ظہیر الدین احمد صاحب۔

آپ I.T میں کام کرتے ہیں والدین کے ساتھ رہتے ہیں۔ خاکسار شہاب احمد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مکرم ظہیر الدین صاحب والدین کے بہت خدمت گذار ہیں۔

(2) مکرم امین الدین صاحب پیشہ کے لحاظ سے آڈیٹر ہیں اپنے علاقہ Silicon Velly میں کئی سال قائد خدام الاحمدیہ رہے ہیں۔ جماعت میں آڈیٹر کا کام کیا ان دنوں معتمد وقف نو ہیں۔ ان کی شادی مکرم زین العابدین صاحب کے ماموں زاد بھائی مکرم اقبال احمد صاحب کی بیٹی امۃ السلام سے ہوئی ہے۔

(3) آپ کی بڑی بیٹی کا نام مکرمہ صبوحی صاحبہ ہے۔ جن کی شادی مکرم نصر صدیق صاحب ابن مکرم محمد صدیق صاحب مبلغ سلسلہ مرحوم سے ہوئی ہے۔ یہ خاندان ان دنوں سین جوزے امریکہ میں مقیم ہے۔

(4) آپ کی دوسری بیٹی کا نام مکرمہ صبور ہے۔ جن کی شادی مکرم ابوالفیض صاحب سے ہوئی ابوالفیض صاحب ان دنوں واشنگٹن میں ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔

(5) آپ کی تیسری بیٹی کا نام یٰسمین ہے ان کی شادی مکرم ڈاکٹر محمود صادق صاحب سے ہوئی۔ آپ ایک مخلص احمدی ہیں۔

(2) مکرم معین الدین صاحب

آپ نے واپڈا پاکستان میں کام کیا۔ اور وہاں سے ایک اعلیٰ عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ 17 اگست 2017ء کو ٹورنٹو کینیڈا میں آپ کی وفات ہوئی اور احمدیہ قبرستان میں تدفین ہوئی۔ اللہ پسماندگان کو صبر جمیل دے۔

(3) مکرم ضیاء الدین صاحب

آپ نے ایک لمبا عرصہ ماہر معیشت کے طور پر یواین میں کام کیا۔ان دنوں امریکہ میں پینشن یافتہ زندگی گزارر ہے ہیں۔

(4) مکرم محی الدین صاحب

مکرم کرنل محی الدین صاحب اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھے پاکستانی فوج میں ملازم تھے پینشن کے وقت آپ کرنل کے عہدہ پر فائز تھے۔پینشن کے بعد آپ ٹورنٹو منتقل ہو گئے اور وہیں وفات ہوئی۔آپ کی وفات کے بعد جماعت کے معروف ادیب مکرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب نے ایک مضمون احمدیہ گزٹ کینیڈا میں بعنوان ''تیز رو مسافر'' تحریر کیا۔یہ مضمون قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔

''کل ضیا نے جرمنی سے فون کیا اور روندھی ہوئی آواز میں بتایا کہ کرنل محی الدین کا انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔محی الدین ہمارے دوستوں میں سب سے زیادہ مستعد، چست صحت منداور تیز تھا۔ موت کو گلے لگانے میں بھی اُس نے وہی چستی دکھائی۔اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے۔اور اس کے بچوں کا حافظ و ناصر ہو۔آمین۔میں نے تعزیت کے لئے فون کیا تو معین سے بات ہوئی۔بڑے بھائی زین العابدین جو محی اور دوسروں کے لئے باپ کی جگہ تھے، سے بات ہوئی مگر تعزیت کے چند لفظوں کے جگہ اور کیا کہا جا سکتا تھا مگر فون کرنے کے بعد دیر تک محی یاد آتا رہا۔اس کی محبت، اس کا خلوص، اس کی دردمندی! ابھی پچھلے سال ہی تو اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ملاقات کیا ہوئی تھی اس نے اپنے آپ کو ہماری اور اور چوہدری محمد علی صاحب کی خدمت کے لئے وقف کر چھوڑا تھا۔ یوں خدمت کر رہا تھا جیسے وہ ہمارا برابر کا دوست نہ ہو۔ہمیں احتیاط کی ہدایتیں دینے والوں کو خورد اور شاگرد ہو۔حالانکہ اس سے برابری کا تعلق تھا۔ہماری دل کی تکلیف کا اسے حد سے زیادہ احساس تھا۔یہ نہ کرو، وہ نہ کرو، تیز نہ چلو، یہ وزن نہ اٹھاؤ یوں پریشان نہ ہو۔ہمیں احتیاط کی ہدایتیں کرنے والے کو خود شاید احتیاط کا موقع نہ ملا۔زندگی کا یہی دستور ہے۔جانے والے مڑ کر نہیں آتے بلکہ مڑ کر دیکھتے بھی نہیں۔

پرانی بات ہے کہ ایک روز لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ایک باوردی لیفٹیننٹ کرنل نے ہمیں پیچھے سے آکر اپنی بانہوں میں دبوچ لیا۔ہم نے دیکھا تو محی تھا۔وہ کسی گاڑی سے اترا تھا۔ہم اپنے کسی دوست کو الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر گئے تھے۔اس کا اردلی ہکا بکا ہم دونوں کو دیکھتا رہا۔محی کو ظاہر ہے کہیں نہ کہیں پہنچنا ہوگا۔اس

لئے اس کا اردلی بہت بے چین ہو رہا تھا کہ صاحب کیوں رک گئے ہیں۔محی اس وقت تک رکا رہا جب تک گاڑی چلی نہیں گئی اور ہم اس کے ساتھ اسٹیشن سے باہر نہیں آ گئے۔اس کا اصرار تھا کہ ہم اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھیں مگر ہم اپنی گاڑی میں تھے۔ہم نے کہا ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ہم تمہیں ڈیوٹی والی جگہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گیا۔اس کے استقبال کے لئے آنے والی فوجی جیپ ہماری پیچھے پیچھے چلی۔معلوم ہوا کسی کام سے لاہور آیا ہے۔ورنہ شاید پوسٹنگ پنڈی میں ہے مگر ہمیں اس کی سروس کے حالات جاننے سے زیادہ اپنی مشترکہ دلچسپیوں دوستوں یاروں کی باتوں میں زیادہ دلچسپی تھی۔ پھر ایک بار پنڈی میں سڑک پر ایک گاڑی میں سے محی نے ہمیں پکارا۔سڑک کے کنارے ہم لوگ رک گئے اور بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔خیال تھا کہ کہیں جا کر بیٹھیں اور گپ شپ لگائیں یا کم از کم ایک آدھ کھانا ہی اکھٹے کھائیں مگر موقعہ نہیں تھا یا وقت نہیں تھا۔ اس وقت محی الدین سولین ڈریس میں تھا مگر ہم جلدی میں تھے۔اب کینڈا سے واپس آنے سے پہلے بہت اصرار کے ساتھ محی الدین نے کہا کہ ایک وقت کا کھانا ہم اس کے ساتھ ضرور کھائیں مگر وقت نہ ملا۔محی نے مسجد کے باہر ہمیں رخصت کیا اور حسب عادت مڑ کر نہ دیکھا۔ہمیں ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ اب وہ کبھی واپس مڑ کر نہ دیکھے گا۔اللہ اس کی مغفرت فرمائے اس پیارے دوست نے بہت پیار دیا اور محبت دی۔اللہ تعالیٰ بھی اسے پیار اور محبت سے نوازے۔آمین

ٹورنٹو میں محی ہمارے مرحوم دوست سلیم اختر صدیقی کی قبر پر لے گیا تو گیلی آنکھوں سے کہنے لگا۔دیکھو کہاں کی مٹی کہاں آسودہ ہے۔ہمیں کیا خود اسے بھی اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ اس کی مٹی بھی وہیں آسودہ ہوگی۔سو جائیں گے اک روز زمیں اُڑھ کے ہم بھی۔محی الدین ہمیں ٹورنٹو میں لوگوں سے ملواتا پھرا مگر اس کے ساتھ زیادہ وقت قبرستانوں کی زیارت میں ہی بسر ہوا۔حضرت مولانا ارجمند خان صاحب کی قبر پر بھی وہی لے گیا۔اب جیتے رہے تو شاید کوئی دوست ایسا مل ہی جائے گا جو ہمیں اگلی بار محی الدین کے مرقد کی زیارت کرادے۔زندگی کا یہ سلسلہ بھی عجیب ہے۔

کالج میں اکٹھے ہونے سے پہلے محی الدین سے محلہ داری کا تعلق تھا۔دارالرحمت غربی میں حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ کے مکان کے آس پاس یہ لوگ رہتے تھے۔اس کے ابا بشیر الدین صاحب بھاگلپوری،لوگ انہیں مولوی بھاگلپوری کہتے تھے،بہت بزرگ آدمی تھے۔محترم میاں عبدالرحیم صاحب کے والد محترم سے ان کی

گہری دوستی تھی۔ دونوں دوست پہروں میاں صاحب کی کوٹھی میں بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے۔ ہم ان دنوں حضرت میاں صاحب کے پاس کلرکی کیا کرتے تھے۔ پھر محی الدین کے بڑے بھائی زین العابدین جب کوہاٹ میں تھے تو قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر الدین احمد صاحبؓ کو ہر ہفتہ دعا کے لئے خط لکھا کرتے تھے۔ اس لئے زین العابدین صاحب کے جواب میں لکھے گئے اکثر خطوط ہم نے ہی لکھے تھے اور حضرت میاں صاحب کے دستخطوں سے انہیں بھیجے گئے۔ پھر کالج میں انگریزی مباحثوں میں حصہ لینے والا ایک جونیئر لڑکا ہمارے ساتھ انٹر کالجیٹ مباحثوں میں آنے جانے لگا۔ یہ محی الدین تھا۔ تیز اور جسمانی لحاظ سے چاک و چوبند۔ دو سال بعد ہی وہی لڑکا انجینئرنگ میں چلا گیا اور پھر معلوم ہوا آرمی میں چلا گیا۔ ہم نے کہا ہر چیز کہ درکان نمک رفت نمک شد۔ اب محی الدین ہمارے ہاتھ سے تو گیا مگر ملنا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ محی الدین میں معمولی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کا خلوص اس کی محبت اس کا رکھ رکھاؤ اسی طرح قائم ہے۔

محی الدین کا زیادہ وقت ربوہ سے باہر گزرنے لگا۔ ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ لاہور سے تشریف لا رہے تھے۔ حضور کی ایسکورٹ میں خدام الاحمدیہ کی جو گاڑی آ رہی تھی اس کا حادثہ پیش آ گیا۔ رفیع جو محی الدین کا چھوٹا بھائی ہے۔ اس حادثہ میں بہت شدید زخمی ہوا۔ باقی کے سوار تو شہادت کے رتبہ میں فائز ہوئے۔ ہم ہسپتال پہنچے تو محی الدین کو بال بکھرائے نہایت پریشانی کی عالم میں بھائی کے لئے پریشان پایا۔ اس کی حالت بھی اتنی تشویش ناک تھی مگر حضور کی دعائیں رنگ لائیں۔ رفیع صحت یاب ہو گیا۔ اب کل رات معین نے بتایا کہ لاہور میں ہے اور برسر روزگار ہے۔ اس روز محی الدین کی شخصیت کا ایک پہلو سامنے آیا۔ وہ یوں بے چین تھا جیسے اس کا بیٹا زخمی پڑا ہو۔ اس کے بے قراری میں بھائی کی دردمندی اور باپ کی شفقت دونوں موجود تھیں۔ جب تک رفیع کو ہوش نہیں آ گئی۔ محی نے آنکھ نہیں جھپکی۔ نہ اس کے پہلو سے جدا ہوا۔ اب خدا معلوم رفیع نے یہ خبر کس دل سے سنی ہوگی۔

محی الدین کا خاندان اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت مخلص اور پرانا احمدی خاندان ہے۔ ٹورنٹو میں عزیزم نسیم مہدی نے بتایا کہ خاندان کے سارے لوگ ہی ہر وقت سلسلہ کی خدمت پر تیار رہتے ہیں مگر کرنل محی الدین تو جیسے اشارے کا منتظر رہتا ہے۔ ذرا کسی کام کے لئے کہا اور فوراً مستعد۔ اس مستعدی کا مظاہرہ تو ہم نے بچشم خود دیکھ لیا۔ چوہدری محمد علی صاحب کے جرمنی کے ویزہ کے سلسلہ میں محی الدین کے ساتھ جرمنی کی قونصلیٹ میں جانا تھا۔

وہ پہلے ہمیں لینے مسی ساگا آیا پھر چوہدری صاحب کو ساتھ لیا اور ہم پہروں گلیوں کی خاک چھانتے رہے۔ کیونکہ محی الدین خلاف توقع راستہ بھول گیا تھا۔ اور ہم نے چوہدری صاحب کے نظر بچا کر اس کا خوب ریکارڈ بھی لگایا تاکہ یہ بے مقصد کوچہ گردی کہیں تکلیف دہ نہ بن جائے۔ مگر آفرین ہے محی الدین اس کے ماتھے پر بل نہیں پڑا اور جب تک محی الدین نے قونصلٹ ڈھونڈ نہیں لیا اور ہمیں دوسرے دوست کے بحفاظت سپرد نہیں کر دیا۔ اس نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا حالانکہ خود اسے کسی بہت ضروری کام سے کسی جگہ جانا تھا۔ اگلے روز ہم نے اسے یونہی بتایا کہ قبلہ محترم مولانا محمد جلیل صاحب کے امریکہ کے ویزے کے سلسلہ میں ہمیں امریکن قونصلٹ میں جانا ہے کہنے لگا کتنے بجے؟ ہم نے بتایا صبح آٹھ بجے۔ صبح صبح محی الدین ہمارے گھر پر موجود تھا کہ چلو تمہیں امریکن قونصلٹ چھوڑ آؤں۔ ہم نے کہا بھلے آدمی اس کے لئے تو ہم نے انتظام کر رکھا ہے۔ ایک اور صاحب ہمیں لینے آ رہے ہیں۔ کہنے لگا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آپ ٹورنٹو میں کسی اور سے ایسی خدمت نہیں لے سکتے۔ کیا خدمت گزار شخص تھا۔ اب اس کی کس کس بات کو یاد کریں اور اسے دعائیں دیں؟ وہ شخص سراپا خلوص و محبت و مروت اور محبت تھا۔ یہ چند باتیں صرف محی الدین کا ذکر خیر تازہ کرنے کے لئے لکھ دی ہیں۔ ورنہ اس کے محاسن اتنے ہیں کہ اس کا احاطہ کرنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بے پناہ فضلوں کا وارث بنائے اور اسکے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہر حال میں اُن کا معین و مددگار ہو۔ آمین۔ میں خاص طور سے اس کے اور اپنے بڑے بھائی زین العابدین صاحب کے لئے دعا کی درخواست بھی کرتا ہوں وہ اس صدمہ میں بہت دعاؤں کے مستحق ہیں۔''

(احمدیہ گزٹ مارچ 1997ء صفحہ 25۔26)

آپ کے دو بیٹے مکرم طارق صاحب اور مکرم عمر صاحب اور ایک بیٹی مکرمہ سمینہ ٹورنٹو میں ہیں۔

(5) مکرم رفیع الدین صاحب

آپ کے پانچویں بیٹے کا نام مکرم رفیع الدین ہے۔ آپ نے مختلف پرائیویٹ اداروں میں کام کیا ان دنوں کراچی میں مقیم ہیں۔

(6) مکرم مصباح الدین صاحب

آپ پاکستان ریڈیو میں کام کرتے تھے ان دنوں کراچی میں مقیم ہیں۔

(7) مکرم ناصر محمود صاحب

آپ مکرم حضرت بشیر الدین صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں آپ ان دنوں امریکہ میں کسی کمپنی میں کام کر رہے ہیں۔

بیٹیاں

(1) مکرمہ شاکرہ صاحبہ

آپ بیٹیوں میں سب سے بڑی ہیں ان دنوں کینیڈا ٹورینٹو میں مقیم ہیں۔

(2) مکرمہ نادرہ صاحبہ

آپ کی شادی مکرم ظاہر احمد خاں صاحب سابق قائد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور سے ہوئی تھی۔

(3) مکرمہ ناصرہ صاحبہ

آپ ان دنوں لاس اینجلز امریکہ میں مقیم ہیں۔

مکرم بشیر الدین صاحبؓ نے رضیہ نام کی ایک بچی کو بھی گود لیا تھا۔ اس بچی کا خاندان میں آنا خیر و برکت کا باعث ہوا۔

حضرت شیخ عبدالحق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

گیاسے ایک نومسلم

13 اگست 1905ء دربار شام کے تحت درج ہے: ’’ایک نومسلم رحیم آباد سے آئے ہوئے تھے(حاشیہ میں درج ہے بدر میں ہے ’’گیا سے ایک نومسلم آئے۔‘‘(بدر جلد 1 نمبر 21 صفحہ 3 مورخہ 24 اگست 1905ء) حضرت حکیم الامۃ نے ان کی زبانی بیان کیا کہ وہ پنڈت دیانند کے ساتھ سات سال تک رہے ہیں پھر خود نومسلم صاحب نے بیان کیا کہ میں نے ویدوں کو ایشورانند سے پڑھا ہے۔حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کے قبول اسلام کی کیا تقریب ہوئی جواباً کہا کہ اصل تو آپ کی پیشگوئیوں پر میری نظر تھی اور اس کے بعد دیوریا کے مباحثہ میں مجھ پر اسلام کی سچائی واضح ہو گئی اور میں مسلمان ہو گیا۔‘‘

اس کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ معراج کے متعلق میں حضور کی کیا رائے ہے۔کیا وہ جسمانی تھا یا روحانی؟ اس کے جواب میں حضرت اقدس نے جو تقریر فرمائی وہ ملفوظات کے صفحات 440 اور 441 پر درج ہے۔اس تقریر کو سن کر شیخ عبدالحق صاحب (جو اس نومسلم کا نام ہے) نے کہا یہ تو بالکل سچ ہے اور افسوس یہ مخالف منبروں پر چڑھ کر کہتے ہیں کہ وہ معراج کے منکر ہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 439)

حضرت محمد سلیمان صاحب مونگھیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اہم تصنیف حقیقۃ الوحی صفحہ 491 میں اپنی زلزلہ والی پیشگوئی کے پورا ہونے کے گواہوں میں مکرم محمد سلیمان صاحب مونگھیری صاحب کا ذکر فرمایا ہے۔اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مکرم سلیمان صاحب ؓ مونگھیری نے 1907ء سے قبل بیعت کی تھی۔آپ ؓ کے بارے میں جو باتیں معلوم ہو سکیں وہ تحریر کی جاتی ہیں۔

حضرت محمد سلیمان صاحب مونگھیری ؓ موضع آڑھا ضلع مونگھیر کے رہنے والے تھے۔آڑھا گاؤں کے ہی ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ؓ عنہ بھی صحابی تھے۔آڑھا گاؤں نوادہ شہر اور جموئی شہر کے درمیان سڑک کے ساتھ ہے۔آپ کے بارے میں مکرم محمود عالم صاحب آڑھوی حال کینیڈا سن پیدائش 1921ء اپنی سوانح عمری بعنوان ''سفر حیات'' مطبوعہ رقیم پریس اسلام آباد یو کے صفحہ 17 میں آڑھا میں احمدیت کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں کہ

''آڑھا سے مولوی محمد سلیمان صاحب نوجوانی میں پیدل (قادیان) گئے اور وہاں کچھ عرصہ رہے اور بیعت کرنے کے بعد واپس آئے۔''

مکرم محمود احمد صاحب آڑھوی اپنی بیعت 1936ء کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

''مولوی محمد سلیمان صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہم تینوں (مکرم محمود آڑھوی صاحب انکی والدہ محترمہ اور ان کی بہن صاحبہ، ناقل) کی بیعت لی اور درخواست فارم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی خدمت میں بھجوادئے۔

(کتاب مذکورۃ صفحہ 45)

مکرم محمود احمد آڑھوی صاحب کی نوکری کے سلسلہ میں بھی حضرت محمد سلیمان صاحب ؓ کی معاونت کا پتہ اسی کتاب کے صفحہ 48 میں ذکر موجود ہے۔

حضرت محمد سلیمان صاحب آڑھا ضلع مونگھیر کے باشندہ تھے۔حضرت ڈاکٹر ملک الٰہی بخش صاحب بھی اسی گاؤں کے باشندہ تھے۔ڈاکٹر صاحب موصوف کے پوتا مکرم ضیاء الدین صاحب ساکن حال مقیم

احمد صاحب

اعجاز احمد صاحب

ساجد شہاب صاحب

ضیاء الدین شبلی صاحب
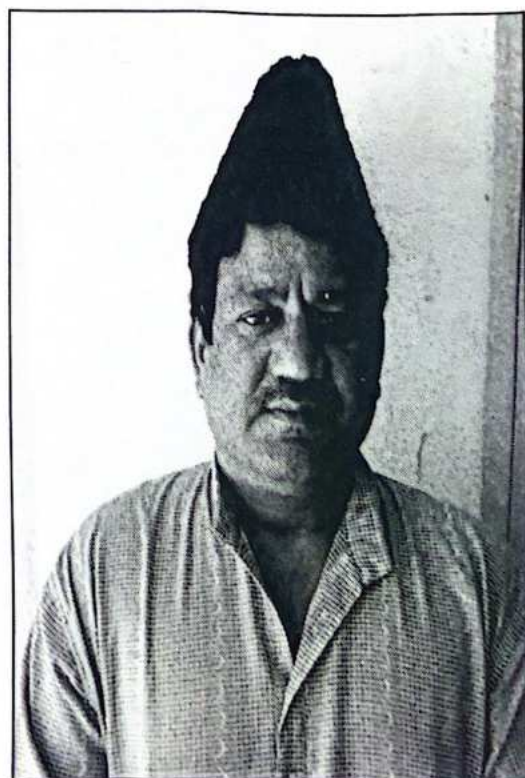
ٹورینٹو کینیڈا حضرت محمد سلیمان صاحب ؓ عنہ سے واقف ہیں ۔مکرم ضیاء الدین صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت محمد سلیمان صاحب بھاری جسم کے انسان تھے ۔مڈل اسکول میں استاد تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں کئی جگہوں پر متعین رہے کچھ عرصہ آڑھا کے اسکول میں اس حیثیت سے کام کیا۔

شادی واولاد:

آپ کے ایک لڑکا اور تین بٹیاں تھیں ۔جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم احمد صاحب۔

آپ تقسیم ہند کے وقت کراچی میں چلے گئے ۔ان کا ایک بیٹا مکرم اعجاز صاحب (متوفی 1971ء) اور آٹھ بیٹیاں ہیں۔

(2) مکرمہ عفت النساء صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم سلیمان صاحب مونگھیر مرحوم

(3) مکرمہ حسنی صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم حمید حسن صاحب مرحوم ڈھاکہ

(4) مکرمہ ساجدہ خاتون صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم شہاب الدین صاحب مرحوم کلکتہ

حضرت محمد سلیمان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے مکرم ضیاء الدین شبلی صاحب اور مکرم ساجد شہاب صاحب کلکتہ میں مقیم ہیں۔ جبکہ دو نواسیاں مکرمہ شاہدہ صاحبہ اور مکرمہ بشریٰ صاحبہ وفات پا چکی ہیں۔
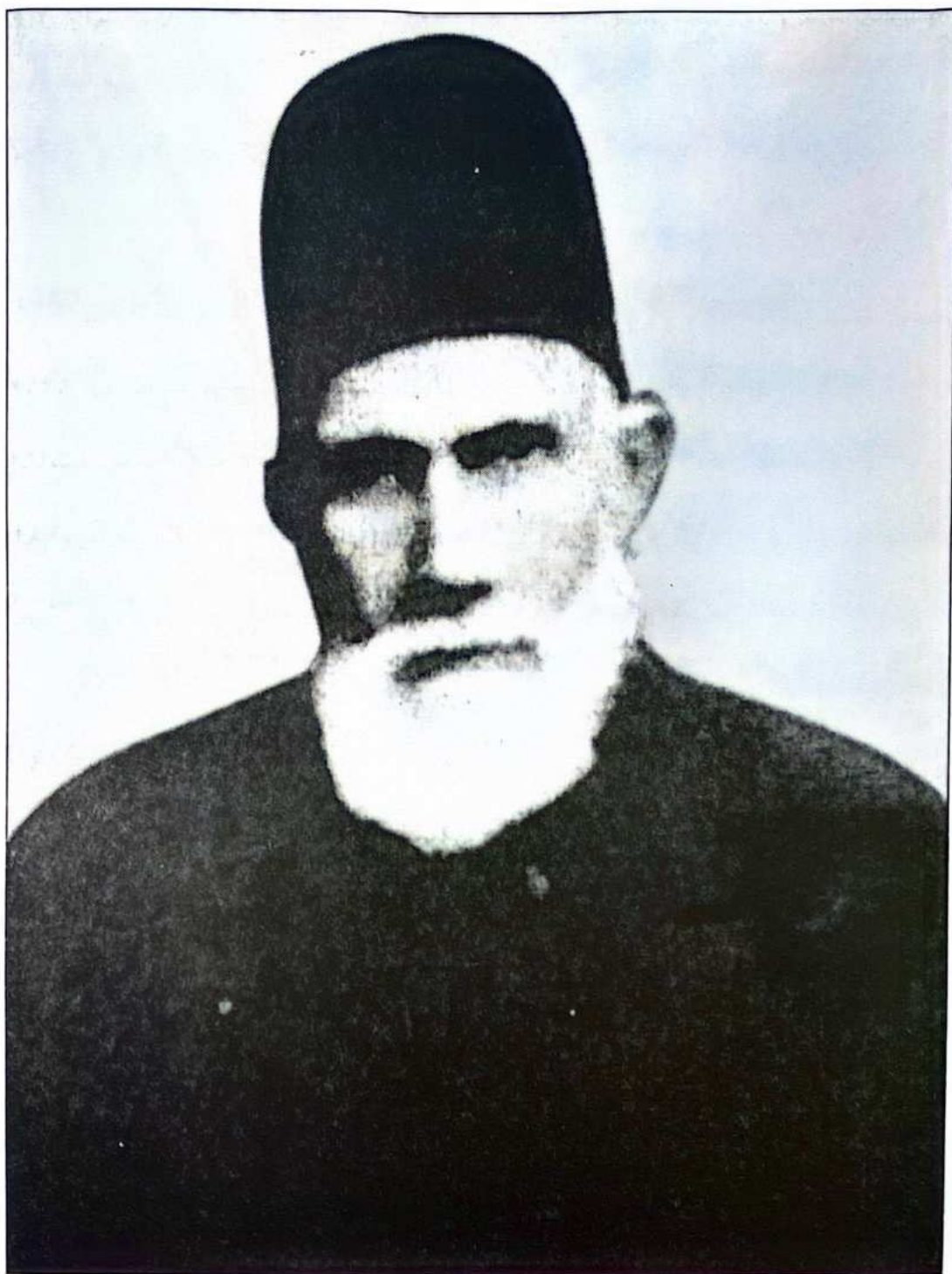
حضرت پروفیسر علی احمد بھاگلپوری صاحب رضی اللہ عنہ

حضرت پروفیسر علی احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایم اے بھاگلپوری

حضرت پروفیسر علی احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایم اے بھاگلپوری بھی بہار کے اُن خوش نصیب اصحاب میں سے تھے جنہیں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کے بارے میں تاریخ احمدیت جلد نمبر 18 صفحہ 594 میں محترم دوست محمد شاہد صاحب مرحوم نے بعنوان ”پروفیسر علی احمد صاحب ایم۔اے“ تحریر کیا ہے کہ

(ولادت 1877ء زبانی بیعت 1892ء تحریری بیعت 1906ء وفات 22 جون 1957ء)

آپ نے سولہ سال کی عمر میں جب آپ میٹرک کا امتحان دے رہے تھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ پر ایمان لانے کا بھری مجلس میں اعلان فرمایا۔ جس پر آپ کو شدید مصائب سے دوچار ہونا پڑا لیکن آپ نے ثبات قدم کا نہایت اعلیٰ قابل رشک نمونہ پیش فرمایا۔ آپ حکومت کے معزز عہدوں اور مناصب پر فائز رہے اور نہایت پاک و مطہر زندگی بسر کی۔ آپ احمدیت کی ایک چلتی پھرتی تصویر اور منکسر المزاجی اور فروتنی کا مجسمہ تھے۔

(الفضل 25 جون 1957ء صفحہ 1)

حضرت مولوی علی احمد صاحب بھاگلپوری رضی اللہ عنہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کا واقعہ

جماعت احمدیہ کے اوّلین مورخ احمدیت حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کے حوالہ سے واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت مولوی علی احمد صاحب رضی اللہ عنہ بھاگلپوری کے واقعہ کو تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”مولوی احمد علی صاحب ایم اے بھاگلپوری بیان کرتے ہیں کہ میں جب پہلی مرتبہ دارالامان میں فروری 1908ء میں آیا۔ جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ التحیۃ والسلام کا وجود باجود ہم میں موجود تھا۔ یوں تو حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں لیکن میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ علاوہ خلیل اللہ جیسی مہمان نوازی کے حضور کو اپنے ان خدام کے وابستگان کا جن کو اس دارفانی سے رحلت کئے ایک عرصہ گزر گیا تھا کتنا خیال تھا اور ان کی دلجوئی حضور فرماتے تھے۔ میں جس دن یہاں پہنچا تو ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیرؔ مبلغ اسلام متعینہ نائجیریا نے حضور کو ایک رقعہ کے ذریعہ مجھ جیسے

ہیچمدان آدمی کے آنے کی اطلاع کی اور اس میں اس تعلق کو بھی بیان کیا جو مجھے حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظ اسلام رضی اللہ عنہ سے تھا جن کی وفات فروری 1896ء میں واقع ہوئی تھی۔ میں نے بچشم خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ حضور نے مہمان خانہ کے مہتمموں کو بلا کر سخت تاکید میری راحت رسانی کی فرمائی۔ وہ بیچارے کچھ ایسے پریشان سے ہوگئے۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر کہ میں یہاں آرام اٹھانے اور مہمان داری کرانے کے لئے نہیں آیا ہوں میں اس مقصد کے حصول کی کوشش میں آیا ہوں جس کو لے کر حضور مبعوث ہوئے ہیں ان کو مطمئن کیا۔

(بحوالہ سیرت حضرت مسیح موعود۔ اِکرَ ام ضَیف (مہمان نوازی از قلم: حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 31ر جولائی 1998ء تا 27ر اگست 1998ء)

ترجمانی کی خدمت

7 اپریل 1908ء کو قادیان دارالامان میں شکاگو کے ایک سیاح مسٹر ٹرنر اپنی لیڈی مس بارڈون اور ایک سکاچ مین مسٹر بانشر کے ہمراہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملاقات کی۔ پروفیسر صاحب اُن دنوں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے اور اس موقعہ پر قادیان میں موجود تھے۔ آپ نے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔ چنانچہ اخبار الحکم میں اس سلسلہ میں درج ہے کہ

''7 اپریل کو ایک انگریز اور ایک لیڈی جنہوں نے اپنے آپ کو امریکہ شکاگو کے رہنے والے ظاہر کیا وہ سیاحت کی غرض سے ملک بہ ملک پھر رہے تھے۔۔۔ لاہور سے ہمراہ ایک سکاچ انگریز قادیان میں قریب دس بجے کے پہونچے اور چونکہ انہوں نے حضرت اقدس سے ملاقات کرنے کی درخواست کی اس لئے حضرت اقدس بھی وہیں تشریف لے آئے اور سلسلہ گفتگو مترجم (مترجم کا کام اول اول ڈپٹی علی احمد صاحب نے اور پھر جناب مفتی محمد صادق صاحب نے کیا) کے ذریعہ سے یوں شروع ہوئی

(الحکم 10 اپریل 1908ء صفحہ 1)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ستارہ ذوالسنین کی تصویر دکھانے کے سعادت

امام مہدی علیہ السلام کی صداقت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اُس کی صداقت کے لئے آسمان پر ستارہ ذوالسنین (دُمدار تارہ) ظاہر ہوگا۔ اور یہ وہ ستارہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ

میں آپ کی صداقت کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ چنانچہ یہ عظیم الشان نشان 1882ء کو پورا ہوا۔

11 اپریل 1908ء کو حضرت علی احمد صاحب ایم اے نے کتاب انسائکلو پیڈیا سے اس ستارہ ذوالسنین کی تصویر نکال کر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ چانچہ اس بارے میں اخبار بدر 23 اپریل 1908 صفحہ 13 میں ذیلی سرخی ''ستارہ ذوالسنین'' لکھا ہے کہ

''مولوی علی احمد ایم اے نے کتاب انسائیکلو پیڈیا سے نکال کر ستارہ ذوالسینن کی تصویر پیش کی جو کہ پہلے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت نمودار ہوا تھا اور دوبارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت نمودار ہوا۔'' اس کے بعد اخبار بدر میں ستارہ کی تصویر بھی درج ہے۔

حضرت احمد علی صاحب ایم اےؓ کو کئی سال جامعۃ المبشرین ربوہ میں تعلیمی خدمات بجالانے کا موقعہ بھی ملا۔ آپ کے متعدد شاگرد اس وقت تبلیغی جہاد میں سرگرم عمل ہیں۔

خالد احمدیت مولانا ابوالعطا صاحب جالندھری نے حضرت علی احمد ایم اے صاحبؓ کی بعض قابل تقلید صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

''حضرت مولوی علی احمد صاحب ایم۔ اے بھاگلپوری نے عمر بھر اسلام کی خدمت کا فرض ادا کیا۔ آپ خاموش طبع اور ہر قسم کی نام ونمود سے بیزار تھے۔ طبیعت میں بنی نوع انسان کی ہمدردی اور بھلائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مجھے جامعۃ المبشرین میں ان کے ساتھ چار سال کام کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ ایسے نیک بزرگ اور ہمہ تن خیر انسان کی جدائی بہت شاق گزرتی ہے، مگر قدرت کا نظام اسی طرح ہے کہ ایک عمر کے بعد ہر انسان کو جہان فانی سے آخرت کی طرف کوچ کرنا پڑتا ہے۔ پروفیسر صاحب مرحوم بڑھاپے کے باوجود باقاعدگی اور نظام کی پابندی کا ایک نمونہ تھے۔ انہیں یہ شوق تھا کہ دور دراز سے آنے والے اور سلسلہ کی تبلیغ کے لئے جانے والے طلبہ کی علمی ترقی میں میرا بھی حصہ ہو اور اسی ذریعہ سے میں ثواب میں شریک رہوں۔ اسی لیے بیماری کے باوجود بھی وہ محنت سے پڑھاتے رہے۔ جزاہ اللہ خیراً و احسن مثواہ فی الجنۃ۔

سن رسیدگی کے باوجود حتی المقدور بانماز جماعت مسجد میں ادا فرماتے بہت دعا گو بزرگ تھے۔ آخری سالوں میں حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحب سے بہت ہی لگاؤ تھا۔ اور مسجد مبارک میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قریب ہی صف اول میں شریک نماز ہوا کرتے تھے۔ اب دونوں

بزرگوں کی جگہ خالی ہوگئی ہے اور دونوں اپنے مولیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے پسماندگان سے خاص فضل واحسان کا سلوک کرے آمین، یارب العالمین"۔ (الفضل 12 جولائی 1957ء)

سلسلہ کی خدمات

آپ کو مختلف رنگ میں جماعت کی خدمات کی توفیق نصیب ہوئی۔ 1946ء کے جلسہ سالانہ قادیان میں (جس میں خاکسار سید شہاب کو بھی شامل ہونے کی توفیق ملی تھی۔) آپ کو جلسہ سالانہ میں صدارت کا موقعہ ملا۔ اسی طرح بحیثیت سیکریٹری انجمن احمدیہ بھاگلپور آپ کی ایک رپورٹ اخبار الفضل میں شائع شدہ ہے۔ اخبار مذکور لکھتا ہے کہ "جناب مولوی علی احمد صاحب ایم۔اے سیکریٹری انجمن احمدیہ بھاگلپور بذریعہ تار مطلع فرماتے ہیں۔

"سالانہ جلسہ انجمن احمدیہ بھاگلپور 5۔6 نومبر 1926ء کو منعقد ہوا مبلغ صاحبان پانچ تاریخ صبح پہنچ گئے۔ رات کو جناب مولوی عبدالرحیم نیرّ صاحب نے بذریعہ میجک لینٹرن لیکچر دیا۔ سامعین میں مرد اور عورتیں بکثرت شامل تھیں۔ عورتوں کیلئے پردے کا انتظام باقاعدہ کیا گیا تھا۔ 6/نومبر کی رات کو مولوی غلام احمد صاحب نے اردو میں اسلام اور احمدیت پر لیکچر دیا۔ بعدازاں نیرّ صاحب نے انگریزی میں بذریعہ میجک لینٹرن "پہلا اسلامی مشن مغربی افریقہ میں" پر لیکچر دیا۔ پھر انجمن کی سالانہ رپورٹ پڑھی گئی۔ سامعین تعداد میں پانچ سو سے کم نہ تھے۔ جن میں مختلف مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ لیکچر بڑے امن اور آرام سے سنے گئے۔ جن کا بہت اچھا اثر ہوا۔ (الفضل مورخہ 12/نومبر 1926ء)

جلسہ سالانہ پراونشل صوبہ بہار میں علی احمد صاحب کی تقریر

1944ء کا جلسہ سالانہ پراونشل انجمن احمدیہ صوبہ بہار بیگوسرائے میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں محترم علی احمد صاحب نے "احمدیت ہی حقیقی اسلام" کے موضوع پر تقریر فرمائی جس کا اثر اچھا رہا۔
(تفصیل کے لئے دیکھیں الفضل 12 نومبر 1944ء صفحہ 4)

مالی قربانیاں

آپ کی سیرت کا ایک نمایاں وصف خلفیہ وقت کی طرف سے کی گئی ہر تحریک پر فوراً لبیک کہنا اور اپنی طاقت

سے بڑھ کر سلسلہ کے لئے مالی قربانی کرنا تھا۔ کئی مثالوں میں سے بطور نمونہ ایک مثال درج ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جماعت پر کئی ایسے وقت آئے جب جماعت کو مالی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ ایسے وقت میں حضرت مصلح موعودؓ احباب جماعت کو چندہ خاص کی تحریک فرماتے۔ چنانچہ الفضل 11 اگست 1928ء میں بعنوان تحریک ''چندہ خاص اور جماعت احمدیہ'' درج ہے کہ

''اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ احمدیہ کے خدام اور حضرت خلیفۃ المسیح کے فدائیوں کا ایثار کیلئے ہمیشہ تیار رہنے کا نمونہ تو یہ ہے کہ صرف یہ سن کر کہ چندہ خاص کی تحریک ہونے والی ہے دور دور کے علاقہ والے اس خیال سے کہ ہم تک تحریک پہونچتے پہونچتے دیر ہو جائے گی اور نزدیک کے لوگ جب چندہ بھیج دیں گے۔ اس وقت ہم کو تحریک پہونچے گی کہ باوجود دور ہونے کے ان کا چندہ قریب والوں کے برابر ہی پہنچ جائے۔''

چنانچہ اس کے بعد الفضل میں مختلف احباب کے نام اور اُن کے چندوں کو ذکر ہے۔ اس ضمن میں اخبار بھاگلپور کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ

''بھاگلپور سے اگرچہ ابھی فہرست مکمل ہو کر نہیں آئی لیکن وہاں کے سابق سیکریٹری مولوی علی احمد صاحب ایم اے نے پہلے ہی چندہ خاص ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ خلیفۃ المسیح کے حضور اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں

''چونکہ خاکسار کو معلوم تھا۔۔۔۔ کہ ہر سال چندہ خاص ہر احمدی کو ادا کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ قبل اس کے کہ حضور کی طرف سے اس سال کوئی تحریک ہو۔ ماہ مئی سے خاکسار نے سات روپے ماہوار کے حساب سے چندہ خاص ادا کرنا شروع کیا ہوا ہے۔''

تحریک کے مطابق تیس فیصد کا وعدہ فرماتے ہوئے حضور کی خدمت میں لکھتے ہیں۔

''نیز دستہ بدستہ عرض ہے کہ خاکسار کی جسمانی اور روحانی صحت اور نور چشماں کے حصول علم و توفیق عمل خاکسار کے سارے کنبے کے احمدیت کے رنگ میں رنگین ہو جانے اور جماعت ہائے بھاگلپور مونگھیر والہ آباد کی اصلاح و ترقی کے لئے درددل سے دعا فرمائیں۔

فردماندگاں رادعائے بکن

کہ مقبولرارد نباشد سخن

(الفضل 11 اگست 1928ء)

حضرت علی احمد بھاگلپوری صاحبؓ کا عریضہ
اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا جواب

بحضور انور سیدی و مولائی حضرت خلیفۃ المسیحؑ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بھاگلپور کالج میں ایک پروفیسر کی جگہ خالی تھی، خاکسار کی طرف سے اخی المعظم حضرت مولوی عبدالماجد صاحب نے اور میرے اور احباب نے ایک درخواست اس جگہ کے لئے وقت کی تنگی کی وجہ سے آپ ہی دی تھی، اب مولوی صاحب کا خط اور تار آیا ہے کہ تم مقرر ہو گئے ہو، 10 رنومبر تم کو حاضر ہو جانا چاہیے۔ خاکسار کی تو یہی تمنا ہے کہ حضور کے قدموں میں بقیہ زندگی بسر کرے لیکن اس امر کی اطلاع حضور میں کرنی ضروری تھی، حضور کا جو حکم ہو اُس کی تعمیل کے لئے ناچیز غلام ہمہ تن آمادہ ہے۔ والسلام مع الف الف اکرام۔ فقط

حضور کا نابکار غلام

احمد علی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ میں نے اس امر کے متعلق بہت غور کیا ہے گو اس وقت یہاں بھی آدمی کی ضرورت ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی صحت پر بھی یہاں کی رہائش سے بہت اچھا اثر پڑا ہے لیکن بوجہ اس ملک کے حالات کے میری طبیعت اس طرف راغب ہوتی ہے کہ آپ سر دست اُسی جگہ کام کریں۔ ہندوستان کیا بلحاظ تعداد اور کیا بلحاظ اخلاص و ہمت کے پنجاب سے بہت پیچھے ہے، صرف چند آدمی ہیں کہ جو سلسلہ کے مغز سے واقف اور اس کی ترقی کے لیے کوشاں ہیں خصوصاً میرے بوجھ سے اور مجھ سے تو اُن میں سے کوئی بھی واقف نہیں کیونکہ میرے زمانہ میں یہاں آ کر رہنے کا موقعہ اُن میں سے کسی کو نہیں ملا۔ آپ کو یہ موقعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی قدر حاصل ہوا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کے کچھ مدت وہاں رہنے

سے اگر خدا تعالیٰ یہ کام آپ کے ہاتھ سے لے تو اُن لوگوں میں بھی جوش پیدا ہو اور وہاں بھی جماعت میں ترقی ہو۔ اِس خیال سے مجھے یہی پسند ہے کہ آپ سر دست واپس تشریف لے جائیں اور اپنے صوبہ کے لوگوں کی ہدایت کی طرف متوجہ ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔ اگر پروفیسری میں فائدہ ہو تو ابھی جانے کی ضرورت ہوگی ورنہ رخصت ختم کرنے پر واپس جاسکتے ہیں، دعا کے بعد دونوں میں سے ایک چیز کو اختیار کرلیں، اخلاص کبھی ضائع نہیں جاتا، قادیان کی رہائش کا خیال آپ کے دل میں مضبوط رہا تو اللہ تعالیٰ آپ کے اس ارادہ کی تکمیل کے سامان بھی آپ کے اہل وطن کی اصلاح کے بعد کردے گا۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل 21 نومبر 1916ء صفحہ 2,1)

ایک وصیت نامہ ایک نادر ورثہ

محترم حضرت پروفیسر علی احمد صاحبؓ کا وصیت نامہ اخبار بدر قادیان 27 اپریل 1976ء صفحہ 7 میں شائع ہوا ہے۔ اس وصیت نامہ کو مندرجہ بالہ سرخی ''ایک وصیت نامہ ایک نادر ورثہ'' مکرم عبد الکریم رضی صاحب حسینپوری مونگھری نے شائع کروایا ہے۔ یہ وصیت نامہ اُن کے سسر محترم محمد نعیم احمدی مرحوم عم مکرم محمد الٰہی بخش صاحب ابن مکرم پیر بخش صاحب ساکن مہولی مونگھیر کے پرانے کاغذات میں ملا تھا۔ مکرم عبد الکریم صاحب نے وصیت کنندہ یعنی محترم حضرت مولوی علی احمد صاحبؓ کا تعارف اور محمد نعیم احمد صاحب کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ محمد نعیم صاحب سے آپ کے تعلق داری بھی تھی۔ اس لئے محترم مولوی صاحب نے اپنا وصیت نامہ آپ کو بھی بھجوایا۔ عبد الکریم صاحب حضرت مولوی علی احمد صاحبؓ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''وصیت کنندہ

محترم مولوی علی احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن مولوی ماجد حسین ساکن جم گاؤں ضلع بھاگلپور ایک ممتاز اہل علم زمین دار خاندان کے فرد تھے اور خود اعلیٰ ترین لیاقت و قابلیت کے مالک تھے بھاگلپور کالج میں پروفیسر تھے۔ نہایت درجہ پابند شرع، باوقار، باصول اور نیک نفس تھے۔ آپ کے صاحبزادہ میاں عبد

الرحیم صاحب کو حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ کی شرف فرزندی سے نوازے جانے کی سعادت عطا ہوئی۔ وصیت نامہ پر 18 مارچ 1938ء کی تاریخ درج ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب آپ اپنے وطن میں ریٹائرڈ زندگی گذار رہے تھے۔ کئی برسوں کے بعد آپ نے قادیان ہجرت کی اور تقسیم ملک کے ساتھ پاکستان میں منتقل ہوئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔''

وصیت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم　　　　وعلی عبدہ المسیح الموعود

برخورداران نور چشم عزیزان محمد نعیم وصالحہ سلمہا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ذیل میں یہ خداوند تعالیٰ عم نوالہ وجل جلالہ کا سب سے ناکارہ بندہ اپنی وصیت لکھتا ہے۔ تم عزیزوں کو لازم ہے کہ اس کو بغور پڑھو اور عمل کرو کہ مولیٰ کریم اس عاجز کی خوشنودی کا باعث ہو۔ میں سالہا سال سے تم لوگوں کو مختلف تعلیمیں دیتا رہا ہوں جن پر عمل کرنا فلاح دارین حاصل کرنے کا یقینی ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اب بھی اس وصیت نامہ میں چند نصائح تحریر کرنا چاہتا ہوں۔ میری سابقہ نصیحتیں تو ہدایت معمولی تھیں لیکن یہ وصیت بھی شامل ہے عموماً لوگ اپنے بزرگوں کی وصیت کو قبل کی زندگی میں کی ہوئی نصائح سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس پر عمل کرنا فرض سمجھتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو گناہ تصور کرتے ہیں۔ تم عزیزوں کی سعادت مندی سے میں ایسی اُمید رکھتا ہوں۔ کیا تُم لوگ میری آخری اُمید پوری کرو گے۔؟

(1) اصلاح وتزکیہ نفس کے لئے وہ نصائح جو قرآن مجید واحادیث صحیحہ وتصانیف مبارکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام و خلفائے حضرت ممدوح میں درج ہیں کافی سے بہت زیادہ ہیں۔ اسلئے تم عزیزوں کو درد دل سے وصیت کرتا ہوں کہ ان متبرک کتابوں کو روزانہ اس نیت سے مطالعہ میں رکھو کہ ان کے اندر، مندرج نصائح پر عمل کر کے فلاح دارین حاصل کرو گے۔ موخرالذکر حضرات کی تصانیف میں سے علی الخصوص دس شرائط بیعت کشتی نوح، ذکر الٰہی، عرفان الٰہی، منہاج الطالبین کے کم از کم دو صفحے وظیفہ کے طور پر پڑھو باری باری۔

(2) ہمارے خالق و مالک رب رحیم کا یہ منشا ہے کہ انسان جسمانی، ذہنی و اخلاقی، روحانی ترقی کرے۔ یعنی جتنے قوی و استعدادیں و قابلیتیں اُسے دی گئی ہیں اُنہیں مجاہدہ کے ذریعہ سے کمال تک پہنچائے۔ لہذا میں تمہاری ہمدردی میں گداز دل کے ساتھ یہ وصیت کرتا ہوں کہ خداوند کریم کے منشا کے پورا کرنے میں انتہائی کوشش سے کام لو

تا سرور دائمی یابی زخیر المحسنین

(3) اپنے اہل وعیال کی ہر طرح کی تربیت میں اپنی انتہائی طاقت سے سعی کرو۔

(4) قعر دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کو اپنے معمولات روزانہ میں داخل کرو۔

(5) کتاب الصرف و کتاب النحو و عربی بول چال ہر دو حصص مصنفہ حافظ عبد الرحمان صاحب امرتسری کو خوب اچھی طرح یاد کر ڈالو۔ اوراس کے جملہ مشقوں کو حل کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کل عربی تصانیف کو سبقاً پڑھ جاؤ۔ اور بار بار اپنے طور پر پڑھو۔ کتب احادیث میں سے کم سے کم مشکوٰۃ شریف کو ضرور بالضرور زیر مطالعہ رکھو۔ روزانہ آدھ گھنٹہ ان کاموں کے لئے کافی ہے۔

(6) اپنی ماہوار آمد کا کم سے کم 1/10 حصہ پس انداز کرو اور اسے ہر گز بڑھاپے سے پہلے خرچ نہ کرو۔ ہاں کامل احتیاط کے ساتھ اور پوری دور اندیشی سے کام لے کر اسے کسی مفید کاروبار نفع مند جائیداد کی خریداری میں حسب موقعہ خرچ کر سکتے ہو۔ بچوں کی تعلیم و تربیت شادی بیاہ کے لئے دوسرا 1/10 حصہ پس انداز کرنا چاہیے۔

(7) ہمدردی مخلوق الٰہی خواہ انسان ہو خواہ حیوان ہو خواہ انسان کسی مذہب و مشرف کا ہو اپنا فرض انسانیت سمجھو اور ہر ایک کے دُکھ سُکھ شادی غمی میں حتی المقدور شرکت کرو۔

(8) خوب یاد رکھو اس زمانہ میں اسلام سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں اور دو ڈھائی سو سال تک یہی حالت رہے گی۔ اس مدت میں ہر ایک احمدی کو خواہ وہ کتنا ہی دولت مند ہو زاہدانہ و درمیانہ زندگی بسر کرنی چاہیے اس لئے میری تم لوگوں کو وصیت ہے کہ سادہ زندگی بسر کرو گو کتنی ہی دولت تمہیں حاصل ہو۔

(9) نماز میں پڑھی جانے والی دعاؤں کا ترجمہ ضرور بالضرور یاد کرو۔

(10) رسالہ ادعیۃ الرسول یا ادعیۃ الاحادیث میں جو مسنون دعائیں مختلف موقعوں کے لئے درج

ہیں انہیں معہ ترجمہ یاد کرواور اُن کا حسب موقعہ حضور قلب سے ورد کرو۔

(11) ناول خواہ انگریزی میں ہو یا اُردو میں یا فارسی، عربی میں ہو اور کتنے ہی مہذب پیرایہ میں لکھا گیا ہوا۔ اس کا پڑھنا خصوصاً غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے ارشاد خداوند ''لا تقربوا الزنی'' (سورۃ بنی اسرائیل آیت :22) کے خلاف ورزی یقین کرو اور اس کی بجائے تاریخ اور مشاہیر عالم کی سوانح عمریاں خصوصاً اسلامی تاریخ کی سوانح عمریاں جس قدر بھی ممکن ہوزیز مطالعہ رکھو۔

(12) طب کی (خواہ یورپی ہو خواہ یونانی خواہ ہندی) کتابوں کا مطالعہ کرو اور ہومیوپیتھی، ہائڈروپیتھی.... کی ایک مستند کتاب کو اکثر پڑھتے رہو اور دیگر قسم کی سائینس خصوصاً عملی کیمسٹری کی کتابوں سے خاص لگاؤ رکھو۔

(13) کوئی نہ کوئی ہنر ضرور سیکھو۔

(14) اپنی زندگی کا مقصد حصول رضائے الٰہی قرار دو۔ روحانیت بغیر اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ لہذا اس کا خاص طور پر اہتمام کرو اور اس کے متعلق تعلیمات قرآنی کی جیتی جاگتی تصویر بن جاؤ۔

اگر ہو سکے تو اس ناچیز بدترین انسان کی مغفرت کے لئے روزانہ دعا کرو

اللہ بس باقی ہوس

اوصیکم و نفسی بتقوی اللہ المنان فی اسر و اعلان ذرہ ظاہر الاثم و باطنہ

میں تمہیں اپنے آپ کو بڑا احسان کرنے والے خدا سے پوشیدگی اور ظاہر میں ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ ظاہر اور باطنی قسم کے گناہ سے باز آجاؤ۔

خاکسار

علی احمد عفی عنہ اللہ الصمد

18 مارچ 1938ء

اولاد:۔

1۔ حسن صاحب (وفات 20/ اکتوبر 1918ء مدفون بہشتی مقبرہ قادیان)

2۔ حسین صاحب (پندرہ دن کی عمر میں وفات پائی)

3۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب (داماد سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ)

(تاریخ احمدیت جلد۔18 صفحہ 594,595)

خاندان مسیح موعود علیہ السلام سے جسمانی رشتہ:

حضرت محترم علی احمد صاحبؓ کو یہ فخر بھی حاصل ہوا کہ آپ کے بیٹے محترم میاں عبدالرحیم احمد صاحب کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو مختلف حیثیت سے جماعت میں نمایاں خدمات کی توفیق نصیب ہوئی۔ آپ کی وفات 17 جون 2000ء کو ہوئی۔ اس موقع پر انجمن احمدیہ تحریک جدید پاکستان نے جو قرارداد پاس کی اُس کی نقل قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔

تحریک جدید انجمن احمدیہ کی قرارداد تعزیت

بروفات محترم میاں عبدالرحیم صاحب

مجلس تحریک جدید انجمن احمدیہ پاکستان اپنے خصوصی اجلاس میں محترم میاں عبدالرحیم احمد صاحب ابن محترم پروفیسر علی احمد صاحب بھاگلپوری کی رحلت مورخہ 17 جون 2000ء پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتی ہے۔ آپ 13 مارچ 1916ء کو پیدا ہوئے۔ برصغیر کی مشہور یونی ورسٹی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے بی۔اے تک تعلیم پائی اور بی۔اے میں یونیورسٹی بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ آپ نے 1936ء میں ہی اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی تھی لیکن تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ آپ نے ایم اے میں داخلہ لیا لیکن حضرت مصلح موعود کے ارشاد کہ ''ہمیں ایم۔اے کی ضرورت نہیں۔'' پر آپ نے تعلیم کو خیر آباد کہا اور دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے خدمت دین میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو خدا تعالیٰ کے فضل سے یکم جولائی 1940ء سے 31 دسمبر 1985ء تک 45 سال خدمت کی توفیق ملی۔ جس کے بعد دل کے عارضہ کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے۔

آپ نے ابتدائی دس سال سندھ میں بطور لوکل ایجنٹ ایم این سنڈیکیٹ گزارے جہاں پر آپ نے تحریک جدید اور حضرت مصلح موعودؓ کی زمینوں کی نگرانی کی۔ 1950ء میں تحریک جدید میں وکیل مقرر ہوئے۔ اور 16 فروری 1950 تا 21 جولائی 1961ء وکیل التعلیم، 22 جولائی تا 30 اپریل 1969ء

وکیل الزراعت اور یکم مئی 1969ء تا دسمبر 1985ء وکیل الدیوان کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ دو مرتبہ قائم مقام وکیل الاعلیٰ مقرر ہوئے۔

آپ کو ایک سعادت یہ بھی حاصل تھی کہ 22 مارچ 1940ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کا نکاح اپنی صاحبزادی محترمہ امتہ الرشید صاحبہ سے پڑھا جو سیدہ امۃ الحئی صاحبہ کی صاحبزادی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی نواسی ہیں۔

آپ کا انتقال ایک مخلص خادم دین کا انتقال ہے۔آپ کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے محترمہ امۃ الرشید بیگم صاحبہ کے نام اپنی فیکس میں ارشاد فرمایا:

''میں ان کی نیک طبیعت اور میٹھے، دھیمے مزاج اور خادم دین ہونے کے حوالے سے ان کے لئے محبت اور احترام کے جذبات رکھتا ہوں۔''

آپ نے اہلیہ محترمہ کے علاوہ ایک بیٹا اور تین بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں۔

ہم ممبران مجلس تحریک جدید اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصر العزیز۔ آپ کی زوجہ محترمہ صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ، آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر ظہیر الدین منصور احمد صاحب (ڈاکٹر صاحب ان دنوں امریکہ کی ریاست کیلوفورنیا میں مقیم ہیں۔شہاب) اور صاحبزادیوں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ محترم میاں صاحب موصوف کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے درجات بلند فرماتا رہے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 27 جولائی 2000ء صفحہ 13)
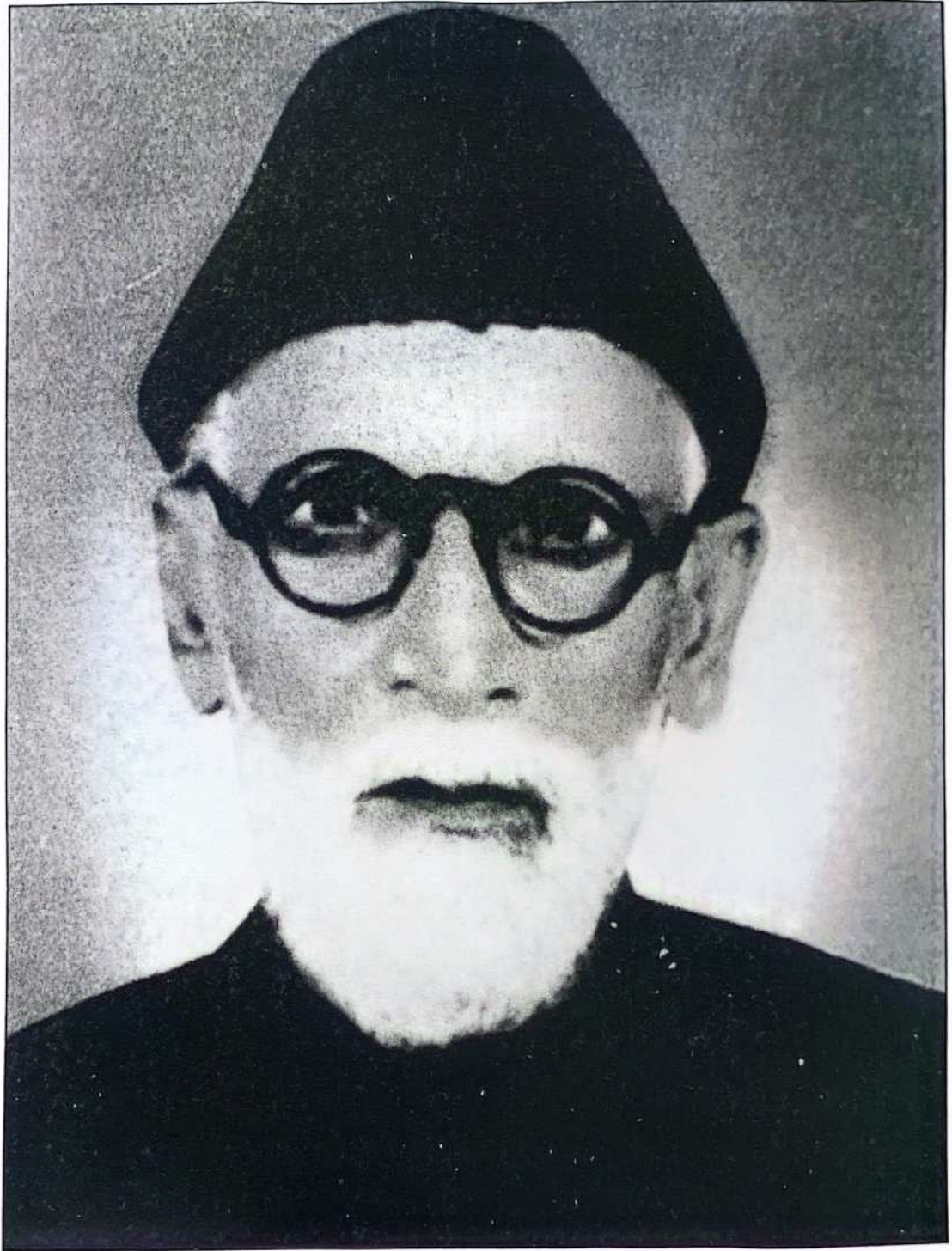
حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری

حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری

حضرت حکیم خلیل احمد مونگھیری صاحب اُن خوش نصیب احباب میں سے ہیں جنہیں امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کرنے اور آپ کی بیعت کرنے کی توفیق ملی۔ آپ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت بذریعہ خط 1905 یا 1906ء میں کی تھی۔ لیکن افسوس کہ کسی وجہ سے آپ کو حضور علیہ السلام کی دستی بیعت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ جس کا انہیں ساری زندگی افسوس رہا۔ آپ کو ایک لمبا عرصہ بہار میں جماعت کی خدمات کی توفیق ملی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر کلیدی عہدوں پر خدمت کا موقعہ ملا۔ تاریخ احمدیت بہار میں آپ کی خدمات کو ایک علیحدہ مقام حاصل ہے۔ آپ کے جیدّ عالم دین ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ایک لمبا عرصہ تک آپ مونگھیر کی جماعت میں نمائندہ یا سپوکس مین رہے۔ مناظروں اور مباحثوں میں آپ ہی جماعت کی نمائندگی کرتے تھے۔ جہاں تک خاکسار سید شہاب کو علم ہے کہ بہار میں احمدیہ مسلم جماعت کی سب سے زیادہ مخالفت مولوی محمد علی خانقاہ رحمانی کیا کرتے تھے۔ لیکن جب انہیں آریہ سماجیوں کہ اسلام اور بانئ اسلام خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارک پر اعتراضات کا جواب نہیں آتا تھا تو رات کی تاریکی میں مولوی محمد علی صاحب کا کوئی نمائندہ حضرت حکیم خلیل احمد صاحب سے ان اعتراضات کا جواب پوچھنے کے لئے آتا تھا۔ کئی احمدیوں نے حضرت حکیم صاحب کی شاگردی اختیار کی اور ان سے عربی قاعدہ اور قرآن کا علم حاصل کیا پھر حکیم صاحب کے یہی شاگرد اپنے وقت کے عالم بنے۔

آپ کے حالات زندگی آپ کے بیٹے مکرم سید منور احمد نوری صاحب نے مکرم ملک صلاح الدین صاحب مرحوم مؤلف اصحاب احمد، اپنے بڑے بھائی مکرم شکیل احمد صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ آسٹریلیا، بڑی بہن محترمہ نزہت حفیظ صاحبہ اور چھوٹی بہن قدسیہ احمد صاحبہ نیز دیگر بزرگوں کے تعاون سے بغرض تحدیث جمع کئے۔ جو خاکسار کو عنایت فرمائے ہیں۔ اسی طرح احمدیہ مرکزیہ لائبریری قادیان میں بھی بعنوان ”حالات زندگی خلیل احمد صاحب“ غیر مطبوعہ لکھ کر جمع کروائے ہیں۔ اس سے استفادہ کرتے ہوئے احباب کے لئے حکیم صاحب کی حالات زندگی اور خدمات کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

مکرم سید منور صاحب اپنے والد محترم حکیم خلیل احمد صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری 1292ہجری بمطابق 1874ء ہندوستان صوبہ بہار کے مشہور شہر مونگھیر میں پیدا ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں ''میری پیدائش 1292ہجری 15ذی الحجہ ہے''۔ آپ کے والد محترم مولوی محمد واعظ صاحب مونگھیری عرف وزیر علی بہ تخلص مسلسل ایک عالم دین اور صوفی شاعر تھے اور بااثر حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کے والد ماجد نے حضرت عثمانؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پورا قرآن کریم خوش خط اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا۔ یہ قرآن کریم آپ ہی کی ملکیت میں آیا۔ تین سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی پرورش آپ کے عزیز واقارب نے کی۔ آپ نے عربی، فارسی اور اردوادب کے ساتھ اسلامی تعلیم فقہ حاصل کیا۔ بعدہ طبیہ کالج لکھنؤ سے طبابت کی ڈگری حاصل کی اور طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔

آپ ایک مشہور طبیب کے طور پر اپنے علاقہ میں مشہور تھے۔ لیکن آپ نے کبھی بھی اپنے مطب پر سائن بورڈ آویزاں نہیں کیا۔ آپ نمود ونمائش کے خلاف تھے۔ آپ بہار اسٹیٹ کونسل آف آیورویدک اینڈ یونانی میڈیسن میں کونسل اور فیکلٹی کے مستقل ممبر تھے۔ آپ کی خدمات پر کونسل نے آپ کو فخر الاطباء اور فخر الحکماء کا خطاب دیا تھا۔ جنگ عظیم دوئم میں آپ نے اپنے علاقہ میں امدادی کاموں میں گورنمنٹ کا ہر طرح سے ساتھ دیا۔ اس کے عوض گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو کئی تعریفی اسناد دئے گئے۔ آپ مونگھیر کی انجمن حمائیت اسلام کمیٹی کے سرگرم ممبر تھے اور انجمن کے یتیم خانوں کے لئے آپ نے بہت سارے کام کئے تھے۔ کچھ عرصہ آپ کو میونسپل کونسل مونگھیر کا ممبر ہونے کا موقعہ بھی ملا۔

احمدیت سے تعارف اور بیعت:

آپ کا شروع جوانی سے مذہب کے ساتھ لگاؤ تھا۔ آپ نے اپنے مطب کو بھی ایک طرح کا مذہبی پلیٹ فارم بنایا ہوتھا۔ ایک موقعہ پر آپ اپنے مطب میں تھے اور مریضوں کا ہجوم تھا۔ ان ہی میں ایک نوجوان لڑکا مریضوں کے جانے کا انتظار کررہا تھا۔ جب مریض چھٹ گئے تو وہ آپ کے پاس آیا اور حیات وفات مسیح کے بارے میں اپنے سوالات آپ کے سامنے پیش کئے۔ یہ لڑکا احمدی تھا اور بعد میں اسی کے ذریعہ آپ کو احمدیہ لٹریچر سے تعارف حاصل ہوا۔

آپ اپنے ''احمدیت قبول کرنے کے اسباب'' کے تحت لکھتے ہیں:

''میرے اپنے آبائی مکان کے بالکل قریب ہی ایک مدرسہ انجمن حمایت اسلام مونگھیر میں قائم ہوا تھا۔جس کے لئے قطعہ زمین میرے آباءواجداد نے دی تھی اور انجمن حمایت اسلام کے بانی حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی 313 اصحابہ میں 91 نمبر پر تھے۔ احمدیت قبول کرنے سے قبل آپ نے سارے ہندوستان میں انجمن حمایت اسلام کے تحت مدرسے اور یتیم خانے کھولے تھے۔مونگھیر کا مدرسہ حمایت اسلام اسی کی ایک کڑی تھا۔آپ کے احمدی ہو جانے کے بعد آپ کا انجمن حمایت اسلام سے تعلق ویسا نہ رہا۔آپ کی وفات کے بعد انجمن حمایت اسلام احمدیت کی مخالفت کا اڈا بن گیا تھا۔ان کا یہاں جلسہ سالانہ ہوتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک جلسہ سالانہ کے موقعہ پر بہار کے ایک مولوی عبدالوہاب صاحب نے جو علم منطق کے بڑے عالم مشہور تھے۔اس انجمن کے سالانہ جلسہ پر سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف تقریر کی اور آپ کے قرآن پاک کی آیات وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ..... وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (التکویر آیت 5-8) کی تفسیر پر مخالفانہ اور مضحکانہ رنگ میں تقریر کی۔لیکن حضرت مرزا صاحب کی تفسیر میرے دل کو معقول سی لگتی ہوئی معلوم ہوئی اور یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مرزا صاحب کی کتب خود پڑھ کر دیکھنا چاہئے۔

خدا کی شان میرے پاس میرے مطب میں خود بخود ایک لڑکا آ گیا گویا میرے لئے فرشتہ ہدایت تھا۔مجھ سے حیات وفات مسیح پر کچھ باتیں کیں تو میں نے خواہش ظاہر کی کہ تمہارے والد صاحب کے پاس حضرت مرزا صاحب کی جو کتابیں ہوں وہ لا کر دکھاؤ میں خود پڑھ کر فیصلہ کروں گا۔بہت سی کتابیں عربی کی اور فارسی کی اور اردو کی بھیج دیں۔میں نے پہلے ''تریاق القلوب'' پڑھی پھر۔''ازالہ اوہام'' جیسے یہ کتابیں پڑھنا شروع کیں میرے دل کے لئے تریاق ثابت ہوئیں۔

(1959ء میں پٹنہ میں پروفیسر اختر احمد صاحب اورینوی کے مکان پر آپ نے یہ واقعہ کو سنایا اس موقعہ پر خاکسار بھی موجود تھا افسوس کہ اس پاک وجود سے اس کے بعد ملاقات یا دیدار نہ ہو سکے۔شہاب)

آپ مزید تحریر کرتے ہیں کہ'' میں نے در کار خیر کہتے ہوئے حضور اقدس حضرت مرزا غلام احمد

صاحب مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں بیعت کا خط لکھا۔ یہ بیعت میں نے 1905 یا1906ء کے درمیان کی۔ بیعت کے لئے آپ کے اس شوق کا اندازہ آپ کے اس شعر سے ہو سکتا ہے

''دوڑ خلیل آواز کی جانب اُفتاں وخیزاں ہوتے ہوتے''

حضرت اقدس کی جانب سے قبول بیعت کا جواب بھی آ گیا اس کے بعد دعاؤں کے لئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں خط و کتابت کرتا رہا۔ حضرت صاحب کی طرف سے جواب بھی آتا رہا۔ (افسوس کہ ان خطوط کا نادر خزانہ مونگھیر کے زلزلہ میں ضائع ہو گیا۔ سید منور احمد نوری صاحب) حضور علیہ السلام نے کتاب حقیقۃ الوحی جو کہ تازہ بتازہ طبع ہوئی تھی، کپڑے کے پیکٹ بنا کر اپنے دست مبارک سے خاکسار کا پتہ لکھ کر ارسال فرمائی۔

مخالفت کا آغاز:

''بیعت کے بعد ہی میری مخالفت شروع ہو گئی۔ شہر کے لوگ مجھ کو ایک اعلیٰ خاندان کا چشم و چراغ سمجھتے تھے اور 1903ء میں میں لکھنؤ سے فن طب کی سند لے کر آیا تھا۔ مطب اچھا چل پڑا تھا لیکن حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے کے بعد سارے اہل شہر دشمن ہو گئے۔''

دراصل جیسے ہی آپ نے بیعت کی آپ نے جلسہ سالانہ انجمن حمایت اسلام میں غیر احمدیوں کے پلیٹ فارم سے اپنی تقریر میں جوشیلے الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات کا برملا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی مخالفت لعن طعن اور بائیکاٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن جیسے جیسے مخالفت زور پکڑتی گئی۔ آپ کا ایمان مضبوط ہوتا گیا۔ آپ تو احمدیت کے شیدائی ہو گئے تھے اور اپنا وقت تمام کا تمام احمدیت کی خدمت میں صرف کرنے لگے۔ آپ مطب میں بھی تبلیغ کرتے تھے اور احمدیت کا لٹریچر اس میں رکھتے تھے اور باہر بھی تبلیغ کرتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

''1906ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات میں بیعت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اس موعود پیغمبر آسمانی کو غیر احمدیوں اور غیر مسلموں میں پہنچانے کا مجھ کو جنون سا پیدا ہو گیا۔ اس وقت سے سیدنا حضرت مولانا نور الدینؓ کے زمانہ مبارک تک آنریری طور پر تبلیغ احمدیت میں

اپنے پیشہ طبابت سے بے پرواہ ہوکر سارے اوقات کولگا دیا۔'' یہ آپ کی سعی پیہم اور لگن کا ہی نتیجہ تھا کہ مرکز قادیان سے علمائے احمدیت مونگھیر جیسے دور کے علاقہ میں تبلیغ کے لئے پہنچے۔ کہاں پنجاب اور کہاں بہار لیکن حضرت خلیفۃ اول ؓ نے چوٹی کے علماء کو آپ کے پاس مونگھیر بھیجا۔ تاریخ احمدیت کے دو حوالے اس سلسلہ میں درج ہیں:

مرکزی علماء مونگھیر میں:

انجمن احمدیہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح اول ؓ نے 8 نومبر 1910ء کو حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب ؓ اور مفتی محمد صادق ؓ صاحب کو روانہ کیا۔۔ مونگھیر کا جلسہ 12 سے 14 تک تین روز جاری رہا جس میں ان بزرگوں کے علاوہ حضرت میر قاسم علی صاحب ؓ نے بھی تقریر کی جو دہلی سے یہاں حضرت خلیفۃ اول ؓ کے حکم سے پہنچے تھے۔ جلسہ غیر معمولی طور پر کامیاب رہا اور کئی سعید روحیں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئیں۔''

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ 350)

مباحثہ مونگھیر 1912:

''مئی 1912ء میں مونگھیر میں ایک مباحثہ ہوا۔ مباحثہ میں مرکز کی طرف سے مولوی سید سرور شاہ صاحب ؓ اور حافظ روشن علی صاحب ؓ، حضرت میر قاسم علی صاحب ؓ اور حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی ؓ تشریف لے گئے۔ یہ بڑا مشہور مناظرہ تھا جس میں ہندوستان کے اطراف و جوانب سے تقریباً ڈیڑھ سو غیر احمدی علماء جمع ہوئے اور سامعین کی تعداد 15 ہزار سے متجاوز تھی۔ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی پہلے پروپگنڈہ کر کے کہہ رہے تھے کہ احمدی مناظر عربی سے نابلد ہیں اور وہ عربی میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ ہماری فتح اور کامیابی کا ڈنکا بجے گا۔ لیکن جب مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نے مولوی عبدالوہاب صاحب پروفیسر عربی کلکتہ کالج کے مقابل پہلا پرچہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں پڑھنا شروع کیا تو علماء حیران و ششدر رہ گئے اور اپنی صریح ناکامی دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا اس فتنہ انگیزی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دوران مباحثہ ہی آٹھ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے احمدیت قبول کر لی۔''

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ 404 نیز حیات قدسی مصنفہ غلام رسول راجیکی صاحب ؓ صفحہ 49)

اس مباحثہ کا تفصیلی ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ سے آپ کا مسلسل رابطہ تھا اور حضور سے بہت عقیدت اور محبت تھی۔ آپ کی محبت کا ایک اندازہ اکبر خاں صاحب کے خط سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کی خدمت میں آپ کے بارہ میں لکھا تھا۔ (افسوس کے یہ خط میرے پاس نہیں۔ شہاب)

سپاس نامہ:

1939ء میں جماعت احمدیہ صوبہ بہار نے ایک سپاس نامہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی خلافت کے سلور جوبلی کے موقع پر پیش کیا تھا۔ اس سپاس نامہ میں بہار میں احمدیت کی ترقی کے سلسلہ میں جہاں جہاں آپ کا نام آیا، وہ درج ذیل ہے۔

''بہار میں احمدیت کا جماعتی دورہ 1907ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ مولوی حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری اور بھاگلپور کے احمدیوں اور بعض احمدی خیال لوگوں کی ایک انجمن قائم ہوئی جس کے صدر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری اور سیکریٹری مولوی حکیم خلیل احمد صاحب مقرر ہوئے۔''

''صوبہ بہار میں انفرادی اشاعت احمدیت کے لئے سب سے پہلا اشتہار مطبوعہ اشتہار حکیم خلیل احمد صاحب نے 25 ذی الحجہ 1305 ہجری میں شائع کیا۔''

''1909ء میں احمدیوں نے مونگھیر میں بڑے پیمانے میں ایک جلسہ کا انتظام کیا۔ لیکن یکا یک اس شام کو جس کی صبح جلسہ قرار پایا تھا مخالفین احمدیت نے مجسٹریٹ سے مل کر جلسہ گاہ کے متعلق مولوی حکیم خلیل احمد صاحب کے نام دفعہ 144 کے نوٹس کی تعمیل کرائی۔'' (دفعہ 144 کے نفاذ کے وقت پانچ یا پانچ سے زائد افراد بایک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے تھے۔)

''آریوں کے ساتھ صوبہ بہار کے احمدیوں نے زبردست اور کامیاب مقابلے کئے ہیں۔ ایک مناظرہ میں خود غیر احمدیوں . . . اور اُن کے خانقاہوں کی طرف سے مولوی حکیم خلیل احمد صاحب کو مناظر اسلام اور وکیل اسلام بنایا گیا۔ اور حکیم صاحب موصوف نے انجمن حمایت اسلام مونگھیر کے احاطہ میں پنڈت مراری لال دہلوی کے ساتھ نہایت کامیاب مناظرہ کیا۔ اس مناظرہ میں لوگوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ وہ آس پاس کے درختوں پر چڑھ کر تقریر سن رہے تھے''

''مولوی حکیم خلیل احمد صاحب نے 1921ء میں احباب جماعت کے ساتھ مسجد احمدیہ کی بنیاد رکھی جو بتائید الٰہی دو سال کے اندر تیار ہوگئی۔صوبہ بہار میں یہ سب سے پہلی مسجد احمدیہ ہے۔''

''مولوی حکیم خلیل احمد صاحب نے ''برق آسمانی'' ''اسرار رحمانی ابو احمد نہانی'' ''ثنائی چکر'' ''علم عروض'' وغیرہ کتابیں تصنیف کیں۔

آپ کا کردار بحیثیت مبلغ احمدیت:

1914ء سے خلافت ثانیہ کا زریں دور شروع ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دور بین نگاہ نے اس دور کے آغاز میں ہی مونگھیر کے اس دیوانہ احمدیت کو اپنے لئے چُن لیا اور آپ کو مبلغ بنا کر سارے ہندوستان میں تبلیغی دوروں کا ارشاد فرمایا۔آپ کے اپنے الفاظ میں اس کی تفصیل درج ہے۔

''جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ 1914ء میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اس دیوانہ تبلیغ کو فرزانہ سمجھ کر اور جوش وخلوص کو دیکھ کر باقاعدہ تنخواہ دار مبلغ بنانے کا شرف بخشا۔یہ زمانہ اوّل جنگ عظیم کا تھا۔آپ نے اس خاکسار کو مرحوم ومغفور خان بہادر ابوالہاشم خان صاحب جو کہ اس زمانہ میں نئے نئے احمدی ہوئے تھے اور برہموں ازم اور بنگال کے مہابرنگن وغیرہ کا کچھ اثر ان کے اندر باقی تھا۔ان کے ساتھ مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کے تبلیغی دوروں کے لئے ارشاد فرمایا۔

مرحوم ومغفور کے اندر بفضلہٖ تعالیٰ ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ تبلیغ احمدیت اور خصوصیت سے بنگال میں تبلیغ احمدیت کا ولولہ انگیز جوش پیدا ہوگیا۔اکثر مرحوم کے ساتھ۔۔۔اور تنہاء بھی خاکسار نے دورے کئے اور ہر موقع پر خدا تعالیٰ نے نصرت عطا کی۔ان کا بیان بہت طویل ہے۔

مشرقی بنگال (حال بنگلہ دیش) میں بریسال، ناٹور، کھلنا، برہمن بڑیہ، فرید پور، راج شاہی، ڈھاکہ، سید پور، چٹگام اور جلپائی گوڑی، (آسام) وغیرہ میں بہت کامیاب تبلیغی دورے اور مناظرے اور مباحثے بھی ہوئے اور بیعتیں بھی ہوئی۔

چٹگام میں مرحوم خان بہادر کے ایک دوست شمس العلماء کمال الدین صاحب ایم۔اے پرنسپل مدرسہ عالیہ چٹگام تھے۔انہوں نے اپنے مدرسہ عالیہ کے علماء کو اور شہر کے رئیسوں کو اور کالج کے پروفیسروں کو اپنی کوٹھی میں مدعو کر کے خاکسار کے ساتھ مناظرہ کرایا۔چٹگام مولویوں کا گڑھ ہے۔ہر سال

نئے نئے علماء بھی پیدا ہوتے ہیں۔ایک طرف صف اعداء تھی اور دوسری طرف سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا غلام اور مرحوم چوہدری ابوالہاشم صاحب تھے۔تین روز مسلسل مناظرہ رہا..... آخری روز اُن علماء میں سے جو کہ موٹی موٹی کتابیں اپنے میز پر رکھا کرتے تھے پروفیسر مولوی عبدالطیف صاحب ایم۔اے اور اُن کے ساتھی اور چند وکلاء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا اعلان کردیا۔

اس کی روئیداد جب الفضل میں چھپی تو مولوی محمد علی مونگھیری سابق ناظم ندوہ اور مولوی محمد علی صاحب لاہوری امیر جماعت نے سلسلہ کے خلاف اپنی اپنی کتابوں اور رسالوں کے بڑے بڑے پلندے پروفیسر عبدالطیف صاحب کے پاس بھیجے۔خدا تعالیٰ کا ہزار شکر ہے کہ آپ نے تادم مرگ نہ صرف استقامت دکھلائی بلکہ مولوی عبدالواحد صاحب برہمن بڑیہ کی وفات کے بعد سارے بنگال کے امیر جماعت بنائے گئے۔

بنگال کے دورے کے بعد خاکسار کو یوپی اور دہلی میں تبلیغ کرنے کا حکم ملا۔دہلی میں بھی تبلیغ کے ساتھ اشتہار بازی اور چیلنج بازی ہوئی۔یہ مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب کا زمانہ تھا۔عیسائیوں اور آریوں سے بھی چاندنی چونک فوارہ پر مقابلہ ہوا۔مولوی ثناء اللہ امرتسری بھی آئے۔صدر بازر میں جو کہ اہل حدیث کی خاص جگہ ہے،مناظرہ کی ٹھہری لیکن مناظرہ نہیں ہوا۔(ثناء اللہ صاحب میدان مناظرہ میں فرار ہونے میں اپنا ریکارڈ آپ ہیں۔مرتب) اس کے بعد فتنہ پیغامی کے سلسلہ میں خاکسار کو پنجاب کے دورہ کا حکم ملا۔تاریخ احمدیت میں لکھا ہے کہ

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم سے حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری پنجاب کی جماعتوں کی تنظیم کے لئے بھجے گئے۔آپ کے ہم راہ محمد سعید صاحب سعدی اور مولوی ابراہیم بقاپوری بھی تھے''

(تاریخ احمدیت جلد 5 صفحہ 229)

پنجاب کی مختلف جماعتوں میں آپ کو تبلیغی دورے کرنے کا موقعہ ملا۔اس کے علاوہ ممبئی (سابق بمبئی)، مدراس وغیرہ میں بھی کامیاب تبلیغی دورے کرنے کا موقعہ ملا۔ممبئی میں خصوصیت سے خواجہ کمال الدین صاحب سے خلافت موعود پر جناب سیٹھ آدم صاحب کے مکان پر مکالمہ ہوا۔اس کے بہت اچھے نتائج ظاہر ہوئے۔مدراس میں غیر احمدی علماء اور غیر مبائین نے مِل کر خاکسار کو تقریری مناظرہ کے لئے

مدعو کیا۔ خاکسار نے دودھاری روحانی تلوار چلائی اور دونوں گروہوں کو سخت شکست دی۔

قتل کا منصوبہ:

''میدان مناظرہ کے بعد میرے قتل کا منصوبہ بنایا گیا۔ اور میری قیام گاہ پر اُن میں سے کسی دشمن احمدیت نے حملہ کیا۔ میں سر نیچے کر کے رپورٹ لکھ رہا تھا معلوم نہیں کہ دشمن نے کسی موٹے ڈنڈے سے میرے سر پر حملہ کیا یا کسی آہنی آلہ سے مجھے مجروح کیا اور بھاگ گیا۔ خون رواں ہوا۔ میں اُس وقت سمجھا کہ شہادت کی سُرخ روی مجھ کو حاصل ہوئی لیکن میرے خون میں کسی قربان گاہ کے لئے ابھی شوق اور جوش نہیں تھا اس لئے محروم رہا'' (ایک اور تحریر میں لکھتے ہیں) ''چونکہ میرے خون میں وہ جوش رنگ سرخی نہیں تھی اس لئے میں شہادت کا درجہ پانے سے محروم رہا'' اس طرح آپ کو مختلف مواقع پر مختلف پریشانیوں اور مصیبتوں سے گزرنا پڑا۔ 15 جنوری 1934ء میں جب بہار میں تاریخی زلزلہ آیا تو پورا شہر زیروزبر ہو گیا۔ بڑے بڑے مکانات زمیں بوس ہو گئے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی کی آپ امرود کے درخت پر لٹک گئے جو گھر کے صحن میں تھا اور **رب کل شئی خادمك** پڑھتے رہے اور معجزانہ طور پر خدا تعالیٰ نے بچا لیا۔ اور اس طرح سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام بھی پورا ہوا اور غیر احمدیوں کے لئے عبرت اور نشان کا باعث ہوا۔ اسی طرح ایک دفعہ بہت بڑے خطرناک سانپ نے حملہ کیا لیکن خدا تعالیٰ نے بچا لیا۔ ایک دفعہ چلتی ٹرین سے گر گئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے آپ کو بچانے کے لئے چھلانگ لگا دی۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے بچا لیا۔

قتل منصوبہ مدراس کے 39 سال بعد آپ دوبارہ مدراس گئے۔ اُس وقت مدراس سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اخبار'' آزاد نوجوان'' اپنے اداریہ جولائی 1959ء میں لکھا:

''39 سال پہلے کی بات ہے کہ سرزمین مدراس میں ایک مرد مجاہد کی آمد ہوئی یہ مرد مجاہد تاجر نہیں سیاست داں نہیں لیڈر نہیں بلکہ احمدیت کا ادنیٰ سپاہی تھا۔ اس مرد مجاہد کی باتوں سے صداقت کی جھلک نمایاں تھی۔ عزم وارادہ سے اسلام کی حقانیت ظاہر تھی۔ اس کے قرآنی دلائل تیز تیروں اور برچھیوں کی طرح سننے والوں کے قلب میں اتر جاتے تھے۔ سننے والوں نے سنا اور جامع عرفان پیا۔ آج سے 39 سال پہلے کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ مرد مجاہد مولانا حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری اپنے جواں

بخت بیٹے پروفیسر شکیل احمد صاحب منیر ایم۔ایس۔سی کا ازدواجی رشتہ اس سرزمین میں ایک نیک بخت لڑکی نعیمہ بیگم صاحبہ بی۔ایس۔سی دختر نیک اختر بہادر محمد ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائیریکٹر پبلک انٹرکشن مدراس سے کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آسمانی فیصلہ آسمانوں پر ہو چکا تھا کہ جس زمین پر باپ کا خون گرے اُس زمین کی لڑکی سے بیاہا جائے گا۔کون ہے جو تقدیر الٰہی کو بدل دے۔ دیکھ لیجئے باوجود تمام بائیکاٹوں اور کاوٹوں کے خدا تعالیٰ کی باتیں کیسی پوری ہورہی ہیں۔تقریب میں وکلاء، ڈائریکٹر، پروفیسر، اسمبلی کے ممبران لیڈران، قومی اخبارات کے ایڈیٹر علمائے دین وعہدے داران سب جمع ہیں۔تقریب میں مختلف لوگوں کو ایک جگہ دیکھ کر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مصرعہ یاد آ گیا۔

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی

کہاں وہ زمانہ ماضی کہاں وہ سر سے خون گرا اور کہاں یہ دن

تیری قدرت دیکھ کر دیکھا جہاں کو مردہ وار

مونگھیر میں پریس کا قیام اور آنرری خدمت:

مدراس کے قاتلانہ حملہ کے بعد آپ بغرض علاج اپنے وطن مونگھیر آ گئے اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے یہیں قیام کیا۔اور یہیں اونریری خدت کرتے رہے۔مونگھیر میں آپ نے ایک پریس قائم کیا اور اس کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر تبلیغ کا کام جاری کیا۔مخالفوں نے پھر ہنگامہ آرائی کی۔اور پھر آپ نے لٹریچر کے ذریعہ اُن کو لاجواب کیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ مخالفین گورنمنٹ انگریزی میں ریشہ دوانیاں کر کے اور فساد کا رنگ برپا کر کے پریس کو بند کرانے پر اُتر آئے۔بلآخر گورنمنٹ نے پریس ضبط کر کے اس کو نیلامی پر لگا دیا۔آپ نے پھر خود ہی اُونچی بولی دے کر یہ پریس خریدا اور ایک عرصہ تک آپ کے ہی گھر میں رکھا رہا۔

مقدمہ مسجد:

مونگھیر میں خاندانی مسجد تھی۔اس طرح سے آپ کے آباء واجداد کی بنائی ہوئی تھی۔ یہ خاصی بڑی مسجد تھی۔شروع میں آپ اور دیگر احمدی اس مسجد کو استعمال کیا کرتے تھے لیکن بعد میں یہ دقت آئی کہ غیر احمدیوں نے آپ کو اور دیگر تمام احمدیوں کو یہ کہہ کر روک دیا کہ احمدی کافر ہیں۔ معاملہ کورٹ میں داخل

ہوا۔اس مقدمہ کی پیروی کے لئے حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحب جماعت کی طرف سے پیروی کے لئے پیش ہوئے تھے۔تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 193-194 میں اس کا ذکر موجود ہے۔اس کی تفصیل کتاب ہذا میں پہلے گذر چکی ہے۔(دیکھیں صفحہ نمبر 82) چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحب آپ کے بارے میں فرماتے ہیں

صاحب رؤیا وکشف:

حضرت حکیم صاحب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک گہرا تعلق تھا۔اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ صاحب کشف ورؤیا تھے۔حکیم صاحب اپنی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ’’بیعت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بہت روحانی سکون عطا فرمایا اور سچی خوابوں سے نوازا۔‘‘

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ صاحبؓ اپنی تصنیف تحدیث نعمت کے صفحات 152 اور 153 پر حکیم صاحب کے متعلق فرماتے ہیں حکیم خلیل احمد صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور میرے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔نہایت بشاش طبیعت کے مالک تھے۔ان کی زندگی باقی انسانوں کی طرح یقیناً آلام انسانی سے خالی نہیں رہی ہوگی۔لیکن میں نے انہیں کبھی ملول خاطر نہیں دیکھا۔افسوس کہ دسمبر 1970ء میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے بیٹے مکرم منور احمد نوری صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار محترم والد صاحب نے ازراہ شکر فرمایا تھا کہ

’’ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہجرے میں تشریف فرما ہیں اور ایک پیالہ نہایت شیریں شربت کا مجھے دیا اور میں نے لذت اور شوق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پیا۔اور اس کے معاً بعد آپ کے چہرہ مبارک کو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی شکل میں دیکھا۔‘‘

یہاں خاکسار سید شہاب احمد حلفاً آپ کا ایک کشف بیان کرنا چاہتا ہے۔جو آپ نے 1959ء میں بمقام پٹنہ خاکسار اور مکرم اختر اورینوی صاحب کے سامنے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بارے میں بیان کیا۔

حضرت حکیم صاحب نے کہا کہ 1914ء حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی زندگی کا آخری سال تھا۔ آپ کی بیماری کی اطلاع قادیان کی باہر کی جماعتوں کو بھی دی جاتی تھی۔ ساری جماعت حضور کی صحت کے لئے دعا گو تھی۔ اس دوران آپ یعنی حضرت حکیم خلیل صاحب نے رؤیا دیکھا کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں اور آپ کی جگہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کا خلیفہ ثانی کی حیثیت سے انتخاب ہوا ہے۔

آپ کی یہ رؤیا کس طریق سے پوری ہوئی اس کے لئے خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے انتخاب خلافت کی کاروائی ملاحظہ فرمائیں۔ تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 96 میں زیر عنوان ''خلیفہ ثانی کا انتخاب'' درج ہے کہ:

'' جیسا کہ تاریخ احمدیت جلد دوم نیا ایڈیشن میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے کہ احمدی مسجد نور میں جمع ہوئے اور نماز عصر کے بعد حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیر کوٹلہ نے حضرت خلیفہ اولؓ کی وصی ہونے کی حیثیت سے حضور کی وصیت پڑھ کر سنائی اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ آپ کی وصیت کے مطابق کسی شخص کو جانشین تجویز کریں۔

اس پر مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کا نام پیش فرمایا۔ مگر آپ نے تامل فرمایا اور لوگوں کے اصرار کے باوجود انکار کرتے رہے۔ احمدیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے بعض لوگوں نے تو آپ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ بیعت لیں لیکن آپ نے اس نازک ترین ذمہ داری اور بوجھ کا احساس کر کے پھر بھی پس و پیش کیا تو قریب بیٹھنے والے لوگوں نے شدید اصرار کیا کہ جماعت کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے آپ ضرور بیعت لیں۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ بیعت کے جوش سے اس قدر بھرے ہوئے ہیں اور آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں کہ آپ مجمع میں بالکل چھپ گئے۔ آپ کو بیعت کے الفاظ یاد نہ تھے اور آپ نے اسے بھی عذر بنانا چاہا مگر حضرت مولوی سید محمد شاہ صاحب نے عرض کیا میں الفاظ بیعت دہراتا جاؤں گا آپ بیعت لیں۔ تب آپ نے یہ سمجھا کہ مشیت ایزدی یہی ہے بیعت لے لی جائے اور جو ازل سے مقدر تھا باوجود آپ کی پہلوتہی کرنے کے ظہور میں آیا۔''

(تاریخ احمدیت جلد 4 صفحہ 96)

آپ دعا گو اور تہجد گذار تھے۔ اکثر نمازوں میں زور زور سے رویا کرتے تھے۔ آپ اپنے دل کے اضطراب اور عشق الٰہی کے بارہ میں خود لکھتے ہیں کہ

میرے کوزہ دل میں محبت کا زخاّر سمندر بھر جو دیا
نہ خبر تھی مجھے اسے جان جہاں اس کا نہ کہیں ساحل ہوگا

قبولیت دعا کے مختلف واقعات:

مکرم عبد الکریم رضی احمد صاحب حسینپوری مونگھیری صاحب نے بعنوان ''ایک مثالی بزرگ کی سیرت کے چند روشن گوشے۔ حضرت حکیم خلیل احمد صاحبؓ مونگھیری کا ذکرِ خیر'' میں لکھا ہے کہ

''حضرت حکیم خلیل احمد صاحبؓ بڑے رخسار اور خوبصورت تھے، بلند پیشانی اور اس میں رگ ہاشمی نمایاں، پتلے زلف ہزم گفتار، سراپا عجز و حلم، دراز قد، ستوانی ناک، سرخ وسپید رنگ جس پر سفید داڑھی بہت زیب دیتی تھی۔ حکیم حازق، مرجع خلائق تھے، ہر مجلس میں مدعو کئے جاتے تھے۔ حکومت وقت کی طرف سے ہر موقعہ پر بلائے جاتے تھے۔ ہر موقعہ پر مناسب حال، سیر حاصل تقریر کرتے، ہر مجلس میں تبلیغ کا موقعہ پیدا کرتے۔ اچھے شاعر تھے، عشق حقیقی میں صوفیانہ کلام کہتے۔ کلام رواں اور پُر تاثر ہوتا۔ دعا گو بزرگ تھے۔ ان کا در ہر ایک کے لئے کھلا تھا۔ صاحب معجزہ تھے۔ دو واقعات مندرجہ ذیل ہیں۔ جن کی تصدیق کے بعد اسے نقل کیا جاتا ہے۔

(1) 1946ء کے فسادات کے موقعہ پر انجمن کی گلی سے ہندوؤں کا ایک زبردست مسلح آمادہ قتل غارت گری کا نعرہ بلند کرتا ہوا درانہ گھستا چلا آیا اور قریب تھا کہ قتل وخون کا واقعہ اپنی ساری دہشت انگیزی کے ساتھ رونما ہو جائے۔ آپ ننگے سر کھراون پہنے صرف لنگی اور کرتا میں بالکل خالی ہاتھ اس مشتعل مجمع کے قریب تیزی کے ساتھ چلے گئے اور فرمایا ''جاؤ۔ واپس جاؤ۔ فوراً جاؤ خیریت چاہتے ہو تو فوراً واپس جاؤ'' اور ان الفاظ کے ادا ہونے کے ساتھ مجمع واپس ہو گیا۔ دیکھو جو دیدہ حیرت نگاہ ہو! جو اللہ کا ہو جاتا ہے۔ وہ مقلب القلوب انکی زبان میں کیسی قوت بخش دیتا ہے۔

(2) بہ روایت سید عبد الجبار صاحب اور بہ تصدیق سید عبد الغفور صاحب ایک بار حضرت حکیم صاحبؓ پٹنہ کے اطراف میں ایک تبلیغی جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ جلسہ کی کاروائی

چل ہی رہی تھے کہ زوروں کی آندھی بارش کے ساتھ آ گئی اور سامعین افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ عجب اتفاق کہ اس وقت حکیم صاحبؓ تقریر کے لئے کھڑے ہو چکے تھے۔ آپ نے جونہی تقریر شروع کی کہ جو شخص جہاں تھا وہیں رک گیا، کھڑا ہو گیا۔ اور آپ کی تقریر سننے میں محو ہو گیا۔ پھر نہ تو کسی نے طوفان کی پرواہ کی نہ بارش کی۔ تھوڑے ہی دیر میں طوفان تھم گیا اور بارش رک گئی۔ خدا جانے وہ کون سی بات تھی جس نے بھاگتوں کے قدم میں لنگر ڈال دئے تھے۔''

(ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 8 جولائی 1976)

کامیاب مناظر:

اسی مضمون میں مکرم عبدالکریم رضی احمد صاحب حسینپوری مونگھیری صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

''1923ء یا 1924ء میں سعدی پور مونگھیر میں آریوں کے ساتھ ایک زبردست مناظرہ ہوا۔ حکیم فضل حق مہولی جو احمدیت کے کٹر مخالف تھے، ایک پر چارک سے زک کھا گئے اور مولوی کریم بخش احمدی کے ذریعہ حضرت حکیم خلیل احمد صاحبؓ سے استعانت طلب کی۔ پھر کیا تھا۔ ''اللہ دے اور بندہ لے'' گھبرا کر مناظرہ طے کیا گیا۔ جس میں جماعت کی طرف سے حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس، مہاشہ فضل عمر صاحب، میر قاسم علی صاحب وغیرہ نے شرکت فرمائی۔ تین روز تک اکیلئے حافظ روشن علی صاحبؓ ہی جواب دیتے رہے۔ جب مخالفوں نے دیکھا کہ جائے مفر نہیں ہے تو خشت باری شروع کر دی۔ اس مناظرہ کا بھی اچھا اثر مرتب ہوا اور اس وقت سے، اسلام اور بزرگان اسلام پر ان شرمناک حملوں کا خاتمہ ہی ہو گیا جو ایک مخصوص گروہ کے ذریعہ سر بازار کیا جاتا تھا۔

1938ء میں یورپ سرائے مونگھیر میں حضرت حکیم صاحبؓ نے تن واحد جماعت کی طرف حصہ لیا۔ یہ میرے لڑکپن کا دور تھا اور میں خود سامعین میں شریک تھا۔ مباحثہ کا مضمون آیت کریمہ کُن فَيَكُونُ کا ثبوت اور قدرت الٰہی تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے نہایت مدلل طریق پر مذکورہ مضمون پر بحث کی اور مدمقابل کو لاجواب کر کے اسلام کی برتری اللہ تعالیٰ کی قدرت اور زندہ خدا کا جلوہ ثابت کر دیا۔

(ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 8 جولائی 1976)

تربیت کے انداز:

عبدالکریم رضی احمد صاحب مزید تحریر کرتے ہیں کہ

''حضرت حکیم خلیل احمد صاحب ؓ امیر جماعت تھے، امام الصلوٰۃ تھے، ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں ایک لذت تھی، ایک ناقابل بیاں سرور اور لطف۔ اسوہ حسنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر نشست و برخاست میں پیروی کی کوشش کرتے۔ کوئی بات ناپسندیدہ یا غصہ دلانے والی ہوتی تو چہرہ کا رنگ ہلکا سرخ زرد ہوجاتا مگر خاموش ہوجاتے اور جواب نہیں دیتے البتہ دینی غیرت کی بات ہوتی تو برملا پر جوش طریقہ پر اصلیت کا بیان فرمانے لگتے۔ عیدین کے موقعہ پر سورہ ''ق'' اور جمعہ میں سورہ ''اعلیٰ'' اور سورہ ''غاشیہ'' ضرور پڑھتے۔ عیدین کے موقعہ پر مسجد میں خود اس وقت آتے جب یہ یقین ہوجاتا کہ ساری جماعت کے افراد آچکے ہیں۔ نماز میں جماعت کے افراد کا انتظار کرتے۔ آپ کے نکاح پڑھانے کا نہایت حسین انداز تھا۔ بہت لطیف اور پر از معرفت خطبہ نکاح دیا کرتے تھے۔ راقم الحروف کا نکاح آپ نے ہی پڑھایا تھا۔ (جب حضرت حکیم خلیل احمد صاحب کے خطبہ نکاح پڑھانے کا ذکر آیا ہے تو دو نکاحوں کا ذکر غیر مناسب نہ ہوگا۔ ہمارے والد محترم ڈاکٹر شاہ محمد رشید الدین صاحب کا نکاح میری والدہ مکرمہ سیدہ میمونہ بیگم صاحبہ سے 1908ء میں ہو۔ اسی موقعہ پر والد صاحب کے چھوٹے بھائی شاہ محمد توحید کا نکاح میری والدہ کی چھوٹی بہن سیدہ صالحہ بیگم سے ہوا۔ میرے والد مکرم شاہ محمد رشید الدین صاحب اُن کے بھائی مکرم شاہ محمد توحید صاحب غیر احمدی تھے لیکن میری والدہ اور اُن کی چھوٹی بہن احمدی تھیں۔ میرا ددیہال غیر احمدی تھا اور ننہال احمدی لیکن یہ نکاح حکیم خلیل احمد صاحب نے پڑھایا تھا۔ اس وقعہ سے میرے ددیہال اور ننہال کی وسعت نظری عیاں ہے۔ شہاب) جب الفضل میں کوئی تازہ خطبہ موصول نہیں ہوتا تو جمعہ میں گاہے گاہے اور عیدین میں بالخصوص خود خطبہ دیتے تھے۔ خطبہ برمحل، موزوں اور وقت کی پکار کے مطابق پر اثر اور لاجواب ہوا کرتا تھا۔ ہر جمعہ میں پورا خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ خواہ خطبہ کتنا ہی لمبا کیوں نہیں ہو۔ خطبہ دھیان سے سننے کی لگاتار تاکید کرتے، مسجد میں خصوصاً اور اپنے گھر پر عموماً اصلاح اور رشد کی ترغیب اور تربیت دیا کرتے تھے۔

عاجز کے خاندان کے ساتھ ہمیشہ الطاف و حسن سلوک کا مظاہرہ فرماتے۔ میری والدہ مکرمہ نے آپ کی وساطت سے بیعت کی تھی۔ مونگھیر سے ہجرت کے موقعہ پر خاکسار کی التجا پر کچھ جماعتی کتابیں عنایت

کیں اور پڑھنے کیلئے برابر تاکید فرمائی......عاجز نے دین ان سے سیکھا۔فارسی ان سے پڑھی، ادبی ذوق حضرت مصلح موعودؓ کے خطبات کے طفیل اور حضرت حکیم صاحبؓ کی فیض صحبت سے پائی۔''

(ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 8 جولائی 1976)

خدمت خلق:

جنگ عظیم میں آپ کو امدادی کاموں میں نمایاں خدمات کی توفیق ملی جس پر گورمنٹ کی طرف سے آپ کی خدمات کو سراہا گیا اور اسناد سے نوازا گیا۔اسی طرح تقسیم ملک کے وقت جب بہار میں ہندو مسلمان فسادات کی صورت حال پیدا ہوئی اُس وقت بھی آپ نے ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔جب گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں فساد کی لپٹیں اٹھ رہیں تھیں۔آپ نے فساد زدگان میں امداد پہنچانے میں نمایاں رول ادا کیا۔اس بارے میں تاریخ احمدیت میں لکھا ہے:

''مونگھیر میں حضرت حکیم خلیل احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ مونگھیر نے پنجاب اور بنگال سے آنے والے طبی وفود کو احمدی کالونی میں رکھا۔اور ان سے ہر طرح تعاون کیا۔اور اپنے گھر میں بہت سے مسلمانوں کو پناہ دی۔''

(تاریخ احمدیت جلد۔9 صفحہ 606)

بہار میں امارت کا قیام:

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مکرم خلیل احمد صاحب کو امیر جماعت مونگھیر و متعدد مرتبہ نائب امیر بہار کے طور پر مقرر فرمایا تھا۔اسی طرح مختلف جماعتی عہدوں پر آپ کو کام کرنے کی توفیق ملی۔

جلسہ سالانہ میں تقاریر کے مواقع:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر و تحریر کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔آپ کی تقریر جوشیلی، پُر مغز اور دل کو لبھانے والی ہوا کرتی تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جب 1914ء میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے دور خلافت کے پہلے جلسہ سالانہ میں قادیان میں تقریر کرنے کا شرف محترم حکیم صاحب کو عنایت فرمایا۔آپ نے اس جلسہ سالانہ 1914ء میں ''خدا کی ہستی کا ظہور مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ'' کے عنوان پر تقریر کی۔

اس کے علاوہ بھی آپ کو جلسہ سالانہ قادیان میں متعدد مرتبہ تقاریر کا موقعہ ملا۔ آپ نے جلسہ سالانہ 1914، 1919، 1920، 1923، 1925، 1926، 1927، میں تقاریر کیں۔ اسکے علاوہ جلسہ 1951ء تا 1960ء تک مختلف مواقع پر تقاریر کا موقعہ بھی ملا۔

ہجرت قادیان:

پاکستان بننے کے بعد 1947ء کے ابتدائی ایام میں آپ کو پاکستان مسلم لیگ کے بعض نہات اہم سرکردہ احباب نے پیشکش کی کہ آپ کراچی میں ہجرت کر جائیں۔ ان دنوں مسلم لیگ کی ہی حکومت تھی آپ کو کہا گیا کہ آپ کو گورمنٹ کی طرف سے بیس بیگھا زمین اور دیگر سہولتیں دی جائیں گی۔ آپ نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ آپ کا کہنا تھا کہ مونگھیر میں ہمارے باپ دادا مدفون ہیں ان کی نشانیاں ہیں اور پھر یہاں جائیداد ہے اور جماعت ہے چنانچہ آپ نے مونگھیر چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کی ہجرت کسی اور رنگ میں مقدر کر رکھی تھی۔ آپ کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کا خط ربوہ سے 1950ء میں موصول ہوا کہ خلیفہ وقت کی خواہش ہے کہ آپ قادیان آجائیں۔ حکیم خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا اس خادم دیرینہ کے متعلق فرمان آیا کہ قادیان آکر ناظر تعلیم وتربیت اور ایڈیشنل ناظر دعوت التبلیغ کے فرائض انجام دوں مرید نے اپنے مرشد کے حکم سے سرتابی کو گناہ سمجھا۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر قادیان حاضر ہوگیا۔ خاکسار کے نام کے ساتھ نہ بی۔اے۔ایم وغیرہ کے حروف مقطعات لگے ہوئے تھے اور نہ باقاعدہ مولوی، مولانا کے القاب لگے ہوئے تھے۔ صرف حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ذرہ نوازی یا دور بین نظری تھی جس کی وجہ سے

''میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگاہ میں بار''

چنانچہ آپ 1952ء میں مع اہل وعیال وساز وسامان ہجرت کر کے قادیان شریف وارد ہوگئے۔ اور نظارت تعلیم وتربیت کا چارج سنبھال لیا۔ آپ کی عمر اُس وقت دو کم اسی سال تھی آپ کے بارے میں حضور کی یہ بھی ہدایت تھی کہ سال میں دو بار ہندوستان کا دورہ کیا کریں۔ اس کے علاوہ آپ کو یہ اعزاز بھی

دیا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے حضرت مرزا وسیم احمد صاحب کو علم طب سکھائیں۔آپ نے بفضلہٖ تعالیٰ نوجوانوں کی طرح چست ہو کر تمام کام کئے۔قادیان سے آپ نے بہار، بنگال، اُڑیسہ، حیدر آباد، اُتر پردیش، مدھیہ پردیش، کشمیر اور دوسرے علاقوں کے دورے بھی کئے۔علاوہ ازیں آپ قادیان رہتے ہوئے طبی خدمات بھی بجالاتے رہے۔ بلکہ قادیان سے باہر جا کر بھی ضرورت مندوں کا علاج معالجہ حسب ضرورت کیا کرتے تھے۔

قادیان میں رہتے ہوئے آپ نے قائم مقام امیر مقامی کے فرائض بھی انجام دئے۔1955ء میں ایک موقع پر جب آپ قائم مقام امیر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔آپ نے فرمایا:

''(خلیفہ وقت نے) جو ذمہ داری اس خاکسار پر ڈالی ہے اس کے سرانجام دینے میں ممبران اور ناظران اور مقامی درویشان نے جس تعاون کا اظہار میرے ساتھ کیا ہے میں انکا شکریہ ادا کرتا ہوں قائم مقام امیر ہونے کی حیثیت سے بعض جذباتی جھگڑے میرے پاس آئے۔ میں نے ایسے دوستوں کو نصیحتیں کیں اس پر وہ ٹھنڈے ہو گئے۔پھر سیلاب عظیم کا خطرناک حادثہ میرے سامنے آیا اس موقعہ پر جس جانبازی سے درویشوں نے اپنی جان پر کھیل کر لوگوں اور اُن کے سامانوں کو بچایا وہ ایک یادگار واقعہ ہے۔ میں بحیثیت امیر اپنی طرف سے نیز آفت زدہ لوگوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور فجزاھم اللہ کہتا ہوں انہوں نے عین مصیبت کے وقت پر جو کام انجام دیا ہے وہ کام ہم کرسیوں پر بیٹھنے والے نہیں کر سکتے۔''

قادیان میں آپ نے 9 سال اپنے فرائض کی انجام دہی کی۔آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے صدر انجمن احمدیہ قادیان نے اپنے ایک رزیزولیوشن میں ذیل کے الفاظ ریکارڈ میں درج کئے ہیں

''مکرم حکیم صاحب 18 اکتوبر 1952ء کو اپنے وطن مونگھیر سے قادیان آکر حسب ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صدر انجمن احمدیہ کی رکنیت میں شامل ہوئے۔اس کے قبل بھی بطور مبلغ سلسلہ کے طویل اور آنریری خدمات انجام دیں باوجود عمر رسیدہ ہونے کے آپ جواں ہمتی سے مرکز قادیان میں بطور ناظر تعلیم و تربیت خدمات سلسلہ انجام دیتے رہے۔جس کے لئے صدر انجمن احمدیہ آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی ممنون ہے۔ بحیثیت ایک قابل اور تجربہ کار حکیم

ہونے کے بھی آپ کی خدمات سے درویشان قادیان اور علاقہ کے غیر مسلموں کو کافی فائدہ پہنچتا رہا ہے اور آپ کے جانے سے اس کی کمی کو خاص طور پر محسوس کیا جائے گا۔ تبلیغی گفتگو کرنے کا بفضلہٖ تعالیٰ ان میں خاص سلیقہ ہے اور عمدہ مشق ہے اور اس سے مرکز سلسلہ میں ان کے وجود سے خاص فائدہ پہنچتا رہا ہے، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔''

(ریزلیوشن صدر انجمن احمدیہ قادیان 302/25.10.1961)

چونکہ آپ بہت ضعیف ہو گئے تھے اور آپ کی اولاد کی خواہش یہ تھی کہ آپ اپنے آخری ایام میں اُن کے پاس پاکستان میں گذاریں تو آپ کی درخواست کی بناء پر حضور نے آپ کو پاکستان جانے کی اجازت دے دی آپ کی روانگی کے وقت درویشان قادیان نے الوداعی پارٹی دی اور دو رو قطار میں کھڑے ہو کر پھولوں کے ہار پہنا کر 9 جنوری 1962ء کو رخصت کیا۔ پاکستان جانے کے لئے آپ کے دل میں کوئی خوشی نہ تھی بلکہ ایک طرح سے دل میں خوف تھا۔ آپ اپنی اس کیفیت کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

چلا ہوں چھوڑنے اپنا دیار کیا ہو گا
خدا جانے کہ انجام کار کیا ہوگا
ادھر ہے دیر برہمن اُدھر ہے مفتی وقت
ملے گا دار کہ دار القرار کیا ہو گا؟

ادب وشاعری:

آپ کی تقاریر کا ذکر ہو چکا ہے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر مضامین بھی لکھے ہیں۔ عام سادہ زبان میں آپ کو گفتگو کا خاص سلیقہ تھا۔ آپ اردو زبان کے اچھے شاعر بھی تھے۔ فارسی میں بھی آپ نے اچھے اشعار کہے ہیں۔ محفلوں میں اکثر اپنا کلام بھی پیش کیا کرتے تھے۔ مونگھیر میں آپ نے ''بزم نو بہار ادب'' کے نام سے ایک بزم کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔ ایک بار آپ نے اسی بزم نو بہار ادب کے تحت آل انڈیا مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ جس میں ہندوستان کے چوٹی کے شعراء بھی بلائے گئے تھے۔ مونگھیر میں جو شعراء مشاعرے کے لئے آئے تھے۔ ان میں مشہور زمانہ شاعر علی سکندر جگر مرآدآبادی بھی شامل تھے۔ جب حضرت جگر مونگھیر آئے تو آپ نے لوگوں سے پوچھا اس مشاعرے کے اہتمام کی روح رواں کون ہیں؟

کیا کرتے ہیں؟۔آپ کو بتایا گیا کہ اس مشاعرہ کی روح رواں حکیم خلیل احمد صاحب ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ حکیم صاحب قادیانی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔اس پر جگر صاحب کچھ حیران ہوئے اور کہا قادیانی اور شاعر؟ کچھ اس قسم کی حیرت کے الفاظ کہے یہ بات حکیم صاحب کو بھی معلوم ہوگئی۔اس پر آپ کے دل میں احمدیت کے واسطے ایک زبردست جوش پیدا ہوگیا اور پھر اس مشاعرے کے لئے آپ نے ایک نظم تیار کی جس کا نام آپ نے تمنائے دید رکھا۔شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی بھی آئے ہوئے تھے اور بھی نامی گرامی شعرا موجود تھے جن کی موجودگی میں آپ نے اپنی نظم تمنائے دید پڑھی اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پورے مشاعرہ پر چھا گئی بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس مشاعرہ کی یادگار یہی نظم ثابت ہوئی بعدہ اس کی بہت شہرت ہوئی آپ جہاں بھی جاتے لوگ کہتے ہم نے تمنائے دید سنی ہے۔

تمنائے دید کے دو بند بطور نمونہ کے پیش خدمت ہیں:

یہ سچ ہے کہ رگ جاں سے نزدیک ہے تو
رگ گل میں جس طرح پوشیدہ ہے تو
تو پھر دل کو کیوں اس قدر جستجو ہے
بتا میں ہی ہوں کہ یا تو ہی تو ہے
میں حل کس طرح مسئلہ کر کے دیکھوں
میں سارے جہاں کو دکھاکے کے دیکھوں

میں حیراں ہوں کیا کروں نظر جاناں
نہ جاں ہی ہے اپنی نہ ہے اپنا ساماں
نہ زر نہ جواہر نہ لعل بدخشاں
تہی دستوں کا کیسے کروں درماں
میں اشکوں کے گوہر بنا کر کے دیکھوں
ہیں ارماں نگاہیں ملا کر کے دیکھوں

آپ نے مشہور شاعر اقبال کے شعر

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے صورت چنگیزی

میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر جو طنز کیا گیا ہے، اس کا مدلل و مسکت جواب شعر میں دیا ہے۔ آپ کا یہ جواب اخبار الفضل قادیان 23 جنوری 1944ء میں شائع ہوا ہے۔ اس نظم میں آپ نے اقبال کے اشعار پر تضمین کہی ہے۔ اور کیا خوب حق ادا کیا ہے۔ احباب کے استفادہ کے لئے اسے درج کیا جاتا ہے۔:

محروم حقیقت ہو جو الہام خدا سے
اس امر میں بات اس کی نہ ہو کیوں شر انگیز
نادان یہ کہتا ہے کہ محکوم کا الہام
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیزی
اس درجہ میں تھا وہ مئے پندار میں مدہوش
دی عقل کو اس نے نہ فکر کی مہمیز
تھے یوسف و ہارون موسیٰ اور عیسیٰ
محکومی میں ہی صاحب الہام گہر زیر
زرتشت کی محکومی و درویشی کو بھولا
تھا یاد اُسے صرف شکوہ جم پرویز
کیا سارے یہ خاصان خدا اُس کی نظر میں
غارت گر اقوام تھے در صورت چنگیز
ہر ملہم ربانی نہ تھا مطلقاً آزاد
قرآن میں ہیں ان سب کے حالات دل آویز
کہتے ہیں علامہ تھا وہ شاعر مشرق
دانستہ ہوئی باتیں کیوں اُس کی دروغ آمیز
ہے ملہم صادق کی عداوت کا نتیجہ

کی طعنہ پاکاں سے جو اُس نے جو پرہیز
ہوتے ہیں محکوموں میں ہی صاحبِ الہام
جب جام جفا آزادوں کا ہو جاتا ہے لبریز
دکھلایا نہ کس جا پہ ہے وہ ملہم آزاد
در انقرہ یا در حلب یا قابل و تبریز
گر شاعر مشرق ہو محکوم تو جائز
ایک ملہم ربانی ہو محکوم تو چنگیز
بھرتا تھا وہ مۂ غرب سے شیشۂ مشرق
میخانہ الہام میں کیوں ہو گیا سم ریز
لیکر عنبِ ملٹن و نیشٹے کی نچوڑیں
کرتے تھے کیا کرتے خم مشرق لبرزیز
دن رات رہیں آپ تو مئے نوشی میں مشغول
اور اُس پر توقع کہ ملے ملہم زرخیز

حضرت حکیم خلیل احمد صاحب کی شاعری کے خدوخال

جماعت احمدیہ کے معروف شاعر و ادیب مکرم سلیم احمد صاحب شاہجہانپوری صاحب نے اپنی کتاب ’’شعرائے احمدیت‘‘ کی تدوین کے سلسلہ میں مکرم حضرت حکیم خلیل احمد صاحب سے متعدد بار ملاقاتیں کیں۔ نیز حکیم صاحب کے مجموعہ کلام ’’گلہائے معارف کے شروع میں ایک مفصل مضمون بطور مقدمہ تحریر فرمایا۔اس کا ایک حصہ بعنوان ’’حضرت حکیم خلیل احمد صاحب کی شاعری کے خدوخال‘‘ قارئین کے لئے پیش ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ:

’’جب ہم حضرت حکیم خلیل احمد صاحب کی شاعری پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ حکیم صاحب ایک نعت گو، قادر الکلام اور اپنا ایک مفرد مقام رکھنے والے شاعر تھے۔شاعری آپ کو ورثہ میں ملی تھی لیکن آپ نے کبھی اپنی شاعری کو ذریعہ شہرت نہیں بنایا اور نہ اپنا کلام شائع کرانے کی طرف توجہ دی۔یہی سبب ہے کہ آپ کا بہت سا کلام غیر مطبوعہ صورت میں طبابت کا منتظر ہے۔

حکیم صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے بیشتر کلام پر تضمین لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو اور فارسی کے دیگر کئی نامور شاعروں کے کلام پر بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ کی شاعری ابتذال سے کلیتاً پاک اور خدا اور رسول کی حمد و نعت کے لئے وقف تھی۔ آپ کا کلام خواہ عاشقانہ ہو یا عارفانہ، اسکا کوئی ایک شعر بھی ایسا نہیں جس میں محبوب حقیقی کی محبت کا جلوہ نظر نہ آتا ہو۔ ’’مد جذر اسلام‘‘ مصنفہ مولانا الطاف حسین حالی کی طرز پر آپ نے ایک مسدس ’موعود نامہ احمدیت‘‘ تحریر فرمایا جو آپ کی استادانہ مہارت اور قادر الکلامی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ آپ کی غزلیات بھی نہایت پاکیزہ جذبات کی حامل ہیں۔ آپ کے مسدس کے بعض بندوں پر مولانا حالی کے بندوں کا دھوکہ ہوتا ہے کیونکہ ان میں اتنی سلالت روانی اور حقیت پائی جاتی ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر چند بند یہاں نقل کر رہے ہیں تا کہ آپ کو حضرت حکیم صاحب کے زور قلم کا کچھ اندازہ ہو جائے۔ راقم الحروف نے ان کی زندگی میں انہیں توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنا کلام ترتیب دے کر شائع کرانے میں تاخیر نہ کریں لیکن وہ اپنی پیرانہ سالی اور ضعیف العمری کے باعث کام مکمل نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے بعد میں انے الفضل کی دو اشاعتوں میں حکیم صاحب کے حالات قلم بند کئے تھے۔.....‘‘

حضرت حکیم صاحب کے مسدس موعود نامہ احمدیت سے چند بند یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

وہ تیرہ صدی کی برائی کا عالم
گناہوں پہ ناز اور ڈھٹائی کا عالم
وہ الحاد اور روسیاہی کا عالم
معاذ اللہ حق سے لڑائی کا عالم
وہ دور ستم گمراہی کا زمانہ
کہیں اہل حق کا نہیں تھا ٹھکانا

تھے بھٹکے ہوئے سارے اہل مذاہب
صوامع کے ربی کنائس کے راہب
پجاری منادر کے تھے پر معائب
معابد میں اکثر تھے شیطاں کے نائب
مکاں میں نقب زن جو خود پاسباں ہوں
تو اہل مکاں کس طرح پر اماں ہوں

مساجد تھی خالی ز بوں ہدایت
تھا قرآں مہجور و ترک تلاوت
تھے محروم صوفی ز ِ راز شریعت
تھے عالم مگر فارغ از آدمیت
یہ علمائے دیں ننگ دینِ خدا تھے
اشر من الناس تحت السماء تھے

اس پاکیزہ نظم سے بھی حضرت حکیم صاحب کی قادرالکلامی اور سلاست زباں و بیاں کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ناظر اعلیٰ قادیان حضرت حکیم صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مکرم حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری مرحوم سلسلہ کے ایک ممتاز بزرگ تھے۔ اعلیٰ پایہ کے مناظر اور کامیاب مبلغ تھے۔

آخری عمر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو خدمت سلسلہ کے لئے قادیان طلب فرمایا اور مکرم حکیم صاحب موصوف اپنا وطن مونگھیر چھوڑ کر قادیان آگئے۔ قادیان میں ناظر تعلیم کی خدمت سپرد ہوئی اور پاکستان

منتقل ہونے تک احسن رنگ میں خدمت بجالاتے رہے۔

خدا تعالیٰ نے آپ کوتقریر کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اور آپ کی تقریر ایسی پر اثر ہوتی تھی کہ لوگ ہمہ تن سنتے تھے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے آپ کو بہت اچھے شعر کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔ بہت ہی عمدہ طریق پر نظم کے ذریعہ بھی مدعا بیان فرماتے تھے۔ چونکہ آپ ایک مذہبی عالم اور مربی سلسلہ تھے اس لئے آپ کے اشعار میں اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کی محبت کا ظہار نمایاں ہوتا تھا۔ آپ کے اشعار سے حاضرین بہت محظوظ ہوتے تھے۔ چونکہ آپ ایک تجربہ کار یونانی حکیم بھی تھے۔ قادیان میں قیام کے دوران آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد کے مطابق طب کے ذریعہ بھی خدمت خلق کا کام کیا۔ خاکسار نے بھی آپ سے حضور کے ارشاد پر طب یونانی سیکھا آپ کی نگرانی میں یونانی مطب بھی جاری ہوا۔

موصوف اللہ تعالیٰ کی عنایت سے گونا گوں اوصاف کے مالک تھے۔''

کراچی میں وفات:

آپ قادیان سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے کراچی اپنے بچوں کے پاس آ گئے۔ یہاں بھی آپ کو جماعت کی خدمات کی توفیق ملی۔ کراچی میں آپ کو ٹیپ ریکاڈ میں زبان کے موضوع پر بول کر ریکارڈ کروانے کا موقعہ ملا جواب تک محفوظ ہے۔ ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کراچی تشریف لائے اور حکیم صاحب سے ملاقت کے لئے آپ کہ گھر واقعہ ڈسریا کالونی میں تشریف لائے تھے۔

1970ء کے آخر میں پاکستان میں انتخاب تھے۔ رات بھر شور ہوتا رہا۔ حکیم صاحب ساری رات سو نہ سکے صبح اچانک آپ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ آپ کو Seventh Day ہسپتال کراچی میں داخل کروایا گیا۔ لیکن تقدیر مبرم تھی 13 دسمبر 1970ء کے دن بعد نماز ظہر آپ کا انتقال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آپ موصی تھے آپ کی میت ربوہ لے جائی گئی اور بہشتی مقبرہ قطعہ خاص میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے کتبہ میں آپ کا اپنا شعر کنندہ ہے۔

یہ موت سیر مکانی ہے عاشقوں کے لئے
خلیل ہوں گے وہاں کیا ہے گر یہاں نہ رہے۔

شادی واولاد:

آپ نے دوشادیاں کیں۔آپ کی تبلیغ سے جہاں کئی روحیں اسلام،احمدیت میں شامل ہوئیں وہاں ایک سعید روح جرمن خاتون بھی تھیں۔ جوآپ کے ہاتھوں حلقہ بگوش احمدیت ہوئیں۔آپ کی پہلی شادی انہیں سے ہوئی۔ان کا نام میمونہ خاتون تھا۔آپ کو بی بی میمونہ بھی کہتے تھے۔آپ کی یہ اہلیہ نیک متقی اور بڑی پرہیزگار تھیں۔آپ کی ان کی شادی کی تاریخ حتمی طور پر معلوم نہیں کاغذات زمین داری میں درج ہے کہ بی بی میمونہ کے نام آپ نے ایک زمین بذریعہ قبالہ 1920ء میں حاصل کی تھی۔ چنانچہ شادی اس تاریخ سے پہلے کی ہے۔اس شادی سے آپ کوکوئی اولادنہیں ہوئی۔پھرآپ کی اہلیہ کی وفات ہوگئی۔

اُن کی وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی کی۔ یہ شادی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ایماء پر حضرت مولانا ذوالفقارعلی خان صاحبؓ برادر اکبر مولانا شوکت علی خان صاحب ومولانا محمد علی جوہر صاحب علی برادران کی صاحبزادی زبیدہ بیگم سے یکم مارچ 1931ء میں ہوئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ازراہ شفقت مبلغ دوہزارروپےحق مہر پر نکاح پڑھایا تھا۔محترمہ والدہ صاحبہ لمبا عرصہ تک صدر رج لجنہ بہار وصدر لجنہ قادیان رہیں۔

اس ازدواجی رشتہ سے آپ کواللہ تعالیٰ نے کئی اولادوں سے نوازا اور مخالفین جو کہا کرتے تھے کہ ’’خلیل کی نسل نہیں ہوگی یہ ابتر ہو چکا ہے‘‘ غلط ثابت ہوا۔بعض بچے کم عمری میں فوت ہوئے لیکن جن کواللہ تعالیٰ نے عمر دی ان میں چھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(1) مکرم سید شکیل احمد منیر صاحب مرحوم

(2) مکرم سید جمیل احمد صاحب

(3) مکرم سید رشید احمد صاحب مرحوم

(4) مکرم سید بشیر احمد جلیل صاحب مرحوم

(5) مکرم سید منور احمد نوری صاحب حال مقیم لندن

(6) مکرم مظفر احمد ظفر صاحب

بیٹیاں:

(1) مکرمہ نزہت حفیظ صاحبہ مرحومہ

(2) مکرمہ سعادت حمیدی صاحبہ مرحومہ

(3) مکرمہ قدسیہ بیگم صاحبہ

مکرم سید شکیل احمد منیر صاحب

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساری اولاد اپنے اپنے رنگ میں اپنی اپنی جگہ احمدیت کی خادم ہے۔ آپ کے بڑے بیٹے مکرم پروفیسر سید شکیل احمد صاحب نے باقاعدہ 1983ء سے اپنی زندگی بلامعاوضہ وقف کی ہوئی ہے۔ 1985ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسٹریلیا کے براعظم کا پہلا امیر جماعت اور پہلا مبلغ مقرر فرمایا۔ آپ اور آپ کی اہلیہ صاحبہ نے آسٹریلیا کی احمدیہ مسجد بنانے میں بڑی مثالی خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی وفات 31 جولائی 2017ء کو کراچی ربوہ میں ہوئی۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 4 اگست میں آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''تیسرا جنازہ مکرم شکیل احمد منیر صاحب کا ہے جو آسٹریلیا کے سابق مشنری انچارج تھے اور اس وقت کراچی میں تھے۔ 31؍جولائی کو پچاسی سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کو قرآن کریم کا ماؤری (Maori) زبان میں ترجمہ کرنے کی توفیق بھی ملی۔ صوبہ بہار کے مونگھیر انڈیا کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد صاحب حکیم خلیل احمد صاحب بہار کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے جنہوں نے 1906ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی لیکن دستی بیعت نہیں کر سکے۔ اور ان کے والد صاحب کو بھی ناظر تعلیم قادیان کے طور پر دس سال خدمت کی توفیق ملی۔ مکرم شکیل منیر صاحب نے ابتدائی تعلیم تعلیم الاسلام کالج قادیان اور لاہور سے حاصل کی۔ پھر ڈھاکہ سے ایم ایس سی فزکس کی ڈگری حاصل کی۔ پھر تعلیم کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ ملازمت کا لمبا عرصہ مغربی افریقہ کے ممالک میں گزارا۔ اس دوران خدمت دین بھی بجالاتے رہے۔ نائیجیریا کی فیڈرل منسٹری آف ایجوکیشن میں چیف ایجوکیشن آفیسر کے طور پر بھی کام
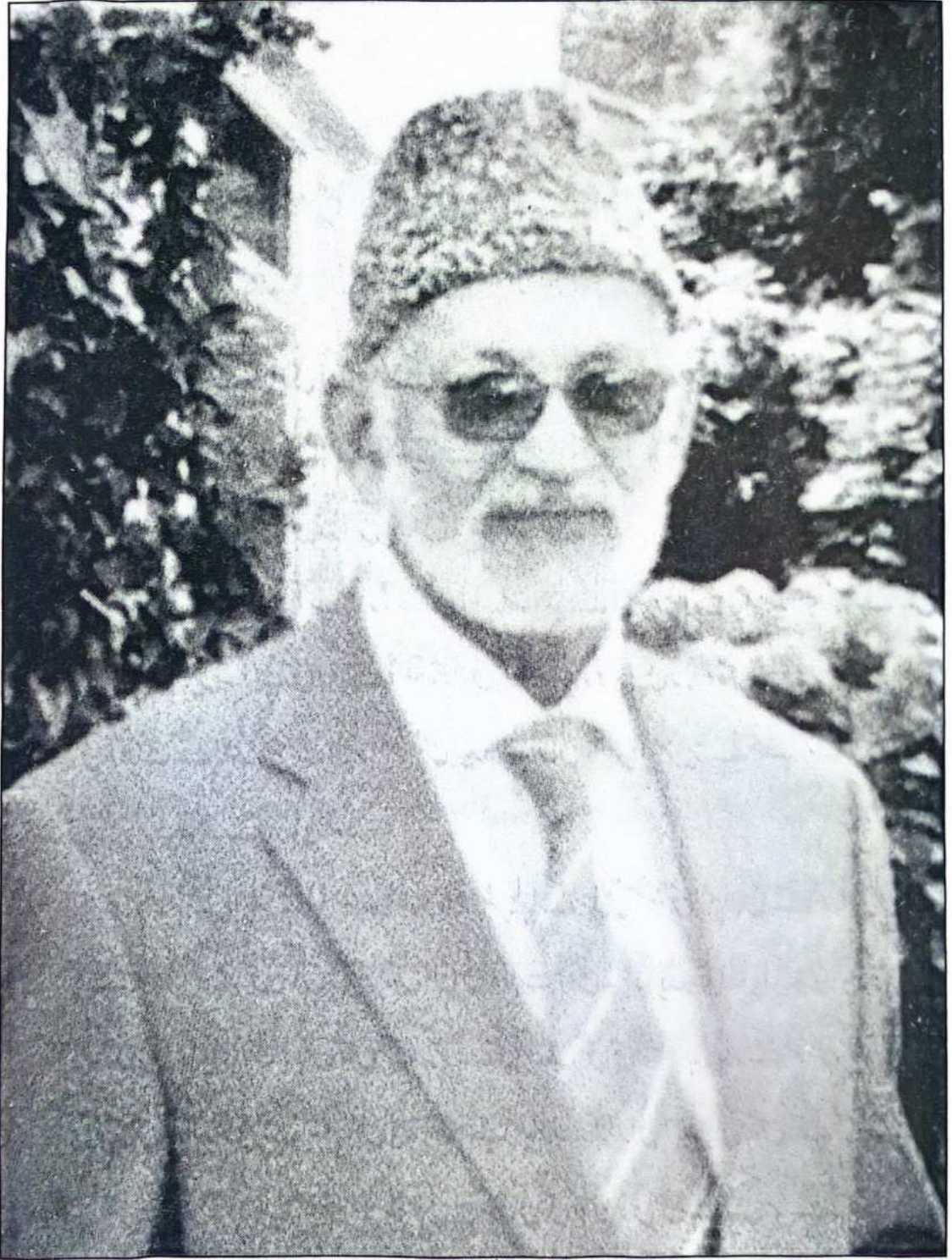
شکیل احمد منیر

کیا۔احمدیہ مشن واری (Warri) نائیجیریا کی مشرقی ریاستوں کے آٹھ سال تک ریجنل صدر رہے اور انہوں نے اوران کی اہلیہ نے نصرت جہاں اکیڈمی وا(Wa) کا آغاز کیا جو کہ نصرت جہاں سکیم کے تحت بننے والا، جاری ہونے والا پہلا سکول، کالج اور ادارہ تھا۔ آپ کو تبلیغ کا بھی بڑا شوق تھا۔ نائیجیریا میں دو نہایت کامیاب بین المذاہب سمپوزیم کا بھی انعقاد کروایا۔اس قیام کے دوران آپ نے اسلام اور عیسائیت پر کئی کتابیں بھی لکھیں۔ ان کی بعض کتابیں جو انہوں نے لکھیں یہ ہیں Islam in Spain، Shroud and other discoveries about Jesus، The reform taleem-el-islam course book اور نائیجیریا میں اپنے خرچ پر ایک مشن ہاؤس بھی انہوں نے بنوایا۔ایک رؤیا کے نتیجہ میں انہوں نے پھر اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کر دیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے ان کا وقف منظور فرمایا اور ان کو آسٹریلیا کا پہلا امیر اور مشنری انچارج مقرر فرمایا۔ چنانچہ 5رجولائی 1985ء کو آسٹریلیا تشریف لے گئے۔آسٹریلیا میں ان کے لئے ویزہ لینے کی مشکلات تھیں۔مسلمان مبلغ کو ویزہ نہیں دیتے تھے۔بہرحال وہاں ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب کی کوششوں سے یہ ویزہ بھی ان کو مل گیا اور انہوں نے کام شروع کیا۔آسٹریلیا کی جو مسجد بیت الہدیٰ ہے اور بڑی خوبصورت مسجد ہے اس کی تعمیر میں ان کا بہت ہاتھ ہے۔ 30رستمبر 1983ء کو اس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے رکھا تھا پھر اس کی تعمیر باوجود مالی حالات اچھے نہ ہونے کے بڑی محنت سے انہوں نے کروائی۔وقار عمل کے ذریعہ سے بہت سے کام کئے۔خود بھی وقار عمل کئے بلکہ کام کے دوران ایک دفعہ سیڑھی سے گر گئے اور ان کے بازو کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی لیکن پھر بھی انہوں نے مسجد کی تعمیر کا کام جاری رکھا اور ایک بہت خوبصورت اور بڑی مسجد وہاں بن گئی ہے۔خود اس وقت جب یہ گئے ہیں تو وہاں کوئی جگہ نہیں تھی۔ جہاں جماعت نے زمین خریدی تھی وہاں ایک ٹین کا شیڈ تھا۔اس شیڈ میں ہی ایک حصہ میں نماز ہوتی تھی اور دوسرے حصہ میں ٹین کی چھت ڈال کے اور کپڑے کی چھت ڈال کے یہ دونوں میاں بیوی رہتے رہے۔انہوں نے وہاں گزارہ کیا اور بڑی قربانی کی ہے۔ 1991ء میں ان کی تقرری پھر نائیجیریا میں ہوئی اور الارو (Ilaro) میں بطور پرنسپل جامعہ احمدیہ خدمات بجالاتے رہے۔ 1989ء میں جب جماعت احمدیہ کی صد سالہ جوبلی ہوئی ہے تو اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے قرآن کریم کی منتخب آیات کا دنیا کی سو زبانوں میں ترجمہ کرنے کی تحریک کی تھی۔ آسٹریلیا کے ذمہ ماؤری زبان کا ترجمہ سونپا گیا تھا۔جو ترجمہ اس وقت کروایا گیا اس کا معیار جب دیکھا گیا تو وہ

اچھا نہیں تھا بلکہ وہ کہتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ جس سے ماوری میں کروایا گیا تھا اس نے لکھا ہوا تھا h the name of Jesus ۔ تو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کو کہا کہ یہ ترجمہ تو صحیح نہیں ہے۔ پھر اس بڑھاپے میں انہوں نے خود زبان سیکھی۔ بڑی عمر میں زبان بھی سیکھی اور ترجمہ بھی مکمل کیا اور 2013ء میں جب مَیں نیوزی لینڈ گیا ہوں تو ماوری قرآن کریم کا ترجمہ مکمل طور پر وہاں کے ماوری بادشاہ کو پیش کیا گیا۔ اس تقریب میں بھی یہ شامل تھے۔ بڑے عاجز انسان اور بےنفس انسان تھے۔ نہ علمی بڑائی کا کوئی احساس تھا، نہ یہ احساس کہ مَیں نے قرآن شریف کا ترجمہ کیا ہے تو میرا کوئی مقام ہونا چاہئے۔ دنیا بھی انہوں نے کافی کمائی اور بغیر الاؤنس کے یہ مشنری کا کام انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کی اہلیہ کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ ہمیں قربانی کرنے والے ایسے مشنری دیتا رہے جو ہر لحاظ سے بےنفس اور عاجز ہوں۔ (بحوالہ خطبہ جمعہ 4 اگست 2017ء مطبوعہ اخبار بدر 25 اگست 2017)

آپ کی اہلیہ مکرمہ نعیمہ شکیل صاحبہ کی وفات 2 ستمبر 2017ء عیدالاضحیٰ کے دن کراچی میں ہوئی۔ آپ موصیہ تھیں۔ بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کا سلوک فرمائے۔ آمین

مکرم منور نوری صاحب اس وقت یوکے جماعت احمدیہ کے نائب سیکریٹری جنرل ہیں جو ایک بہت ذمہ داری کا عہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر رنگ میں جماعت کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

حکیم صاحب کی وفات پر خاکسار شہاب احمد کا مضمون

حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری کی وفات پر خاکسار نے اخبار بدر قادیان میں ایک مضمون ''حکیم خلیل احمد صاحب مرحوم شائع کیا تھا۔ وہ مضمون یہاں قارئین کے استفادہ کے لئے درج کیا جاتا ہے۔

''دنیائے احمدیت کو خادم احمدیت محترم حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری سابق ناظر تعلیم و تربیت قادیان کی وفات کی اطلاع مل چکی ہوگی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ خاکسار ذیل کی سطور میں فرمان نبوی اُذۡکُرُوۡا اَمۡوَاتَکُمۡ بِالۡخَیۡرِ کی تعمیل کرتے ہوئے محترم حکیم صاحب مرحوم کا کچھ ذکر خیر کرتا ہے۔ محترم حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری صوبہ بہار کے رہنے والے تھے اور اس علاقہ کے اولین احمدیوں میں سے تھے۔ مرحوم نے بمقام پٹنہ 1959ء میں خاکسار کو بتایا کہ انہوں نے سیدنا حضرت اقدس

مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بذریعہ خط بیعت کر لی تھی ابھی قادیان شریف جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مشیت ایزدی کے تحت مسیح پاک کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نہ کرنے کا برابر قلق رہا۔ حضرت حکیم صاحب پیشہ کے لحاظ سے تو حکیم تھے لیکن ساتھ ہی آپ ایک جیّد مذہبی عالم تھے۔ آپ کی تقریر اور تحریر سے آپ کے گہرے علم کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے وطن مونگھیر میں برسوں احمدیت کی بڑی شدید مخالفت ہوئی اور ہر قسم کے اعتراضات احمدیت پر ہوئے حکیم صاحب مرحوم نے معاندین صداقت کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ٹھوس دلائل سے مخالفین کو مسکت و لاجواب کیا۔ برسوں اس علاقہ میں آپ ہی جماعت احمدیہ کی نمائندگی کرتے رہے۔ مخالفین کے رد میں آپ کے پیش کردہ حوالہ جات اس قدر مدلل ہوتے تھے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے بھی ان کی تعریف کی۔

مونگھیر میں ایک مولانا بنام مولوی محمد علی صاحب ہوا کرتے تھے۔ صوبہ بہار میں احمدیت کی مخالفت میں مولوی صاحب موصوف کا نمبر سب سے اول ہے ان مولوی کو جب بھی معترضین سے سابقہ پڑا اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ مقابلہ کرنے میں قاصر ہیں۔ تب وہ اپنا کوئی آدمی مولوی خلیل صاحب مرحوم کے پاس اپنی مدد کے لئے بھیج دیتے۔ الغرض حکیم صاحب کا علم اتنا ٹھوس تھا کہ معاندین احمدیت بھی اس کے معترف تھے۔ مذہبی علم کے علاوہ آپ کی اردو بھی نہایت شستہ تھی۔ آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ مونگھیر میں احمدیت کی خدمت کرنے کے علاوہ آپ علاقہ ملکانہ اور مدراس وغیرہ میں بھی بطور مبلغ کام کرتے رہے اس کے علاوہ قادیان میں برسوں ناظر تعلیم و تربیت کا اہم عہدہ بھی نبھاتے رہے۔

حکیم صاحب کی زندگی اور خدمات پر تفصیلی مضمون تو وہی لکھ سکتا ہے جو اس کا اہل ہو۔ خاکسار اس جگہ آپ کا ایک انتہائی اہم خواب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہے یہ بھی بمقام پٹنہ 1959ء کا ذکر ہے کہ حکیم صاحب نے فرمایا کہ جن دنوں خلیفہ اولؓ اپنی آخری بیماری میں مقیم تھے حکیم صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خلیفہ اولؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کی جگہ مسیح پاک کے جلیل القدر صحابی حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ چند دنوں کے بعد خلیفہ اولؓ کا انتقال ہوا اور ان کے جانشین کے انتخاب کا

اہم سوال جماعت کے سامنے آیا۔ الٰہی تصرف کے تحت جماعت مومنین نے معصوم محمود کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور ان سے بیعت کی حضرت محمود کی سادگی کا یہ حال تھا کہ بیعت کے وقت جو عہد بلوایا جاتا ہے وہ بھی انہیں معلوم نہ تھا جب بیعت بیعت کے الفاظ ہر طرف گونجنے لگے تو ہمارے پیارے امام نے فرمایا کہ مجھے تو عہد بیعت بھی معلوم نہیں۔ اس وقت مولانا حضرت سید سرور شاہ صاحبؓ نے فرمایا کہ انہیں بیعت کے الفاظ یاد ہیں۔ پھر بیعت اس طرح لی گئی کہ پہلے مولوی صاحب موصوف نے عہد بیعت پڑھا۔ پھر خلیفہ وقت نے اسے دہرایا۔ اس کے بعد بقیہ احباب جماعت نے الغرض حکیم خلیل احمد صاحب نے خلیفہ اولؓ کے انتقال اور حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کے خلیفہ ہونے کے متعلق جو خواب دیکھا وہ اس طور پر پورا ہوا۔ افسوس کہ اب حکیم صاحب موصوف اس دنیا میں ہمارے درمیان موجود نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی خدمات کا صلہ کہیں بڑھ کر عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘

(ہفت روزہ بدر قادیان 11 فروری 1971ء صفحہ 5)

مولوی عبدالمجید

مبارک مونگھیری

اقبال مجیدی

مکرم مولوی عبدالمجید صاحب

مکرم عبدالمجید صاحب ساکن موضع حسنی ضلع مونگھیر بہار میں ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔آپ کے بارے میں مکرم عبدالکریم رضی صاحب نے اپنے مضمون ”تربیت کا اہم فریضہ اور بہار کی چار احمدی خواتین“ مطبوعہ ہفت روزہ بدر قادیان 4 مارچ 1976ء صفحات 7۔8 میں بہار میں احمدیت کی اشاعت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

”آج سے اسی سال قبل پنجاب کے ایک گمنام گوشہ سے ایک آواز اٹھی وہ صداقت اور ایمان کی حامل آواز ،ایسی پُر اثر تھی کہ دور ونزدیک کے بسنے والی سعید و مضطرب روحوں میں اس طرح پیوسط ہوگئی کہ اُن کے پورے وجود نے اس پکارنے والے کے وجود میں خود کو گم کر دیا۔ بہار کی وہ متبرک ہستیاں جنہوں نے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنے آقا کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیا۔اُن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔حضرت مولانا عبدالماجد صاحبؓ بھاگلپوری، حضرت علی احمد صاحبؓ بھاگلپوری، حضرت مولوی سید وزارت حسین صاحبؓ مونگھیری، حضرت ماسٹر محبوب صاحب مونگھیری، حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری، اور حضرت عبدالمجید صاحب مونگھیری وغیرہ ہم۔ یہ ہستیاں اپنے زمانہ کے جید عالم فاضل اور صاحب کمال بزرگ تھے۔علوم عربی فارسی وعلوم قدیمہ و مروجہ اور عقلی و نقلی میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے تحقیق و تفتیش کے بعد ادراک فہم کے ساتھ ایمان لانے کی سعادت حاصل کی اور مسیح محمد علیہ السلام کی اطاعت کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالا۔“ (مکمل مضمون کتاب ہذا کے صفحہ 216 میں درج ہے۔)

اسی طرح حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور حضرت میر قاسم صاحبؓ نے نومبر 1910ء میں مونگھیر کا تربیتی دورہ کیا تھا۔اس سفر کی تفصیلی روئداد سفر الف میلہ کے نام سے اخبار بدر قادیان 22 دسمبر 1910ء اور 5 جنوری 1911ء میں شائع ہوئی ہے۔اس میں آپ نے ذیلی سرخی احباب کا کچھ ذکر کے تحت بہار کے اولین احمدیوں کا ذکر کیا ہے جس میں مکرم منشی عبدالمجید صاحب کا نام درج ہے۔(مضمون ہذا حرف آخر میں درج ہے۔)۔

آپ کے بیٹے مکرم عبدالسلام صاحب ہنڈو نے اخبار الفضل 31 اکتوبر 1939ء میں اپنے والد محترم

کے حالات زندگی شائع کئے ہیں۔اسی طرح آپ کے پوتے مکرم اقبال مجیدی صاحب ساکن لندن نے اپنے دادا مکرم عبدالمجیدی صاحب کے جو حالات تحریری بیان کئے ہیں اُس کے روشنی میں آپ کی سیرت مختصر بیانکی جاتی ہے۔

پیدائش وابتدائی تعلیم

''مولوی عبدالمجید صاحب شمالی مونگھیر بہار کی بستی حسینا میں 1871ء کو پیدا ہوئے۔ یہ بستی اقتصادی عملی ادبی اور روحانی حیثیت سے ایک مقام رکھتی ہے۔اس بستی کے تمام باشندے بااستثناء ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔وہ سب خوشحال اورزمیندار تھے۔علمی لحاظ سے اس پورے دیار میں یہ بستی منفرد تھی۔ ہر گھر انگریزی تعلیم کا گہوارہ تھا۔ یہاں سب سے پہلے عبدالمجید صاحب انسپکٹر آف اسکولز اور انکے چھوٹے بھائی مولوی عبدالحمید صاحب ایڈووکیٹ علی الترتیب گریجوکیٹ تھے۔آپ دونوں بزرگوں نے 1899ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے گریجوکیشن کیا تھا۔

مرحوم نے 1891ء میں مونگیر ضلع سکول سے انٹرنس پاس کیا۔اورامتحان میں اول رہنے کے باعث چاندی کا تمغہ حاصل کیا۔ بھاگلپور کالج سے آنر کے ساتھ بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اورسونے کا تمغہ حاصل کیا۔ پھر وکالت کا امتحان دیا۔لیکن قدرت کواس پیشہ میں انہیں رکھنا منظور نہ تھا۔اس لئے کامیاب نہ ہو سکے۔مرحوم نے کچھ عرصہ سوپول ضلع بھاگلپور کے ہائی سکول میں ملازمت کی۔اوراپنے اخلاق حسنہ اور سنجیدگی طبیعت کی بنا پر وہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں ہردلعزیز ہو گئے۔

احمدیت سے تعارف

انہی دنوں مکرم عبدالمجید صاحب سلسلہ احمدیہ کے اخبارات اور تصانیف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کے سنگسار ہونے کی جب انہیں خبر ملی تو پھوٹ پھوٹ کر روئے۔اورکئی روز تک کھانا نہ کھا سکے۔

اسی تحقیق وتفتیش کے دوران میں آپ نے ایک رسالہ بنام ''انہ حمید مجید۔ایک حق طلب کی فریاد'' لکھا۔مرحوم نے اس رسالہ میں جو دلائل احمدیت کی تائید میں تحریر کئے تھے۔ان کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا۔

''ایک غیر احمدی گریجویٹ کی کتاب دیکھی۔اور میں نے اس کے حق میں بہت دعائیں کیں۔'' (یہ تحریر اس وقت کے الحکم کے پرچے میں شائع ہو چکی ہے) غالباً اسی دعا کا اثر تھا کہ مرحوم نے اس کے بعد بیعت کرلی۔اور قادیان جا کر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ سے شرف نیاز حاصل کیا۔ بیعت کے بعد آپ نے ایک دوسرا رسالہ لکھا جس کا نام ''اظہار الحق'' ہے۔ پہلا رسالہ اس قدر مقبول ہوا کہ پنجاب کے کونے کونے سے مانگیں آتی تھیں۔ مرحوم کی تبلیغ خاموش لیکن مؤثر تھی۔ چنانچہ ہمارے گاؤں کے لوگ بھی احمدیت کے متعلق حسن ظنی رکھنے لگے۔اور بعض نے بیعت کرلی۔

سو پول اسکول کی ملازمت کے بعد والد مرحوم اسکول سب انسپکٹر کے عہدہ پر ضلع پورنیہ میں کئی سال رہے۔ وہاں کی آب وہوا نے آپ کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا۔اس کے بعد مرحوم سکرٹریٹ میں مترجم کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ پھر پٹنہ تبدیل ہو کر آئے۔ بعدہٗ پٹنہ ہائی کورٹ میں لے گئے۔

خدا تعالیٰ کی توحید کو قائم کرنے والے

آپ کے بیٹے مکرم عبد السلام صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

والد مرحوم نہایت با اخلاق اور خوش طبع تھے۔لیکن دینی غیرت کمال کو پہنچی ہوئی تھی جس کے ثبوت میں ایک واقعہ کا بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔اس واقعہ کا مولوی علی احمد صاحب (سابق پروفیسر ٹی۔این جوبلی کالج بھاگلپور) اکثر ذکر کیا کرتے۔اور والد مرحوم کو یاد کر کے بہت مغموم ہو جاتے ہیں۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ موضع جینا ضلع مونگھیر میں ایک دفعہ دریا کی طغیانی کی وجہ سے پرزور سیلاب آگیا۔بستی کے لوگوں کو چونکہ مولوی محمد علی صاحب مونگھیری کے متعلق بہت عقیدت تھی۔ اس لئے انہوں نے خانقاہ مونگھیر میں جا کر فریاد کی۔ مولانا محمد علی نے کسی اپنے مقرب کو بھیجا جنہوں نے آکر دریا کے کنارے ایک جھنڈا نصب کر دی۔اور کہہ دیا کہ اب اس جگہ سے دریا بڑھنا بند ہو جائے گا۔ والد مرحوم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ اس مقام پر تنہا گئے۔اور جا کر جھنڈا دیکھا پھر آپ نے دعا کی کہ اے خدا اگر دریا کا ہٹنا اب بند ہوگا۔تو لوگ مشرک ہو جائیں گے۔اور مخلوق پرستی اور ترقی کر لے گی۔ مجھ کو منظور ہے۔کہ میرا امکان معہ سامان غرق ہو جائے۔لیکن تیری توحید کو لوگ نہ بھلائیں۔ چنانچہ رات ہی کو جھنڈے سمیت بستی کا بہت سا حصہ دریا بُرد ہو گیا۔

مرحوم اکثر سچی خوابیں دیکھتے۔اور الہام سے بھی مشرف تھے۔ دعائیں بہت قبول ہوتیں سلسلہ کے تمام

رسالہ جات واخبارات منگواتے اور بغور مطالعہ کرتے 1914ء میں جب قادیان تشریف لے گئے ایک خط حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ توسینکڑوں کے مجمع میں حضرت خلیفہ اوّل ؓ کی قیافہ شناس آنکھوں نے آپ کوفوراً شناخت کر کے پاس بلایا۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اس وقت نوجوان تھے۔ والدمرحوم کہتے کہ میرا دل کہتا تھا کہ حضرت خلیفہ اول کے بعد یہی شخص خلافت کا اہل ہے۔

والدمرحوم درودشریف کثرت سے شب کو پڑھتے۔ خوف الٰہی ہر وقت اور ہر لحظ مستولی تھا۔ نمازوں میں کبھی کبھی چیخ کی آواز نکل جاتی۔ تبلیغ کا پیرایہ نہایت احسن تھالیکن بحث مباحثہ سے ہمیشہ پرہیز رہا۔

وفات

مرض الموت میں مرحوم کویقین کامل تھا کہ جانبر نہ ہوسکیں گے۔ اسی بناء پر مختصر سوانح بلکہ وصیت لکھ کر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں ارسال کردی تھی۔ مرض ذیابطیس نے بالکل کھوکھلا کر دیا تھا۔ علاج و دوا تیمارداری میں کوئی کسر نہ رہی۔ مگر قضاء کے آگے تمام تدبیریں بیکار ہوگئیں۔ اور آپ یکم اگست 1919ء بروز جمعہ وفات پاکر اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ کے پوتے مکرم اقبال مجیدی صاحب بیان کرتے ہیں کہ دادا جان کے انتقال پر پٹنہ ہائی کورٹ بندرہا۔ چیف جسٹس کا ان کے انتقال پر یہ کہنا تھا کہ ’’آہ ہم نے ایک ولی کھودیا‘‘ مولوی عبدالمجید صاحب کے بارے میں چیف جسٹس کا یہ کہنا دراصل ان کی ایمانداری اور سچائی کی دلیل تھی۔

مکرم عبدالمجید صاحب کی وفات کے پورے 19 سال کے بعد آپ کی اہلیہ صاحبہ کا 1938ء میں انتقال ہوا۔ مرحومہ اپنی فطری ہمدردی اور خوش خلقی کی بناء پر ہر دلعزیز تھیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور بلندی درجات عطا کرے۔

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان 31 اکتوبر 1939)

تعارف کتب:

آپ نے دو کتب تالیف فرمائیں۔ (1) ایک حق طلب کی فریاد (2) اظہار حق۔

ان دونوں کتب کا مختصر تعارف مکرم حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری سیکریٹری انجمن احمدیہ مونگھیر نے اپنی کتاب ’’اسرار نہانی ابواحمد رحمانی‘‘ کے آخر میں بہار کے علماء کرام کی فہرست کی ضمن میں دیا ہے۔

چنانچہ ان کے تعارف میں لکھا ہے کہ

ایک حق طلب کی فریاد۔ ایک غیر احمدی گریجوئٹ کی طرف سے آسمانی فیصلہ(مصنفہ ابو احمد رحمانی مونگھری) کا منصفانہ جواب اور مولویوں کے سامنے حق طلبی کی فریاد جب کسی مولوی نے ایک طالب حق کی فریاد نہ سنی تو خدا نے اس کی فریاد سنی۔ اب وہ خدا کے فضل سے مخلص احمدی ہے۔(کتاب مفت تقسیم ہوئی۔مصنف)

اظہار حق جناب مولوی عبد الحمید صاحب ساکن حسینہ ضلع مونگھیر گورنمنٹ ٹرانسلیٹر گلزار باغ پٹنہ کی احمدی ہونے کی قابل قدر تصنیف ہے۔ جس میں مولوی عصمت اللہ صاحب متوفی اور مولوی محمد علی عرف ابو رحمانی صاحب کی باتوں اور داروغہ عبد الرحمٰن کے ایک رسالہ کا باوقعت جواب نہایت تہذیب وشائستگی کے ساتھ متین لہجہ میں دیا گیا ہے۔'' (کتاب مفت تقسیم ہوئی۔)

(بحوالہ اسرار نہانی ابو احمد رحمانی مصنفہ حکیم خلیل احمد صاحب ٹائٹل پیج صفحہ 3)

اولاد:

مولوی عبد المجید صاحب کے تین بیٹے تھے۔

1۔ مکرم مولوی عبد السلام صاحب۔ 2 مکرم مولوی محمد شفیع صاحب۔ 3 مکرم مبارک احمد صاحب قلمی نام مبارک مونگھری

مولوی عبد المجید صاحب کے بڑے بیٹے مکرم مولوی عبد السلام صاحب 1901ء میں حسینی ضلع مونگھیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات 31 مارچ 1943ء کو رانچی میں ہوئی۔ آپ نے 1920ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے بی اے بی ٹی کا کورس مکمل کیا بعدہ انسپکٹر اسکولز رانچی بہار انڈیا کے طور پر نوکری کی۔ آپ کی شادی مکرمہ مسعودہ خاتون صاحبہ بنت مکرم محمد حبیب صاحب ساکن حُسینی سے ہوئی تھی۔

آپ کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم سلطان احمد صاحب مرحوم (2) مکرمہ سلیمہ خاتون صاحبہ مرحومہ اہلیہ مکرم سفیر الدین صاحب برادر مکرم نصیر الدین صاحب بیگوسرائے۔(3) ناصرہ خاتون صاحبہ کلکتہ (حین حیات) اہلیہ مکرم سیف الدین صاحب مرحوم ابن مکرم منشی شمس الدین صاحب (4) مکرم عرفان احمد صاحب ساکن سلی کون ویلی امریکہ۔(5)

مکرمہ علیمہ خاتون صاحبہ ڈھاکہ زوجہ شمس العارفین صاحب مرحوم مونگھیر ۔(6) مکرمہ سعیدہ خاتون صاحبہ اہلیہ مکرم ضمیر الدین صاحب مرحوم (7) مکرمہ نفیسہ خاتون صاحبہ اہلیہ مکرم محمد احمد صاحب مرحوم

اس وقت ایک بیٹا مکرم عرفان احمد اور چار بیٹیاں حیات ہیں۔

مولوی عبدالمجید صاحب کے دوسرے بیٹے مکرم مولوی محمد شفیع مرحوم ہیں۔

آپ کے تین بیٹے تھے۔جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مکرم مظفر الحمد آتش مرحوم ،(2) مکرم منظر احمد کراچی مرحوم ،(3) مکرم پروفیسر منعم باللہ مرحوم چٹاگنگ بنگلہ دیش۔دو بیٹیاں جن میں سے ایک کا انتقال ہو گیا ہے۔مکرم مظفر الحمد آتش کا چھوٹا بیٹا مکرم منصور جماعت کے ادارہ میں چارٹرا کاؤنٹنٹ ہے۔

مکرم مولوی عبدالمجید صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے مکرم مبارک احمد قلمی نام مبارک مونگھری ، اپنے دور کے ممتاز شاعر تھے۔مبارک مونگھری اپنے والد عبدالمجید صاحب کے انتقال کے سے پانچ برس قبل 10 جنوری 1914ء میں اپنے گاؤں موضع حسنی میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد مبارک مونگھری کی پرورش اور تعلیم و تربیت ان کے برے بھائی مولوی عبدالسلام صاحب نے کی۔اپنے بھوپھا مکرم وصی صاحب سے شاعری میں استفاذہ کیا۔عین جوانی میں مولوی عبدالسلام صاحب نے مبارک مونگھری کی تربیت کے لئے انہیں بہار سے قادیان بھیج دیا جہاں سے مبارک مونگھیری سماٹرا جاوا انڈونیشاء جماعتی تبلیغ کے حوالہ سے گئے۔ تقسیم ہند سے قبل ہندوستان میں واپس آئے۔1947ء میں ہندوستان سے پاکستان آ گئے۔اور محکمہ ریلوے میں منسلک ہو گئے۔1971ء میں بنگلہ دیش کے قیام کے بعد کراچی آ گئے۔ جہاں وہ اردو کے ممتاز شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ 6اکتوبر 1988ء میں ان کے انتقال کے بعد کراچی کی ایک سڑک مبارک مونگھیری کی نام سے منسوب ہے۔ بہار بیگوسرائے بھارت کے ایک پروفیسر محمد شرف الدین نے ''مبارک مونگھیری حیات و شاعری'' کے عنوان پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔

مبارک مونگھری صاحب کی اولادوں میں دو بیٹے تین بیٹیاں ہیں۔

(1) نام معلوم نہ ہوسکا۔(2) مکرمہ بشریٰ خاتون صاحبہ مرحومہ (3) مکرمہ سارہ صاحبہ کراچی (4) مکرم

اقبال مجیدی صاحب لندن (5) مکرمہ شاہدہ صاحبہ کراچی

مکرم اقبال مجیدی صاحب لندن میں مقیم ہے اور معروف شاعر ہے۔

مبارک مونگھیری صاحب کے پانچ مجموعہ کلام شائع ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں: ''صحرا سے گلستاں تک''(شعری مجموعہ)، ''ذکر ارفع''(نعتیہ مجموعۂ کلام) ''بوجھوتو جانیں''(منظوم خاکے) ''سیل خوں'' (طویل نظم)۔

(بحوالہ: پیمانۂ غزل جلد 2 مصنفہ محمد شمس الحق، صفحہ 51)

آپ کا نمونہ کلام مندرجہ ذیل ہے

حمد باری تعالیٰ

غم کب مجھے اس کا ہے کہ غم کھاتا ہوں
ہر زخم بہ امید کرم کھاتا ہوں
گذرا نہ کبھی یاس کا خطرہ دل میں
یارب تری رحمت کی قسم کھاتا ہوں

یہ ملک ہے تیرا، بادشاہی تیری
ہر شے پہ حکومت ہے الٰہی تیری
ہاں کون مقابل مرے آسکتا ہے
حاصل ہے مجھے پشت پناہی تیری

کون آج یہاں تیرے سوا ہے میرا
لے دے کے تو ہی عقدہ کشا ہے میرا
آخر میں مدد مانگوں تو کس سے مانگوں
جُز تیرے کوئی اور خدا ہے میرا

رحمت کی نظر ڈالنے والا تو ہے
ہر آفت میں غم ٹالنے والا تو ہے
اے رازقِ کل تُو اسے ثابت کردے
دعویٰ ہے مرا پالنے والا تو ہے

میرے مالک مسبب الاسباب
کھول دے مجھ پر رحمتوں کے باب
تیری بخشش کو جانتا ہوں میں
ترزق من تشا بغیر حساب

سلام

بخدمت حضرت محمد مصطفیٰ، فخر انبیاء، احمد مجتبیٰ حضور انور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

شاعر مبارک مونگیری

ترے در پر جبیں فرسا عرب والے، عجم والے
ترے محتاج رحمت ہیں سبھی دیر و حرم والے
تری چوکھٹ پہ کاسہ لیس اجلال و حشم والے
ترستے ہیں غلامی کو تری طبل و علم والے
لئے کاسہ گدائی کا کھڑے ہیں جام جم والے
سلام اے رَحْمَۃ اللّعالمیں لطف و اتم والے

سلام

بحضور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

سلام اے عیسیٰ دوراں سلام اے فضلِ رحمانی
سلام اے مہدیٔ اعظم سلام اے شانِ ربانی
جریٔ اللہ بن کر حُلّہ ہائے انبیاء لے کر
سلام اُس پر جو آیا تھا بروزی مرتبہ لے کر
فضائے مادّیت میں وہ وجودِ کبریا پایا
سلام اُس پر کہ زار روس کا جس نے عصا پایا

نبوّت کی سند لے کر غلامی کا مقام آیا
سلام اُس پر کہ جس پر مصطفیٰؐ کا خود سلام آیا
وہ گوشہ گیر گمنامی محمدؐ کا وہ دیوانہ
سلام اُس پر ملا جس کو مسیحائی کا پروانہ
فقط آقاؐ کی خاطر جو سرِ میداں نکل آیا!
سلام اُس پر پلٹ دی جس نے بڑھ کر دین کی کایا

پرخچے زعمِ باطل کے اڑا کر رکھ دیئے جس نے
سلام اُس پر کہ قصر کفر ڈھا کر رکھ دیئے جس نے
سلام اُس پر قلم جس کا چلا تیغِ دو دم بن کر
سلام اُس پر کہ آیا جو سلطان القلم بن کر

سلام اُس پر ثریا سے جو پھر ایمان لے آیا
بعد اندازِ سلمانی جو پھر قرآن لے آیا
سلام اُس پر کہ مذہب کا اجالا کر دیا جس نے
اصولِ دین کے ہر مضموں کو بالا کردیا جس نے

کیا باطل زمانے میں صلیبی ادّعاؤں کو
سلام اُس پر کہ مارا جس نے مصنوعی خداؤں کو
سلام اُس پر دیارِ کفر میں جب نام آتا ہے
کلیسا اُس کی ہیبت سے ابھی تک تھرتھراتا ہے

سلام اُس پر خلیلی شان جس پر ناز کرتی ہے
کہ آگ اُس کے غلاموں کے غلاموں سے بھی ڈرتی ہے
سلام اُس پر کہ جس کے صبر کا چھلکا تھا جام آخر
وہ جس کی بددعا سے کٹ مرا تھا لیکھرام آخر
غلامِ مصطفیٰؐ کی دیکھ کر شانِ گرامی کو
سلام اُس پر کہ کفر آیا تھا خود جس کی سلامی کو

سلام اُس پر زمانے میں جو یکتا تھا نرالا تھا
جو خالی ہاتھ تھا لیکن سہام اللّیل والا تھا
پہنچی تھی سرِ عرشِ بریں آہِ رسا جس کی
شہادت دے رہی ہے آج تک بیت الدّعا جس کی

سلام اس پر جو بے اذنِ شفاعت سرفراز آیا
سلام اُس پر جسے پروانۂ انت المجاز آیا
اجابت منتظر رہتی تھی خود جس کی دعاؤں کی
سلام اُس پر بدل دی جس نے قسمت بے نواؤں کی

مشیّت کو بھی سانچے میں دعا کے ڈھالنے والا
سلام اُس پر جو تھا تقدیرِ مبرم ٹالنے والا
خدا کی رحمتیں نازل مبارک ہوں مدام اُس پر
سلام اُس پر درود اُس پر، درود اُس پر سلام اُس پر

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 20 مارچ 2015ء صفحہ 16)

حرف آخر

خاکسار نے 2012ء میں یہ لکھنا شروع کیا کہ ہمارے خاندان یعنی سید خاندان میں احمدیت کی نعمت کس طرح آئی اور یہ نعمت کیسی پروان چڑھی اس دوران میرے مددگار بلکہ محسن مکرم شیخ مجاہد احمد صاحب شاستری قادیان نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں بہار کے سارے اصحاب احمد کا ذکر کروں۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے سالہا سال میری مدد کی۔ اگرچہ یہ کام میرے جیسے کم علم انسان کے بس کی بات نہیں تھی پھر بھی رحمٰن خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اس مشکل کام کو شروع کیا اور اپنی استعداد کے مطابق بہار کے 18 اصحاب احمد اور اُن کے اہل عیال کے حالات جمع کئے اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا اس کا فیصلہ تو پڑھنے والے ہی کر سکتے ہیں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اُس نے اس عاجز کو اس عظیم کام کی توفیق عطا فرمائی۔

خاکسار نے اس کتاب میں بہار کے اصحاب احمد اور بہار کے دو جید عالم دین حضرت عبد المجید صاحب اور حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھری کا ذکر خیر کیا ہے۔ دونوں بزرگ ضلع مونگھیر کے رہنے والے تھے افسوس کے انہیں دستی بیعت کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ اگرچہ حکیم صاحب سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت نہ کر سکے تھے لیکن تحریری بیعت کی تھی۔ آپ کی خدمات غیر معمولی ہیں اس لئے آپ کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ ان اصحاب کے علاوہ اور بھی کئی خوش قسمت انسانوں کو امام الزماں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ یا قریب زمانہ میں آپ کی بیعت اور غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن افسوس کہ خاکسار اُن تمام کے حالات جمع نہیں کر سکا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اور کو یہ توفیق دے کے وہ اس تحقیق کو مزید آگے بڑھا سکے۔

مستقبل کے مصنفین لئے بطور نمونہ ایک حوالہ درج کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت میر قاسم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نومبر 1910ء میں مونگھیر کا تربیتی دورہ کیا تھا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ مرکز احمدیت قادیان سے مونگھیر میں علماء کرام شریک ہوئے تھے۔ اس سفر کی تفصیلی روئیداد حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **سفر الف میلہ**

کے نام سے اخبار بدر قادیان 22 دسمبر 1910ء اور 5 جنوری 1911ء میں شائع فرمائی ہے۔ یہ تفصیلی روئداد ہے۔ اس میں آپ نے ذیلی سرخی ''احباب کا کچھ ذکر'' کے تحت درج کیا ہے کہ اس میں آپ سید برادران اور حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری، بابو اختر علی صاحب کورٹ انسپکٹر اور حکیم خلیل احمد صاحب کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

''**مولوی احسان الحق** صاحب بی اے پیش کار کے چہرے سے جو نیکی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے ہے وہ ان پر حق تعالیٰ کا خاص احسان ہے۔ اے محسن حقیقی تو اس عزیز دوست پر اپنا احسان پیش پیش کر۔ آمین۔ **منشی محمد سعید الحسن صاحب مختار** جنہوں نے اپنے باپ کا ایک شاندار مکان مسجد بنا کر انجمن احمدیہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اور اس طرح نہ صرف اپنے لئے اپنے بزرگوں کے واسطے ایک دائمی ثواب کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ مختار صاحب عام مناظروں میں ایک خاص لیاقت رکھتے ہیں۔ مخالفین کے سوالات کا حاضر اور مختصر جواب دینا انہیں خوب آتا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ **حکیم محمد حسن صاحب** سورج گڑھ اپنے اندر ایمانی قوت کا ایک خاص جوش رکھتے ہیں **حکیم عبدالحیٔ صاحب** جو بیگوسرائے میں رہتے ہیں۔ **عزیزم نسیم احمد صاحب عرف منظور عالم** جو قادیان بھی ہو گئے ہیں اور جوشیلے نوجوان ہیں۔ یہاں ہمیں عزیز دوست **عبد الغفار صاحب سب انسپکٹر پولیس** ساکن شاہ آباد کی ملاقات سے خاص عزت حاصل ہوئی اور **برادر عزیز عبدالعزیز** پسر ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب بہار سے ہماری ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ انکے علاوہ بعض دیگر احباب کے اسما گرامی یہ ہیں۔ حکیم ابو الاحد صاحب، حکیم سعید الحق صاحب، مولوی اکرام الحق صاحب، شیخ ماجد حسین صاحب، شیخ عبدالنعیم صاحب، شیخ محمد جان صاحب، شیخ رحیم اللہ صاحب، سید علی کریم صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب، شیخ طفیل احمد صاحب، محمد سلطان احمد صاحب، ولایت شاہ صاحب، شیخ اوجیو صاحب، شیخ علی بخش صاحب، شیخ ابوالحسن صاحب، منشی عبدالمجید صاحب، محمد حبیب صاحب، محمد عیسی صاحب، محمد نور صاحب، حبیب الرحمٰن صاحب، محمود احمد صاحب، سید عبدالعزیز صاحب، شیخ ولایت حسین صاحب، شیخ علی جان صاحب، شیخ عابد حسین صاحب، شیخ محمد یحیٰ صاحب، سید ذاکر حسین صاحب، شیخ عبدالروف صاحب، محمد اشرف صاحب شیخ رسول بخش صاحب، شیخ صابر علی صاحب شیخ جماعت علی صاحب رحیم بخش صاحب مولوی آصف حسن صاحب۔ طالب کریم صاحب، مولوی علی حسن صاحب ایک

عزیز دوست کا ذکر رہ گیا نہ اس واسطے کہ وہ مجھے یاد نہیں بلکہ اس لئے کہ ان کے ذکر میں خصوصیت ہے۔ ان کا اسم گرامی **مولوی ماسٹر محبوب علی صاحب**۔

ماسٹر صاحب موصوف بشمولیت اپنے فرزندار جمند عزیز فضل الٰہی قمر الہدیٰ ی مذکورہ بالا شہروں کے برابر ہمارے رفیق راہ رہے۔ مونگیر، جمال پور، سورج گڑھ، اور ین بھاگلپور۔ ہر جگہ وہ ہمارے ساتھ ساتھ تھے۔ ایک دم ان کو ہماری جدائی منظور نہ تھی۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا محبوب بنائے اور محبوب علی کو اپنے داد وہش سے ایسا بھر دے کے وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ ماسٹر صاحب کے ایک فرزند شمس الھدیٰ ی صاحب بھی احمدی ہیں نیز اُن کے داماد محمد عبد العزیز بھی داخل بیعت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو استقامت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔"

(ہفت روزہ اخبار بدر قادیان 5 جنوری 1911ء صفحہ 5۔6)

تحقیق کا کام کبھی آخری منزل تک نہیں پہنچ سکتا خاکسار نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ بات کو صحیح لکھے۔ لیکن میں یہ دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا کہ صد فی صد درست ہے۔ اس کتاب میں جہاں کہیں بھی کوئی غلطی نظر آئے۔ تو وہ اس کی نشان دہی کر دیں تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی درستی اور اصلاح کی جا سکے۔

ضمیمہ

کتاب کے شروع میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صوبہ بہار کے احباب کی جنوری 1947ء کی ایک یادگاری تصویر درج کی گئی ہے۔اس تصویر کے جو اسماء معلوم ہو سکے اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔سید شہاب احمد۔

پہلی قطار زمین میں بیٹھی ہوئی۔(بائیں سے دائیں۔)

(1)۔نامعلوم۔(2)نامعلوم۔(3)سید خالد احمد ابن سید مصطفیٰ احمد۔(4)نامعلوم۔(5)سلیمان صاحب۔(6)سید منور احمد ابن سید وزرات حسین۔(7)سید نجم الحق۔(8)طلحہ بن ظریف۔(9)محمد حافظ(حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قدموں میں)(10)زید بن عبد القادر۔(11)رفیع احمد(12) اُسامہ بن ظریف۔(13)داؤد ملک۔(14)محمد مسعود عالم۔(15)ڈاکٹر عقیل بن عبد القادر۔ (16)حافظ سید محمد انور(سیڑھیوں کے نیچے کھڑے ہوئے)

دوسری لائن کرسیوں پر(اس لائن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تشریف فرما ہیں۔)بائیں سے دائیں۔

(17)۔عزیز الدین(18)۔مولوی سید محمد ایوب(قانونگی).(19)۔ملک محمد اسماعیل(ڈائریکٹر ویٹرنٹی ڈیپارٹمنٹ بہار)(20)۔محمد ایوب(ڈپٹی کلکٹر)(21)۔پروفیسر علی احمد۔

22۔حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ

(23)۔صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب ابن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ(24)۔مولوی حکیم خلیل احمد صاحب۔(25)۔حضرت میاں عبد الرحیم(26)۔حضرت حافظ سید فضل کریم(کھڑے ہوئے)

تیسری لائن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بالکل پیچھے۔دائیں سے بائیں۔

(27)۔مولوی نصیر الدین(28)۔ڈاکٹر سید شوکت احمد ابن ڈاکٹر ایس ایم قمر الھدیٰ(29)۔ڈاکٹر سید محسن احمد ابن سید وزارت حسین(30)۔ماجد اختر(31)۔ابوظفر محمد اسماعیل(32)ایس ایم شاہد احمد ابن ایس ایم رشید الدین(33)۔خان میر صاحب(معاون خاص)(34)۔شکیل احمد منیر(حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی کے بالکل پیچھے ((35)نور محمد (معاون حفاظت خاص)(36)۔محمد حافظ اختر۔(37) سید یوسف احمد ابن سید مصطفی احمد۔(38)۔ایس این جمیل (39)۔قمر الحق (40)۔الیاس۔

چوتھی لائن (بائیں سے دائیں)

(41) نامعلوم (42) نامعلوم (43) نامعلوم (44) نامعلوم (45) نامعلوم (46) نامعلوم (47) نامعلوم (48) نامعلوم (49) سیدزین العابدین (واقف زندگی)(50) سید نور الحق (واقف زندگی) (51) ڈاکٹر سید منصور احمد ابن سید ارادت حسین (52) محمد اکرام الحق (ریٹائرڈ اکاؤنٹنٹ)(53) حکیم سید عبد الهادی۔

پانچویں لائن (بائیں سے دائیں)

(54) بشیر الدین۔(55) محمود علی۔(56) ڈاکٹر ابوالحسن۔(57) مبارک احمد۔(58) محمد نور عالم (واقف)(59) محمد عبدالکریم۔(60) محمد زکریا اسماعیل۔(61) محمد فضل۔(62) سید غلام مصطفی۔

چھٹی لائن (بائیں سے دائیں)

63۔ایس ایم شہاب احمد ابن ڈاکٹر ایس ایم رشید الدین 64۔سید داؤد احمد ابن ڈاکٹر سید منصور احمد 65 پروفیسر عبدالرحمان 66۔ایس ایم تسنیم احمد ابن ڈاکٹر ایس ایم رشید الدین 67۔محمد اختر علی 68۔ایس ایم وسیم احمد ابن ڈاکٹر ایس ایم رشید الدین 69۔مولوی سید محمد موسی (سونگڑہ)70۔مولوی شجاعت علی (انسپکٹر)71۔مولوی سید فضل عمر (سونگڑہ)72۔سید عبدالسلام (واقف زندگی)

سڑھیوں پر (بائیں سے دائیں، نیچے سے اوپر)

(73) ملک محمد انور (74) سید ظفر احمد (75) پروفیسر محمد یحیٰ (76) حکیم احتشام الحق (77) سید عبد الستار (78) پروفیسر عباس بن عبد القادر (79) حمزہ بن عبد القادر (80) پروفیسر سید فضل احمد (81) مولوی سمیع اللہ (82) سید محمد اصغر۔

مزید رابطے کے لئے نمبر:

CANADA

SHAHAB AHMAD

Telephone number: 780-450-9638

Email: shahabahmad@hotmail.ca

INDIA

SHAIKH MUJAHID AHMAD SHASTRI

Telephone number: 0091-9915379255

Email: mujahidqadian@gmail.com

United Kingdom

Dr NAEEM AHMAD

Telephone number: (0044) 1623478463

Email: roomi.ahmad@gmail.com

واخر دعونا عن الحمد للہ رب العالمین

❁❁❁❁❁

صوبہ بہار کے اصحابِ احمد

ڈاکٹر سید شہاب احمد، کینیڈا

SOOBA BIHAR KE ASHAAB-E-AHMAD

COMPILED BY

DR. SYED SHAHAB AHMAD, CANADA